رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

معارف

مجلس دارالمصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جولائی سنہ ۱۹۲۶ء

قیمت ۵ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دارالمصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

دار المصنفین اعظم گڈھ

کی

خاص کتابیں (ٹائیٹل کے صفحوں پر)

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اول طبع دوم تقطیع ۲۰×۲۶ حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ . . . . . ۔ے اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کار نامہ نبوی تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات، اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلی تقطیع کلاں

ایضاً حصہ دوم طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلاں قسم اول قسم سوم

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، . . . ۔ے

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس . . . .

الغزالی، امام غزالی کی سوانح عمری اور ان کا فلسفہ،

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانح عمری اور انکے اجتہادات اور مسائل

سوانح مولانا روم، مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانح عمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ . . . . . .

رسائل شبلی، مولانا کے مختلف علمی مضامین کا مجموعہ،

مقالات شبلی، مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ،

سوانح خسرو، خسرو کے حالات زندگی اور انکی شاعری پر ریویو

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز و تدوین کا دور، . . . . ۔ے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور،

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور،

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو، ۔ے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ

الانتقاد علی تمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی زبان میں ریویو

موازنہ، انیس و دبیر مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ ۔ے

سفرنامہ، روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر پر اعتراضات اور انکے

جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع،

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اور اسکی عہد بعہد کی ترقیاں علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس

الکلام، مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ و منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ جو ابتک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اب یہ سب یکجا کر دیئے گئے ہیں، ۲۰×۲۶ کے کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، شملہ، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت گذشتہ چہل سالہ عہد بعہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلی، ۔

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اسکے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض مجہول حقائق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورۂ والذاریات، . . . .

تفسیر سورۂ اللہب . . . . .

تفسیر سورۂ والتین . . . . .

تفسیر سورۂ والکوثر . . . . .

تفسیر سورۂ القیامہ . . . . .

تفسیر سورۂ عبس . . . . .

تفسیر سورۂ والمرسلات . . . . .

الرأی الصحیح فی من ھو الذبیح، عربی میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ ہے، یہود، عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع قمع کر دیا ہے،

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈھ

کی

اٹھارہویں جلد

از

جولائی سنہ ۱۹۲۶ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف دارالمصنفین اعظم گڈھ

فہرست مضامین

جلد ہژدہم جولائی سنہ ۱۹۲۶ء - دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

فہرست مضمون نگاران معارف

جلد ہژدہم جولائی سنہ ۱۹۲۶ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

بہ ترتیب حروف تہجی

شعراء

کے مطالعہ و تحقیقات مین مصروف ہین، انکی تحقیق اس سے قبل، یہ ثابت کرنے مین کامیاب ہو چکی ہے، کہ یورپ کے قرون وسطی کے مشہور حکیم سینٹ ٹامس اکیوناس، اور ریمنڈ لل مسلمان حکما کی تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر رہے ہین، اور انھون نے جو کچھ کہا اور لکھا ہے، اس مین گویا علی الترتیب ابن رشد اور شیخ ابن عربی کی شاگردی کا حق ادا کر دیا ہے، پروفیسر موصوف نے اپنی جدید کتاب مین جو اسپین مین سنہ ۱۹۱۹ مین شائع ہوئی تھی، اور جسکا انگریزی ترجمہ ابھی شائع ہوا ہے، یہ دکھایا ہے، کہ اٹلی کا مشہور شاعر دانتے، جسکی شہرت کا غلغلہ سارے یورپ مین برپا ہے، اور جو ہومر کے بعد، یورپ کا بالاتفاق سب سے بڑا باکمال شاعر تسلیم کیا جاتا ہے، اس نے اپنی مشہور نظم مین جنت و دوزخ و سیر آسمان کا جو سمان دکھایا ہے، وہ تمامتر واقعۂ معراج نبوی سے ماخوذ ہے، یہ اسپینی پروفیسر رومن کیتھولک کلیسائے روما کے پیرو ہین، انکی اس تحقیق پر یورپ کا علمی و مذہبی، ہر طبقہ پوری توجہ کر رہا ہے، اور انگریزی اخبارات مین اس پر اب تک بکثرت ریویو نکل چکے ہین، کیا یورپ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا، کہ اس تیرہ سو سال کی مدت مین، اس نے علوم و فنون مین جو کچھ بھی ترقی کی ہے، ادب و حکمت مین جو کچھ بھی حاصل کیا ہے اس کے لیے براہ راست یا بالواسطہ وہ بالآخر اسی قوم کا شرمندۂ احسان، اسی امت کا زیر بار منت ہے، جسے عرب کے ایک اَن پڑھ اور امّی کی غلامی کا فخر حاصل ہے؟

مقام مسرت ہے، کہ علی گڈھ کی "مسلم" یونیورسٹی کو بھی "علوم اسلامیہ" پر توجہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، جناب صاحبزادہ صاحب نے اسلامیات سے متعلق ایک خاکۂ تجاویز شائع فرمایا ہے، جسکے ساتھ ڈاکٹر اقبال کا تبصرہ بھی شامل ہے، یہ دونون اصل تحریرین، بجائے اردو کے انگریزی مین تھین، اور علی گڈھ کی انجمن اردو کے رسالہ سہیل مین ان کا ٹھیٹھ اور لفظی ترجمہ شائع ہوا ہے، اس موقع پر قدرۃً سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا "مسلم" یونیورسٹی کی سرکاری زبان انگریزی ہے؟ کیا یہ امر ابھی باعث

شرف و افتخار ہے، کہ ایک "مسلم" یونیورسٹی کے ذمہ دار ارکان اس کے شعبۂ "اسلامیات" سے متعلق اظہار خیال "انگریزی" میں کریں؟ کیا اردو کی ہمہ گیری کے دعویٰ کی عملی تردید اور حقوق اردو کے ساتھ بے التفاتی کی عملی تعلیم خود وہیں سے ہوتی رہے گی، جسے مرکز اردو ہونے کا دعویٰ ہے! اس سے زیادہ تاسف انگیز یہ امر ہے کہ وائس چانسلر صاحب کے مراسلہ کی بنیاد جن تجویزون پر ہے، وہ ہندوستان کے کسی عالم کی پیش کی ہوئی نہیں، بلکہ یورپ کے دو "مستشرقین" کی پیش کی ہوئی ہیں، کیا ہندوستان کے سارے طول و عرض میں، جامعۂ عثمانیہ، ندوہ، دیوبند اور خود علی گڈھ میں کوئی ایک فرد بھی اس قابل نہ تھا جسکے مشورون پر خاکۂ نصاب اسلامیات کی بنیاد قائم ہوتی، سر ٹامس آرنلڈ جس حد تک اسلامیات کے ماہر خصوصی ہیں، اس کے اندازہ کے لیے ان مقالات کا مطالعہ کافی ہے، جو خود ان کے قلم سے یا ان کی نگرانی میں، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں شائع ہوئے ہیں، کیا علمائے ہند کا معیار علم اس سے بھی گیا گذرا ہوا ہے؟ عماد الملک و اقبال، شرر و شروانی، کاملین سلف کے مقابلہ میں ہیچ سہی لیکن کیا آرنلڈ کے مقابلہ میں بھی، اپنے ہان کی چیزون سے بے خبر ہیں!

لاکھ نادان ہوئے، کیا تجھ سے بھی نادان ہون گے:

ترکون نے اپنے لباس، وضع و قطع میں جو "اصلاحین" کچھ عرصہ سے شروع کر رکھی ہیں انھین قومی و مذہبی حیثیت سے یقیناً پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا، یہ ساری تبدیلیان ترکون کی موجودہ تبدیل شدہ ذہنیت کی علامتین ہیں، اور صاف پتہ دے رہی ہیں، کہ ترکی پر مغربیت کس درجہ غالب آتی جاتی ہے، یہ صورت حال قطعاً افسوسناک و ناخوشگوار ہے، لیکن جب برطانیہ کے بڑے بڑے سنجیدہ اخبارات ترکی ٹوپی کے بجائے "ہیٹ" کے رواج پا جانے سے یہ نتیجہ نکالنے لگتے ہیں، اور اس نتیجہ پر غم و ماتم کا اظہار کرتے ہین، کہ ترکون سے اسلام رخصت ہو گیا، تو اس پر بے اختیار

ہنسی آجاتی ہے، برطانیہ کے بڑے اور چھوٹے جس اخبار کو کھولیے، ہر ایک مین یہی ماتم نظر آئے گا،
کہ ترکون نے اسلام کو ترک کر دیا، ترک بے دین ہو گئے، لامذہب ہو گئے، ملحد ہو گئے، اور دلیل یہ ہی
کہ بجاے قدیم طرز کی ترکی ٹوپی کے، اب "ہیٹ" کا رواج عام ہو گیا ہے اور "ہیٹ" سرکاری ٹوپی
قرار پا گئی ہے، گویا اسلام کے ان دلسوز غمخوارون اور مخلص چارہ سازون کے نزدیک اسلام نام ہے
کسی خاص وضع کی پوشش پہننے، یا کسی خاص قطع کی ٹوپی سر پر رکھنے کا! ذلک مبلغہم من العلم
جو لوگ اسلام کو کسی خاص لباس، وضع و قطع کے ساتھ مخصوص و محدود سمجھے ہوئے ہین، انھین شاید
اتنا بھی یاد نہین، کہ اسلام کی دعوت، ہر قوم، ہر ملک، ہر زمانہ کی آبادی کے لیے ہے، جس کے لیے
معاشرت کا اختلاف بالکل ناگزیر ہے،

رسالہ جامعہ نے حال مین ضمناً یہ اعلان کیا ہے، کہ اب جامعہ ملیہ کسی سیاسی انجمن (یعنی خلافت
کمیٹی) کے ماتحت و زیر اثر نظر نہین، بلکہ ایک مستقل و آزاد خالص تعلیمی ادارہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس
مستند اعلان کے بعد، جامعہ کی اعانت سیاسی و غیر سیاسی ان تمام اشخاص پر فرض ہو جاتی ہین،
جو قومی و آزادانہ تعلیم سے ذوق رکھتے ہین، کہا گیا ہے، کہ ابتک جامعہ کا سارا بار خلافت کمیٹی ہی کے
ممبرون اور ہمدردون پر تھا، اور ملک مین جس قدر تحریک خلافت سرد ہوتی گئی، اسی نسبت سے
جامعہ کی مالی حالت بھی گرتی گئی، لیکن اب جبکہ جامعہ نے اپنی "خودمختاری" کا اعلان کر دیا ہے "تماشائے
اہل کرم" کے دیکھنے کا پورا موقع ہے، اور سرکاری ملازمون، سرکاری توسّل رکھنے والون، امیرون،
زمینداردن، تعلقدارون اور والیان ملک کی ہمتون کے امتحان کا وقت ہے،

مقالات

مستدرک حاکم،
کا
مطبوعہ نسخہ،

از مولوی ابو الجلال صاحب ندوی،

(۱)

حضور نظام کی گہر پاشیوں کا سب سے بڑا کارنامہ دار التراجم اور جامعہ عثمانیہ کو قرار دیا جائے تو بیجا نہیں، لیکن ہماری نظر وسیع ہو تو حیدر آباد کی سب سے گرانبہا چیز وہاں کا دائرۃ المعارف نظر آئے گا، کیونکہ اس کا مفاد نہ صرف ہندوستان بلکہ ساری دنیائے اسلام کی موجودہ اور آیندہ تمام نسلون کے لیے عام ہے،

دائرہ ہی وہ چیز ہے جس نے حقیقی معنون مین حضور نظام کو (محی الملۃ والدین) بلکہ "محی سنت نبویہؐ" کے لقب کا مستحق قرار دیدیا ہی، حضور صلعم نے فرمایا، جو شخص میری ایک سنت کو زندہ کریگا، وہ گویا خود مجھے زندہ کریگا" احیائے سنت کا مفہوم سنت کی اشاعت اور ترویج کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے،

حدیث اور رجال کی کتنی کتابیں اب تک معدوم ہو چکی ہوتیں، اگر دائرہ ان کی حیات ثانیہ کا سامان نہ کرتا، دائرہ نے جن کتابوں کی اشاعت کی ہے، انھوں نے نہ صرف ہمارے دماغی علوم میں اضافہ کیا ہے، بلکہ زیادہ تر ہمارے دلوں کے اندر مرے ہوئے مذہب میں تازہ جان

ڈالدینے کا بھی سرمایہ مہیا کر دیا ہے، اس بنا پر ہمارا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ حضور نظام کی زرنجشیوں کے ذکر کو چھوڑ کر اسی "ایمان بخشی" کے شکریہ کا فرض انجام دیں کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ،

حال میں دائرہ کی طرف سے مستدرک حاکم کا مکمل نسخہ ۴ جلدوں میں شایع ہوا ہے، یہ کتاب اگرچہ ابھی تک دنیا کے معدودے چند اشخاص کے لئے معدوم نہیں تھی، لیکن صدیوں سے کبریت احمر تھی، متقدمین کی کتابوں میں جس کثرت کے ساتھ اور جس قسم کے اعتماد اور بھروسے کی روح میں مستدرک کا حوالہ آتا ہے، اہل علم سے مخفی نہیں، مگر متاخرین مدتوں سے مستدرک کی زیارت نہ کر سکے، متاخرین نے مستدرک کے جتنے حوالے دیئے ہیں، عموماً دوسروں کے اعتماد پر دیئے ہیں، مستدرک کی اشاعت نے ہمارے مذہبی اور تاریخی معلومات میں کافی اضافہ کر دیا ہے، اور ہم کو امید ہے کہ دائرہ اگر اسی طرح کام کرتا رہا تو وہ زمانہ عنقریب آنے والا ہے، جب کتب حدیث کا ایک کامل ذخیرہ ہمارے پاس ہوگا،

مستدرک اگر کسی دوسرے مرکز سے شایع ہوتی تو ہم یقیناً اس کو ممکن پیمانہ پر مکمل اڈیشن قرار دینے میں بالکل حق بجانب تھے، لیکن جب ایک فیاض بادشاہ دائرہ کی مدد پر تیار ہے تو ہم کو حق حاصل ہوگیا کہ ہم عرض کریں کہ ابھی اصلاح و تہذیب کی گنجائش اور باقی ہے، ذیل کی سطروں میں ہم انھیں چیزوں کو پیش کرنا چاہتے ہیں، جن کا لحاظ رکھا جاتا تو ہمارا پہلا ہی اڈیشن نہایت مکمل ہوتا،

جن لوگوں کو کسی نایاب اور قدیم کتاب کو اڈٹ کرنے کی دشواریاں معلوم ہیں، اور جن لوگوں نے مستدرک کا مطالعہ کیا ہے، انکو یہ دیکھکر سخت رنج ہوگا کہ ہم نے اڈیشن کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر کے صرف قابل اصلاح باتوں ہی کی طرف رُخ کیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ ستایش کی ضرورت صرف دو ہوتی ہے (۱) اصل کتاب کو اہل علم سے روشناس کرانا (۲) کارکنوں

کی ہمت افزائی:-

پہلا مقصد مستدرک کی شہرت کے باعث خود بخود حاصل ہے، دوسرے مقصد کیلئے ہم آپ سے پوچھیں گے کہ کس کی ہمت افزائی کریں؟ کیا مرحوم نواب عماد الملک کی جنکو لس قت جنت میں خرچ و خدا ملگیا ہوگا یا اپنے شیخ الحدیث شیخ محمد بن حسین عرب کی؟ جن کی مدد مستدرک کی تصحیح میں شامل تھی! یا اپنے عزیز دوست مولوی سید ہاشم ندوی کی؟ جنکو ندوہ نے تعلیم دی ہے کہ "کام کرو مگر ستائیشوں کی خواہش نہ کرو"

اصل یہ ہے کہ سطور ذیل سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ دائرہ کے کارکن آئندہ اشاعت کو کامل تر بنا سکیں، اور اگر کوئی کتاب اور اڈٹ کر رہے ہوں تو اس کو زیادہ مکمل طور پر اڈٹ کر سکیں اس لئے دانستہ ہم نے تنقید کے دوسرے اہم ترین جز (ہنرش نیز بگو) کو چھوڑ دیا ہے، البتہ اس قدر ہم ضرور عرض کریں گے' دائرہ کے کارکنوں نے جس قدر محنت اور کاوش کے ساتھ اس کو ترتیب دیا ہے اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ جو نسخے ان کے پیش نظر تھے شاید کسی مستند امام فن کے سامنے پڑھے ہوئے نہ تھے، اس لئے قدرۃً وہ بہت زیادہ قابل اصلاح ہوں گے، ان کے ناقص ہونے میں تو کوئی شبہہ نہیں، کتنی حدیثیں حرض مستدرک میں تلخیص کے اعتماد پر زیادہ کی گئیں، قدیم طرز تحریر میں تجزیۂ عبارت کا کوئی خیال نہ ہوتا تھا، عموماً الفاظ مشتبہ ہوا کرتے ہیں، اس کے باوجود ہم کو کافی تلاش و جستجو پر شاذ و نادر غلط طبع یا غلط تصحیح کی مثال مل سکی' البتہ جو غلطیاں خود اصل نسخہ میں تھیں وہی ہم کو مطبوعہ مستدرک میں بھی ملیں، اور اس میں وہ ایک حد تک معذور بھی رکھے جا سکتے ہیں، تاہم اگر احادیث کی دوسری کتابوں سے موازنہ کا سامان کیا جاتا تو یہ نقص بہت کچھ رفع ہو سکتا تھا، مگر اس کے لئے زیادہ آدمی اور زیادہ سرمایہ کی یقیناً حاجت ہے

معارف میں دائرۃ المعارف کے کارکنوں سے اکثر یہ درخواست کی گئی ہے، کہ آپ کو

اپنا معیار ذرا اور بلند کرنا چاہئے، کم سے کم ان کار آمد طریقوں کی تو ضرور پیروی کرنی چاہئے جن کو عموماً مستشرقین یورپ برتتے ہیں، ہم کو دائرہ کے رفقائے کار کی ہمت، جانفشانی، فرض شناسی کا پورا احساس ہے، مگر بقول برادرم سید ہاشم "کون ہے جو معصوم ہونے کا دعویٰ کرسکتا ہے"

اس لئے بہتر ہوتا، اگر مکمل نسخہ کی اشاعت سے پہلے اس کا آخری مصححہ نسخہ ہندوستان کے مشہور اساتذۂ فن کے پاس بھی بھیجا جاتا، اور ان کی مدد بھی اس کی تہذیب میں شامل ہوتی، مگر یہ بات بھی سچ ہے، کہ علماء اس قسم کے کاموں کے لئے اپنے درس و تدریس کے اشغال کو چھوڑ کر کمتر متوجہ ہوتے ہیں، اور تجربہ شاہد ہے،

میں نے مستدرک کا مطالعہ نہایت غور کے ساتھ کیا ہے، مطالعہ کے درمیان مطبوعہ نسخہ کے متعلق جو خیالات میرے ذہن میں پیدا ہوئے ان کا پیش کردینا نہایت ضروری ہے، جن اہل علم کے پاس مستدرک پہونچ چکی ہے، ان سے درخواست کرونگا کہ وہ ذیل کی باتوں پر بغور تامل کریں ممکن ہے کہ سطور ذیل سے ان کو اپنے نسخوں کی اصلاح میں کچھ مدد ملے، دائرہ کے ذمہ داروں سے مجھے امید ہے کہ آیندہ اشاعتوں میں ان باتوں کا خاص خیال رکھیں گے، بعض چیزوں کے متعلق میری درخواست ہے کہ اگر مناسب سمجھا جائے تو (مثلاً بیاض اور ساقط عبارتوں کے متعلق جو کچھ عرض کیا گیا ہے، ان کو ضروری ترمیم و اضافہ کیساتھ) بطور ضمیمہ شایع کرکے خریداروں کے پاس بھیج دیا جائے،

مقدمہ کی ضرورت جب ہم مستدرک کا پہلا صفحہ کھولتے ہیں، تو خطبہ کی عبارت ہم کو صرف چند سطروں کی نظر آتی ہے، حالانکہ مستدرک کا پورا مطالعہ جابجا سے ہمارے لئے اس کی کافی شہادتیں بہم پہونچاتا ہے کہ حاکم کا خطبہ اس قدر مختصر نہ تھا، بلکہ وہ نہایت مبسوط و مفصل تھا،

چنانچہ پہلی ہی جلد کے صفحہ ۱۹ پر ہم کو ذیل کی عبارت ملتی ہے،

وقد بلینت شرطی فی اول الکتاب بانی میں نے کتاب کے شروع ہی میں بیان کردیا ہے

اخراج حدیث الصحابہ عن آخر ھم اذا صح الطریق الیھم،	کہ ایک صحابی کی حدیث دوسرے صحابی سے تخریج کروں گا بشرطیکہ طریق صحیح ہو،

ص ۲۲ میں فرماتے ہیں،

وقد قدمت الشرط فی اول الکتاب ان الصحابی المعروف اذا لم یجد لہ راویًا غیر تابعی معروف احتججنا بہ وصححنا حدیثہ اذ ھو صحیح علی شرطھما	اس کتاب کے شروع ہی میں یہ شرط میں بتا چکا ہوں کہ معروف صحابی سے ایک ہی تابعی روایت کرتا ہو تب بھی بشرطیکہ وہ تابعی معروف ہو ہم حدیث سے دلیل لا سکتے ہیں، اور اس کو صحیح قرار دیتے ہیں کیونکہ ایسی حدیث شیخین کی شرط کے موافق صحیح ہے،

صفحہ ۵۵ میں ہے،

قد ذکرت فی شرائط ہذا الکتاب اخراج التفاسیر عن الصحابہ،	اس کتاب کی شرائط میں صحابہ سے تفسیروں کی تخریج کا اصول بتا چکا ہوں،

صفحہ ۴۰ میں ایک حدیث کے اختلاف سند کے باعث شیخین کے طرزِ اخراج پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں،

ہذا الایوھن حدیث سہل بن سعد علی ما قدمت ذکرہ من قبول الزیادات	یہ اختلاف اس اصول کے مطابق جسے میں قبول زیادات کے ضمن میں بتا چکا ہوں سہل بن سعد کی حدیث کو کمزور نہیں قرار دیتا،

صفحہ ۱۰۹ میں ہے،

انا علی اصلی الذی اصلتہ فی خطبۃ ہذا الکتاب ان الزیادۃ من الثقۃ مقبولۃ	میں اپنی اس اصل کے مطابق تصحیح کرتا ہوں جسے میں اس کتاب کے خطبہ میں بیان کر چکا ہوں کہ ثقات

"کی زیادت مقبول ہے"،

مستدرک کے مطبوعہ خطبہ میں یہ مسائل مذکور نہیں، ضروری تھا کہ خطبہ کے ختم پر بتادیا جاتا کہ حاکم کا خطبۂ کتاب محض اسی قدر نہ تھا، بلکہ نہایت وسیع تھا جسمیں حاکم نے اپنے اصول تصحیح کی پوری تشریح کردی تھی، مناسب تو یہ تھا کہ ذیلی حاشیہ میں کم ازکم ان شرائط کا بھی ذکر کردیا جاتا، جن کا پتہ صرف مستدرک کے حوالہ سے لگ سکتا ہے، کیا ہم طبع ثانی تک اس کا انتظار کریں،؟

اس شبہہ کو بھی دفع کرلینا چاہئے کہ حاکم کی اصول حدیث میں معرفۃ علوم الحدیث، اور المدخل دو کتابیں ہیں، مگر ان میں سے کوئی کتاب مستدرک کا خطبہ نہیں قرار پاسکتی، معرفۃ علوم الحدیث گو چھپی نہیں ہے، مگر توجیہ النظر میں جزائری نے اس کا پورا پورا خلاصہ شایع کردیا ہے، وہ اس کا مقدمہ نہیں، اور مدخل کا بھی یہی حال ہے،

ضروری حواشی | اختلاف نسخ کے علاوہ کچھ باتیں ایسی اور بھی ہوتی ہیں جن کے متعلق حواشی لکھنا ضروری ہے، مثال کے طور پر ہم چند باتیں پیش کرتے ہیں، ضرورت ہے کہ آیندہ اشاعت میں اس قسم کے حواشی کا اضافہ کیا جائے،

(۱) حاکم نے مستدرک کو موجودہ ترتیب کیساتھ مکمل املا نہیں کرایا، بلکہ مستدرک کے مختلف ابواب کو مختلف اوقات میں املا کرایا، بعض وقت ایسا بھی ہوا ہے کہ ایک حدیث کو جس باب میں املا کرانا چاہئے تھا، اس کو اس باب میں املا نہیں کرایا، کیونکہ اس باب کی حدیثیں لکھاتے وقت اس حدیث کی طرف ان کا خیال نہیں گذرا تھا لیکن بعد کو کسی دوسرے باب کی حدیثیں لکھانے کے وقت اس حدیث کا خیال آیا تو اسی وقت اس کو بھی لکھا دیا اور بتادیا کہ اس حدیث کو فلاں باب میں ہونا چاہئے، مثلاً صفحہ ۱۱۴ جلد ۲ میں ایک حدیث کے ماتحت ہم کو ذیل کی عبارت ملتی ہے؛

قد کنت املیت فی کتاب المناسک حدیث ردیم   میں نے کتاب المناسک میں ردیم بن یزید

بن یزید المقرئ عن اللیث عن عقیل عن الزہری عن انس وجدت اذ ذاک ان اجد لہ شاہدا فلم اجد وھذا شاہد ان سلم من خالد بن یزید العمری،

کے واسطے سے انس کی حدیث لکھائی ہے، اس وقت میں نے کوشش کی تھی کہ اس کا کوئی شاہد بھی مل جائے مگر اس وقت نہ ملا، یہ حدیث اس حدیث کی شاہد ہے، بشرطیکہ خالد بن یزید العمری کی جانب سے سالم ہو

رویم والی حدیث جلد اول صفحہ ۴۴۵ میں مروی ہے، ہمکو نہ تو مجلد اول میں کوئی حاشیہ ملا نہ مجلد ثانی میں، حالانکہ ضروری تھا کہ مجلد ثانی صفحہ ۱۴۴ پر حاشیہ دیکر (ج ا ص ۴۴۵) اور مجلد اول میں حدیث رویم پر حاشیہ دیکر (ج ۲ ص ۱۴۴) لکھدیا جاتا،۔

(۲) حاکم کی بعض حدیثوں کی، بعینہ حاکم کے رجال اور حاکم کی اسناد سے بعض دیگر ائمہ حدیث نے بھی تخریج کی ہے، جنیں بعض بعض الفاظ کا فرق پایا جاتا ہے، اگر مستدرک کے اڈیشن کو نہایت قیمتی بنانا مقصود تھا، تو ضروری تھا کہ ان احادیث پر حاشیہ دیکر فروق ظاہر کر دیئے جاتے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ فروق محض ناسخینِ مستدرک کے تساہل کا نتیجہ ہوں، ذیل میں ہم اس قسم کی صرف دو مثالیں پیش کرتے ہیں،

(ا) ص ۷، ۱جلد ۱ میں زید بن ارقم والی حدیث کو شعبہ اور اعمش کی سند سے جن واسطوں سے حاکم نے نقل کیا ہے، بعینہ انھیں واسطوں سے مسند احمد میں بھی منقول ہے مگر فرق ہے،

شعبہ	(مستدرک) من مأتہ الف جزء	(مسند) من مأیۃ الف او من سبعین الفاً
"	(") ثمان مأیۃ او تسع مأیۃ	(") ثمانمایۃ او سبع مأیۃ،
اعمش	(") بجزء من الف جزء	(") بجزء من مأیۃ الف جزء
	(") کم کنتم یومئذ	(") کم انتم یومئذ

(ب) ص ۳۰۰ ۲ جلد اول کی آخری حدیث کو فائدہ سے آخر سند تک امام ترمذی نے بھی

بعینہ حاکم کی سند سے بیان کیا مگر کسی قدر فرق کے ساتھ،

مستدرک	صحیح ترمذی
اسألک عزائم مغفرتک والعصمۃ	اسألک موجبات رحمتک وعزائم مغفرتک
من کل ذنب والسلامۃ من کل اثم	والغنیمۃ من کل بر والسلامۃ من کل اثم لا
	تدع لی ذنبا الا غفرتہ ولا ھما الا فرجتہ ولا
	حتی حاجۃ لک رضا الا قضیتھا یا ارحم الراحمین

(۳) محشی صاحبان نے اکثر رجال حاکم کے متعلق بھی کلام کیا ہے، اور بعض احادیث کی تضعیف کی ہے، مگر بہتر ہوتا اگر اس قسم کے حواشی کے لئے مندرجہ ذیل اصول مرعی رکھے جاتے،

(۱) حاکم نے اکثر اپنی روایت کے بعض رجال کے متعلق دعوی کیا ہے، کہ ان سے امام مسلمؒ یا امام بخاریؒ یا دونوں نے احتجاج کیا ہے، حالانکہ دعوی احتجاج بعض مواقع پر صحیح نہیں ہوتا، مثلاً حاکم نے سب سے پہلی حدیث کو امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے حاکم نے قعقاع اور محمدؐ بن عمرو کے متعلق دعوی کیا ہے کہ امام مسلم نے ان دونوں سے احتجاج کیا ہے، بدقسمتی سے ذہبی کے پیش نظر جو نسخہ تھا، اس میں حاکم کے اس فیصلہ کی عبارت موجود نہ تھی،، چنانچہ انھوں نے اس جگہ یہ لکھا ہے کہ حاکم نے اس حدیث پر کوئی کلام نہ کیا،

حاکم کا ادعا قعقاع اور محمدؐ بن عمرو دونوں کے متعلق دوسرے ائمہ فن کے نزدیک مسلّم نہیں ہے، چنانچہ تہذیب التہذیب میں علامہ عسقلانی قعقاع کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

انما اخرج لہ مسلم فی المتابعات ولم یحتج بہ

امام مسلم نے تو صرف متابعت کی صورت ان کی حدیث کی تخریج کی ہے ان سے احتجاج نہیں کیا ہے

محمدؐ بن عمرو کے متعلق ص ۶ میں ذہبی نے لکھا ہے

صما احتج بمحمد بن عمرو منفردا ، امام مسلم نے انفراد کی صورت میں تنہا محمد بن عمرو سے

احتجاج نہیں کیا،

مناسب یہ تھا کہ اس قسم کے رواۃ کا نام پہلی مرتبہ جہاں آتا ہے، وہاں ان کے متعلق اس قسم کے حواشی دیئے جاتے، اور بعد کے مقامات پر حاشیہ دیکر پہلے حاشیہ کی طرف اشارہ کردیا جاتا، اس قسم کے حواشی طالبان حدیث کے لئے نہایت مفید ہوں گے، اور وہ اس غلط فہمی سے بچ جائیں گے، جو حاکم کی بدولت ان کو ہو سکتی ہے،

اگرچہ مستدرک کی پہلی حدیث مندرجہ بالا حاشیہ کے باوجود شرط مسلم کے مطابق صحیح ہے کیونکہ محمد بن عمرو، متابع کے ساتھ قابل احتجاج ہیں اور قعقاع کی حدیثیں متابعت کی صورت میں بیان کی جاسکتی ہیں، اور اس موقع پر قعقاع کی روایت کو متابع اور محمد بن عمرو کی روایت کو اصل قرار دیا جاسکتا ہے، مگر اس قسم کے حواشی اکثر احادیث کے متعلق حاکم پر استدراک کی نوعیت کے ہوں گے، چنانچہ اس کے بعد جہاں جہاں قعقاع اور محمد بن عمرو کی احادیث کو حاکم نے بغیر متابع روایت کیا ہے، اور شرط مسلم پر قرار دیا ہے، ان کا دعوی کمزور ہوجاتا ہے،

اس قسم کے رجال پر حاشیہ میں کلام کرنا اس کلام کی بہ نسبت زیادہ ضروری تھا جو مستدرک کے حاشیہ پر کیا گیا ہے،

(۲) مستدرک میں بعض رواۃ ایسے بھی نظر آتے ہیں، جن کے متعلق مستدرک میں تو توثیق کے الفاظ ملتے ہیں، مگر انھیں کے متعلق خود حاکم کا قول کتب رجال میں کچھ اور منقول ہے مثلاً جلد اول ص ۷ میں ایک حدیث یونس بن ابی اسحاق سے مروی ہے، یونس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے، اس حدیث کی حاکم نے تصحیح کی ہے، یونس کے متعلق لکھا ہے کہ شیخین نے حجاج بن محمد اور یونس دونوں سے احتجاج کیا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دو رواۃ کے علاوہ اسناد

کے اور ارکان پر کسی قسم کی بحث کی گنجایش نہیں، قابل بحث صرف یہ دو تھے، یونس بن ابی اسحاق کے باپ کا نام عبداللہ بن ہبیرہ تھا، ان کی ایک کنیت ابو احمد بھی تھی، تہذیب التہذیب میں ان کے متعلق خود حاکم کا قول منقول ہے کہ "ان کی حدیث ٹھیک نہیں ہوتی"، ایسے موقع پر حاشیہ دینا جس قدر ضروری تھا ظاہر ہے،

(۳) حاکم نے بعض حدیثیں ایسی بھی نقل کی ہیں جنکو وہ شیخین میں کسی ایک کی شرط پر بتاتے ہیں، حالانکہ خود حاکم کے بتائے ہوے اصول کے ماتحت شیخین کیا بلکہ خود مستدرک کی شرط کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً (ص ۸۰ ج ۱) میں حاکم نے حبیب ابن الشہید کی حدیث کو شیخین کی شرط پر قرار دیا ہے، فرماتے ہیں کہ شیخین نے اس حدیث کی تخریج صرف اس لئے نہیں کی کہ انکے خیال میں ہصان سے صرف حمید بن ہلال نے روایت کی ہے، حالانکہ ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کیا ہے کہ ہصان سے قرہ بن خالد نے بھی روایت کی ہے:-

اس کے معنی یہ ہوئے کہ درحقیقت یہ حدیث شرط شیخین پر ہے، مگر شیخین کو یا تو اس کی خبر نہ تھی، یا شاید روایت کی طرف ان کا خیال نہیں گذرا، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ خود حاکم نے اپنا قاعدہ برتنے میں غلطی کی،

ان کے اصول بموجب (۱) ہصان کو معروف تابعی ہونا چاہئے، (۲) حمید بن ہلال کو بھی ثقہ مامون اور معروف ہونا چاہئے، (۳) اسناد ہصان تک صحیح ہونی چاہئے، مگر اس حدیث میں ان میں سے ایک بات بھی پائی نہیں جاتی،

ہصان گو تابعی ہیں مگر معروف نہیں حمید بن ہلال مامون نہیں کیونکہ ان کے متعلق ابن سیرین کا قول ہے کہ "چار آدمی جو کچھ سنتے تھے، پرواہ نہ کرتے تھے کہ کس سے سنا، سب بیان کر دیتے تھے حسن، ابو العالیہ، حمید بن ہلال، چوتھے شخص کا نام راوی کو یاد نہ رہا" (تہذیب التہذیب)

اس بنا پر جب تک ان کا شیخ اور ان کے راوی دونوں بڑے پایہ کے نہ ہوں ان کی حدیث سند نہیں ہو سکتی، حبیب ابن الشہید ابو مرزوق سے امام بخاری نے تاریخ میں تو روایت قبول کی ہے مگر صحیحین میں ان سے تخریج نہ کی یعنی ان کی حدیث شیخین کے نزدیک شرط صحیح سے کمتر ہے،

اس قسم کے حواشی اسی وقت ممکن ہیں جب شرائط حاکم کو بھی الگ لکھ لیا جائے،

(۴) ص ۸۴۴ ج ۱ "من اراد الحج فلیتعجل" کے راوی ابو صفوان مہران کے متعلق حاکم نے لکھا ہے "لا یعرف بالجرح" بظاہر اس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ ثقہ اور حجۃ ہیں حالانکہ ابو ذرعہ فرماتے ہیں "لا اعرفہ الا فی ہذا الحدیث" اگر حاشیہ پر ابو ذرعہ کا قول لکھ دیا جاتا تو حاکم کے مقولہ کا مطلب صاف ہو جاتا، اس قسم کے کلام پر حاشیہ دینا سب سے زیادہ ضروری تھا،

(۵) مستدرک میں جس قدر رجال صحیحین کے ہیں، ان کے متعلق دوسرے ائمۂ رجال کے اقوال نقل کرنے کی ضرورت صرف ان صورتوں میں ہے جب کہ اس قول سے ان قیود کا پتہ چلتا ہو جن کے ماتحت شیخین انکی روایت قبول کرتے ہیں، لیکن جن رجال سے شیخین نے احتجاج نہیں کیا ہے، اور وہ شرائط صحیح پر پورے نہیں اترتے، ان کے متعلق حاشیہ میں نوٹ دینا ضروری ہے، اگرچہ اس قسم کے حواشی مستدرک میں ملتے ہیں، مگر ہم نے ان حواشی کو دیکھکر یہی خیال کیا کہ محشی صاحبان کو جس جس موقع پر خیال آگیا، حواشی درج کر دیئے، تحشیہ کے لئے کوئی خاص اصول پیش نظر نہ تھا، حالانکہ تحشیہ کا اصول پہلے سے مقرر کر لینا چاہیئے کہ فلاں فلاں صورتوں میں حاشیہ دینا چاہیئے،

(۶) جن ضعیف رواۃ سے حاکم نے دو ایک جگہ روایت کی ہے ان پر حاشیہ دینے سے زیادہ ایسے رواۃ کا درجہ ظاہر کرنا ضروری تھا جن پر کچھ الزام ہے، اور حاکم نے بکثرت ان کی روائتیں قبول کی ہیں، مثلاً حماد بن سلمہ عن ثابت کی روایتوں کو حاکم نے اکثر شرط مسلم پر بتایا ہے، لیکن حماد وہی بزرگ ہیں، جن کی حدیث (رأیت ربی فی احسن صورۃ) کی دار قطنی نے تخریج کی ہے

ہے، اور لکھا ہے، کہ

"یہ حماد کی منکر ترین روایت ہے" (لآلی مصنوعہ)

امام بخاری ان کو قابل احتجاج نہیں سمجھتے، اس پر ابن حبان کو سخت اعتراض ہے، حاکم نے حماد کے متعلق دعویٰ کیا ہے، کہ مسلم نے ان سے احتجاج کیا ہے، حالانکہ ان کی روایتیں، اصولاً بغیر شاہد و متابع قابل احتجاج نہیں ہو سکتیں، محشی صاحبان کیلئے حماد بن سلمہ پر حاشیہ لکھنا اس قسم کے حاشیوں سے زیادہ ضروری تھا،

تلخیص اور مستدرک کے اختلافات،

دائرۃ المعارف نے مستدرک کے حاشیہ میں تلخیص ذہبی کو بھی شائع کیا ہے اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ عام ناظرین کو مستدرک کی صحیح حدیثوں سے فائدہ اٹھانا آسان ہو گیا ہے، حاکم نے بہت سی احادیث کو صحیح قرار دیا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض ذہبی کی تحقیق میں ضعیف اور موضوع و منکر ہیں، ان احادیث کے درجہ کی طرف پڑھنے والوں کی توجہ مبذول کرانا نہایت ضروری تھا، مگر تلخیص اور مستدرک کو ایک ساتھ شائع کرنیکی وجہ سے دائرہ کے کارکنوں پر یہ فرض بھی عاید ہونا چاہیئے، کہ حاشیہ پر تلخیص اور مستدرک کے اختلافات کے متعلق کچھ روشنی ڈالتے مثال کے طور پر ہم صرف مجلد اول کے چند اختلافات کا نشان دیتے ہیں

(۱) ج ا ص ۲ کی حدیث "اکمل المومنین ایمانا" کے متعلق تلخیص میں ہے، کہ "لم یتکلم علیہ المولف" مگر مستدرک نے تصحیح کی ہے، اور رجال حدیث میں جس قدر اشخاص قابل کلام تھے، سب کی توثیق کی ہے، بتانا چاہیئے تھا، کہ غالباً ذہبی کے پیش نظر نسخہ سے حاکم کی عبارت توثیق ساقط تھی

(۲) ص ۱۲، س ا ذہبی نے "محمد بن سابق" کی حدیث کے بعد لکھا ہے، "حدثنا محمد بن اسحاق الفقیہ انا محمد بن غالب ثنا محمد بن اسحاق تفرد بہ اسرائیل"، یہ عبارت ہم کو مستدرک میں نہیں ملتی، حالانکہ یہ قول ذہبی کا اپنا قول بھی نہیں ہو سکتا ہے، کیونکہ محمد بن اسحاق حاکم کے شیخ تھے، اور

اسناد مذکور زیر بحث حدیث کی اسناد کا پہلا حصہ ہے، محقق اس قدر عبارت کا مطلب یہ ہے
کہ حدیث شیخین کی شرط پر نہیں، یہ مستدرک کے خلاف ہے، قیاس یہ ہے کہ اکثر ما یمکن الخ سے
پہلے مستدرک کے پیش نظر نسخوں سے ذہبی کی نقل کی ہوئی عبارت اور تلخیص سے تفرد بہ اسرائیل کے
بعد مستدرک میں موجود عبارت کا ملخص ساقط ہوگیا ہے،

(۳) حاکم نے جن جن روایتوں کو "ابو العباس محمد بن یعقوب" کے نام سے شروع کیا ہے
ذہبی نے جب جب ان روایتوں کو پوری اسناد کے ساتھ نقل کرنا چاہا ہے، تو ہر جگہ (مثلاً
ص ۱۳، ۱۳، ۶۳، ۶۶) الاصم کے نام سے شروع کیا ہے، قاری کو پہلی نظر میں شبہہ ہوتا ہے، کہ
شاید یہ دوسری روایت ہے، جو مستدرک میں نہیں، حالانکہ یہ دونوں نام ایک ہی بزرگ کے
ہیں، اسی طرح بعض مواقع پر ذہبی نے (مثلاً ص ۵۰) سعید بن سلیمان کو سعدویہ لکھدیا ہے حاشیہ
پر بتانا چاہئے کہ یہ انھیں کا لقب ہے، اسی طرح ص ۵۵ میں ذہبی نے احمد بن سلیمان الفقیہ کو
"النجاد" لکھا ہے اس کے متعلق بھی بتانا چاہئے کہ یہ انھیں کا لقب ہے،

(۴) ص ۱۶ تلخیص میں "کصوت الرحاحین یصیبہا الریح" ہے ص ۱۴ مستدرک میں "
کصوت الصباحین یصیبہا الریح" ہے اگر یہ مطبع کی غلطی نہیں تو اس کو بھی اسی ضمن میں شامل
سمجھنا چاہئے،

(۵) ص ۹ س، مستدرک میں ہے "خالد بن عبد اللہ عن داؤد بن ابی ہند عن ابی حرب"
تلخیص سے خالد کے نام کے بعد عن داؤد بن ابی ہند کا لفظ اگر مطبع کی غلطی سے نہیں چھوٹا تو بتانا چاہئے
کہ دوسری کتب حدیث کس کی موافقت کرتی ہیں،

(۶) ص ۲۱ س تلخیص میں ہے "خولف فیہ ہشیم" حالانکہ ص ۲۰ س ۹ مستدرک میں ہے،
"وقد خولف ہشیم بن بشیر فی ہذا الاسناد .... خلا

لا یضر الحدیث بل یزیدہ تاکیدا،،

بتانا چاہیئے کہ غالباً تلخیص سے "خلافا یزیدہ تاکیدا" ساقط ہوگیا یا یہ عبارت ذہبی کے پیش نظر نسخۂ مستدرک میں نہو گی،

۷- جن احادیث کو حاکم صحیحین میں سے کسی ایک کی شرط پر بتاتے ہین اور اس کے اکثر رجال رجال صحیحین ہوتے ہین ذہبی ان احادیث کو دو تین نام اوپر سے شروع کرتے ہین جدید متن اور رجال صحیحین کے علاوہ دوسرے رجال کی سند سے مروی احادیث کو علامۂ ذہبی نے اکثر پوری اسناد کے ساتھ شروع کیا ہو یعنی حاکم کے شیخ کے نام سے ابتدا کرتے ہین مگر تلخیص ص ۲۴۲ س ۱ کی حدیث کو تلخیص

،، حدثنا الخلدی،،

کے لفظ سے شروع کیا گیا ہے، حالانکہ خلدی حاکم کے شیخ نہین بلکہ شیخ الشیخ ہین، قیاس یہ ہو کہ تلخیص کے منقول عنہ نسخہ سے "حدثنا" اور "الخلدی" کے درمیان کا نام

،،جعفر بن محمد عن،،

چھوٹ گیا ہے، ذہبی "عن" کو "حدثنا" نہین کر دے سکتے تھے،

۸- حاکم نے جن جن احادیث کو:-

" محمد بن جعفر القطیعی عن عبد اللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ"

کے واسطے سے نقل کیا ہے، تلخیص مین عموماً ان کو (فی مسند احمد) کے لفظون سے شروع کیا گیا ہو، ان مواقع پر بتانا چاہیئے کہ تلخیص کے نسخون مین یہی الفاظ ہین،، اور یہ بھی بتانا چاہیئے کہ حاکم نے کہین "مسند" کا حوالہ بھی دیا ہے یا نہین، کیونکہ مستدرک مین مسند کا ذکر مسند کی اہمیت کو تقویت پہنچاتا ہے،

۹- ص ۱۰۹ س ۱۴ تلخیص مین ہے "ما بین مائتین الی عشرۃ" حالانکہ مستدرک مین "ما بین مایۃ الی عشرۃ" اور "ما بین عشرۃ الی مایہ" ہے،

۱۰- ص ۸۴ "ان اللہ کریم یحب الکرم الخ" کو حجاج بن القری اور احمد بن یونس دو اسنادوں سے بیان کیا ہے حاکم نے احمد بن یونس والی حدیث کو صحیح کہا ہے اور ان پر کوئی جرح نہ کی ہ۱؎ ۔ ابن القری کی توثیق کی ہے برخلاف اس کے تلخیص مین حجاج بن القری کے متعلق کوئی کلام نہین احمد بن یونس کے متعلق تلخیص مین ہے،

"تفرد بہ یونس"

کیا اس کے پہلے "قلت" ہونا چاہیئے!

(۹) ص ۵۵ س ۴ مستدرک مین "عون" ہے س ۲ تلخیص مین "عوف" ہے بتانا چاہیئے کہ صحیح کیا ہے!

(۱۰) ص ۶۰ عمرو بن یونس کی حدیث کو حاکم نے شرط شیخین پر بتایا ہے تلخیص مین ہے "علی شرط (م)"

(۱۱) ص ۲۸ کی ایک حدیث کے متعلق تلخیص مین ہے،

"ساقہ من طریق ضعیف وسقط نصف السند من النسخہ"

حاشیہ پر بتانا چاہیئے کہ یہ نصف سند ہمارے پیش نظر نسخون سے ساقط نہین،

(۱۲) ص ۱۲۱ س ۲ تلخیص مین اذا مس رفعہ ہے حالانکہ مستدرک مین "اذا مس ذکرہ" ہے،

(۱۳) ص ۱۵۵ س ۱۰ مستدرک مین ہے "من ائمہ اہل الشام" مگر تلخیص مین ہے "من ائمہ ہذا الشان" تلخیص کی اصلاح ضروری ہے،

(۱۴) ص ۱۷۵ س ۱۵ مستدرک س ۷ مین ہے "قال سمعت محمد بن اسحاق" تلخیص س ۵ مین ہے "عن اسحاق" بتانا چاہیئے کہ تلخیص سے "ابن" کا لفظ چھوٹ گیا ہے!

۱؎ یہ حاکم ہی رائے ہے ورنہ عام علمائے جرح و تعدیل نے انکی احادیث کو منکر بتایا ہے، یہ وہی ہین جنھون نے روایت کیا کہ "جتنے گنہگار خدا کے سامنے جائین گے خدا چاہے گا تو عذاب دیگا، چاہیگا تو بخش دیگا، مگر یحیی بن زکریا کہ سردار اور حصور (معصوم) ہین (لسان المیزان)

اختلاف نسخ کسی قدیم کتاب کو ایڈٹ کرنے والون کا سب سے پہلا فرض نسخون اور طرق نسخ کا اختلاف ظاہر کرنا ہے، مستدرک کے اسٹاف نے اس فرض کو نہایت خوب انجام دیا ہے مگر ہم نشان "" اور - کا فرق نہ سمجھ سکے بہتر ہوتا، اگر اختلاف نسخ دکھانے کیلئے کوئی ایسا نشان اختیار کیا جاتا جو عبارت مین گم نہ ہوجا سکتا یہ نشانات گم ہوجاتے ہین،

دائرہ کے کارکنون نے اختلافِ نسخ دکھانے کے لیے صرف مستدرک کے پیش نظر نسخون پر بس کیا ہے، یہ نسخے یقیناً کہین کہین سے ناقص تھے، ان کے نقص کی شہادتین لآلی مصنوعہ وغیرہ کتابون کی وہ حدیثین ہین جنکو ان کے مصنفین نے مستدرک کے حوالہ سے لکھا ہے، مگر وہ مستدرک کے مطبوعہ نسخہ مین نہین ملتین، اگر اڈٹ کے وقت یہ کتابین بھی پیش نظر ہوتین تو ابھی بہت سے اختلافات دکھانے کی جو گنجائش ہے وہ باقی نہ رہتی:

ذیل مین ہم صرف ان احادیث کا تذکرہ کرتے ہین جو سیوطی کی لآلی مصنوعہ (مطبوعہ ادبیہ مصر) مین منقول ہین اور مستدرک کے مطبوعہ نسخہ کی عبارت سے مختلف ہین (ہم نے محض لآلی ج ۱ و ج ۲ پر اکتفا کیا ہے اور کتابون کے مطالعہ سے اس قسم کے اختلافات اور بھی ظاہر ہونگے،)

لآلی ج ۱

حدیث	صفحہ لآلی	لفظ یا عبارت	مستدرک	لفظ یا عبارت
۱- لوح محفوظ	۱۱	المفید	ج ۲ ص ۴۷۴، س ۱۲	الحفید
"		کتابہ نورٌ	" " س ۱۶	کتابہ نور
		عرضہا بین السماء والارض		......
"		نظرۃ تخلق فی	" " "	نظرۃ او مرۃ ففی کل
		کل نظرۃ		نظرہ یخلق

حدیث	صفحہ لآلی	لفظ یا عبارت	مستدرک	لفظ یا عبارت
" دیک اسمار	۳۲	عبیداللہ بن موسیٰ	ج ۴ ص ۹۷	عبداللہ بن موسیٰ
	"	عن دیک مرقت رجلاہ فی الارض	"	عن دیک سعلاہ فی الارض
		وعنقہ		ورأسہ
	"	سبحانک ما اعظمک ربنا	"	سبحانک ما اعظم ربنا
۳- نجوم یوسف	۷م	٠	ج ۴ ص ۳۹۲	۸

لآلی مین سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے متن مذکور ہی حاکم کی صرف اسناد مذکور ہے، اسلیے اختلاف متن ظاہر کرنا چندان ضروری نہین لیکن بعض الفاظ کے املا مین جو فرق ہے اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے،

لآلی ص ۳۷	الفاظ	مستدرک ۴ ص ۳۹۲	الفاظ
	بستانی الیہودی	"	شیبان الیہودی
	خرثان	"	حدثان
	عابس		قابس
	الفروح	"	القروح
	المصبح	"	النصح
	عموادان	"	عودان
	فیلق	"	فلیق

حدیث جبۂ صوف لآلی ج ۱ ص ۸۵ . . . . مستدرک ج ۱ ص ۲۸ س ۶ . . . . . .

مستدرک مین ہے کہ "حمید ہذا لیس با بن قیس" حالانکہ لآلی مین ہے "رواہ الحاکم فی المستدرک فظنّ انہ ان حمیداً الاعرج ہو ابن قیس المکی النقۃ وہو وہم منہ" مستدرک کے اندر مطبوع عبارت غلط ہے کیونکہ

حاکم نے اس حدیث کے تمام قابل بحث رواۃ کی توثیق کی ہے، حمید اعرج میں (۱) ابن قیس (۲) اور ابن علی
ابن علی کو امام بخاری کے اعتماد پر حاکم نے منکر الحدیث قرار دیا ہے، اگر حدیث زیر نظر کے "حمید الاعرج"
ابن قیس نہین تو لامحالہ ابن علی ہونگے اس لئے "لیس با بن قیس" لکھنے کا لازمی مطلب یہ ہوتا ہے کہ
حدیث شرط حاکم کے مطابق نہین، یہ مفہوم یقیناً حاکم کا نہین ہے اصل یہ ہے کہ ناسخون، یا مطبع کی غلطی سے

(حمیدٌ ہذا لا ابن قیس)

نے "لا ابن قیس" پھر "لیس با بن قیس" کی صورت پالی،

حدیث لقاے الیاس، لآلی ج ۱ ص ۸۸ التائب علیہا، مستدرک ج ۴ ص المتاب لہا
،،۲۰۳ وقد کنت احسب ،، ج ۴ ص ۳، س ۱ وحدثنی
ویراً ان المسمعی تفرد (اس کے بعد لآلی مین وہ تمام اسناد مین مذکور
بہذا الحدیث حتی ہین جو مستدرک کے مطبوعہ نسخہ مین ہین،

حدثنا

النظر الی علی	۱۷۰	محمد بن عبید بن عتبہ	ج ۳ ص ۱۴۱ س ۱۸	محمد عبید بن عتبہ
عیادت	،،	حدثنا عبدالعزیز بن معاویہ	،، ،، س ۱۴	ثنا علی بن عبدالعزیز بن معاویہ
	۲۰۵	عبداللہ بن داؤد ولخزیبی	،، ص ۵۶ س ۲	عبداللہ بن داؤد الخریبی
	،،	عن سعد بن ابی وقاص	،،	عن سعد بن مالک
ان فاطمہ	۲۰۸	علی بن المثنی الطھوی	۳ ص ۱۵۲ س ۱۳	علی بن المثنی الطوسی
غضوا ابصارکم عن فاطمہ	۲۰۹	علی شرط الشیخین	ص ۱۵۳ س ۹	علی شرط الشیخین
		الا ان العباس		ولم یخرجاہ
		لم یخرجالہ،		

اناالشجرہ	لآلی	۲۱۰	حدثنی ابی عن مینار بن ابی مینار	مستدرک ۳ ص۱۶۰ س۹	حدثنی ابی حدثنی ابی عن مینار بن ابی مینار
خیرالسودان	؍؍	۲۴۴	جدی عن الحکم	؍؍ ۳ ص۲۸۴ س۵	جدی ثنا الحاکم

لآلی جلد دوم

تفسیرکوثر	؍؍	۱۱	وہب بن ابراہیم	؍؍ ۲ ص۵۴۸ س۱	وہب بن ابی مرحوم
جمع بین الصلوتین		۱۴	حسین ابن قیس [1] عن عکرمہ	؍؍ ۱ ص۲۷۵ س۱۶	خنش عن عکرمہ
شرف المومن قیامہ باللیل		۱۶	احبب من احببت [2]	؍؍ ۴ ص۳۲۵	احبب من شئت
صلوۃ التسبیح		۲۲	اللیث عن یزید بن ابی حبیب	؍؍ ۱ ص۳۱۹ س۱۴	حیوۃ بن شریح عن یزید بن ابی حبیب
صلوۃ حفظ القرآن		۲۵	فعلت لهذا القران و	؍؍ ۱ ص۳۱۶ س	تفلت ہذا القرآن
			وہو قول یعقوب	؍؍ س	وہی قول اخی یعقوب
			حتی تاتی الجمعہ	۰ س۲	حتی تاتی لیلۃ الجمعہ
			فان لم تستطع فقم فی وسطہا، فقم فی وسطہا فصل	؍؍ س۱۲	فان لم تستطع فقم فی وسطہا وان لم تستطع فقم فی اولہا فصل
			و فی الرکعۃ الثانیہ بفاتحۃ	؍؍ س۱۳	و فی الرکعۃ الثانیہ بفاتحۃ

[1] ابن شاہین، عقیلی، دارقطنی، بیہقی سب نے "حنش" کی بجائے حسین بن قیس لکھا ہو قیاس یہ ہو کہ حاکم نے بھی حسین بن قیس ہی لکھا ہوگا، البتہ امام ترمذی نے حنش سے تخریج کی ہو اور لکھا ہو وہو حسین ابن قیس ابو علی الرحبی وہو ضعیف عند اہل الحدیث)، [2] لآلی میں متن بحوالۂ خطیب منقول ہو صرف اسناد حاکم کا حوالہ دیا ہے۔

صلوۃ حفظ القرآن	" الکتاب وحم الدخان، و	" س ۱۲	الکتاب والم تنزیل السجدہ
	فی الرکعۃ الثالثہ بفاتحۃ الکتاب	"	وفی الرکعۃ الثالثہ بفاتحۃ الکتاب
	والم تنزیل السجدہ		وحم الدخان،

اس کے علاوہ اور اختلافات بھی ہین جنکا اثر معنے پر نہین پڑتا،

تفسیر من یتق اللہ	آلی ص،،	ابو القاسم الحسین	۲ ص ۴۹۲ س	ابو القاسم الحسن
"	" "	ثنا محمد بن کثیر العامری	" "	ثنا عبید بن کثیر العامری
"	" "	فقال لہ اتق اللہ واصبر	" ۹	فقال اتق اللہ واصبر فرجع
		فلم یلبث الخ		الی اصحابہ فقالوا ما اعطاک شیئا
"	"			رسول اللہ فقال ما اعطانی
"	"			وقال اتق اللہ واصبر فلم یلبث الخ
بر و آبا ر کم	" ۴۰۱	ابراہیم بن الحسین بن زید بل ۴ ص ۱۵۱		ابراہیم بن الحسین بن دیزیل
		عن علی بن قتیبہ		عن علی بن قتیبہ

بیاض دائرہ کے کارکنون نے بیاضون کے پر کرنے مین کافی محنت کی ہے تاہم بعض مقامات پر ان کی کوششین کامیاب نہ ہوسکین، اور اکثر بیاضین جو پر کیجا سکتی تھین اب تک خالی ہین غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ اساس اس کام کے لیے ناکافی تھا دائرہ کے ذمہ دارون کا فرض تھا، کہ مستدرک شائع کرنے سے پہلے ان صفحات کو چھپوا کر جنمین بیاضین ہین ہندوستان کے معروف علمائے حدیث کے پاس بھی بھیجتے تاکہ وہ بھی دائرہ کے کارکنون کا ہاتھ بٹاتے،

مستدرک مین جہان جہان بیاض ہے ہم ان کو تین قسمون مین تقسیم کر سکتے ہین، (۱) بعض مقامات سے اسناد کا کوئی حصہ ساقط ہوگیا ہے، (۲) بعض مقامات سے متن حدیث غائب ہے، (۳) اور بعض

مقامات سے محاکمہ کی عبارت اڑ گئی ہے، اس قسم کی بیاض کا پر کرنا سخت دشوار ہے، کیونکہ ان کا پتہ بجز مستدرک کے مختلف نسخون کے دوسری کتابون سے نہین چلسکتا لیکن اسناد کامل طور پر یا اوسکا کافی حصہ محفوظ ہے تو مسانید اور سنن مین تلاش کرکے بتایا جاسکتا ہو کہ ساقط شدہ متن حدیث کیا تھا ان اسناد کا آخری حصہ غائب ہے، اور متن موجود ہے، تب بھی مسانید اور سنن سے مدد لیجا سکتی ہے، البتہ دشوار بیاضون کو پُر کرنا ہے، جہان سے ابتدائے سند یعنی حاکم کے شیخ یا شیخ الشیخ کا نام غائب ہے، بعض بعض مقامات پر اس قسم کی بیاضون کو بھی پر کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اسانید حاکم کا استقصا کر لیا جاتا،

ذیل مین ہم بطور مثال مستدرک کے صرف جزء اول کی چند بیاضون کو پر کرکے دکھاتے ہین،

بیاض متن اصل ۱۳۵ اس ۱۶،۱۵ استدرک مین بیاض ہے جس پر کوئی حاشیہ بھی نہین، ختم حدیث کے بعد بھی کچھ عبارت ساقط ہو گئی ہے، جس پر حاشیہ دیکر سنن ترمذی کے حوالہ سے بتا دیا گیا ہے کہ یہان سے یہ عبارت ساقط ہو گئی ہے، حاکم نے اس حدیث کی اسی اسناد کو جریر تک پہنچا کر عبدالملک بن عمیر عن عبدالرحمن ابن ابی لیلی عن معاذ بن جبل کی سند سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص آیا اور اسے آنحضرت سے پوچھا

"ماتقول فی رجلٍ اصاب امراۃ لاتحل لہ فلم یدع شیئاً . . . . وضوءاً

حسناثم قم فصل قال وانزل اللہ عزوجل اقم الصلوۃ طرفی النہار وزلفامن اللیل الآیۃ"

امام احمد نے اسی حدیث کو سفیان تک اسناد پہنچا کر اسی سند سے روایت کیا ہے، جس کے الفاظ حسب ذیل ہین،

مانقول فی رجل لقی امراہ لایعرفہا فلیس یاتی الرجل من امرأتہ الاقداتاہ منہا غیرانّہ لم یجامعہا قال فانزل اللہ ہذہ الآیہ اقم الصلوۃ . . . . الاٰیہ قال فقال لہ النبی صلعم توضأ ثم صل"

اس بنا پر ہم یقین کے ساتھ کہ سکتے ہین کہ بیاض کے موقعہ پر ذیل کی عبارت ہونی چاہیئے،

"نایاتی الرجل من امرأتہ غیر انہ لم یجامعہا قال فقال لہ النبی صلعم توضأ"

ص ۴۰ س ۴ اس میں متن حدیث کی جگہ پر جو بیاض ہے اس کی تعیین خود اس سے پہلے کی حدیثیں کر دیتی ہیں،

ص ۱۴۲ س ۴ کی بیاض کے متعلق بھی صرف متقدم حدیثوں کے قیاس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے، کہ یہاں پر "قلیل افنتوضؤ بماء البحر" ہونا چاہیئے،

ص ۱۵۵ مستدرک کی آخری سطر میں جو بیاض ہے وہاں سے عویم بن ساعدہ کی حدیث کا آخری حصہ اور حدیث مابعد کی سند کا ابتدائی حصہ ساقط ہے، عویم بن ساعدہ کی حدیث مسند احمد کی مدد سے مکمل کیجا سکتی تھی کیونکہ اسی اسناد کے ساتھ اسی حدیث کی امام احمد نے بھی تخریج کی ہے، حاکم کی حدیث میں "فقال لہم ماہذا الطہور" کے بعد بیاض ہے، مگر احمد کی حدیث میں اس کے بعد ذیل کی عبارت ہے،

"الذی یطہرون بہ قالوا واللہ یا رسول اللہ ما نعلم شیئاً الا انہ کان لنا جیران من الیہود فکانوا یغسلون ادبارہم من الغائط فغسلنا کما غسلوا"

ص ۲۸۲ س ۱۳ کی بیاض کے متعلق صحیحین کا مقابلہ کرنا ضروری ہے کیونکہ حاکم نے اس عبارت کو مرویات شیخین میں قرار دیا ہے، بیاض پر حاشیہ یہ ہے کہ یہاں ایک غیر مفہوم لفظ ہے" حالانکہ بتانا یہ چاہیئے تھا کہ کیا ہے،

بیاض اسانید جن مواقع پر آخر سند کی جگہ پر بیاض ہو انکی خانہ پری بہت زیادہ دشوار نہیں،

ا۔ ص ۸ س ۱۰ میں "ثنا عبد اللہ" کی بجائے ہونا چاہیئے،

"ثنا عبد اللہ بن داؤد الواسطی التمار ثنا اسماعیل بن عیاش عن ثور بن یزید عن خالد بن معدان"

کیونکہ اسی حدیث کی بعینہ الفاظ کے ساتھ جو مستدرک میں ہیں خطیب اور بیہقی دونوں نے

تخریج کی ہے اور دونون نے محمد بن یونس الکدیمی اور ابوامامہ کے درمیان اسی مندرجۂ بالا اسناد کا ذکر کیا ہے

(لآلی مصنوعہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۳)

ص ۲۲ س ۲ مین ابومعاویہ کے بعد سے صحابی کے نام کے پوری اسناد غائب ہے، حاشیہ پر لکھا ہے کہ یہان پر

"الاعمش عن عمرو عن ابی حمزۃ عن زید بن ارقم"

ہونا چاہیئے جیسا کہ تلخیص سے پتہ چلتا ہے مگر تلخیص مین صرف الاعمش عن عمرو کا نام ہے ابوحمزہ اور زید بن ارقم کا نام حدیث ماسبق کے قیاس پر بڑھایا گیا ہے لیکن اس قیاس کی طرف حاشیہ مین اشارہ نہین کیا گیا، اسی حدیث کو امام احمد نے بھی (مسند ۴ ص ۳۶۷) روایت کیا ہے اور ابومعاویہ کے بعد ذیل کی اسناد بیان کی ہے

"ثنا الاعمش عن عمرو بن مرہ، عن طلحہ مولی قرظہ عن زید بن ارقم"

طلحہ اور ابوحمزہ دونون ایک ہی شخص کے نام ہین مگر اس موقع پر بجائے لفظ "عن ابی حمزۃ" کے "عن طلحہ مولی قرظہ" ہی ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ حدیث حاکم نے نہ بطور احتجاج نقل کی ہے نہ بطور استشہاد بلکہ صرف اس لیے نقل کی ہے تاکہ ثابت ہوجائے کہ حدیث ماسبق مین جن ابوحمزہ کا نام آیا ہے، وہ وہی طلحہ بن یزید ہین جنسے امام بخاری احتجاج کیا کرتے ہین،

ص ۳۱ س ۱۵ کے متعلق خود حدیث ماسبق بتا رہی ہے کہ اس موقع سے عن ابی ثعلبہ الخشنی چھوٹ گیا ہے، اور کچھ حصہ متن حدیث کا بھی چھوٹ گیا ہے،

سب سے زیادہ مشکل کام ان بیاضون کا پر کرنا ہے جہان پر حاکم کے شیخ، یا شیخ الشیخ کا نام چھوٹ گیا ہے، لیکن اگر اسانید حاکم کا استقصا کیا جائے تو اکثر مقامات کی بیاض کو پر کیا جاسکتا ہے،

مثال کے طور پر ہم صرف ص ۱۳۰ س ۱۰ کی بیاض کو لیتے ہین، حدیث ماسبق "الا ومن" پر ختم

ہوجاتی ہے، حدیث مابعد "الشیبانی" بالکوذ سے شروع ہوتی ہے حاکم کے شیوخ مین شیبانی دو ہین (۱) محمد بن علی بن دحیم شیبانی (۲) ابو الحسن علی بن محمد الشیبانی، اس موقع پر انھین کا نام چھوٹا ہے کیونکہ الشیبانی کے بعد قاضی ابراہیم بن اسحاق الزہری کا نام ہے اوران سے یہی دوسرے شیبانی روایت کیا کرتے ہین، چنانچہ ص ۵۰ کی حدیث مین قاضی صاحب کے بعد انھین شیبانی کا نام ہے،

بیاض حکم اسانید اور متون حدیث کو تو ہم محنت کر کے بمشکل سہی لیکن اعتماد کے ساتھ مکمل کر سکتے ہین مگر سب سے زیادہ مشکل کام جسمین صرف قوت فکریہ اور بصیرت سے کام لینا پڑتا ہے، ان بیاضون کو پر کرنا ہے جہان پر حاکم کے فیصلے کی عبارت کا کوئی جز تھا، بعض جگہین تو ایسی ہین جنکے متعلق قیاس کام تک نہین کرسکتا مثلاً ص ۱۳۶ کی بیاض، لیکن بعض مقامات پر غور کر کے حاشیہ مین بتایا جا سکتا ہے کہ اس موقع پر کیا ہونا چاہئے، مگر افسوس یہ کہ اس قسم کی کسی بیاض کے متعلق حاشیہ مین کچھ بھی نہین فرمایا گیا ص ۱۳۶ کی بیاض مین یقیناً کوئی ایسی عبارت ہونی چاہئے کہ جس سے ولید بن کثیر کی برات ثابت ہو کیونکہ حاکم نے ولید بن کثیر کی حدیث کو شرط شیخین پر قرار دیا ہے، حالانکہ ان کو علم ہے کہ بعض ثقات نے "ابو اسامہ عن ولید" کے بعد "محمد بن جعفر بن الزبیر" کا نام لیا ہے اور بعض نے "محمد بن عباد بن جعفر" کا نام لیا ہے، حاکم کو اس کا بھی خیال ہے کہ شیخین نے اسی اختلاف کے باعث اس حدیث کی تخریج نہ کی چنانچہ فرماتے ہین،

"واظنہما لم یخرجاہ لخلاف فیہ علی ابی اسامہ (او) علی الولید بن کثیر"

اس کے باوجود حاکم کا فیصلہ ہے،

لہ یہ لفظ نسخۂ مطبوعہ مین نہین ہے، ممکن ہے کہ اصول مین بھی نہ ہو، مگر بغیر حرف عطف کے عبارت درست نہین ہوسکتی، واو عطف کا موقع نہین، کیونکہ الزام جب عائد ہو سکتا ہے تو صرف شاگرد یا استاد پر؛ اگر غلطی استاد ہی سے ہوئی ہے تو شاگرد بری ہے،

" ہذا اختلاف لا یوہن الحدیث "

حاکم کا یہ دعوی جس دلیل سے ثابت ہو سکتا ہے اس کے دو حصے ممکن ہین،

(۱) ایسا نہین ہوا کہ ولید نے اشتباہ کے باعث کبھی محمد بن جعفر کہا ہو اور کبھی محمد بن عباد بن جعفر،

(۲) نہ اسامہ ہی نے اشتباہ اور وہم کے باعث مختلف مواقع پر مختلف نام لیے،

حدیث کا شرط صحیحین پر ہونا انھین دو باتون کے ثبوت پر مبنی ہے، چنانچہ اس عبارت کے بعد جس مین بیاض ہے " والدلیل علیہ " کہکر حاکم نے جو حدیثین درج کی ہین وہ انھین دو باتون کو ثابت کیا، پہلی مین یہ دکھایا ہے کہ ولید نے اس حدیث کو محمد بن جعفر، اور محمد بن عباد بن جعفر دونون سے سنا دوسری حدیث مین دکھایا ہے کہ محمد بن جعفر سے نہ صرف ولید نے روایت کی ہے بلکہ اورون نے بھی روایت کی ہے یہ حدیث گویا اس خیال کا رد ہے کہ ممکن ہے کہ اسامہ نے اشتباہ کے باعث محمد بن عباد بن جعفر ہی کو ایک نام کے اسقاط کے بعد محمد بن جعفر کر دیا ہو، کیونکہ یہ ثابت ہے کہ اس حدیث کی روایت نہ صرف " محمد بن عباد " نے کی ہے بلکہ محمد بن جعفر نے بھی کی ہے،

جس عبارت مین بیاض ہے اس کا آخری حصہ یہ ہے

" وانما قرنہ ابواسامہ الی محمد بن جعفر ثم حدث بہ مرۃ عن ہذا، ومرۃ عن ذاک "

یا اسامہ کی وہم و اشتباہ اور اضطراب کے عیب سے برات کرتا ہو غالبًا وہی حصہ عبارت کا بیاض مین ساقط ہو گیا ہے جو ولید کی برات کرتا تھا ممکن ہے کہ اس موقع پر ذیل کی عبارت یا ایسی ہی کوئی دوسری عبارت ہو گی،

" کلیہما، ولیس الخلاف من وہم الولید وخطاۂ فانہ رواہ عن کلیہما "

ص ۱۳۷ اس ۸ مین " رواہ " ہو تو عبارت مربوط ہو جاتی ہے ۔

ص ۱۳۷ نیچے سے تیسری سطر مین جو بیاض ہے اس مین ذیل کی یا اسکی مرادف کوئی دوسری عبارت

ہونا چاہیئے،

وقد تابع ہشاما فی روایتہ عن عروہ ابن الزبیر . . . . و

عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری

چونکہ حاشیہ پر بتایا گیا ہے بیاض کی مقدار ۱/۲ سطر کے برابر ہے اسلیے ہم نے بھی چند نامون کی جگہین چھوڑ دی ہین، مندرجۂ بالا عبارت کے قرین قیاس ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حدیث

من مس ذکرہ فلیتوضأ

کو حاکم نے شرط صحیحین پر قرار دیا ہے، یہ دعوی ذیل کی پانچ باتون کے ثبوت پر منحصر ہے،

(۱) ہشام کا عروہ سے اس حدیث کو روایت کرنا مختلف طرق سے ثابت ہے،

(۲) ہشام عروہ سے اس حدیث کی روایت مین منفرد نہین،

(۳) عروہ کا بسرہ سے سماع ثابت ہے،

(۴) بسرہ ایک معروف صحابیہ ہین اسلئے عروہ کا تفرد کوئی علت موہنہ نہین ہے،

(۵) بسرہ کے علاوہ اور صحابہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے،

حاکم نے مستدرک مین یہ پانچون باتین ثابت کی ہین نمبر ۲ کے علاوہ بقیہ چار باتون کا ثبوت مستدرک مین بوضاحت موجود ہے مگر نمبر ۲ کے موقع پر بیاض ہے، بیاض کے بعد کچھ اسماء ہین، پہلا نام "حزم الانصاری" کا ہے" ان کے بعد کے اسماء ان "اصحاب عروہ" کے ہین جنکو عروہ سے روایت کرنے کے لیے کسی واسطہ کی ضرورت نہین پڑتی براہ راست عروہ سے روایت کرتے ہین، اس بنا پر قیاس ہوتا ہے کہ یہ اسماء ان لوگون کے ہین جنھون نے ہشام کی متابعت کی ہے یعنی اس حدیث کو انھون نے بھی عروہ کے ذریعہ سے روایت کیا ہے، لیکن اصحاب عروہ مین [illegible] صاحب [illegible] نام کے معروف نہین، البتہ ایک بزرگ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری کا عروہ کے اصحاب مین

معروف ہیں (مسند جلد ۲ صفحہ ۴۲۵) میں امام احمدؒ نے ان کے واسطے بعینہٖ یہی حدیث نقل کی ہے، اس بنا پر

قریب قریب یقین کے برابر قیاس ہوتا ہے کہ اس موقع سے مندرجہ بالا عبارت ساقط ہو گئی ہے،

ص ۱۴۶ س ۷ میں جو بیاض ہے، عبارت مابعد کے قیاس اور شیخین کی طرف رجوع کرنے سے

اس کے متعلق بھی بتایا جا سکتا ہے کہ یہاں پر کیا ہونا چاہیئے،

بیاض کے بعد حسب ذیل عبارت ہے

"عن ابی ہریرہ فی ہذا الباب ولم یخرجا لفظ الفرض"

یہ عبارت صاف بول رہی ہے کہ شیخین پر حاکم کا جو کچھ اعتراض ہے "لفظ فرض" کی تخریج نہ کرنے پر ہے،

ورنہ وہ جانتے ہیں کہ انھوں نے اس مفہوم کی حدیث کی ضرور تخریج کی ہے اور ابو ہریرہؓ ہی کے واسطے

سے کی ہے، اس بنا پر یقیناً یہاں کوئی ایسی عبارت ہوگی جس کا مطلب یہ ہو کہ شیخین نے اس حدیث کی تخریج کی،

جب ہم صحیح مسلم اٹھا کر دیکھتے ہیں تو انھوں نے اسی حدیث کی تخریج سفیان عن ابی الزناد

عن الاعرج عن ابی ہریرہ کی اسناد سے کی ہے، مگر فرق یہ ہے کہ "لفرضت علیہم" کی بجائے "لامرتہم" ہے اور

"مع الوضوء" کی بجائے "عند کل صلوٰۃ" ہے، آخری حصہ

"لاخرت صلوٰۃ العشاء الی نصف اللیل"

نہیں ہے، امام بخاری نے کتاب الطہارت میں اس مفہوم کی کوئی حدیث نہیں درج کی ہے، البتہ کتاب الصوم

باب السواک میں تعلیقاً انھیں حضرت ابو ہریرہؓ کی یہی روایت درج کی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے

مگر جیسا کہ نسائی میں ہے "عند کل صلوٰۃ" کی بجائے "عند کل وضوء" ہے اور اس کے بعد "ویروی مثل ذلک عن جابر وزید

بن خالد عن النبیؐ" ہے،

اس بنا پر قیاس ہوتا ہے کہ اس بیاض میں ذیل کی عبارت یا اسکی ہم معنی کوئی دوسری عبارت ہوگی

"اخرجہ البخاری تعلیقاً وقد احتج مسلم بحدیث ابی الزناد عن الاعرج ......"

فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ
پر
ایک اجمالی نظر،

از جناب احمد تیمور پاشا،

مترجمہ:- سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین،

(۱)

مذاہب اربعہ سے ہمارا مقصد مذہب حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی ہے، جنکے متبعین بہ کثرت پائے جاتے ہین، کیونکہ انہین چار مذاہب نے مذہب سفیان ثوری (کوفہ) مذہب حسن بصری، (بصرہ) مذہب اوزاعی، (شام و اندلس) مذہب ابن جریر طبری و مذہب ابی ثور (بغداد)، مذہب داؤد ظاہری، اور دوسرے بلاد اسلامیہ کے فقہا، کے مذاہب پر غلبہ حاصل کر لیا،

ان مذاہب کے پیدا ہونے سے پہلے عہد صحابہ مین اصحاب قرار کے فتوون پر عمل ہوتا تھا، کہ وہ حامل قرآن اور قرآن کی دلالتون سے بخوبی آگاہ تھے، پھر صحابہ کے بعد جب تابعین کا دور آیا تو انھون نے ان صحابہ کا اتباع کیا جو ان کے شہرون مین قیام فرما تھے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ مدینہ منورہ مین، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کوفہ مین، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مکہ مکرمہ مین اور حضرت عبد اللہ بن عمروؓ بن العاصؓ مصر مین اصحاب درس و افتا رہے، اور ان مین سے ہر جگہ کے باشندے اپنے شہر کے صحابی

لہ ابن خلدون،

کے متبع تھے، صرف چند جزئی مسائل مین ان کے علاوہ دوسرون کی پیروی کرتے تھے[۱] تابعین کے بعد فقہائے امصار کا دور آیا جن مین، امام ابو حنیفہ اور امام مالک وغیرہ ہین، اس دور مین یہی فقہا اپنے اپنے شہرون مین مرجع خلائق تھے، پھر ان مین سے بعض فقہا کے مذہب کی اشاعت بعض اسباب کی بنا پر دوسرے شہرون مین ہونے لگی، اور اس کے ساتھ بعض فقہا کا مذہب متروک ہونے لگا، اس سلسلہ مین سفیان ثوری اور حسن بصری کا مذہب بہت جلد زوال پذیر ہوگیا، اور مذہب اوزاعی تو دوسری صدی کے بعد بالکل متروک ہوگیا، اور یہی واقعہ تیسری صدی کے بعد ابن جریر کے مذہب کے ساتھ پیش آیا[۲]، لیکن ان سریع الزوال مذاہب سے ابو داؤد ظاہری کا مذہب مستثنیٰ ہے، یہ مدت ہائے دراز تک نہ صرف قائم رہا بلکہ اس مین اور مذاہب اربعہ مین برابر کشمکش جاری رہی، چنانچہ مقدسی نے احسن التقاسیم مین اپنے زمانہ یعنی چوتھی صدی کے مذاہب فقہ کے حالات بیان کرتے ہوئے مذہب حنبلی کے بجائے مذہب ظاہری ہی کو جگہ دی ہے، اور حنابلہ کو اصحاب حدیث مین شمار کیا ہے، لیکن بقول ابن خلدون چوتھی صدی کے بعد مذہب ظاہری ایسا متروک ہوا کہ صرف کتابون مین اس کا تذکرہ باقی رہ گیا ہے اور اسکے بجائے مذاہب اربعہ مین چوتھا مذہب، مذہب حنبلی شمار کیا جانے لگا اور پھر یہی مذاہب اربعہ اہل السنۃ والجماعۃ کے دیگر مذاہب پر حاوی ہوگئے، اس لیے ہم صرف انھین چار مذاہب کے حالات بیان کرتے ہین :-

مذہب حنفی،

مذہب حنفی مذاہب اربعہ مین سب سے قدیم ہے، اس کے امام، امام اعظم ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہین، جنکا سنہ ولادت ۸۰ھ ہے، اور صحیح روایت کے بموجب بغداد مین ۱۵۰ھ مین وفات پائی، اس مذہب کی نشو و نما امام صاحب کے وطن کوفہ مین ہوئی، اور وہ رفتہ رفتہ عراق کے تمام شہرون مین پھیل گیا، اصحاب ابی حنیفہ "اہل الرائے" سے خطاب کئے جاتے ہین، کیونکہ عام خیال یہ ہے کہ عراق مین بہ نسبت دیگر ممالک اسلامیہ کے کم حدیثین پہنچین، اسلیے وہان مسائل فقہی قیاس سے استنباط کئے گئے،

[۱] مقریزی [۲] دیباچ

اور مواظبت کی بنا پر قیاس کرنے مین انھین خاص ملکہ حاصل ہوگیا خصوصاً امام مذہب کا پایہ فقہ مین بہت زیادہ بلند ہے، اور اس کی شہادت خود امام شافعی اور امام مالک نے دی ہے[1]

مؤلفین طبقات حنفیہ کا بیان ہے کہ مذہب حنفی دور دراز شہرون مین پھیل گیا، اور بالخصوص نواحی بغداد، مصر، روم، بلخ، بخارا، فرغانہ، بلاد فارس اور ہندوستان کے اکثر شہرون مین اسکی عام اشاعت ہوئی، المرقاۃ الوفیہ للفیروز آبادی مین جو طبقات حنفیہ مین ہے لکھا ہے، کہ وہ اصحاب ابی حنیفہ جو مذہب حنفی کے مدون کہے جاتے ہین چالیس ہین، انھین فقہا مین امام ابو یوسف اور امام زفر بھی ہین، اور اسی کتاب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسد بن عمر سب سے پہلے وہ فقیہ ہین جنھون نے فقہ حنفی مین کتابین لکھین، اور نوح بن ابی مریم جامع کے لقب سے مشہور ہین، کیونکہ ایک قول کے مطابق سب سے پہلے انھین نے فقہ حنفی کی تدوین کی، لیکن ان کے اس لقب کی وجہ یہ بھی بیان کیجاتی ہے کہ وہ مختلف علوم کے جامع تھے،

پھر جب خلیفہ ہارون رشید مسند خلافت پر متمکن ہوا اور ۱۷۰ھ کے بعد امام ابو یوسف صاحب ابی حنیفہ کو قاضی القضاۃ کا منصب عطا کیا، تو مملکت عباسیہ کے تمام قضاۃ کا عزل و نصب ان کے اختیار مین آگیا، چنانچہ بلاد عراق، خراسان، شام، مصر اور آفریقہ کے دور دراز مقامات پر تمام قضاۃ انھین کے حکم سے مقرر ہوتے تھے، اور انھون نے ان تمام ممالک مین مسند قضاۃ، فقہائے احناف کے سپرد کر دیا، اسلئے ممالک محروسہ عباسیہ کے تمام مسلمان باشندے احناف کے احکام و فتاوے پر عمل کرنے پر مجبور ہوگئے، کیونکہ اس طریقہ سے فقہ حنفی، حکومت کا قانون تسلیم کر لیگئی، اور اسی وجہ سے ان تمام ممالک مین اسکی عام اشاعت ہوئی، جس طرح اندلس مین یحیٰی بن یحیی کے ذریعہ مذہب مالکی پھیلا، چنانچہ ابن حزم کہتے ہین "دو مذہب اپنے ابتدائے امر سے قوت و جبروت کے ذریعہ دنیا مین پھیلے، مشرق مین مذہب حنفی اور اندلس مین مذہب مالکی"[2]

[1] ابن خلدون [2] مقریزی، نفح الطیب، بغیۃ الملتمس

عہد عباسیہ مین عہدۂ قضاءت پر حنفیون کے مامور ہونے کی وجہ سے ان کے مذہب کی اسی طرح اشاعت ہوتی تھی، لیکن حالات کے بدلنے سے زمانہ نے پلٹا کھایا اور مذہب حنفی اور دیگر مذاہب ثلاثہ میں مزاحمت شروع ہوگئی، جسکی تفصیل آئندہ وضاحت کیساتھ آئے گی،

احناف کو خلفائے عباسیہ پر اس قدر اقتدار حاصل تھا کہ ایک مرتبہ خلیفہ قادر باللہ نے ۳۹۳ھ مین ابو حامد اسفرائنی کے اشارہ سے بغداد کے قاضی ابو محمد بن اکفانی حنفی کو معزول کرکے ان کی مرضی کے خلاف ابو عباس احمد بن محمد بارزی شافعی کو عہدۂ قضاءت تفویض کر دیا، اور ابو حامد اسفرائنی نے اس واقعہ کی اطلاع محمود بن سبکتگین اور باشندگان خراسان وغیرہ کو بھیج دی، لیکن جب یہ واقعہ بغداد مین مشتہر ہوا تو وہان دو جماعتین قائم ہوگئین، اور فتنہ وفساد کے آثار نمایان ہوئے، جب حالات سدھرتے نظر نہ آئے تو خلیفہ مجبور ہوا کہ بغداد کے قاضیون اور دیگر معززین کو جمع کرکے ان کے سامنے اپنا بیان پیش کرے، چنانچہ بغداد کے معززین وشرفا، کو جمع کرکے ان کے سامنے ایک تحریر پیش کیگئی جس مین مرقوم تھا کہ:- ابو حامد اسفرائنی نے خدع وخیانت سے امیرالمومنین کو غلط فہمی مین مبتلا کر دیا، اور اس نے امیرالمومنین کے سامنے ایسے ناصحانہ ومشفقانہ انداز مین عہدۂ قضاءت کے معاملہ کو پیش کیا کہ امیرالمومنین نے بھی مناسب تصور فرمایا کہ اپنے پیشرو خلفاء کے طرز عمل کے برخلاف عہدۂ قضاءت مین تبدیلی کرین، لیکن اب امیرالمومنین پر اسفرائنی کا مکر وفریب عیان ہوگیا اور امیرالمومنین نے بارزی کے بجائے اکفانی کا تقرر دوبارہ منظور فرمایا، خلیفہ کو صرف اسی اعلان پر اکتفا نہ کرنا پڑا، بلکہ مثل سابق عام احناف سے اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش آنے کے علاوہ ابو محمد اکفانی کو خلعت سے سرفراز کرنا پڑا، اور ابو حامد اسفرائنی کے متعلق احکام جاری کرنے پڑے کہ ان سے نہ کوئی ملنے جلنے پائے، نہ ان کے حقوق ادا کیے جائین اور نہ انھین سلام کیا جائے، یہان تک کہ ابو حامد اسفرائنی اس برتاؤ سے دارالخلافہ بغداد چھوڑنے پر مجبور ہوئے، اور بغداد سے بلاد شام ومصر کی طرف چلے گئے،[1]

[1] مقریزی

افریقہ مین مذہب حنفی سے پیشتر کوئی خاص فقہ رائج نہ تھی، سنن و آثار پر عمل ہوتا تھا، یہانتک کہ عبداللہ بن فروخ ابو محمد الفاسی، مذہب حنفی لیکر افریقہ مین داخل ہوئے، پھر وہان اسد بن فرات بن سنان حنفی کے قاضی ہوجانے کی وجہ سے مذہب حنفی کی عام اشاعت ہوئی، اور لوگ اسی کے پیرو بننے لگے کہ معز بن بادیس مالکی افریقہ پہنچے اور لوگون کے سامنے مالکی مذہب کو پیش کیا، وہ اپنے مقصد مین کامیاب ہوئے، کیونکہ وہان اس مذہب کی عام اشاعت ہونے لگی اور پھر اس نے ایسے قدم جمائے کہ وہان آج بھی اس مذہب کو غلبہ حاصل ہے، صرف تھوڑے سے لوگ حنفی مذہب کے مقلد پائے جاتے ہین، ابن فرحون کی دیباج مین ہے کہ "چوتھی صدی ہجری تک افریقہ مین مذہب حنفی خوب پھلا پھولا، پھر افریقہ اس کے قدم اکھڑ گئے، نیز پہلے اس نے افریقہ سے آگے اندلس اور فاس کی طرف بھی پیش قدمی کی تھی احسن التقاسیم مین مقدسی کا بیان ہے کہ "باشندگان صقلیہ کا اکثر حصہ حنفی تھا" مقدسی یہ بھی لکھتا ہے کہ اس نے بعض اہل مغرب سے دریافت کیا کہ "امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب تمھارے یہان کیونکر پہنچا، حالانکہ یہ تمھارے راستہ پر نہین پڑتا؟" اس کا انھین یہ جواب ملا کہ "ہمارے یہان کے وہب بن امام مالک رحمہ اللہ کے یہان سے فقہ اور دیگر علوم مین ماہر ہوکر واپس آئے، اسد بن عبداللہ پر ان کی

لہ، افریقہ سے وہ خطہ مراد ہے جو طرابلس، تونس اور جزائر کو شامل ہے اور بعضون نے اسکو اس سے کم قرار دیا ہے، لیکن اس اختلاف کی تفصیل کا یہ موقع نہین،

معالم الایمان سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن فروخ نے امام مالک اور امام ابوحنیفہ دونون سے درس حاصل کیا اور وہ اگرچہ امام مالک پر اعتماد کرتے تھے لیکن اگر اہل عراق کے کسی قول کی صحت ظاہر ہوجاتی تھی تو وہ اسکی طرف بھی مائل ہوجاتے تھے، ابن فرات نے مالک اور اصحاب ابی حنیفہ سے درس حاصل کیا اور افریقہ مین ایک سبب کی بنا پر جسکا تذکرہ صاحب المعالم نے نہین کیا اہل عراق کے مذہب کی اشاعت کی، ابن خلدون کا بیان ہے کہ انھون نے پہلے اصحاب ابوحنیفہ سے درس لیا پھر امام مالک کے مذہب کی طرف رجوع کر گئے،

لہ کامل ابن اثیر، معز کی سنہ ولادت ۳۹۸ھ ہے اور انھون نے ۴۵۳ھ مین وفات پائی ہے،

جلالت شان اور کبر نفس کی وجہ سے یہ نہایت شاق گذرا کہ وہ وہب بن وہب کے سامنے درس کے لیے زانوے ادب تہ کرین، اسلیئے انھون نے براہ راست امام مالک کے پاس مدینہ کا رخ کیا اتفاق ایسا ہوا کہ اس زمانہ مین امام مالکؒ بیمار تھے، جب ان کے قیام کو ایک زمانہ گذر گیا اور امام مالکؒ اسی طرح صاحب فراش رہے تو انھون نے اسد کو ہدایت کی کہ "تم وہب بن وہب کے پاس چلے جاؤ مین نے لوگون کو سفر کی زحمتون سے بچانے کے لیے وہب کو اپنا تمام علم ودلیعت کر دیا ہے"، اسد پر یہ اور زیادہ گران گذرا، وہ امام مالک سے مایوس ہونے کے بعد کسی ایسے شخص کی جستجو مین مصروف ہوئے جسے امام مالک ہی کے مثل وقار علمی حاصل ہو، لوگون نے امام محمد بن حسن صاحب ابی حنیفہ کا پتہ بتایا، چنانچہ وہ امام محمد کی خدمت مین حاضر ہوئے اور انھون نے خندہ جبینی کے ساتھ ان کا خیر مقدم کیا، اور کہا جاتا ہے کہ وہ اسد کے ساتھ غیر معمولی توجہ سے پیش آئے، اور ان کے فہم و ذکاوت اور تحصیل علم کے شوق سے متاثر ہو کر انھین کمال جانفشانی سے علم فقہ کی تعلیم دی، پھر جب اسد کی علمی استعداد قابل اطمینان ہو گئی تو امام محمد نے ان کو مذہب حنفی کا علمبردار بنا کر مغرب کی طرف بھیج دیا، انھون نے وہان پہنچکر درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا، اور ان کے درس و تدریس نے مغرب مین فقہ حنفی کے لیے اچھی زمین تیار کر دی، لوگ فروعات مین ان کی نکتہ رس نگاہون کو دیکھکر حیرت زدہ ہو گئے، اور لوگ ایسے فرعی مسائل سے آگاہ ہوئے جنسے ابن وہب بھی گوش آشنا نہ تھے، تلامذہ کی ایک کثیر تعداد حلقہ بگوش ہوگئی اور انہی تلامذہ نے مغرب کے ایک ایک گوشہ مین مذہب حنفی کی ایسی ترویج کی کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب سارے مغرب پر چھا گیا" اس کے بعد مقدسی کہتا ہے کہ مین نے ان لوگون سے دریافت کیا کہ تو پھر اندلس مین یہ مذہب کیون نہین پھیلا؟ اس کے جواب مین وہ لوگ کہنے لگے: کہ اندلس مین بھی اس مذہب کی کچھ کم اشاعت نہین ہوئی، لیکن سوئے اتفاق سے ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان کے سامنے حنفیون اور مالکیون کے درمیان مناظرہ ہوا، دوران مناظرہ مین سلطان نے پوچھا ابو حنیفہؒ کہان کے تھے؟ لوگون نے کہا۔ کوفہ کے، سلطان نے

پھر کہا، اور مالک ؟ کہا گیا "مدینہ کے" اس پر سلطان نے فیصلہ کے طور پر کہا "دار الہجرۃ (مدینہ) کے عالم ہمارے لیے کافی ہین" پھر حنفیون کو مجلس سے اُٹھ جانے کا حکم دیا اور بیان کیا کہ "مین اپنے حدود حکومت مین بیک وقت دو مذہبون کی ترویج پسند نہین کرتا" پھر مقدسی ان واقعات کا حوالہ دیتے ہوے لکھتا ہو کہ "مین نے یہ واقعات اندلس کے متعدد بزرگون سے سنے ہین"۔

لیکن یہ واقعات تحقیق طلب ہین، اوّل یہ کہ تاریخ مین وہب بن وہب کی شخصیت مستور رہی ہے، درحقیقت امام مالک کے تلامذہ مین اس نام کا کوئی شخص نہین ہے، عبداللہ بن وہب ضرور ان کے شاگرد ہین، لیکن وہ مغرب کی طرف کبھی نہین گئے، وہ مصر مین تھے اور وہین انکی وفات ہوئی، دوسرے یہ کہ اسد بن عبداللہ کے بجائے ابو عبداللہ کہنا چاہئے، کیونکہ اسد کے بجائے ابو عبداللہ بن فرات امام محمد سے ملے اور فقہ حنفی حاصل کرکے مغرب مین مذہب حنفی کی اشاعت کی، لیکن اس سلسلہ مین یہ صحیح نہین کہ پہلے وہ امام مالک کے پاس گئے اور انھین بیمار پایا اور پھر امام مالک نے انھین ابن وہب کے یہان جانے کی ہدایت کی، کیونکہ یہ پایہ تحقیق تک پہنچ چکا ہو کہ وہ امام محمد کے یہان جانے سے پیشتر امام مالک کے پاس گئے اور ان سے تحصیل علم کرتے رہے یہانتک کہ امام مالک نے فرمایا "اب تم لوگون کے لیے کافی ہو" بلکہ ایک روایت کے مطابق ان کا عراق کا سفر بھی امام مالک ہی کے اشارے سے ہوا، کیونکہ امام مالک نے اُن سے فرمایا "مغربی! جو کچھ تم حاصل کرچکے وہ تمھارے لیے کافی ہے، اگر رئیس بننا حاصل کرنا چاہتے ہو تو عراق جاؤ"۔

مذہب حنفی مصر مین سب سے پہلی مرتبہ ۱۶۴ھ مین قاضی سمٰعیل بن یسع کوفی کے ذریعہ داخل ہوا، اس سے پیشتر مذہب حنفی سے اہل مصر ناآشنا تھے، مہدی نے انھین مصر کا قاضی مقرر کرکے بھیجا، انھین قضاۃ کی جماعت مین بلند مرتبہ حاصل تھا، لیکن وہان انھون نے غلہ روک لینے کے طریقہ کی سختی سے ممانعت کردی جس سے باشندگان مصر برانگیختہ ہوگئے اور ان کے معزول کرنے کا مطالبہ کیا جسے مہدی کو منظور

کرنا پڑا[1]، پھر اس واقعہ کے بعد بھی عباسیون کے عہد حکومت تک مصر مین حنفی مذہب کی اشاعت ہوتی رہی صرف اس قدر تبدیلی ہوئی کہ عہدہ قضاءت صرف حنفیون کے لیے مخصوص نہین رہا، کبھی حنفی، کبھی مالکی اور کبھی شافعی اس منصب پر سرفراز ہوتے تے، یہانتک کہ مصر پر فاطمیون کو استیلا ہوا، جو مذہبًا شیعہ اسماعیلیہ تھے، اسلیے منصب قضاءت[2] پر بھی شیعہ مقرر ہونے لگے، حکومت کا قانون بھی فقہ شیعی پر مبنی تھا، تمام فیصلے اسی قانون کے مطابق ہوئے تھے، صرف اہل سنت کے مسائل عبادات مین شیعی نقطۂ نظر سے فیصلے نہین کئے جاتے تھے، کیونکہ حکومت نے اپنی رعایا کو کامل مذہبی آزادی دے رکھی تھی، صبح الاعشیٰ مین ہے کہ:-

فاطمیون نے اہل السنہ والجماعہ کی تالیف قلوب کے لیے تمام مذاہب اہل السنہ والجماعۃ کو اپنے اپنے مذہبی شعائر کے اظہار کی اجازت دے رکھی تھی، حالانکہ بعض فرقون کے شعائر شیعی نقطۂ نظر سے سخت مخالف تھے، اسی طرح شیعون کے مخالف معتقدات کے باوجود اہل سنت جامع مسجد اور دوسری مسجدون مین تراویح کی نمازین پڑھتے تھے[3]۔

صبح الاعشیٰ کی روایت تو اسی قدر ہے، لیکن عہد فاطمیہ مین ایسا دور بھی گذرا ہے، جبکہ شیعہ قاضی کے علاوہ اہل السنہ والجماعہ کے فرقون کے قضاۃ بھی مقرر ہوتے تھے، چنانچہ خلیفہ الحافظ لدین اللہ سنہ کے زمانہ مین اس کے وزیر ابوعلی احمد بن افضل بن امیر الجیوش نے خلیفہ پر تسلط پا کر ایک مالکی اور ایک شافعی قاضی مقرر کیا اور خلیفہ نے اپنے مذہب امامی کا اعلان کیا اور شیعون مین سے بھی ایک امامی اور ایک اسماعیلی قاضی کا تقرر کیا گیا، غرض خلیفہ حافظ کے زمانہ مین یا ابوعلی کی وزارت کے دور مین مصر مین چار قاضی تھے، دو شیعی اور دو سنی، ان مین سے ہر قاضی اپنے مذہب کے متبعین کے فیصلے اپنے مذہبی نقطۂ نظر سے کرتا تھا، لیکن پھر جب وزیر ابوعلی قتل کر دیا گیا تو منصب قضاءت اپنی سابق حالت پر لوٹ گیا

---

[1] طبقات الحنفیہ، رفع الاصر لحافظ ابن حجر، قضاۃ مصر علی بن عبد اللہ در [2] مقریزی، [3] صرف بعض سلاطین کے عہد مین تراویح کی ممانعت کیگئی، لیکن ایسی مثالین نادر ہین۔

اور قدیم طریقہ کے مطابق صرف ایک اسمٰعیلی قاضی مقرر کیا گیا[۱]، ان حالات سے واضح ہوتا ہے کہ فاطمیون کو حنفیون سے صرف اسلیے عداوت تھی کہ ان کی مخالف حکومت عباسیہ کا مذہب بھی یہی تھا، ورنہ حنفیون کے ساتھ بھی فاطمیون کے زمانہ مین وہی برتاؤ کیا جاتا تھا جو اہل السنہ والجماعہ کے دوسرے فرقون کے ساتھ روا رکھا جاتا تھا،

پھر جب مصر مین حکومت ایوبیہ کا دور آیا تو وہان مذہب تشیع کو قدرۃً زوال آیا، کیونکہ اسکے سلاطین شافعی المذہب تھے، اسلیے مصر مین شافعی اور مالکی فقہا کے لیے مدرسے قائم کیے گیے، لیکن نورالدین شہید مذہبًا حنفی تھا اسلیے تمام بلاد شام مین حنفی مذہب پھیل گیا تھا، اور اسلیے مصر مین بھی حنفیون کی کثیر تعداد پیدا ہو گئی تھی علاوہ ازین عہد ایوبیہ مین بلاد مشرق سے چند جید علمائے احناف مصر پہنچ گئے، اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے خاص ان علما کے لیے قاہرہ مین ایک مدرسہ "مدرسہ سیوفیہ" کے نام سے قائم کر دیا، اسلیے مصر و شام مین مذہب حنفی کی خوب اشاعت ہوئی، اور اسے کافی اقتدار حاصل ہوا خصوصًا عہد ایوبیہ کے آخری دور مین اس نے زیادہ قوت پکڑ لی تھی[۲]،

مصر مین صالح نجم الدین ایوب نے سب سے پہلے ۱۴۱ھ مین اپنے مدرسہ صالحیہ مین مذاہب اربعہ کے لیے چار جداگانہ نصاب تعلیم رائج کیے، پھر یہ طریقہ حکومت ترکیہ اور چرکسیہ مین بہت زیادہ عام ہو گیا اور اسی طرح عہد ترکیہ مین چارون مذاہب کے لیے علیحدہ علیحدہ قاضی مقرر ہوئے، اس لیے اس جدید طریقہ سے مدت ہائے دراز کے انقطاع کے بعد مصر مین احناف کو پھر منصب قضا ملگیا، کیونکہ فاطمیون کے زمانہ مین تو وہ بالکل نظر انداز کر دیئے گئے تھے، اور حکومت ایوبیہ کے زمانہ مین شافعی قاضیون کے ساتھ مذہب حنفی، مالکی اور حنبلی کے صرف چند نمائندے ہوتے تھے،

پھر جب مصر پر عثمانیون کا قبضہ ہوا تو انھون نے منصب قضائت کو حنفیون ہی مین محدود

[۱] مقریزی ذخیرہ ۱ رر [۲] تحفۃ الاحباب للسخاوی،

کر دیا، اور مذہب حنفی ہی حکومت کا قانون قرار پایا، اسلئے رفتہ رفتہ اکثر امرائے حکومت نے بھی حکومت کے زیر اثر آکر حنفی مذہب قبول کر لیا، اور وہان کے اہل علم کا طبقہ بھی عہدۂ قضا جیسے شاندار منصب کی بنا پر مذہب حنفی کی طرف مائل ہو گیا، لیکن شہرون کیطرح دیہاتون مین اس کو کوئی خاص قبولیت نہین حاصل ہوئی، کہ دیہی باشندے حکومت اور اس کے عہدون سے مستغنی ہوتے ہین، اس کے بعد مصر مین انقلاب حکومت ہوا لیکن مذہب حنفی پر اس کا کوئی اثر مترتب نہین ہوا، اسلئے عہد عثمانیہ کے بعد سے اس وقت تک مصر مین اس مذہب کا یہی حال ہے،

اب دوسرے ممالک رہ گئے، لیکن ہر شہر مین مذہب حنفی کے داخلہ کی تاریخ نہین بیان کیجا سکتی ہم زیادہ سے زیادہ اس کے متعلق چوتھی صدی کے ان حالات کو پیش کر سکتے ہین جنھین مقدسی نے احسن التقاسیم مین ہر اقلیم کے متعلق جدا جدا لکھا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ چوتھی صدی مین مختلف ممالک مین اس مذہب کی کیونکر اشاعت ہوئی، مقدسی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل صنعا و یمن مین سے باشندگان صعدہ اس مذہب کے زیادہ پیرو تھے، اکثر فقہا و قضاۃ عراق کا یہی مذہب تھا، شام مین اس مذہب کو اس قدر تسلط حاصل تھا کہ شام کا کوئی شہر یا قصبہ مشکل سے ایسا ملتا تھا جس مین کوئی حنفی موجود نہ ہو، چنانچہ وہان کے قضاۃ بھی اکثر حنفی المذہب ہوتے تھے، لیکن باوجود اس کے عہد فاطمیہ مین مصر کی طرح یہان کے تمام شہرون مین بھی، یہان کے تمام امور مذہب شیعی کے مطابق طے ہوتے تھے، ان ممالک کے علاوہ مشرقی اقلیم یعنی خراسان، بحستان اور ماوراء النہر وغیرہ مین مذہب حنفی ہمہ گیر تھا، صرف معدودے چند ایسے مقامات تھے جہان کے باشندے شافعی المذہب تھے، اسی طرح جرجان، طبرستان کے جو اقلیم دیلم مین ہین، بعض حصون کے باشندے سب کے سب حنفی المذہب تھے، اور اقلیم رحاب جس مین ران، آرمینہ، آذربائیجان، تبریز وغیرہ ہین مین سے اہل دبیل اسی مذہب کے پیرو ہین بلکہ اس اقلیم کے اکثر شہرون مین یہ مذہب بغیر کسی مزاحمت کے رائج تھا، اسی طرح اقلیم جبال مین سے رے

مین اسی مذہب کو غلبہ حاصل تھا، علی ہذا اقلیم خوزستان مین بھی — جسے پہلے اہواز کہتے تھے اور آجکل محمرہ کہتے مین یہی مذہب زیادہ رائج ہے، بلکہ یہان احناف مین سے فقہا، ائمہ اور دوسرے اہل علم بہ کثرت گذرے ہین، اقلیم فارس مین بھی یہ مذہب موجود تھا لیکن وہان سنیون کے مذاہب مین سے مذہب ظاہریہ کو زیادہ اقتدار حاصل تھا چنانچہ یہان منصب قضاۃ انھین ظاہریون کو تفویض کیا جاتا تھا، اسی طرح سندھ کے چھوٹے چھوٹے قصبے بھی حنفیون سے خالی نہ تھے، یاقوت کی معجم البلدان مین ہے کہ رے کے باشندے تین جماعتون مین منقسم تھے:۔ اوّل شافعی جو بہت کم تھے، دوسرے احناف جو شافعیون کی بہ نسبت زیادہ تھے، اور تیسرے شیعے جنکا وہان سواد اعظم تھا، اس کے بعد بعض وجوہ کی بنا پر وہان سے دو مذہب بالکل فنا ہو گئے اور صرف شافعیون کا غلبہ ہو گیا جسکی تفصیل آئندہ آئے گی، علاوہ ازین باشندگان سجستان کے متعلق بھی روایت کیجاتی ہے کہ وہ سب کے سب حنفی تھے، اسی طرح ابن تغری بردی المنہل الصافی مین لکھتا ہے، کہ ہندوستان مین سے بنگال کے تمام فرمانروا حنفی المذہب تھے "

مذہب حنفی کے نشر و اشاعت کی یہ گذشتہ تاریخ سرسری طور پر بیان کیگئی، اور اس وقت عالم اسلامی کے مختلف حصون مین یہ مذہب موجود ہے جس پر ہم مقالہ کے آخر مین روشنی ڈالین گے،

مذہب حنفی اور مذاہب متکلمین،

احناف عقائد مین امام ابو منصور محمد ماتریدی حنفی کے متبع ہین لیکن ماتریدیون اور امام اشعری کے متبعین مین کوئی نمایان اختلاف نہین ہے، صرف چند ایسے مسائل ہین جنمین ان دونون فرقون مین جزوی اختلافات ہین، اگرچہ احناف مین بھی کچھ اشعری ہین، لیکن انکی تعداد بہت کم ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کسی حنفی کا اشعری ہونا تعجب انگیز ہے"

اور سبکی کی طبقات مین ہے کہ:۔ حنفی بالعموم اشعری ہوتے ہین، یعنی اشاعرہ کے عقائد رکھتے ہین، بجز ان احناف کے جو معتزلہ کے عقائد رکھتے ہین، نیز وہ لکھتا ہے، کہ:۔ اس نے طحاوی کے

بیان کردہ عقائد کا با معان نظر مطالعہ کیا جنکے متعلق طحاوی کا بیان ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ کے یہی عقائد تھے، تو طحاوی کے بیان کردہ اور اشاعرہ کے عقائد مین صرف تیرہ مسائل مین اختلاف نظر آیا، جن مین سے چھ مسائل ایسے ہین جنمین حقیقی معنون مین اختلاف ہے اور باقی مسائل مین جو اختلافات ہین وہ محض لفظی حیثیت رکھتے ہین، غالباً سبکی کا مقصد یہ ہے کہ ان معمولی جزوی مسائل مین اختلافات پائے جانے سے احناف، اشاعرہ کے زمرے سے خارج نہین ہو سکتے گو وہ ماتریدیہ کے نام سے موسوم کئے جائین، کیونکہ آگے چل کر وہ خود تصریح کرتا ہے کہ:۔ ان مسائل مین احناف اور اشاعرہ کا اختلاف ایسا ہی ہے جیسا خود اشاعرہ کے درمیان آپسمین اختلافات پائے جاتے ہین، کیونکہ یہ تیرہ مسائل سبکے سب نہ شیخ ابوالحسن اشعری سے ثابت ہین اور نہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے،

فلسفۂ اخلاق

نٹشے اور علمائے اسلام

از
مولانا سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی،

جبر و قدر

علم اخلاق کی ابتدا اس مسئلہ سے ہوتی ہے کہ فعل انسانی جبری ہے، یا اختیاری، انسان اپنے افعال پر مجبور ہے، یا مختار، اور انسان کے ہاتھوں ہم جو کچھ ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں، وہ اس کے بس کی چیز ہے، یا اس کے بس سے باہر، اسی "مسئلہ جبر و قدر" پر اچھے بُرے کی تمیز، نیک و بد کا فرق، اور خیر و شر کا امتیاز بہت کچھ موقوف ہے،

یہ مسئلہ ہر زمانہ اور ہر قوم میں معرکۃ الآرا مسئلہ رہا ہے، یورپ کے فلسفی اور ماہرین اخلاق، عموماً مدعی ہیں کہ انسان اپنے فعل میں خود مختار ہے، اور انسان جو کچھ کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے، اس پر کسی کا زور اور دباؤ نہیں، اس کے برخلاف نٹشے انسان کو مجبور اور غیر مختار مانتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ تمام افعالِ انسانی جبری ہیں، اور اس لئے کوئی فرد بشر اپنے فعل کا ذمہ دار نہیں، اس کا خیال ہے کہ یہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے، کہ انسان اپنی قدرت و اقتدار کا مدعی ہوتا ہے، اور اپنے کاموں کی ذمہ داری اپنے سر لے لیتا ہے، اور "قدرت"، "یا خدا" دنیا، "اتفاق" "خاندان" اور "سوسائٹی" کو ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیتا ہے،

نٹشے اپنے دعوے کے اثبات میں جو دلیل پیش کرتا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ہم اپنے ناکافی اور ناقص تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر "افعال" کے مابین حدِ فاصل قایم کرکے ایک کو دوسرے سے ممتاز کرتے

ہیں، حالانکہ واقعہ یہ ہے، کہ افعال انسانی واقعات کا کوئی غیر مربوط سلسلہ نہیں ہیں، بلکہ وہ ایک چشمۂ رواں کی طرح مسلسل اور مربوط ہیں، موجودہ افعال کی قدر و قیمت سابق اور آیندہ افعال سے الگ ہو کر معین نہیں کی جا سکتی، یعنی قدرت و اختیار کے قائل قبل سے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ افعال انسانی کی کوئی اجتماعی حیثیت نہیں ہوتی، اور ہر فعل دوسرے فعل سے علحدہ اور ممتاز ہوتا ہے، اور مُنشی کہتا ہے کہ یہ تسلیم کرنا ہی سرے سے غلط ہے، لہذا کسی فعل کی ذمہ داری اس کے فاعل پر عائد کرنا اور سابق روایات اور ماحول کی خصوصیات کو نظر انداز کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا،

علمائے اسلام بھی "مسئلہ جبر و قدر" میں مختلف الرائے ہیں، جبریہ قائل ہیں کہ انسان مجبور اور بےبس ہے، اور جو کچھ ہوتا ہے، وہ صرف خدا کی قوت و قدرت سے ہوتا ہے، انسانی ہاتھ کو کوئی دخل نہیں ہے، معتزلہ کا دعویٰ ہے کہ انسان کو اپنے افعال پر قدرت حاصل ہے اور اسی پر اچھے کاموں کے واسطے ثواب اور برے کاموں کے واسطے عذاب ملتا ہے، اشعریہ نے "جبر و قدر" کے مابین ایک نئی راہ نکالی، یعنی انسان کو "کسب" کی قوت حاصل ہے لیکن یہ قوت اور اس قوت کے نتائج دونوں خدا کی مخلوق ہیں، اگر غور سے دیکھا جائے تو ان تینوں اقوال میں کوئی نہ کوئی مصلحت نظر آئیگی، جبریہ نے خداوند کریم کی عظمت و جلال کو مدنظر رکھکر اسے تمام جزو و کل کا خود مختار خالق قرار دیا، معتزلہ کی نظر حکمت پر پڑی، اور انھوں نے افعال کی نسبت بندوں کی طرف کر دی، تاکہ خدائے پاک کی ذات مجمع الصفات افعال قبیحہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جائے، اشعریہ نے ان دونوں خیالوں کو مجتمع کر کے خدائے عزوجل کو حکمت و عظمت دونوں کا مجموعہ قرار دیا،

مسئلۂ زیر بحث میں دلائل نقلیہ و عقلیہ دونوں بظاہر متعارض معلوم ہوتے ہیں، قرآن مجید کی بعض آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان مجبور محض ہے، اور جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے یا ہوگا وہ ازل سے معین ہو چکا ہے، نوشتۂ تقدیر میں سرِ مو بھی فرق نہیں ہو سکتا، مثلاً انا کل شئی خلقناہ بقدر، اور

کل شی عندہ بمقدار[1] وغیرہ اس کے برخلاف بعض آیات سے مترشح ہوتا ہے کہ انسان کو اختیار حاصل ہے اور دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے، وہ بذات خود واجب نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے، انسان کے اختیار میں ہے، خواہ وہ کوئی کام کرے خواہ نہ کرے مثلاً ذلک بما کسبت ایدیکم[2] اور لها ما کسبت[3] وغیرہ،

اسی طرح عقلی دلائل میں بھی تعارض نظر آتا ہے، کیونکہ اگر ہم تسلیم کرلیں کہ انسان مختار ہے اور اپنے فعال کا موجد ہے، تو بعض افعال خداوند کریم کی مرضی و اختیار کے خلاف بھی ہوں گے، ایسی حالت میں خدا کے سوا کسی اور کو ان افعال کا خالق ماننا پڑیگا، حالانکہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے، اور اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ انسان مجبور محض ہے، اور کسی قسم کا اختیار اسے نہیں حاصل ہے، تو پھر شرعی تکلیف بے معنی ہوجاتی ہے، اور تکلیف مالا یطاق لازم آتی ہے، ایسی حالت میں انسان کے دوش پر بار امانت رکھنا بالکل بے سود ہے، انسان وحیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا،

علامہ ابن رشدؒ الکشف عن مناہج الادلہ میں لکھتے ہیں کہ اگر اس قسم کے بہ ظاہر متعارض دلائل پر نظر غائر ڈالی جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ شریعت کا مقصد جبر و اختیار، کے مابین حد اوسط قائم کرنا ہے، یعنی انسان نہ مجبور محض ہے نہ مختار کل، انسانی مجبوریوں کی بھی حد ہے، اور انسانی اختیارات کی بھی انتہا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خداوند کریم نے ہمیں قوتیں عطا فرمائیں جن سے ہم بہت سے کام کر سکتے ہیں، لیکن ان کاموں کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک تمام ضروری اسباب مہیا نہ کر دیئے جائیں، اور تمام سدراہ چیزیں دور نہ کردی جائیں، پس ہر فعل کا ظہور دو چیزوں پر

[1] اور ہر چیز خدا کے نزدیک مقدار کے ساتھ ہے، [2] یہ سب کچھ تمھارے ہاتھوں کے فعل کی بدولت ہے، [3] ہر نفس کو اپنے کئے کا بدلہ (نیک کا بدلہ نیک اور بد کا بدلہ بد) ملے گا،

موقوف ہے (۱) خدا کی دی ہوئی قوتوں سے ہمارا کام لینا اور (۲) خدا کی طرف سے تمام سامان کا مہیا ہونا اور موانع کا دور ہونا، اور اس لئے انسانی افعال کی نسبت خود انسان کی طرف بھی کیجا سکتی ہے، (کیونکہ اس نے خداداد قوتوں سے کام لینے کا ارادہ کیا) اور خدا کی طرف بھی (کیونکہ اسی نے یہ قوت عطا کی اور سب سامان مہیا کر دیے) علامہ ابن رشد یہ بھی لکھتے ہیں کہ اسباب کی فراہمی ہمارے افعال کی تکمیل یا تخریب کا باعث نہیں ہوتی، بلکہ ہمارے ارادہ وعزم کا سبب ہوتی ہے مثلاً مرغوب طبع اور دلکش چیز کو دیکھکر ہم بلا اختیار اسے حاصل کرنے کا شوق کرتے ہیں یا خوفناک اور ہیبتناک شے کو دیکھکر فوراً بالاضطرار بھاگتے ہیں،

مذکورۂ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ نٹشے "جبریہ" کی طرح انسانی مجبوری کا قائل تھا، لیکن اس کی اور تحریریں جو درحقیقت فخر و تعلی اور رعونت و تکبر کا مجموعہ ہیں ثابت کرتی ہیں، کہ وہ قدرت و اختیار کے بارے میں معتزلہ سے بھی گوے سبقت لے گیا تھا،

امتیاز خیر و شر مسئلہ جبر و قدر کی طرح خیر و شر بھی ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے، ماہرین علم اخلاق کی رائیں، مختلف ہیں ضمیریین کا دعوی ہے کہ ضمیر خود اچھے برے افعال کی تمیز کر لیتا ہے، کسی دوسری قوت کی ضرورت نہیں پڑتی اسی طرح فطریین کا خیال ہے، کہ فطرت انسانی کی ساخت ایسی واقع ہوئی ہے کہ اگر اشیائے عالم پر تعصب و تنگ خیالی سے قطع نظر ہو کر اور خالی الذہن ہو کر نظر ڈالی جائے تو ہر شخص ان کے حسن و قبح کو بذات خود پہچان سکتا ہے، افادیین کے نزدیک "نفع و ضرر" اور لذتیین کے نزدیک "حظ و کرب" سے خیر و شر کی تفریق ہوتی ہے،

نٹشے کا بیان ہے کہ ضمیر یا فطرت کسی فعل کو اچھا یا برا صرف اس لئے کہتی ہے، کہ زمانہ اس کو ایسا ہی کہتا آیا ہے، ضمیر و فطرت کا کام صرف نقل کرنا ہے، اختراع کرنا نہیں، نٹشے کے نزدیک ہر شے میں کوئی نہ کوئی خاصیت پنہاں ہوتی ہے جس کے نتائج صفحۂ ہستی پر نمودار ہوتے رہتے ہیں، یہ نتائج طبقۂ عوام

کے لئے نفع وضرر کے لحاظ سے اور طبقہ خواص کے لئے "قوت وضعف" کے لحاظ سے امتیاز خیر وشر کا باعث ہوتے ہیں،

علمائے اسلام بھی اس مسئلہ میں مختلف الرائے ہیں، اشعریہ کا اعتقاد ہے، کہ خیر وشر اور حسن وقبح کی تفریق خدائی احکام پر موقوف ہے بعض افعال اچھے ہیں کیونکہ خداوندکریم نے ان کے کرنے کا حکم دیا ہے اور بعض کام برے ہیں کیونکہ خدائے پاک نے ان کے کرنے کو منع کیا ہے، معتزلہ کا دعوی ہے کہ عقل نرد اچھے اور برے، نیک اور بد کے درمیان تمیز کرلیتی ہے، سچ بولنا فعل نیک ہے، اس لئے نہیں کہ خدائے عزوجل نے اس کا حکم دیا ہے، بلکہ اس لئے کہ عقل اسے اچھا کہتی ہے، ڈاکہ ڈالنا برا ہے، مگر اس وجہ سے نہیں کہ خالق دوجہاں نے اس کی ممانعت کی ہے، بلکہ اس وجہ سے کہ عقل اسے ایک فعل قبیح سمجھتی ہے،

خیر وشر یا حسن وقبح کی اضافیت دنیا کی بعض چیزیں اچھی ہیں بعض بری بعض افعال مفید ہیں، بعض مضر لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ اچھی اور بری چیزیں ہر حال میں اچھی اور بری ہیں، اور یہ مفید و مضر افعال ہر وقت مفید ومضر ہیں، زہر قاتل ہے، شہد نافع ہے لیکن یہی زہر جب دوائً کھایا جاتا ہے، اکسیر کا حکم رکھتا ہے، اور یہی شہد جب ضرورت سے زیادہ استعمال کیا جاتا ہے، مضر ثابت ہوتا ہے، پس معلوم ہوا کہ حسن وقبح اور خیر وشر نسبی و اضافی الفاظ ہیں، جن کے معنے موقع ومحل کے لحاظ سے بدلتے رہتے ہیں،

اکثر علمائے اسلام حسن وقبح کی اضافیت کے قائل ہیں، اور اس لئے انھوں نے حسن وقبح ہر دو کی دو قسمیں کی ہیں یعنی (۱) حسن وقبح ذاتی (۲) حسن عارضی وقبح عارضی، وہ افعال جن کی ذات میں حسن یا قبح پایا جائے، ان کو مستحسن بالذات یا قبیح بالذات کہتے ہیں، جیسے حق پرستی اور باطل پرستی علی الترتیب، اور وہ افعال جن میں حسن یا قبح کسی خارجی سبب سے لاحق ہو، ان کو مستحسن بالعرض یا قبیح بالعرض کہتے ہیں جیسے

دروغ مصلحت آمیز اور راستی فتنہ انگیز علی الترتیب،

علمائے اسلام کا اس امر میں اتفاق ہے، کہ موقع و محل اور وقت و مقام کو افعال کی قدر و قیمت میں بہت کچھ دخل ہے، اور اکثر افعالِ انسانی کی نوعیت اعتباراتِ مختلفہ کی وجہ سے مختلف ہو جاتی ہی، رحم و ہمدردی کرنا شرافتِ انسانی کا تمغۂ امتیاز سمجھا جاتا ہے، مگر ایک قاتل کے حق میں جس کا ہاتھ ایک بیکس کے خونِ ناحق سے رنگین ہے رحم و ہمدردی کرنا سخت گناہ ہے، غیظ و غضب حرام ہے لیکن ضرورت کے وقت نہ صرف حلال ہے بلکہ لازمی اور لابدی ہی، نماز پڑھنا جو افضل العبادات ہے اور جسے روحی فداہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے "اساس الدّین" سے تعبیر فرمایا ہے، آفتاب کے طلوع و غروب اور زوال کے وقت ممنوع ہے، دروغ گوئی جسے شارع علیہ السلام نے کفر و نفاق کی ایک زبردست علامت قرار دی ہی، مصالحت کے لئے نہ صرف غیر ممنوع ہے، بلکہ مستحسن ہے،

نٹشے بھی "اضافیت" کا قائل ہے، جس کی تفصیل معارف کے گذشتہ پرچوں میں شایع ہو چکی ہے، لیکن علمائے اسلام اور نٹشے کے مابین ایک اصولی فرق یہ ہے کہ اول الذکر نے حسن و قبح اور خیر و شر کی اضافیت کو اپنی جگہ تک محدود رکھا اور آخر الذکر نے اس کی کوئی حد بندی نہیں کی، علمائے اسلام "اضافیت" کا وجود تسلیم کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض اشیاء ایسی ہیں جنہیں حسن و قبح ذاتی پایا جاتا ہے اور جنکی نوعیت اعتبارات مختلفہ سے تغیر پذیر نہیں ہوتی، اس کے برخلاف نٹشے سرے سے حسن و قبح ذاتی کا قائل ہی نہیں، اس کے نزدیک دنیا کی کوئی شی فی نفسہ نہ اچھی ہے نہ بُری اور خیر و شر کی صفات اشیاے عالم میں خارج سے لاحق ہوتی ہیں، نٹشے کی یہ تعمیم میرے خیال میں صحیح نہیں ہے،

دنیا کا ہر فرد بشر مسلمان ہو یا ہندو، یہودی ہو یا عیسائی، مجوسی ہو یا پارسی، نیچری ہو یا دہری تسلیم کرتا ہے کہ انسانی قوت سے بالاتر ایک قوت ہے جس کے قبضۂ اقتدار میں دنیا اور دنیا کی ساری

کائنات ہے، یہاں اس سے بحث نہیں کہ اس قوت کی حقیقت و ماہیت کیا ہے، اور اس کا نام کیا ہے؟ اب سوال یہ ہے کہ اس فوق البشر قوت کا اعتراف مستحسن بالذات ہے یا نہیں؟ کون سمجھدار شخص ایسا ہے جسے اس اعتراف میں حسن ذاتی نظر نہ آتا ہو؟

سیاسی و معاشری قوانین | سیاسی و معاشری قوانین زیادہ تر حسن و قبح عارضی کی تحت میں داخل ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر قوم کی معاشرت مختلف، اور ہر ملک کی سیاست جداگانہ ہے ہندوستان کی شریف عورتوں کے لئے شرم و حیا اور عصمت و عفت کو سرمایۂ کمال سمجھا جاتا ہے، "، یورپ کی آزاد منش عورتیں ان اوصاف کو غیر ضروری سمجھتی ہیں، اگر کسی ہندوستانی شریف عورت کے سامنے کوئی ایسی گفتگو کیجائے جسمیں شائبہ ہوس پرستی بھی ہو تو وہ مارے شرم کے کٹ جائے گی، مگر مہوشانِ یورپ کے لئے یہ روزمرہ کی باتیں ہیں، ہندوستان میں شریف عورتوں کا پردہ سے باہر ہونا معیوب سمجھا جاتا ہے، اور یورپ میں بے پردگی ایک طرف خلوت و جلوت کی تمام حیا سوز حرکات لازمۂ زندگی سمجھی جاتی ہیں،

اقوامِ عالم کے سیاسی حالات بھی مختلف ہیں، ایک قوم آزادی کے حصول کے لئے مناسب و نامناسب ذرائع استعمال کرتی ہے، اور اس کو اچھا سمجھتی ہے، اور دوسری قوم ان مساعی کو بغاوت آمیز اور قانون شکن خیال کرتی ہے، ایک ملک میں ایک جرم کی سزا پھانسی ہے، اور دوسرے میں قید، کسی جگہ شاہدانِ بازاری سے اختلاط و ارتباط کرنے کو عہد حاضرہ کے فیشن سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور کسی جگہ اسے سنگین جرم سمجھا جاتا ہے، اور اس کی سخت سزا تجویز کیجاتی ہے،

سیاسی اور معاشری رسم و رواج میں اس قدر اختلافات ہونے کی وجہ یہی ہے کہ سیاست اور معاشرت کے متعلق ایسے قوانین مشکل سے بنائے جا سکتے ہیں، جن کی قدر و قیمت موقع و محل اور وقت و مقام کے لحاظ سے تغیر پذیر نہ ہو، اس قسم کے قوانین زیادہ تر مقامی خصوصیات اور قومی روایات کا پرتو

ہوتے ہیں،

افراد انسانی کی تقسیم	جرمنی کے امارت پسند اور شخصیت پرست نٹشے نے انسانی افراد کی دو قسمیں کرکے
اخلاقیت کی تفریق	ان کی اخلاقیت کی بھی تقسیم کر دی ہے، اور طبقۂ عوام کے لئے "نفع و ضرر" کو

اور طبقۂ خواص کے لئے "قوت و ضعف" کو معیار اخلاق قرار دیا ہے،

اسلام چونکہ شخصیت کا استیصال کرنے، اور شاہ و گدا، امیر و غریب، رئیس و فقیر، خاص و عام، سب میں مساوات قائم کرنے اور حقیقی معنوں میں جمہوریت کی داغ بیل ڈالنے آیا تھا اس لئے قوانین و قواعد کی تفریق یا اخلاقیت کی تقسیم ناممکن التصور تھی،

نٹشے کا دعوی ہے کہ ابتداے آفرینش سے افراد انسانی دو حصوں میں منقسم ہیں، ہر ملک اور سرزمین میں خواص کا طبقہ عوام کے طبقہ سے ممتاز رہا اور ان دونوں کے اوضاع و اطوار ہمیشہ مختلف رہے، ایک کا مایہ کمال رتبہ و اقتدار اور جاہ و جلال تھا، اور دوسرے کا سرمایۂ ناز رحم و ہمدردی اور خاکساری و تواضع تھا، اس لئے ان دونوں طبقوں کے قوانینِ اخلاق بھی ایک دوسرے سے جداگانہ ہونے چاہئیں،

علماے اسلام اس دعوی کے ماننے کو ایک منٹ کے لئے تیار نہیں ہیں، یہ صحیح ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں کچھ لوگ اعلی درجہ کے ہوتے ہیں، کچھ ادنی درجہ کے ہوتے ہیں، اور کچھ اوسط درجہ کے ہوتے ہیں، یہ اختلاف مراتب ہر زمانہ میں موجود تھا اور رہے گا، لیکن یہ اختلافات فروعی ہیں نہ کہ اصولی، افراد انسانی اس طرح ایک دوسرے سے مختلف یا ممتاز نہیں ہیں کہ نوع انسان کی دو یا تین صنفیں قائم کی جائیں، اور ان کے درمیان کوئی حد فاصل قرار دی جائے، ہم آئے دن مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ وہ لوگ جو دنیا میں شریف النسب کہلاتے ہیں ان کے بعض اعمال ذلیلوں اور کمینوں کے اعمال سے بدتر ہیں، اور وہ لوگ جو طبقۂ ارذال میں محسوب ہوتے ہیں ان کے بعض

افعال شریفوں کے افعال سے بدرجہا بہتر ہیں،

نٹشے اقوام عالم کے روایات اور قدیمی حالات کا حوالہ دیتا ہے، لیکن مؤرخین اسلام کا دائرۂ تحقیق بہت زیادہ وسیع تھا، ان کی وسعت نظری سے دنیا کا کوئی گوشہ اور ربع مسکون کا کوئی خطہ مخفی نہیں رہا، مختلف ممالک و اقوام کے اخلاقی و معاشری حالات، ان کے عادات و خصوصیات ان کے اوضاع و اطوار کی تفصیل کتبِ سیر و تواریخ میں موجود ہے، ان کتابوں اور نیز غیر اقوام کی تصنیفات کا مطالعہ کرنے سے یہ ہرگز ظاہر نہیں ہوتا کہ کسی زمانہ میں کسی جگہ نوع انسان کی دو صنفیں تھیں، اور ان دونوں کے قوانین اساسی مختلف تھے، اور اخلاقیت جداگانہ تھی،

معیارِ اخلاق جب علمائے اسلام اور نٹشے کے مابین افرادِ انسانی کی نوعیت میں اختلاف پایا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ معیارِ اخلاق میں بھی اختلاف ہوگا،

جیسا اوپر بیان ہوا، نٹشے کے نزدیک عوام کی اخلاقیت کا معیار "نفع و ضرر" اور خواص کی اخلاقیت کا معیار "قوت و ضعف" ہے، ائمۂ اسلام نے اس مسئلہ پر وسیع نقطۂ نظر سے بحث کی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ دنیا میں دو قسم کے افعال پائے جاتے ہیں (۱) قدرتی (۲) کسبی،

(۱) قدرتی افعال وہ ہیں جو قدرت کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں، انسانی ہاتھ کو ان میں کوئی دخل نہیں، ایسے افعال خدائی قانون یا قانونِ فطرت کی تحت میں ظہور ہوتے ہیں،

(۲) کسبی افعال وہ ہیں جو انسان کی بس میں ہیں، اور انسانی مساعی کا نتیجہ ہیں،

پہلی قسم کے افعال ہمیشہ مستحسن ہیں، ہم ان کو قبیح نہیں کہہ سکتے، یہ صحیح ہے کہ بعض قدرتی افعال سے ہمیں بروقت اذیت و تکلیف پہونچتی ہے، مگر چونکہ انسان کی محدود نگاہ ان کی کنہ تک نہیں پہونچ سکتی اور چونکہ وہ انسان کے دستِ اختیار سے باہر ہیں، اس لئے ان میں کوئی نقص نکالنا مناسب نہیں،

بارش ہوتی ہے، سیلاب آتا ہے، قصبہ کا قصبہ اور شہر کا شہر غرقِ آب ہو جاتا ہے،

طوفان آتا ہے، ملک تہ و بالا ہو جاتا ہے، آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں،

بجلی گرتی ہے، عالم جنبش میں آجاتا ہے، دنیا میں تہلکہ مچ جاتا ہے،

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ ان آفاتِ ناگہانی میں بہبودی پنہاں نہیں ہے؟ یا یہ مصائبِ سماوی نظامِ عالم کے برقرار رکھنے کے لئے ضروری نہیں ہیں،

قیامت خیز زلزلہ آتا ہے، جاپان تباہ و برباد ہو جاتا ہے، لاکھوں جانیں ضائع ہو جاتی ہیں شہروں میں خاک اڑنے لگتی ہے، عالی شان مکانات گر جاتے ہیں، اور فلک رفعت عمارات زمین بوس ہو جاتی ہیں، لیکن کیا اس تخریب میں کوئی تعمیر نہاں نہیں ہے؟ یا یہ خدائی قہر تھا جو فرعونیت کا استیصال کرنے آیا تھا،

دوسری قسم کے افعال (یعنی کسبی افعال) میں بعض اچھے ہیں بعض برے، ان کے حسن و قبح کی تفریق تین طریقوں سے کی جاتی ہے،

(۱) خیر و شر "کمال و نقص" کے مرادف ہے، (یعنی جس فعل میں کمال پایا جائے وہ "نیک" ہے، اور جس فعل میں نقص پایا جائے وہ "بد" ہے) جیسے علم و جہل علی الترتیب،

(۲) خیر و شر طبیعت کی موافقت و مخالفت سے عبارت ہے (یعنی جو شی یا فعل طبیعت انسانی کے موافق ہے، وہ اچھا ہے اور جو شی یا فعل طبیعت انسانی کے مخالف ہے، وہ برا ہے) مثلاً شیرینی و تلخی علی الترتیب،

(۳) وہ افعال جن پر بروقت تعریف اور آخر میں ثواب و انعام ملتا ہے، مستحسن ہیں، اور اور وہ افعال جن پر فوری مذمت اور انجام میں عذاب ملتا ہے، قبیح ہیں، مثلاً صدق و کذب علی الترتیب،

متذکرہ بالا تفصیل سے ظاہر ہے کہ نٹشے اور علماے اسلام کے قائم کردہ معیار اخلاق ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں، البتہ عوام کے لئے نٹشے نے جو معیار اخلاق قایم کیا ہے یعنی نفع وضرر اور علماے اسلام نے حسن وقبح کی تشریح جو طبیعت کی موافقت و مخالفت سے کی ہے، ان دونوں میں بہت کچھ یگانگت ہے، کیونکہ انسان فطرۃً ہر نافع ومفید شی کو موافق طبیعت اور ہر مضر اور نقصان دہ شی کو مخالف طبیعت سمجھتا ہے،

حسن وقبح کا دارومدار صرف نتائج پر نہیں ہے، نٹشے کے نزدیک افعال کی نیکی وبدی کا دارومدار ان کے نتائج پر ہے، ارادہ ونیت سے کوئی واسطہ نہیں، اس کا خیال ہے، کہ شاندار نتائج کے حصول میں ہر قسم کے مناسب ونامناسب ذرائع استعمال کئے جاسکتے ہیں، انسان کو ذرائع پر نہیں بلکہ صرف نتائج پر نظر رکھنی چاہئے، اور جب تک کسی فعل کا انجام اچھا ہو، آغاز کی پروا نہیں کرنی چاہئے، نٹشے اس خیال پر بیحد زور دیتا ہے، اور کہتا ہے، کہ شاندار نتائج کے لئے ارتکاب جرم لابدی ہے، بغیر جرائم کے دنیا میں کوئی بڑا کام نہیں ہوسکتا، اور انسان اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج جو حاصل کرسکتا ہے، وہ صرف جرائم کی بدولت،

اس کے برخلاف مقننین اخلاق کا ایک گروہ افعال کی نیکی وبدی کی بنیاد نتائج کی بجائے فاعل کے ارادہ ونیت پر قایم کرتا ہے، اس گروہ کا خیال ہے کہ اگر انسان نے کوئی فعل اچھی نیت سے کیا تو خواہ اس کے نتائج برے کیوں نہ ہوں وہ فعل اچھا کہلائیگا، اور فاعل لائق تحسین ہوگا،

اسلام کو دیگر مذاہب عالم پر جو فوقیت حاصل ہے اس کی سب سے بڑی وجہ اس کی جامعیت ہے، اسلام ایسے یکطرفہ فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا، اسلام کی نظر میں ہر دو نظریئے ناقص اور غیر مکمل ہیں،

جمہور ائمۂ اسلام کے خیال کے مطابق افعال کی تحسین وتقبیح عموماً نیت، ذریعہ اور نتیجہ تینوں کے

مجموعہ پر موقوف ہے، افعال کی نیکی و بدی کے لئے نتائج کی اچھائی اور برائی یا صرف فاعل کی نیک نیتی و بدنیتی کافی نہیں ہے، مثال کے طور پر یوں فرض کیجئے کہ ایک شخص قتل عمد کا مرتکب ہوا اور ایک شخص قتل خطا کا مرتکب ہوا، اب سوال یہ ہے کہ ان دو قاتلوں کی سزا کیا ہوگی؟ اگر ہم صرف نتیجہ پر غور کریں تو دونوں کو پھانسی دینا چاہئے، کیونکہ دونوں فعلوں کا نتیجہ ایک ہی ظاہر ہوا، اور دونوں میں ایک شخص کی جان مفت ضائع ہوئی اور اگر ہم صرف نیت کا خیال کریں تو دوسرے قاتل کو بغیر کسی قسم کی سزا کے رہا کر دینا چاہئے کیونکہ اس کی نیت قتل کی نہ تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں صورتیں عقل و رواج کے خلاف ہیں، اسلام ان دونوں فعلوں کی نوعیت میں فرق کرتا ہے، اور ان کے فاعل کو مختلف سزائیں دیتا ہے، قتلِ عمد کے مرتکب پر قصاص اور قتلِ خطا کے مرتکب پر دیت عائد ہوتی ہے، یعنی پہلے مجرم کو جان کے بدلے جان دینی پڑیگی اور دوسرے مجرم کو جان کے بدلے تاوان دینا پڑیگا،

ایک رہزن اور ڈاکو نے نہایت سفاکی اور خونریزی کے ساتھ ایک ملک کو تاخت و تاراج کیا اور پھر اپنی قوت مستحکم کرکے ایک زبردست حکومت کی بنیاد ڈالی اور تہذیب و تمدن کا جھنڈا بلند کیا، نٹشے کے نزدیک آغاز سے انجام تک فعل مذکور مستحسن ہے اور فاعل سزاوار آفریں ہے، علمائے اسلام کی نظر میں رہزن کی سفاکی و خونریزی فعل قبیح ہے اگرچہ اس کا بعد کا فعل قابلِ تعریف ہے،

ایک شاہد بازاری اس نیت و ارادہ سے عصمت فروشی کا بازار گرم رکھتی ہے کہ آمدنی سے بے سروسامان اور لاوارث بچوں کے لئے ایک یتیم خانہ کھولا جائیگا، اسلام صرف حسنِ نیت کی خاطر حسن کی گرم بازاری کو ایک منٹ کے لئے پسند نہیں کرتا، لیکن ممکن ہے کہ وہ لوگ جو صرف فاعل کے ارادہ و نیت کو مرجع حسن و قبح سمجھتے ہیں، اس حسن فروشی کو پسند کریں،

نٹشے کے دعوی کے مطابق سکندر و تیمور، نادر شاہ، سیواجی، ڈاکو، واٹرلو اور سب اخلاق کے بہترین نمونے ہیں لیکن علماے اسلام کے نزدیک یہ سب فاتح و جارح کہلا سکتے ہیں، رہزن و ڈاکو سمجھے جا سکتے ہیں، نمونۂ اخلاق نہیں،

سکندر اعظم اور ایک ڈاکو کا مکالمہ و مباحثہ مشہور ہے، اس مکالمہ[1] سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کوئی بین فرق نہ تھا،

یہ صحیح ہے کہ بعض صورتوں میں افعال کی نوعیت نیک نیتی اور بدنیتی کیوجہ سے بدل جاتی ہے مثلاً ایک شخص نے حفاظت نفس کے لئے کسی کو قتل کر ڈالا یا کسی عفت مآب لڑکی نے اپنی آبرو بچانیکے لئے خودکشی کر لی اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ بعض صورتوں میں صرف ذریعہ کی اچھائی اور برائی پر افعال کی نیکی و بدی منحصر ہوتی ہے اور نتیجہ کا خیال نہیں کیا جاتا ہے، لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قسم کی خاص صورتوں میں افعال کا ذاتی "حسن" "قبح" سے یا انکا ذاتی "قبح" "حسن" سے نہیں بدل جاتا ہے، بلکہ چند در چند خارجی وجوہات کی بنا پر ان افعال کے کرنیوالوں کی جزا و سزا میں فرق آجاتا ہے، یعنی صورت مفروضہ میں قتل یا خودکشی کا "قبح" اپنی جگہ پر قایم رہا مگر چونکہ ایک اعلیٰ مقصد (حفاظت نفس یا حفاظت آبرو) کے حصول کی اور کوئی دوسری صورت نہ تھی اس لئے اس کے مقابلہ میں فعل مذکور کا "قبح" دب گیا اور فاعل کو سزا سے نجات ملی، اسی طرح دوسری شق میں چونکہ نتائج بعض اوقات انسان کے بس سے باہر ہوتے ہیں، اس لئے ذرائع کی اچھائی اور برائی پر انسان کی تعریف یا مذمت ہو جاتی ہے، پس ایسی صورتوں میں افعال کا حسن و قبح نہیں بلکہ فاعل کی مدح و ذم ذرائع پر موقوف ہوتی ہے،

[1] اس مکالمہ کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ڈاکو گرفتار ہو کر سکندر اعظم کے پاس آیا تو اس نے پوچھا، "تم رہزنی کیوں کرتے ہو؟ اور سفاکی و بے رحمی کو کیوں راہ دیتے ہو؟" ڈاکو نے نہایت دلیری کے ساتھ جواب دیا کہ "اگر میں لوٹ مار کرتا ہوں تو آپ بھی لوٹ مار کرتے ہیں، میں چھوٹا رہزن ہوں، آپ بڑے رہزن ہیں، میں نے اگر بے رحمی سے ایک دو بستی لوٹی تو آپنے اپنی سفاکی سے ملک کا ملک تاخت و تاراج کیا، میں نے اگر چند ہستیوں کو نیست و نابود کیا تو آپ نے ہزاروں اور لاکھوں کو تہ تیغ کیا"، سکندر نے کہا کہ "میں زبردستوں پر ظلم کر کے کمزوروں پر کرم کرتا ہوں"، ڈاکو نے جواب دیا کہ "میں بھی امیروں کو لوٹ کر غریبوں پر رحم کرتا ہوں"، حاصل یہ کہ سکندر نے اسے رہا کر دیا، اور کہا کہ "مجھے سوچنا پڑیگا کہ کیا سکندر اور ڈاکو دونوں برابر ہیں"

تلخیص و تبصرہ

حلب و دمشق
کے
قدیم اسلامی مدارس

علامہ سید کرد علی صدر المجمع العلمی العربی دمشق نے ایک بسیط خطبہ حلب و دمشق کے آثار قدیمہ پر مدرسہ فاروقیہ حلب میں دیا تھا جو مجلۃ المجمع العلمی العربی میں شایع ہوا ہے، ہم اس خطبہ سے صرف حلب و دمشق کے قدیم مدارس کے حالات ملخصاً پیش کرتے ہیں، جو وہاں اسلامی حکومت کے زمانہ میں قایم ہوئے اور جن میں سے بعض ابتک موجود ہیں، اور بعض کے کھنڈر اسلامی حکومت کی یاد تازہ کر رہے ہیں،

ارض شام نور الدین بن زنگی کی مرہون منت ہے کہ وہاں اسی کے ہاتھوں تعلیم کی عام ترویج و اشاعت ہوئی، اسی نے سب سے پہلے اشاعت تعلیم کے لئے بکثرت مدرسے قایم کئے، اور ارض شام میں سب سے پہلے دار القرآن، دار الحدیث اور دار الفقہ کی بنیاد ڈالی، پھر سلطان صلاح الدین کا دور آیا تو وہ بھی اسی کے نقش قدم پر چلا چنانچہ اس وقت بھی شام کے مختلف شہر دمشق، حماۃ، القدس، البعلبک، نبخ معرہ اور حلب وغیرہ میں ان دونوں کے آثار علمیہ باقی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ صرف انھیں دونوں کی تعلیمی خدمات کی بنا پر اس زمانہ میں ارض شام کو گہوارۂ علم و تمدن کا لقب دیا گیا تھا،

حلب میں سب سے پہلا مدرسہ، مدرسہ زجاجیہ ہے جس کی تعمیر ۵۱۶ھ میں ہوئی تھی اس کو بدر الدولہ سلیمان بن عبد الجبار والی حلب نے قایم کیا تھا، یہ وہی مدرسہ ہے جس کی صدر مدرس کسی زمانہ میں

فاطمہ بنت قریزان متوفاۃ ۷۲۶ھ تھیں، فاطمہ اپنے ہمعصر علماء میں سب سے سر بلند تھیں اور انھیں حلب میں وہی رتبہ حاصل تھا جو اسی صدی میں عائشہ باعونیہ کو دمشق میں حاصل تھا، یہ وہ عورتیں ہیں جنھوں نے نہ صرف ارض شام بلکہ تمام عالم اسلام کو اپنے علمی و ادبی خدمات سے فائدہ پہونچایا ہے،

حلب کا ایک دوسرا مدرسہ مدرسۃ الفردوس ہے جسے ضیفہ خاتون بنت الملک العادل سیف الدین ابی بکر محمد بن ایوب متوفاۃ ۶۴۰ھ نے قایم کیا تھا، اس مدرسہ کی عمارت الجنیزی کے بہترین اصول پر بنائی گئی ہے جس میں مدرسہ کے علاوہ ایک خانقاہ اور ایک قبرستان بھی ہے، عمارت پر بانیۂ مدرسہ اور معمار کا نام کندہ ہے، یہ مدرسہ، دمشق کے ان عظیم الشان مدارس مثلاً مدرسہ عالیہ وغیرہ کے مانند ہی، جو عہد ایوبیہ میں قایم ہوئے تھے، اس کے احاطہ میں جلیل القدر محدثین، فقہا اور علماء مدفون ہیں، یہ مدرسہ ابھی تک قایم ہے لیکن عمارت کو کہیں کہیں پر نقصان پہونچا ہے،

حلب کے دیگر مدارس میں مدرسہ نوریہ، عصرونیہ، صاحبیہ، ظاہریہ، (جو سلطانیہ کے نام سے مشہور ہے) اسدیہ، شعیبیہ، شرفیہ، بدریہ، زیدیہ، قوامیہ، رواحیہ، اور شادبختیہ ہیں، جن میں آخر الذکر مدرسہ کو حلب میں نور الدین محمود کے نائب امیر جمال الدین شادبخت نے قائم کیا تھا، اور اس کے افسر اعلیٰ کمال الدین بن عدیم متوفی ۶۶۱ھ تھے، ان مدارس کے علاوہ مدرسہ ہردیہ، بلدقیہ، قیمریہ، حلادیہ، اتابکیہ، حدادیہ، جرد کیہ، معظمیہ، جاولیہ، طومانیہ، حسامیہ، حسردیہ، عثمانیہ، قلیجیہ، قطلیبہ، مجدیہ، کتادیہ، الحاجبیہ، کبنوشیہ، خسرویہ، عثمانیہ، ہیشکبیہ، وترمشیہ، سفاحیہ، دلغادریہ، اور صہیبیہ، وغیرہ بھی حلب ہی میں قایم تھے اور "باب النطاکیہ" کی پشت پر واقع تھے، جن کے آثار ابتک باقی ہیں،

ان کے علاوہ وہ مدارس ہیں جو مدرسہ اسعرویہ، مدرسۃ النقیب، وقاقیہ، جمالیہ، علائیہ، الکلاسیہ، العدیمیہ، اتابکیہ، اور مدرسہ سیفیہ، وغیرہ کے نام سے مشہور ہیں،

جہاں تک تاریخ سے پتہ چلتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حلب کے ان مدرسوں میں دمشق کی طرح

قرآن و حدیث کی تعلیم کے لئے دار القرآن اور دار الحدیث کے نام سے کوئی مخصوص عمارت موجود نہ تھی صرف ایک "دار القرآن الحبشیہ" کا تذکرہ تاریخ کی کتابوں میں ملتا ہے، یہ تمام مدارس حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، اور حنابلہ کے ناموں سے موسوم تھے، جن میں غالب تعداد مدارس حنفیہ و شافعیہ کی تھی،

حلب کے بعد دمشق کے مدرسوں کا تذکرہ کرنا ہے، چونکہ دمشق شام کا دار الحکومت ہے، اس لئے یہاں حلب کی بہ نسبت مدارس بھی زیادہ تھے، اور چونکہ دار الحکومت پر اکثر و بیشتر آفتیں آتی رہتی تھیں اس لئے یہاں کے مدرسے تباہ و برباد بھی بہت زیادہ ہوئے، لیکن پھر بھی موجودہ زمانہ میں بہ نسبت حلب کے دمشق میں زیادہ مدارس موجود ہیں،

دمشق و حلب کے مدارس کی مجموعی تعداد چار سو سے زیادہ ہوتی ہے جن میں تین سو سے زیادہ مدارس صرف دمشق میں تھے، اور اگر کسی ایک زمانہ کے متعین اعداد و شمار درکار ہوں تو کتاب الدارس من المدارس میں نعیمی کا بیان یہ ہے کہ "دمشق میں ۶۲۰ھ میں تین سو بیس مدرسے تھے جن میں علوم دینیہ کیساتھ طبعیات، ریاضیات، علم ہیئت، اور ادب وغیرہ کی تعلیم دیجاتی تھی، اور ان کے علاوہ چار مدرسے ایسے تھے جن میں خاص فن طب کی تعلیم دیجاتی تھی، اور ایک مدرسہ فن انجینیری کی تعلیم کے لئے مخصوص تھا، جسے نجم الدین لبودی نے جو چوتھی صدی ہجری میں گذرا ہے، قائم کیا تھا، یہ وہ مدارس ہیں جنمیں طلبہ کو اعلیٰ تعلیم دیجاتی تھی، ورنہ چھوٹے چھوٹے بہت سے ابتدائی مدرسے، ان میں سے ہر ایک مدرسہ کے ماتحتی میں قائم تھے، اور ان مدارس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس اس کا ذاتی کتبخانہ موجود تھا، جس سے طلبہ ہر وقت مستفید ہوتے رہتے تھے،

یہ تمام مدرسے دسویں صدی ہجری تک اپنی اصلی حالت پر قائم رہے، اس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا، یہاں تک کہ موجودہ صدی تک حوادث زمانہ کے ہاتھوں صرف چند محفوظ رہ سکے ہیں، ان میں ہر ایک کی عمارت ایک مضبوط قلعہ معلوم ہوتی ہے، جو دولت نوریہ و ایوبیہ کی یاد کو تازہ کرتی ہے

حلب و دمشق کے یہ تمام مدارس زیادہ تر حکومت نوریہ و صلاحیہ یا ایوبیہ، اور ان حکومتوں کے عمال کی طرف سے قائم کئے گئے تھے، ان میں صرف چند ایسے مدرسے نکلیں گے جو تجار اور دیگر ارباب خیر کی طرف سے تعمیر ہوئے ہوں، اور سب سے قابل توجہ امر یہ ہے کہ یہ بانیانِ مدارس اپنے مدرسہ کے مستقل وجود کے لئے اس کی مستقل آمدنی کا انتظام بھی کر گئے، چنانچہ ان مدارس میں مشکل سے کوئی ایسا مدرسہ ملے گا جس کے اوپر کوئی جائداد وقف نہ کی گئی ہو، لیکن افسوس یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل غرض عمال نے اپنے ذاتی رسوخ سے ان اوقاف کی تولیت اپنے خاندان کے لئے سلاطین و ولاۃ سے لکھالی تھی اور اسی طرح ہر وقف کنندہ نے اس کی تولیت اپنے ہی خاندان میں محدود رکھی تھی جس کا نتیجہ بعد میں یہ مترتب ہوا کہ اس وقت ان میں سے اکثر اوقاف ان خانوادوں کی ذاتی ملکیت سمجھے جاتے ہیں، اور وہ خود بھی انھیں اپنی ذاتی ملکیت تصور کرکے اپنے مصرف میں لاتے ہیں، اگر ان تمام اوقاف کو ان کے صحیح مصرف میں صرف کیا جائے تو آج ارض شام میں کیمبرج اور آکسفورڈ سے زیادہ شاندار یونیورسٹی قائم کی جاسکتی ہے، شائد ادارۂ اوقاف آئندہ چل کر اس طرف بھی ملتفت ہو جائے۔

"و ۔ ر"

ندوۃ العلماء کی صدائے بازگشت

مجلس ندوۃ العلماء نے آج سے ربع صدی پیشتر مسلمانوں کی قومی ترقی و اصلاح کا یہ طریقہ بتایا تھا کہ قدیم نصاب تعلیم کی اصلاح کرکے جدید ضروریات کے مطابق علماء کا ایک نیا گروہ پیدا کیا جائے، جو مسلمانوں کی صحیح رہبری کر سکے، اب یہ خیال ایک ایسا متفقہ مسئلہ بن گیا ہے، جس کی تائید ہر طرف سے ہو رہی ہے چنانچہ مدیر مجلہ الزہرا مصر شیخ محب الدین خطیب نے اپنے رسالہ بابتہ ماہ شوال میں مسلمانوں کے موجودہ تنزل و انحطاط پر بحث کرکے ان کی موجودہ قومی ترقی و اصلاح کے لئے حسب ذیل لائحۂ عمل پیش کیا ہے،

ہمارے علماء کا فرض ہے، کہ وہ اپنے موجودہ طرز عمل میں ایسی تبدیلی پیدا کریں کہ وہ ایک طرف تو دور جدید کے محاسن کا آئینہ ہوں اور دوسری طرف قدیم جلالت و شان کے مظہر ثابت ہوں لیں علماء کا ایسا گروہ پیدا کرنے کیلئے ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمی انسٹیوٹیشنوں کے نصاب تعلیم میں ایسی جدید کتابیں داخل کیجائیں جو حشو و زوائد سے خالی ہوں، اور بہترین تبویب و تقسیم کے ساتھ جدید اصول تالیف کے مطابق لکھی گئی ہوں، ان کے مطالب واضح اور صاف ہوں، اور طلبہ بغیر حواشی و تعلیقات کے ان سے مستفید ہوسکیں نیز متن کتاب بھی تشریحی الفاظ سے خالی ہو، اور خصوصاً حواشی و تعلیقات میں ایسے مباحث نہ چھیڑے جائیں جو اس کتاب سے زیادہ بلند کتاب کے لائق ہوں، کیونکہ یہ چیزیں طلبہ کی ذہنی ترقی میں نہ صرف مانع ہوتی ہیں بلکہ ایک بڑی حد تک نقصان پہونچاتی ہیں،

اس کے علاوہ ایک اور ضروری امر پر شدید توجہ کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ ہمارے علماء سلف نے اپنے عقائد کی کتابوں میں انھیں مباحث و مسائل سے بحث کی ہے جو اون کے زمانہ میں عام طریقے سے رائج تھے، اس لئے اس زمانہ کی تصنیفوں میں ان کی شدید ضرورت تھی لیکن اس وقت مسلمانوں کے اون مذاہب میں سے جو اوس زمانہ میں پھیلے ہوئے تھے، بہت سے فنا ہو چکے ہیں، اس لئے وہ مباحث و مسائل بھی فرسودہ ہوگئے،

اب موجودہ زمانہ کے علمائے اسلام کا یہ فرض ہے کہ وہ درسی کتابوں سے مسلمانوں کے ان تمام مذاہب کے بیان کو نکال دیں جو اس وقت پردۂ دنیا پر کہیں بھی موجود نہیں ہیں اور علم کلام کی کتابوں میں ان مباحث کے بجائے ایسے مباحث درج کریں جنکی بنیاد کائنات کے ان فطری اصول پر قائم ہو جو آج علوم جدیدہ میں نمایاں طور پر متعارف ہیں، اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ قرآن مجید کی ان آیتوں کی تفسیر جو نظام کائنات سے تعلق رکھتی ہیں، جدید علوم

وفنون کی روشنی میں کیجائے،

علاوہ ازیں ایک قابل توجہ امر یہ بھی ہے، کہ طلبہ کے ذہن کو جن علوم سے زیادہ منور کرنے کی ضرورت ہے، وہ **تواریخ علوم** ہیں، اس لئے ضرورت ہے کہ اسلامی انسٹیوٹیشن کے نصاب تعلیم میں مثلاً علم فقہ کی تعلیم کے ساتھ تاریخ فقہ اسلامی کا اور علم عقائد کے ساتھ تاریخ فرق اسلامی کا درس دیا جائے اسی طرح مجوسیتوں کے اس طرز عمل کی پوری داستان بھی طلبہ کو سنائی جائے جس سے ان کی ان ریشہ دوانیوں کا پورا پتہ چلے جن کے ذریعہ انھوں نے مسلمانوں میں نئے نئے فرقوں کی بنیاد ڈال کر اسلام کو نقصان پہونچانے کی کوشش کی ہے۔

غرض یہ کہ طلبہ کو مختلف علوم وفنون کی تعلیم کے ساتھ ان علوم وفنون کی تاریخ سے بھی گوش آشنا کیا جائے کہ وہ علوم کیونکر پیدا ہوے ان پر مختلف زمانوں میں کتنے دور گذرے اور اس وقت وہ کس منزل میں ہیں،

اس کے بعد یہ ضرورت ہو کہ طلبہ کو اہل قبلہ کے تمام موجودہ مذاہب کی حقیقت سے روشناس کیا جائے اور اسکے ساتھ یہ بھی ضروری ہو کہ اہل قبلہ کے تمام فرقوں کے عقائد کو سامنے رکھکر تفحص کیا جاوے کہ ان میں سے کون کون عقیدے ایسے ہیں جو عقائد اہل السنۃ والجماعہ کے مطابق ہیں اور کون ایسے ہیں جو اہل السنۃ والجماعہ کے مسلمہ عقائد کے مخالف ہیں، اگر طلبہ کو اس طریقہ سے تعلیم دیجائے تو وہ صحیح معنوں میں روشن خیال علما کے جانیکے مستحق ثابت ہوں گے،

یہ سب تو دور جدید کی خوبیوں سے آراستہ ہونے کے وسائل تھے، لیکن علما سلف کے جلالت وشان کے مظہر بننے کا طریقہ یہ ہے کہ اسلامی انسٹیوٹیشن کے طلبہ میں یہ ذوق پیدا کیا جائے کہ وہ متقدمین کی کتابوں کا مطالعہ کریں جو مختلف علوم اسلامیہ وآداب عربیہ میں ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہمارے علما متقدمین کی کتابوں پر جا کی

نہ ہوں گے وہ اسلام اور مسلمانوں کی کوئی خدمت انجام نہیں دے سکتے، کیونکہ انھیں کتابوں میں حقیقی اسلام اور بیش بہا عربی لٹریچر کا سرچشمہ موجزن ہے، اور انھیں سے ہمارے علمائے سلف کی عقلی تگ ودو کے مظاہر نمایاں ہوں گے، اور درحقیقت یہ ایک امر مسلم ہے کہ جب سے مسلمانوں نے ان کتابوں کو پس پشت ڈالا اسی وقت سے مسلمانوں کا علمی ادبی اور اخلاقی انحطاط شروع ہوگیا،

مجلس ندوۃ العلماء نے آج سے ربع صدی پیشتر جو آواز ہندوستان میں بلند کی کیا یہ اسی کی صدائے بازگشت نہیں ہے؟

"جمعیۃ العلماء کلکتہ کا خطبہ صدارت"

یہ خطبہ جس میں عالم اسلام کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے، اور ہندوستان میں مسلمانوں کے فرائض سے بحث کی گئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اس کا تقاضا کررہے ہیں، اس لئے ان کو اطلاع دیجاتی ہے کہ دفتر میں اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہیں، جو اصحاب چاہیں بقیمت منگوا سکتے ہیں قیمت ۸ر ضخامت ۴۸ صفحے،

"منیجر"

اخبار علمیہ

اشیائے تہ آب کی تصویر، ایک زمانہ سے اشیاے اندرون آب کی تصویر لینے کی کوشش کی جارہی تھی، اور یہ جدوجہد ایک بڑی حد تک کامیاب ہوچکی تھی، لیکن اب اس مقصد کے لئے ایک بالکل مکمل مشین ایجاد کرلیگئی ہے، جس کے ذریعہ یہ مقصد بآسانی حاصل ہوگا، چنانچہ اب اس آلہ کا مکمل تجربہ کرنے کے بعد اسے عملی طور پر کام میں لایا جارہا ہے۔ اور عنقریب قدیم شہر رومانیہ کی تصویر لی جانے والی ہے، جو اس وقت سمندر کی سطح کے نیچے ڈوبا ہوا ہے، امید ہے کہ اسی طرح اس جدید اختراع سے بعض اہم تاریخی حقائق کا انکشاف ہوگا جو اس وقت سمندر کی سطح میں مستور ہیں،

اقوام قدیمہ کی کھوپڑیاں، اکسفورڈ کے بعض نوجوان تعلیم یافتہ بعض آثار قدیمہ کے انکشاف کے لئے فلسطین کا دورہ کررہے تھے، ان کا سفر کامیاب ثابت ہوا اور انھیں ایک مقام پر ۲۰ فٹ زمین کے اندر بہت سی ایسی پرانی کھوپڑیاں ملی ہیں جو زمانہ تاریخ سے پہلے کی قرار پائی ہیں، چنانچہ بعض قوی دلائل کی بنا پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ان اقوام کی کھوپڑیاں ہیں جو فلسطین میں بنی اسرائیل کے داخلہ سے ۱۰ ہزار سے ۲۰ ہزار سال پیشتر سکونت پذیر تھیں،

جراثیم کے مستقل وجود سے انکار، یورپ کی جدید تحقیقات میں مولد امراض جراثیم کا وجود ایک حقیقت ثابتہ ہے، اور یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ ہر مرض کے لئے ایک خاص نوع کا جرثوم ہوتا ہے جس سے وہ مرض پیدا ہوتا ہے، اس لئے امراض کے انسداد کے لئے جراثیم کا انسداد ضروری سمجھا جاتا ہے، لیکن حال

ایک فرانسیسی ماہر سائنس نے ایک علمی مجمع کو خطاب کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ ان جراثیم کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے، بلکہ یہ ترکاری اور سبزی وغیرہ کے سڑنے گلنے کے بعد ان کی عفونت سے پیدا ہوتے ہیں، فاضل ماہر سائنس نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں یہ بھی بیان کیا ہے وہ مرض سرطان، چیچک اور مختلف قسم کے بخار وغیرہ کے جراثیم آلو اور دوسری سبزی وغیرہ سے پیدا کر سکتا ہے، معلوم نہیں یہ نظریہ ماہرین کے درمیان قابل التفات قرار پاتا ہے کہ نہیں اگر کسی جماعت میں بھی قابل قبول ٹھہرا تو مدعیان نظریہ اضافیت کو ایک اور رسالہ ہاتھ لگے گا،

بحر اسود کے متعلق تحقیقات، روس میں ایک ایسی مجلس قایم ہوئی تھی جو سمندروں اور اس کے پانی وغیرہ پر علمی نقطہ نظر سے بحث کرتی تھی، اس مجلس نے بحر اسود کے متعلق ۱۸۹۰ء اور ۱۸۹۱ء میں بعض علمی مباحث شائع کئے تھے، روس کی موجودہ اطلاعات سے واضح ہوتا ہے کہ اس مجلس کے سرگرم مباحث اب تک بدستور جاری ہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ اس نے کامل تیس برس کے بعد بحر اسود پر دوبارہ غور کرنا شروع کیا اور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۵ء تک غور و خوض اور تجربہ کرنے کے بعد بحر اسود کے متعلق بعض مفید حقائق کا انکشاف کیا ہے جو اب شایع ہو گئے ہیں،

ٹیلیفون کی کثرت، اب شہری زندگی میں ٹیلیفون ضروریات زندگی کا ایک لازمی جزء ہو گیا ہے ذیل کے اعداد سے واضح ہوگا کہ مختلف ممالک میں ہر ایک ہزار آدمیوں میں سے کتنے آدمی ٹیلیفون استعمال کرتے ہیں،

نام ملک	تعداد فی ہزار	نام ملک	تعداد فی ہزار
امریکہ	۱۳۷	کناڈا	۱۱۰

نام ملک	تعداد فی ہزار	نام ملک	تعداد فی ہزار
ڈنمارک	۸۷	سویڈن	۶۷
ناروے	۶۱	جرمن	۳۸
برطانیہ	۲۵	فرانس	۱۵
مصر	۱	خاص شہر قاہرہ	۱۰

پٹرول کا منبع، ماہرین طبقات الارض زمین سے پٹرول نکلنے کے اسباب بیان کرنے میں شدید اختلافات رکھتے ہیں، لیکن اب بعض اہم دلائل کی بنا پر یہ نظریہ زیادہ قبولیت حاصل کر رہا ہے کہ پٹرول مچھلیوں کے تیل یا ان کے جوہر سے پیدا ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ مچھلیاں بعض جیالوجی اسباب کی بنا پر ایک خاص مقام پر مجتمع ہوجاتی ہیں پھر ان کے مرجانے کے بعد جب ایک طویل زمانہ گذر جاتا ہے ان مچھلیوں کا عرق یا ان کا مادۂ دھنیہ پٹرول کی شکل اختیار کر لیتا ہے،

بندروں کی زبان کی تدوین، مسئلۂ ارتقار کی عقدہ کشائی کے لئے یورپ کے دو ماہرین نے بندروں کی زبان کی تحصیل و تدوین کی طرف توجہ کی ہے، حصول مقصد کے لئے ان دونوں نے بندر کے دو بچوں کی اپنی نگرانی میں پرورش کی، اور دوران پرورش میں ابتدا ہی سے بامعان نظر انکی زبان کا مطالعہ کرتے رہے، اور جب ان کے تجربے نے ان کی رہبری کی اور وہ ان بچوں کی زبان سمجھنے لگے، تو اس کی تدوین کی طرف متوجہ ہوئے، اور اس خاص موضوع پر ان دونوں نے اپنی ایک کتاب شایع کی جسمیں اس موضوع کے متعلق تمام معلومات اور اپنے تمام تجربے قلمبند کر دیے ہیں، اور بندران کی زبان کو کاغذی پیراہن میں لے آئے ہیں، مثلاً بندروں کی زبان میں لفظ "غاک" سے مراد "کھانا" ہے،

اسی طرح اگر ان کی زبان سے لفظ "آہ اہاہا" ادا ہو تو یہ انکی "ہنسی" ہے اور اگر "ہواُوہ" نکلے تو ان کا "خوف" ظاہر ہوتا ہے، ان دونوں ماہرین میں سے ایک ڈاکٹر برکس ہیں، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ ان بندروں کے منہ میں بعض ایسے "اعضائے نطق" پائے جاتے ہیں، جو انسانوں کے "اعضائے نطق" کے مشابہ ہیں، اور انھیں اعضا میں "قوت ذکاوت" پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ الفاظ کو ان کے صحیح معنی مراد میں استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں،

پٹرول کے سرچشموں کے متعلق بعض تحقیقات، پٹرول تقریباً ۵۰ برس سے تمدنی ضروریات میں خرچ ہوتا ہے، اور مختلف ممالک میں اس کثرت سے اس کی ضرورت پڑی کہ ماہرین طبقات الارض کا ایک بڑا گروہ تقریباً چھ سال سے پیشینگوئی کرنے لگا کہ پٹرول زمین سے عنقریب ناپید ہونیوالا ہے اور ابھی تھوڑا زمانہ گذرا کہ اسی خطرہ کی وجہ سے ماہرین کا ایک گروہ پٹرول کو دوسرے ذرائع مثل ہوا وغیرہ سے پیدا کرنے کی تدابیر سوچنے لگا اور اس میں اسے کامیابی بھی ہوئی، لیکن اب یکایک بعض جدید تحقیقات کی بنا پر زمین سے پٹرول کے ناپید ہونے کی پیشینگوئی غلط ثابت ہوئی، کیونکہ ابھی حال میں اس کے بعض ایسے سرچشمے دریافت ہوئے ہیں، جنکی گہرائی دو اور تین ہزار انچ سے پانچ ہزار انچ تک ہے، اور اسی گہرائی کے تناسب سے ان سرچشموں سے پٹرول کی کثیر مقدار دستیاب ہوگئی، علاوہ ازین پٹرول کے متعلق موجودہ جدوجہد سے یہ بھی واضح ہوا کہ اس وقت امریکہ میں ایک ہزار ایک سو ملین ایکڑ زمین میں پٹرول موجود ہے، جسمیں سے ابتک صرف دو ملین ایکڑ زمین سے پٹرول برآمد ہو چکا ہے، اگرچہ ایک ملین ایکڑ ایسی زمین بھی نکلی جو پٹرول کے گمان پر کھودی گئی، لیکن کامیابی نہ ہو سکی اور اس وقت وہاں پٹرول کے تین لاکھ ایسے کنویں ہیں جس میں سے تین لاکھ ٹن پٹرول یومیہ نکالا جاتا ہے

" د، ر "

ادبیات

قطعہ

تاریخ وفات نواب عماد الملک بہادر

از مولانا سید احمد حسین صاحب امجد

بلگرامی مولوی سید حسین — رفت در ظل حسین ابن علی
رحمت حق از لب امجد بگفت — یا عماد الملک ادخل جنتی

رُباعی

از حضرت گرامی

امید وریدہ طیل در زیر گلیم — فطرت ادب آموز تمنائے کلیم
مائیم بلا سنج فریب تاخیر — مائیم ادا فہم رموز تقدیم

عرفانیات

از پروفیسر وحید الدین صاحب سلیم جامعہ عثمانیہ

ذرہ ذرہ ہو فنا گر تیری ہستی کا تو ہو — منہ نہ پھیرونگا کبھی مہر جہان تاب سے میں
دیکھنا یہ ہے کہ زنجیر ہلاتا ہے یہ کون — پار جاتا ہوں ادھر عالم اسباب سے میں

اس فضا میں ہو جہاں اسکی تجلی برق پاش — آتی ہے جبریل کے پر کو صدائے دور باش
جستجو میں جسکی از خود رفتہ ہے عالم تمام — کر رہا ہوں میں اسے عالم کی شش جہت میں تلاش

کلام ممتاز

از جناب خواجہ محمد ممتاز بخت صاحب ممتاز تلمیذ حضرت داغ مرحوم

اری او جانے والے ہوتے جانا میرے مدفن سے
کہ خاک تربت عاشق ملے گی آنکھ دامن سے

نظر پڑ جائیگی ان کی تو پھر دم بھر نہ ٹھہریں گی
تمنائیں انھیں کیوں جھانکتی ہیں دل کے روزن سے

بہت آسان ہے عشاق کا سھراؤ کر دینا،
اگر وہ کام لیں اپنی نگاہِ ناوک افگن سے

ضیائے حسن میں کتنی لطافت ہو گئی پیدا
کہ نور آیا ہے چھن چھن کر نقاب روے روشن سے

زمانے میں کہیں باقی نہیں ہے لطف آزادی
قفس میں آکے بلبل بیٹھ رہتی ہے نشیمن سے

ہوئی ہے خندۂ گل سے اسے بھی گدگدی پیدا
صبا اٹکھیلیاں کرتی ہوئی آتی ہے گلشن سے

خدا جانے تجلی عام ہو جاتی تو کیا ہوتا
چمک کر گر پڑی بجلی جو جھانکا اس نے چلمن سے

نشاط انگیز ہے میرے لئے اب میری بے چینی
کہ لذت گیر میں ہوتا چلا ہوں دل کی الجھن سے

یہ ہے دل میں کبھی چین جبین یار سے پوچھوں
کہاں جاتی ہے تو جس دم نظر ملتی ہے دشمن سے

رہی ہے حسرت نو نکی اس میں بزم آرائیاں کیا کیا
مرا دل بھی کبھی معمور تھا فریاد و شیون سے

سمند ناز پر یہ اور بھی ایک تازیانہ ہے
الٰہی حشر تک اترے نہ بل قاتل کے چتون سے

کھڑے رہ جاتے ہیں منہ دیکھتے سب دیکھنے والے
نگاہِ شوق جلوے کو اچک لیتی ہے چلمن سے

کسی کی جنبشِ ابرو میں میری موت پنہاں تھی
ادھر تیوری چڑھی نکلی ادھر جان حزیں تن سے

خرابی ہے ہر ایک تعمیر ہستی کے لئے لازم
صدا یہ آرہی ہے بیکسوں کی خاک مدفن سے

وہی مستی کا عالم آج تک ممتاز ہے دل میں
کبھی ساقی نے دیکھا تھا خمار آلودہ چتون سے

باب التقریظ والانتقاد

دین کامل

مصنفہ جناب مولوی مفتی سید عبد القیوم صاحب وکیل جالندھر

اسلام کی حقانیت پر ہر زمانہ میں کتابیں لکھی گئیں، لیکن چونکہ ہر زمانہ کا اسلوب بیان اور طریق ادا جداگانہ ہوتا ہے، اسلیے آجکل خاص طور پر یہ ضرورت محسوس کیجاتی ہے کہ ہم اپنے پرانے علم کلام کو نئے حالات کے مطابق بناکر پیش کریں، مفتی سید عبد القیوم نے دین کامل لکھکر اس ضرورت کی طرف نہایت مفید قدم اٹھایا ہے،

اس کتاب کا موضوع بحث یہ ہے کہ "اسلام دین فطرت ہے" اس کو آٹھ جلدون مین پھیلا کر بیان کیا گیا ہے، اس وقت ہمارے سامنے پہلی جلد ہے، اس مین دوسری سات جلدون کے متعلق بتایا گیا ہے کہ ان مین، توحید، معاد، رسالت، الہام، فرشتے، مکارم اخلاق اور اصول عبادات سے بحث ہوگی، پھر ثابت کیا جائے گا کہ اسلام کے اصول علم عقل، اور فطرت کے موافق ہین، اسلام کوئی خونریز مذہب نہین ہے، بلکہ وہ صرف میل ملاپ اور صلح وآشتی کا مذہب ہے،

پہلی جلد کا خلاصہ مختصر لفظون مین یہ ہے کہ:-

" مذہب ان علمی اور عملی ضوابط کا نام ہے جنکی پابندی انسان کے تمام ظاہری اور باطنی قوی کو فطرت کے صحیح ترین اور مفید ترین اصول پر چلاتی ہے، مذہب کی ضرورت انسان کو اس لیے ہے کہ وہ گویا ایک روحانی طب ہے، انسان کسی نہ کسی مذہب کے ماننے پر فطرۃً مجبور رہے، لیکن ہر مذہب

کامل نہین بعض ناقص ہین بعض ناقص تر بعض مین سچائی ہے بعض مین نہین، کامل ترین مذہب جو تمام ضروری سچائیون اور صداقتون کا حامل ہو اسلام ہے، دین فطرت کی شناخت کے آٹھ اصول ہین (۱) مذہب خود اس کا مدعی ہو کہ وہ دین فطرت ہے (۲) ابتدائے آفرینش سے ہو (۳) اوس کے علمی اصول ایسے ہون جنکے تسلیم کرنے سے عقل سلیم منکر نہ ہو سکے، (۴) علمی اصول فطرت کے مطابق ہون (۵) وہ مذہب عقل کو استعمال کرنے سے منع نہ کرتا ہو، (۶) اسی طرح علم کے خلاف بھی نہو، (۷) حقائق موجودات اور قوانین فطرت پر غور کرنے کی اجازت دے (۸) دنیا کے اور مذاہب مین صلح و آشتی پیدا کرے، اور اسلام ان آٹھون معیار پر کامل اترتا ہے،

ہمارے طبقۂ علما کو اس کتاب مین بہتیری باتین بظاہر نئی معلوم ہونگی، لیکن اگر وہ غور سے دیکھین گے تو معلوم ہوگا کہ صرف اسلوب بیان بدلا ہوا ہے، بات وہی پرانی ہے، البتہ مندرجہ ذیل باتون پر شاید لوگ عام طور پر کھٹکین، ان باتون پر سرسری طور سے ہم کو بھی غور کر لینا چاہیئے،

(۱) ہمارے دوست فرماتے ہین:-

"مذہب نے جن عقائد و احکام کی تسلیم و تعمیل کا حکم دیا ہے یا جن سے منع کیا ہے، ان کا اچھا یا برا ہونا یا اشیا کا حلال یا حرام ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ مذہب نے انکی نسبت ایسا حکم دیا ہے، ورنہ فی نفسہ کوئی شے مفید یا مضر نہین، چنانچہ مسلمانون مین فرقہ اشعریہ کی یہی رائے ہے، لیکن معتزلہ اس کے خلاف ہین وہ کہتے ہین کہ ہر شے بذاتہ مفید یا مضر ہوتی ہے مذہب صرف مفید شے کے اچھے ہونے اور مضر شے کے برے ہونے کو ظاہر کر دیتا ہے عقل کی کسوٹی پر معتزلہ کی رائے صحیح ثابت ہوتی ہے اور قرآن شریف بھی اسی کا مؤید ہے"،

مفتی صاحب نے کسی قدر جلد بازی سے فیصلہ کر دیا، ورنہ اشاعرہ کی رائے کو وہ اس قدر جلد غلط نہ کہدیتے، دنیا مین کوئی چیز نہین جو محض مفید یا محض مضر ہو چیزون مین ذاتی حسن یا ذاتی قبح نہین

ہوتا کسی عمل کو خیر یا مفید سمجھنا قطعی طور پر اس پر منحصر ہے اکہ ہم اس نتیجہ سے خوش ہین جسکی امید اس عمل کے بعد ہے اس بنا پر اشاعرہ نے یہ بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے، کہ کوئی چیز نہ محض مضر ہے، نہ محض مفید، ہر شے مفید بھی ہو سکتی ہے اور مضر بھی، یعنی اس کے استعمال سے جو آثار پیدا ہون گے ضرور نہین کہ ہر شخص انکو مفید سمجھے ممکن ہے کہ بعض ان کے آثار کو پسند کرین بعض ناپسند، بعض کو تکلیف محسوس ہو بعض کو راحت اسی طرح اعمال و عقائد مین جو بعض کو تو اچھے معلوم ہون گے بعض کو برے، قرآن مجید مین ہے،

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم		ایسا بھی ہوگا کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو گے اور وہ تمھارے لئے مفید ہوگی

اب سوال یہ ہے کہ اگر ایک عمل اس قسم کا ہو کہ اس کے اثر کو کچھ لوگ تو خیر باور کرتے ہین اور کچھ لوگ شر، تو فیصلہ کس کے حق مین کیا جائے گا، انسان کے ہر فیصلہ مین اس کے جذبات، اس کے وجدانات، اسکے ماحول اور اس کے آبائی عقائد، اور مجلسی خیالات بھی اسکی عقل کے ساتھ شریک ہون گے، کسی چیز کو پسند یا یا ناپسند کرنا درحقیقت عقل و استدلال کا کام نہین، بلکہ خیر و شر کا احساس ایک وجدانی امر ہے اور اس کا تعلق صرف جذبات سے ہے،

علمائے اسلام کا ایک بڑا گروہ اعمال کے خیر یا شر ہونے کا فیصلہ خود انسان کے ضمیر یا نفس لوامہ پر رکھتا ہے، لیکن خود یہ نفس لوامہ نور شریعت کی بدولت پیدا ہوتا ہے،

یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک صحابی کو گناہ کی تعریف یہ بتائی تھی کہ

ما حاک فی صدرک ان تفعل		گناہ وہ عمل ہے جس کے کرنے سے تمھارے دل مین کھٹک پیدا ہو،

لیکن یہ کوئی علمی اصول نہین، بلکہ یہ ایک ایسے شخص سے کہا گیا تھا جس کے قلب مین اسلام نے ایک صحیح نفس لوامہ پیدا کر دیا تھا اور جس کا اندرونی وجدان شریعت کے مطابق ہو چکا تھا

حقیقت یہ ہے کہ

(۱) کسی چیز کو خیر یا شر بتانا عقل و استدلال کے احاطۂ عمل سے باہر ہے،

(۲) جذبات کا فیصلہ متضاد ہوتا ہی، اسلئے خیر و شر کا مدار جذبات پر بھی نہین رکھا جا سکتا،

(۳) البتہ نفسی وجدان کے لیے خیر و شر کا فیصلہ کرنا ممکن ہے،

(۴) لیکن ہر وجدان کسی نہ کسی شریعت سے متاثر ہے،

اس بنا پر اگر کسی طبقہ اہل اسلام نے یہ کہا کہ خیر و شر کا فیصلہ صرف خدا کے فیصلہ پر منحصر ہے تو اس فیصلہ کو عقل کی کسوٹی کے خلاف کہنا بیجا ہے،

(۲) جناب مصنف نے نہایت دلیری اور ایمانی جرأت سے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ روح اسلام صرف توحید ہے، جتنے مذاہب توحید کے قائل ہین بعید نہین کہ وہ بھی اپنے برے اعمال اور برے عقائد کی سزا بھگت کر عقیدہ توحید کا نیک بدلہ پائین صاف لفظون مین تو نہین لکھا ہے، لیکن شاید ان کا یہ مطلب بھی ہے کہ رسولون کا منکر، انکار رسالت کی سزا تو ضرور پائے گا، لیکن جب تک قائل توحید ہے ابدی جہنمی نہین، غالبًا دوسرے حصہ مین اس حقیقت کو صاف طور پر ظاہر کر دیا جائے گا،

ہم کو خطرہ ہے کہ عام علماء اس سے ناخوش ہونگے، لیکن علمی حیثیت سے دنیا کا ایک ایک قدم بتا رہا ہے کہ توحید کی مقبولیت کا زمانہ آ رہا ہے، اسلیے مسلمانون کا فرض ہے کہ سب سے پہلے

"لا الہ الا اللہ"

کی دعوت دین، جب دنیا اسکو قبول کرے تو

محمد رسول اللہ

کی باری آئیگی، اس کے بعد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال پیش کرنے کی ضرورت ہے، آنحضرت صلعم نے اپنے رسول معاذ بن جبل کو تقریبًا ایسی ہی تعلیم دی تھی،

مندرجہ بالا ایک دو باتون کے علاوہ اس کتاب مین ایک بات بھی ایسی نہین ہے جس سے ہمارے پرانے خیال کے علماء کو کسی قسم کی وحشت ہو، حالانکہ طریق بیان، طرز ادا، اسلوب استدلال،

بالکل جدید ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس کتاب مین کوئی نئی بات کہی گئی جو عام طور پر پہلے سے معلوم نہ تھی،

اس وقت تک صرف پہلی جلد شائع ہوئی ہے جسکی ضخامت ۲۵۱ صفحے اور قیمت عہ ہے غالبًا عنقریب یکے بعد دیگرے دوسری جلدین بھی شائع ہوجائینگی، پتہ:۔ مفتی سید عبد القیوم صاحب وکیل جالندھر (پنجاب)

نشاط روح

یعنی

مجموعۂ کلام جناب اصغر حسین صاحب اصغر (گونڈہ)

اردو شعرا مین غالب کا دیوان سب سے مختصر ہے، لیکن اس کے معانی و مطالب نے اوسکو بہت زیادہ مطول کردیا ہے، اور باوجود کثرت شروح و حواشی کے ابھی تک اس مین اور بھی وسعت کی گنجائش ہے،

حضرت اصغر کا کلام اگرچہ غالب کی طرح بہت زیادہ دقیق و مشکل نہین ہے، تاہم ان کے معانی و مطالب مین جو وسعت و رنگینی پائی جاتی ہے، وہ بہت کچھ شرح و تفصیل کی محتاج ہے، اور اس مجموعہ مین ان کا کلام اسی شرح و بسط کیساتھ قوم و ملک کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اسلئے معنوی حیثیت کیساتھ اُن کو ظاہری حیثیت سے بھی غالب کیساتھ مشابہت حاصل ہوگئی ہے،

اس مجموعہ مین سب سے پہلے جناب مرزا احسان احمد صاحب بی اے، ایل ایل بی وکیل عدالت دیوانی اعظم گڈہ نے جو اس مجموعہ کے جامع ہین، ۲۹ صفحے مین ایک مقدمہ لکھا ہے، جس مین پہلے حضرت اصغر کے سوانح و حالات ہین، پھر مختلف حیثیتون سے ان کی شاعری کے محاسن دکھائے گئے ہین، اس کے بعد مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے، ایل ایل بی وکیل عدالت دیوانی اعظم گڈہ نے ۱۴ صفحات کا ایک مقدمہ لکھا ہے، جو مرزا احسان احمد کے مقدمہ سے زیادہ جامع ہے، مرزا احسان احمد صاحب نے

صرف کلام اصغر کی خصوصیات دکھائی ہین، لیکن حضرت سہیل نے جو کچھ لکھا ہے وہ اصولاً نفس شاعری سے تعلق رکھتا ہے، لیکن چونکہ حضرت اصغر کا کلام شاعری کے اصولی محاسن کے بالکل مطابق ہے، اسلیے مثالین صرف انہی کے کلام سے دی ہین، اور اس طرح ان کے کلام کی خوبیان بھی نمایان ہوگئی ہین،

اس کے بعد حضرت اصغر کا کلام شروع ہوتا ہے، جو صرف ۴۴ صفحے مین آیا ہے، اگرچہ اصل دیوان کا یہ اختصار اور مقدمہ کی یہ طوالت خود حضرت سہیل کی نگاہ مین بھی کھٹکی ہے لیکن وہ اپنے ذوق سلیم سے مجبور تھے اسلیے اونکا یہ عذر قابل پذیرائی ہے، کہ

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

حضرت اصغر کے دیوان کی ابتدا نعت سے ہوئی ہے، اس کے بعد دو ایک صوفیانہ غزلین بلکہ نظمین درج کیگئی ہین، لیکن اگر ان سب سے پہلے خدا کو بھی یاد کر لیا ہوتا اور حمد مین بھی ایک غزل لکھ دی ہوتی تو غالباً زیادہ مناسب ہوتا،

ان چند نظمون کے بعد عاشقانہ غزلین شروع ہوتی ہین، جو غالب کے دیوان سے بھی زیادہ غیر مرتب طور پر جمع کیگئی ہین، یعنی غالب کے دیوان مین تو صرف مطلع و مقطع ہی غائب تھے، لیکن اس مین مطلع و مقطع کیساتھ اکثر ردیفین بھی غائب ہین، اور جو ردیفین موجود ہین ان مین بھی معلوم نہین کس مصلحت سے نہایت بے ترتیبی پیدا کیگئی ہے، مثلاً اس مجموعہ مین الف، ب، ج، د، ز، ش، ق، ن، ہ اور ے کی ردیف مین غزلین موجود ہین، اور اگر ان کو انہی حروف تہجی کی ترتیب کے لحاظ سے مرتب طور پر جمع کر دیا جاتا تو دیوان کی ظاہری شکل بھی پیدا ہو جاتی، لیکن اس مجموعہ کے جامع کو اوسکی معنوی خوبیون نے اس قدر مبہوت کر دیا کہ ان کو اس کا ہوش نہین رہا کہ باطنی خوبیون پر حسن ظاہر کا بھی بہت کچھ اثر پڑتا ہے،

ان ظاہری و سرسری باتون کے بعد خود کلام اصغر کے تنقید کی باری آتی ہے، لیکن جہانتک محاسن کا تعلق ہے، مقدمہ نگار دن نے اس فرض کو بوجہ احسن ادا کر دیا ہے، اور مثالب لکھنو کے بعض

ادبی مرقعون مین نمایان کر دیئے گئے ہین، ان دونون سلسلون سے الگ حضرت اصغر کے کلام کے متعلق خود ہماری ذاتی رائے بھی ہے، لیکن اوسکا اظہار اس مختصر تقریظ مین نہین کیا جا سکتا، اوس کے لیے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، البتہ ان کے رنگ کلام کے نمایان کرنے کے لیے ہم ان کے چند اشعار کا انتخاب ضروری خیال کرتے ہین،

تسلیم مجھ کو خانۂ کعبہ کی منزلت　　سب کچھ سہی مگر وہ ترا آستان نہین

کچھ اس انداز سے چھیڑا تھا مینے نغمۂ رنگین　　کہ فرط ذوق سے جھومی ہے شاخ آشیان برسون

وہی تھا حال میرا جو بیان مین آ نہ سکتا تھا　　جسے کرتا رہا افشا سکوت رازدان برسون

خروش آرزو ہو نغمۂ خاموش الفت ہین　　یہ کیا اک شیوۂ فرسودۂ آہ و فغان برسون

محبت ابتدا سے تھی مجھے گلہائے رنگین سے　　رہا ہون آشیان مین لیکے برق آشیان برسون

مین ہون ازل سے گرم رہ عرصۂ وجود　　میرا ہی کچھ غبار ہے، دنیا کہین جسے

سرمستیون مین شیشۂ مے لیکے ہاتھ مین　　اتنا اُچھال دین کہ ثریا کہین جسے

اس مجموعہ کی ضخامت تقریباً ۱۰۵ صفحہ ہے، تقطیع چھوٹی، اور لکھائی چھپائی دیدہ زیب، شروع مین حضرت اصغر کا ایک فوٹو بھی ہے، قیمت عار

لغات جدیدہ

تفسیر سورتی الفلق والناس، علامہ ابن تیمیہ نے قرآن مجید کی مختلف سورتون کی تفسیر لکھی جنمین سے بعض چھپ چکی ہین، انھین مطبوعہ تفسیرون مین سے تفسیر معوذتین کا ترجمہ جناب محمد شریف عبد الغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا ہو، ترجمہ سلیس اور صاف زبان مین کیا گیا ہے، حجم مع متن عربی ۷۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت و ناشر صاحبان سے طلب کی جائے،

زیارۃ القبور، مجدد اسلام علامہ ابن تیمیہ سے ایک استفتار مین قبرون کی زیارت کرنے، قبون پر چڑھاوے چڑھانے، قبرون کے لیے نذرین ماننے، ان سے استعانت کرنے، ان کا بوسہ دینے ان پر سجدے کرنے، مصائب مین اولیاء وصالحین کو پکارنے، قبرون پر مجلس سماع منعقد کرنے، اور غوث، قطب وغیرہ مصطلحات تصوف پر عقیدہ رکھنے وغیرہ کے متعلق شرعی حکم دریافت کیا گیا تھا، انھون نے استفتار کا جواب ایک رسالہ زیارۃ القبور والاستنجاد بالقبور مین دیا تھا، جس مین زیارۃ قبور کے مسنون طریقہ کی وضاحت کے بعد قبرون کے متعلق دیگر بدعات ومحدثات پر شرعی نقطۂ نظر سے بحث کرکے ان تمام مزخرفات کی تردید کی ہے، اسی رسالہ کو اردو مین "زیارۃ القبور" کے نام سے منتقل کیا گیا ہے، حجم مع متن عربی ۸۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت و ر پتہ: شریف عبد الغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور،

اتحاد مذہب و سائنس، جناب محمد فاروق صاحب ایم سی (علیگ) نے، مطالیۂ فطرۃ

کے نام سے چند سلسلہ مضامین لکھنا شروع کیا ہے، جسکی پہلی کڑی قیل وقال یعنی اتحاد مذہب و فلسفہ سے موسوم ہوکر ظاہر ہوئی ہے جس مین مسائل ارتقاء، ارتقائے شعور یا طلب معرفت، ارتقائے مذہب توحید والوہیت، الہام ونبوت اور کفر و اسلام پر بحث کر کے فلسفہ و مذہب کے ماحصل کو متحد ثابت کرنے کی کوشش کیگئی ہے، کہ دونون کا مقصد وحید "طلب معرفت" ہے، اور یہی مطالبہ فطرت بھی ہے، جس کا خلاصہ مصنف کے الفاظ مین یہ ہے کہ

"ہماری ارتقائی زندگی کا دار و مدار منازل عرفان کے طے ہونے پر ہے، اور یہی تقاضائے فطرت انسانی ہے۔۔۔ حصول عرفان مشاہدات وتجربات سے وابستہ ہے، مشاہدات ظاہری و باطنی دونون حقیقت شناسی مین مدد کرتے ہین، مذہب و فلسفہ کی غایت بھی یہی تحصیل معرفت ہے"

آخر مین مسلمانون کو "دعوت عمل" کے عنوان سے خطاب کیا گیا ہے جس مین مسلمانون کے تنزل کا سبب روح اسلام کے نظرانداز کر دینے کو بتایا گیا ہے، اور دعوت عمل مین اسی کی دعوت دیگئی ہے، ہمین مصنف کے خیالات سے کہین کہین جزوی اختلاف ہے، جسے ہم نظرانداز کرتے ہین، زبان سادہ اور سلیس، طرز نگارش صاف اور سلجھا ہوا ہے، ضخامت چھوٹی تقطیع پر ۱۱۹ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت فی جلد غیر مجلد ۱۲/ اور مجلد ۱۴/ پتہ :- جناب منیجر صاحب مطبع حکیم برہم گورکھپور،

تذکرۂ رحمۃ للعلمین؛ جناب مولوی حبیب حسین صاحب ساکن قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی نے مجلس میلاد مین پڑھنے کیلئے دو جلدون مین "تذکرۂ رحمۃ للعلمین" لکھا ہے، پہلی جلد مین حمد و ثنا کے بعد پہلے حقوق اللہ بتائے گئے ہین، جنمین ارکان اسلام خصوصاً توحید کی توضیح کیگئی ہے، پھر حقوق العباد کی تشریح ہے، اس کے بعد آنحضرت علیہ الصلوۃ والتسلیم کے اسوۂ حسنہ پیش کئے گئے ہین، آخر مین ظہور قدسی کا تذکرہ ہے، جس مین اس سلسلہ کی موضوع روایتون کے بیان کرنے کی بجائے اس قسم

فجور کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس مین اس وقت تمام اطراف عالم مذہبی و اخلاقی حیثیت سے مبتلا تھے، پھر رحمۃ للعلمین کی ضرورت بتا کر اسکی جلوہ گری دکھائی گئی ہے، رسالہ کا دوسرا حصہ زنانہ میلاد سے موسوم ہے، اسی لیے اسے عورتون کی زبان مین لکھا گیا ہے، جس مین حقوق اللہ حقوق العباد کی بجا آوری، اسوۂ نبوی اور حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا الصلوۃ والسلام کے حالات زندگی سے حصول سبق اور عقائد مزعومہ مثلاً شگون اور ٹوٹکے وغیرہ سے احتراز کی تلقین کیگئی ہے، آخر مین ولادت شریف کا ذکر ہے، طرز نگارش صاف اور سلیس ہے، حجم حصہ اول چھوٹی تقطیع پر ۲۲ ۱ا ور حصہ دوم ۵۳ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت حصہ اول ۸ ر حصہ دوم ۳ ر، پتہ:- جناب سجاد حسین صاحب عبدالرزاق تاجران نواب بازار قصبہ ردولی ضلع بارہ بنکی،

براؤننگ:- براؤننگ، انگلستان کا ایک مشکل پسند شاعر ہے، اسکی بعض نظمون کا ترجمہ جامعہ عثمانیہ کے لائق طالب علم جناب سید وقار احمد صاحب متعلم ایم اے ال ال بی نے سلیس اور سادہ اردو زبان مین کیا ہے، ابتدا مین جامعہ عثمانیہ کے چند اساتذہ اور حیدرآباد کے چند دیگر معززین کی تقاریظ ہین، اس کے بعد جناب مترجم نے چند صفحون مین شاعر کے مختصر سوانح زندگی بیان کرکے اسکی شاعری پر تبصرہ کیا ہے، پھر نظمون کے تراجم درج ہین، پہلے اسکی مشہور نظم "ربی بن عذرا" کا ترجمہ ہے، پھر "واجبات محبت" ہے اور آخر مین "ایک خاتون کا آخری فیصلہ" کے عنوان سے ایک نظم کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، براؤننگ کی مغلق شاعری کو ملحوظ رکھکر جناب مترجم کا عام فہم اور سلیس ترجمہ ستائش کے قابل ہے، ضخامت مجموعی ۹۵ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت عہ ر

پتہ:- جناب سید عبدالقادر صاحب تاجر کتب چارمینار حیدرآباد،

مجلد ہژدہم	ماہ محرم الحرام ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۲۶ء	عدد دوم

مضامین

معارف کے ایک گذشتہ شذرہ میں میڈرڈ یونیورسٹی کے لائق پروفیسر مسٹر آسن کی ایک کتاب کے حوالہ سے بتایا جاچکا ہے کہ اٹلی کے مشہور شاعر دانتے کی مشہور نظم جس میں جنت و دوزخ وغیرہ کا سمان دکھایا گیا ہے، وہ تمام واقعۂ معراج نبوی سے ماخوذ ہے، لیکن ہمارے مغرب پسند احباب کو یہ سنکر اور زیادہ حیرت ہوگی کہ یورپ کے اس مائیہ ناز شاعر نے صرف اس واقعۂ معراج نبوی سے مدد نہیں لی جو کتب احادیث میں مذکور ہے، بلکہ اس کے تخیل وشاعری کی تمام تر بنیاد اور اس کا اصل ماخذ ایک عرب نابینا شاعر کا کلام ہے، شام کے مشہور علامہ سید کرد علی نے ۱۹۲۵ء کے مجلۃ المجمع العلمی العربی میں ایک مقالہ "عربی علم ادب اور ادبا" پر لکھا تھا، اسی مقالہ میں ابوالعلاء معری کے متعلق لکھتے ہیں:-

> اس کا رسالہ "رسالۃ الغفران" جسکو اس نے ابن قارح کے جواب میں لکھا تھا، دونون رسائل طبع ہوچکے ہیں، اٹلی کے مشہور شاعر دانتے کے بعض فسانہ سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعری اور تخیل میں معرہ کا ایک نابینا اٹلی کے ایک ماہر فن شاعر کا رہبر ہے، اس پر یورپ کے بعض مستشرقین کے مباحث موجود ہیں کہ دانتے نے اپنی حکایات الٰہیہ میں سے تین حکایتوں "جہنم" "جنت" اور "مطہرہ" کو جو ۱۳۱۳ء سے ۱۳۱۸ء تک شائع ہوئے اور خصوصاً حکایت "دوزخ" کو معری کے "رسالۃ الغفران" سے اخذ کیا ہے، اور اس نے اپنی ان حکایتون میں اپنے تمام تخیلات و تصورات اسی انداز پر قائم کئے ہیں"

دانتے عربی شاعری کا وہ باکمال متبع ہے جسکو یورپ نے اپنے یہان ہومر کے بعد جگہ دی ہے،

مشہور ہے کہ امریکہ کا انکشاف کولمبس نے کیا، لیکن اہل علم کے درمیان یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ

کولمبس سے پیشتر وہان بعض مغربی قومین فاتحانہ حیثیت سے داخل ہوئین اور مدت دراز تک حکومت کرتی رہین، مگر آ

مسٹر لیونیر[۲] EOWIENE نے تحقیق کا ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہا ہے، وہ چھبیس[۲۶] زبانون کے ماہر ہین اور

چند سال گذرے کہ انھون نے امریکہ کے اصلی باشندون کی زبان بھی خاص اس مقصد کے لیے سیکھی کہ اس زبان

کے ذریعہ سے قدیم زمانہ مین امریکہ مین مختلف اقوام کے داخلہ کے حالات معلوم کرسکین، چنانچہ وہ اپنے مقصد مین

کامیاب ہوئے اور انھین اس زبان مین چند مغربی زبان کے الفاظ و محاورات کیساتھ عربی زبان کے الفاظ

بھی ملے، اور وہ اس نتیجہ تک پہنچے کہ ان تمام غیر زبانون کے الفاظ مین عربی زبان کے الفاظ امریکہ کی زبان مین

سب سے پہلے داخل ہوئے، اس کے بعد موصوف نے ایک کتاب "افریقہ اور اکتشاف امریکہ" کے عنوان سے تین ضخیم

جلدون مین شائع کی، جس مین انھون نے وضاحت سے اپنے اس نظریہ کو ثابت کیا کہ امریکہ کے اصلی باشندون

کی زبان مین عربی زبان کے بہت سے الفاظ پائے جاتے ہین اور پھر اپنی کتاب کی اشاعت کے بعد

یہ نظریہ شائع کیا، کہ یہ الفاظ امریکہ مین ۱۲۹۰ء مین داخل ہوئے، تو گویا کولمبس کے پہنچنے سے دو صدی پیشتر امریکہ

مین عربون کے قدم پہنچ چکے تھے،

اہل علم اس نظریہ پر نہایت دلچسپی اور انہماک سے بحث کر رہے ہین، مسٹر برٹن کلین نے امریکہ کے ایک رسالہ

"عالم امروز" (WORLD TODAY) کے فروری نمبر مین اس مبحث کی تائید مین ایک مقالہ شائع کرایا ہے جسمین

انھون نے بعض تجارتی اور انجینیری شہادتین بھی پیش کی ہین، مثلاً امریکہ کے بعض شہر جو وہان ۱۱۵۰ء یا ۱۲۰۰ء

مین آباد تھے، انکی بنیاد بالکل عربی طرز تعمیر پر قائم تھی، اور یہی شہر عربون اور باشندگان امریکہ کے تجارتی مرکز

تھے، امریکہ مین عربون کے داخلہ پر اہل علم کے درمیان ابھی رد و قدح ہو رہی ہے، اسلئے ہم نہین کہہ سکتے کہ اس

نظریہ مین کہان تک صداقت موجود ہے لیکن اگر اہل علم کی غالب تعداد نے اس نظریہ کو قبول کر لیا تو پھر اہل یورپ

کو کسی ایسی جگہ کی تعیین کرنی پڑیگی جہان عربی تہذیب و تمدن جلوہ فگن نہ ہوا ہو،

مغربی حکومتیں جب کسی ملک میں داخل ہوتی ہیں تو انکی صدہا ابتدائی حکمت عملیوں میں ایک نہایت کامیاب حکمت عملی یہ ہوتی ہے کہ وہ اس ملک میں اہل علم و ارباب قلم کی جماعت پر نہایت خوش اسلوبی سے حاوی ہو جاتی ہیں، نپولین جب مصر میں داخل ہوا تو اس نے وہاں کے علمائے ازہر کی مقتدر علمی جماعت سے جو مخلصانہ ارتباط پیدا کیا اس پر ان دونوں کے مکاتبات شاہد ہیں، ہندوستان کی موجودہ تاریخ میں جبکہ یہاں حکومت برطانیہ اپنے عہد طفولیت سے آگے نہ بڑھی تھی، فورٹ ولیم کالج کے شعبہ تصنیف و تالیف کے کارنامے سامنے ہیں، فرانس بلاد افریقہ میں جو کچھ کر چکا وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں اور اس وقت ارض شام میں اس حکمت عملی پر جس طرح عمل پیرا ہے اس کے نتائج میں ایک یہ ہے کہ وہاں کی نہایت مشہور و باوقار بزم علمی "المجمع العلمی العربی دمشق" فرانس کے ایک قائد اعظم کمانڈر مالنگڈ COMD. MALINJOND کی موت پر جو ارض شام میں سب سے پہلی فرانسیسی فوج کے ساتھ داخل ہوئے تھے، نوحہ کناں ہے، یہ اسلیے کہ قائد موصوف اگر ایک طرف شامیوں کو اپنی آب شمشیر سے سیراب کرتے تھے تو دوسری طرف اپنے قلم کی آب و تاب سے شامیوں کے علم کی تشنگی بجھاتے تھے اور وہ دمشق کے مجمع علمی کے ایک سرگرم رکن بھی تھے اسلیے ہم مجمع علمی کے معزز ارکان پر بھی معترض نہیں لیکن ہم اس فریل میں صرف اپنی داستان کا خلاصہ چند الفاظ میں پیش کرنا چاہتے ہیں کہ اہل شام ابھی استعماریت کے ابتدائی دور میں ہیں، اور ہم اپنی غلامی کے بھی متعدد دور گذار چکے ہیں ہم پر ایک وہ دور گذرا ہے جبکہ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے ڈاکٹر جان گلکرائسٹ ملک کے مختلف اطراف سے ارباب قلم کو مدعو کر کے ادب اردو کے خدمات انجام دے رہے تھے، پھر ایک وہ دور آیا جبکہ سر انٹونی میک کے مختلف صوبوں میں اردو کے اثر و نفوذ کے کم کرنے کی سعی پیہم کرتے دکھائی دیے، پھر یہی سر انٹونی اردو کے مرکز لکھنؤ میں لارڈ میکڈنل کے نام سے پہنچے اور اردو کی رقابت کیلیے "ناگری پرچارنی سبھا" کو منتخب کیا اور اس کے وفد کو باریاب کر کے اس انجمن کی جڑ مضبوط کی، اور اس طرح مستقبل کا سامان بھی کر گئے، چنانچہ اس وقت موجودہ دور میں ہم اپنے اسی رقیب کو بڑے ساز و سامان کے ساتھ بر سر گریبان دیکھ رہے ہیں اور باوجود اسکے کوئی ڈاکٹر جان گلکرائسٹ اردو کی حمایت کے لیے کھڑا نہیں ہوتا، یہ اسلیے کہ اب ہندوستان میں حکومت برطانیہ کی بنیاد مستحکم ہے،

مقالات

مستدرک حاکم
کا
مطبوعہ نسخہ

(۲)

از مولوی ابو الجلال صاحب ندوی

مستدرک کو اڈٹ کرنے والون کے فرائض مین یہ بھی داخل ہے کہ حاکم کے بعد کے مصنفین نے مستدرک کے حوالہ سے جو حدیثین نقل کی ہین، ان کا بھی جائزہ لے لیتے کہ وہ حدیثین اس مطبوعہ نسخہ مین ہین یا نہین؟

ساقط احادیث مستدرک مین ایک حدیث حضرت علیؓ کی منقبت مین تھی، جس کا نام ائمۂ فن کی زبان مین حدیث طیر ہے، ہم کو سخت تلاش کے باوجود متن حدیث کا پتہ نہ لگ سکا، مگر اسکی اسناد طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۳ ص ۲، مین مذکور ہے وہ حسب ذیل ہے۔

"محمد بن احمد بن عیاض، قال حدثنا ابی، حدثنا یحییٰ بن حسان عن سلیمان بن بلال عن یحییٰ بن سعید عن انس"

یہ حدیث ہم کو مستدرک مین نہ ملی، اس کے متعلق یہ بھی روایت ہے کہ حاکم نے اپنے مسودہ سے

اس کو نکالدیا تھا، تاہم یہ حدیث مستدرک کے متعدد نسخون مین موجود تھی، چنانچہ ابن طاہر، سبکی، ذہبی، خطیب اور ابن حجر وغیرہ ائمۂ فن نے اس حدیث کو مستدرک مین دیکھا تھا،

اسی طرح چوتھی صدی کے بعد کے ائمہ نے اپنی کتابون مین مستدرک کے حوالہ سے متعدد حدیثین نقل کی ہین، جو باوجود تلاش ہم کو مطبوعہ مستدرک مین نہین ملتین، ممکن ہے کہ ان مین بھی چند اسی قسم کی ہونگی جنکو حاکم نے اپنے استعمال کے نسخہ سے خارج کر دیا تھا، تاہم اڈٹ کرنے والون کے فرائض مین یہ بھی داخل ہونا چاہیئے، کہ اس قسم کی حدیثون کو بطور ضمیمہ الگ سے چھاپ کے مستدرک کے آخر مین شایع کردین، مثال کے طور پر ہم چند حدیثون کا ذکر کرتے ہین،

طبقات الشافعیہ ج ا ص ۱۹،

کل امرٍ ذی بالٍ لم یبدء فیہ بحمد اللہ اقطع۔ — جس بات کی ابتدا حمد الٰہی سے نہ ہو، وہ بات بے جوڑ ہے،

سبکی نے سند لکھی ہے، ابن حبان کی سند سے اس حدیث کو لکھنے کے بعد فرمایا،

کذالک اخرجہ الحاکم فی مستدرکہٖ — حاکم نے بھی اسکی مستدرک مین تخریج کی ہے

اس کے بعد سبکی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:-

"ابن صلاح نے فیصلہ کیا کہ یہ حدیث حسن ہے یعنی صحیح سے کمتر ہے اور ضعیف سے برتر ہے،

ان کی دلیل یہ ہی کہ اس حدیث کے تمام رجال، رجال صحیح ہین، مگر قرہ سے صرف امام مسلم نے تخریج کی ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ مستدرک کی اسناد مین بھی (قرہ) کا نام تھا، ابن حبان کی سند حسب ذیل ہے،

حدثنا الحسین بن عبد اللہ القطان، حدثنا ہشام بن عمار، حدثنا عبد الحمید بن ابی العشرین، حدثنا الاوزاعی، عن قرۃ، عن الزہری، عن ابی سلمۃ عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کل امر ذی بال لم یبدء فیہ بحمد اللہ اقطع۔

اب قطعی طور پر معلوم ہوگیا کہ حاکم کی اسناد کا آخری جزبھی یقیناً وہی ہوگا جو صحیح ابن حبان کی سند کا آخری جز ہے یعنی

عن قرۃ عن الزہری عن ابی سلمہ عن ابی ہریرۃ "

قرہ سے پہلے جن راویون کا نام ابن حبان کی اسناد مین آیا ہے وہ بھی رجال مستدرک مین داخل ہین، عجب نہین کہ حاکم کی اسناد مین بھی یہ تمام اسما ہون، البتہ یہ نہین معلوم کہ حاکم نے ابن حبان کے شیخ "حسین القطان" کی روایت خود ابن حبان سے سنی یا کسی اور سے،

۲- طبقات الشافعیہ ج ۳ ص ۲،

علیٌ خیر البشر من ابی فقد کفر	بہترین انسان علی ہین جو نہین مانتا وہ کافر ہے،

حاکم نے اس کی تخریج ذیل کی سند سے کی تھی،

حدثنا السید محمد بن یحیی العلوی، حدثنا الحسن بن محمد بن عثمان الشیبانی، حدثنا عبد اللہ بن محمد ابو عبد اللہ الہاشمی، قال قلت للحر بن سعید النخعی حدثک شریک؟ قال حدثنی شریک عن ابی اسحاق عن ابی وائل عن حذیفہ قال قال رسول اللہ صلعم،

۳- لآلی مصنوعہ للسیوطی ج ۱ ص ۷

لما کلم اللہ موسی یوم الطور کلمہ بغیر	خدا نے طور کے روز جب موسیٰ سے کلام کیا تو اس کے
الکلام الذی کلمہ یوم ناداہ قال "یا رب	روز جس بولی مین کلام کیا تھا اس کے علاوہ دوسری
اھذا کلامک الذی کلمتنی بہ" قال انما	بولی مین کلام کیا عرض کیا "خدایا یہ تو وہ کلام
کلمتک بقوۃ عشرۃ آلاف لسان، ولی	نہین جس مین تو نے مجھ سے بات چیت کی تھی فرمایا
قوۃ الالسن کلہا وانا اقوی من ذلک؟	مین نے ۱۰ ہزار زبانون کی قوت سے کلام کیا اور مجھے
فلما رجع الی بنی اسرائیل قالوا اصف	ساری زبانون کی قوت ہے اور مین اس سے بھی زیادہ قوی
لنا کلام الرحمن، قال سبحان اللہ الان	ہون، جب بنی اسرائیل مین لوٹ کر آئے تو انھون نے

لا استطیعه" قال: "فشبه	درخواست کی کہ کلام رحمان کا وصف بیان کیجئے فرمایا خدا منزہ ہے
لنا" قال "الم تروا الی صوت	ابھی مجھ سے ناممکن ہے، عرض کیا "اچھا مثال دیجئے"
الصواعق التی تقتل، فانه	فرمایا "تم کو بجلیون کی وہ کڑک معلوم ہے جس کا
قریب منه	نتیجہ موت ہے، یہ اس سے قریب ہے،

سیوطی نے حاکم کی اسناد کا ذکر نہین کیا ہے، ابن جوزی نے ابن شاہین کی روایت سے اس کی تخریج کرکے موضوع قرار دیا تھا، سیوطی نے ابن جوزی کی رائے کی تغلیط فرماتے ہوئے لکھا ہے،

"اخرجہ ابن المنذر وابن ابی حاتم والحاکم فی المستدرک وصححہ"

اس کو کتاب التاریخ یا کتاب التفسیر مین ہونا چاہیئے تھا، مگر مستدرک کے مطبوعہ نسخہ مین کہین بھی نہین

۴ - لآلی مصنوعہ ج ۱ ص ۱۳،

ان اللہ تبارک و تعالی یقول کل یوم	خدائے تعالی روزانہ یہ کہتا ہے، کہ لوگو مین
انا ربکم العزیز فمن اراد عز الدارین	تمھارا رب عزیز ہون جو عزت دارین کا خواہشمند ہو
فلیطع العزیز،	"العزیز" کی اطاعت کرے،

ابن جوزی نے اسے سعید بن ہبیرہ کے سرقات مین شمار کیا ہے، لیکن علامہ سیوطی اس کے خلاف ہین، اور سعید بن ہبیرہ سے سرقۂ حدیث کا الزام ہٹانے کے لیے انھون نے ذکر کیا ہے، کہ اسکی تخریج حاکم نے بھی کی ہے، حاکم کی اسناد اس موقع پر سیوطی نے مکمل درج کی ہے،

اسناد حاکم حسب ذیل ہے،

حدثنا ابو سعید بن عثمان، حدثنا ابو احمد حامد بن محمد المروزی، حدثنا محمد بن نضر بن شبیبه حدثنا سعید بن ہبیرہ حدثنا حماد بن سلمه عن ثابت، عن انس (مرفوعا)

اس حدیث کو تفاسیر مین ہونا چاہیئے،

(۵) لآلی ج اص، ۵۔ سیوطی نے فرمایا کہ حاکم نے بھی حسب ذیل حدیث کی تخریج کی ہے اور اس کو صحیح فرمایا ہے، حاکم نے فرمایا،

اخبرنی محمد بن المؤمل بن الحسن حدثنا	محمد بن مومل بن حسن نے مجھ سے فضل بن مسیب، نعیم بن
الفضل بن محمد بن المسیب حدثنا	حماد، ولید بن مسلم، امام اوزاعی، زہری، اور سعید بن مسیب
نعیم بن حماد حدثنا الولید بن مسلم	کی سلسل اسناد سے حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول بیان
عن الاوزاعی عن الزهری عن	کیا کہ حضرت ام سلمہؓ کا ایک بھتیجا پیدا ہوا تو لوگوں نے
سعید بن المسیب عن ابی هریرة	اس کا نام ولید رکھ دیا، آپ سے ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا تم
قال ولد لاخی ام سلمه غلام فسموہ	اپنے فراعنہ کے نام سے اس کو موسوم کیا یقیناً
الولید فذکر ذلك لرسول الله	اس امت میں ولید نام کا ایک آدمی ہوگا جو اس امت
صلعم فقال سمیتموہ باسامی فراعنتکم	کے حق میں اس سے زیادہ برا ہوگا جتنا برا اپنی
لیکونن فی هذه الامة رجل یقال	قوم کے لیے فرعون تھا،
له الولید وهو شر علی هذه الامة	" " " " " "
من فرعون علی قومه	" " " " " "

اس حدیث کی تخریج کے بعد حاکم نے یہ بھی لکھا تھا،

قال الزهری ان استخلف ولید بن	امام زہری نے فرمایا اگر ولید بن یزید بھی خلیفہ
یزید فهو هو والا فهو الولید	ہوا ہے تو وہ وہی ہے، ورنہ مراد ولید بن
بن عبد الملك،	عبد الملک ہے،

یہ حدیث بھی مستدرک میں نہیں ملی، ممکن ہے کہ اس کو بھی حاکم ہی نے مستدرک سے خارج کر دیا ہو، کیونکہ اس کا منکر ہونا ظاہر ہے،

۶۔ لآلی ج ۲ ص ۷،

عن عائشة قالت کان رسول اللّٰہ	حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم
صلعم یکثر بهذا الدعاء اللهم اجعل أوسع	یہ دعا بکثرت پڑھتے تھے "الٰہی! اپنی کشادہ
رزقك علی عند کبر سنی	ترین روزی مجھے اس وقت پہنچا جب میرا سن بہت
وانقطاع عمری"	ہوجائے اور عمر ختم کو پہنچے"

اس حدیث کو ابن عدی نے

"عیسیٰ بن میمون، عن القاسم بن محمد، عن عائشہ"

کی سند سے بیان کیا ہے، ابن جوزی نے اس کو وضعی قرار دیا ہے، سیوطی اس کے خلاف ہیں، اسکی صحت کے دلائل میں سے ایک دلیل انکی یہ ہے کہ حاکم نے مستدرک میں بعینہ اسی حدیث کو درج کیا ہے اور لکھا ہے

حسن الاسناد، والمتن غریب وعیسی بن	اسکی اسناد حسن ہے، متن اس کا غریب ہے
میمون لم یحتج به الشیخان،	(یعنی ایک ہی طریق سے مروی ہے) عیسی بن میمون سے شیخین نے احتجاج نہیں کیا

عیسیٰ بن میمون تک حاکم کی اسناد حسب ذیل تھی،

حدثنا ابو نصر احمد بن سہیل بن حمدویہ الفقیہ، حدثنا ابو علی صالح بن محمد بن حبیب الحافظ،

حدثنا سعید بن سلیمان، حدثنا عیسی بن میمون مولی القاسم،

یہ حدیث کتاب الادعیہ میں ہونا چاہیئے،

۷۔ لآلی ج ۱ ص ۸۰ بحوالہ مستدرک،

حدثنا ابو بکر بن ابی دارم حدثنا	ابوبکر بن ابی دارم نے ابو اسحاق محمد بن ہارون
ابو اسحاق محمد بن ہارون بن عیسی	پھر موسی بن عبد اللہ بن موسی ہاشمی، پھر
حدثنا موسی بن عبد اللہ بن موسی الہاشمی	یعقوب بن جعفر بن سلیمان، پھر

حدثنا یعقوب بن جعفر بن سلیمان	ان کے باپ جعفر کی مسلسل سند سے بیان کیا
سمعت ابی یقول سمعت ابا جعفر	ابوجعفر المنصور یہ کہتے تھے کہ مجھ سے میرے
المنصور یقول حدثنی ابی ان اباہ	باپ نے ان سے ان کے باپ نے اُن سے
حدثہ عن عبد اللہ بن عباس ،	عبد اللہ بن عباس نے بیان کیا کہ:- رسول
قال قال رسول اللہ صلعم ان اللہ	خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ
اذا اراد ان یخلق خلقا للخلافۃ	کسی مخلوق کو خلافت کے لیے خلق کرنا چاہتا
مسح علی ناصیتہ بیمینہ فلا تقع علیہ	ہے تو اس کے ماتھے پر اپنا ہاتھ پھیر دیتا ہے،
وعین الا احبتہ ،	پھر جب اس پر نگاہیں پڑتی ہیں دنیا اس سے
قال الحاکم رواتہ ہاشمیون معروفون	محبت کرنے لگتی ہے حاکم نے کہا کہ اس کے
بشرف الاصل[1]	تمام راوی ہاشمی ہیں اور خاندانی شریف ہیں

۸- لآلی ج ا ص ۱۶۶، سیوطی نے پوری اسناد کے ساتھ وہ حدیث نقل کی ہے جو مستدرک ج ۳ ص ۱۱۲ اس ۳ میں تلخیص کے اعتماد پر ابتداءً ناقص اسناد کے ساتھ چھپی ہے، سند کا ساقط حصہ شعیب بن صفوان کے نام سے پہلے حسب ذیل ہے،

حدثنا ابو عمر الزاہد حدثنا محمد بن ہشام المروزی حدثنا ابو ابراہیم الترجانی -"

مستدرک میں جو عبارت (متن حدیث) ہے اس میں ایک لفظ کا فرق ہے، لآلی میں ہے

عَبَدتُّ اللہ مع رسول اللہ صلعم خمس سنین او سبع سنین"

مستدرک سے (خمس سنین او) کا فقرہ ساقط ہے،

۹- لآلی ج ا ص ۲۳۰

[1] ابن حجر نے اطراف میں لکھا ہے کہ مگر شیخ حاکم ضعیف ہے،

اَحِبّوا العرب لثلاث، انی عربی	تین باتون کی وجہ سے عربون کے ساتھ
والقرآن عربی، وکلام اھل	محبت کرو، میں عربی، قرآن عربی اور اہل
الجنۃ عربی،	جنت کی زبان عربی ہے،

یہ حدیث عقیلی نے العلاء ابن عمرو الحنفی، حدثنا یحیی بن یزید، عن ابن جریج، عن عطاء، عن ابن عباسؓ کی سند سے لکھی ہے، اور اسی کے متعلق سیوطی نے یہ بھی لکھا ہے کہ

"اسکی تخریج طبرانی اور حاکم نے بھی کی ہے، مستدرک میں حاکم نے تصحیح کی ہے۔۔۔۔

اور یحیی بن یزید کی متابعت محمد بن فضل نے کی ہے، ذہبی نے اپنی مختصر میں دونون طریق پر اعتراض کیا ہے کہ یحیی کو احمد وغیرہ نے ضعیف کہا ہے، العلاء عمدہ نہین، محمد بن فضل متہم ہیں، متابعات کے قابل (بھی) نہین، مین حدیث کو موضوع سمجھتا ہون،،

اس سے معلوم ہوا کہ حاکم نے دو اسنادون سے روایت کی تھی جنمین سے ایک تو وہی سند درجۂ بالا اسناد ہے، مگر معلوم نہین کہ العلاء کے پہلے کیا اسما تھے، دوسری اسناد مین یحیی بن یزید کی جگہ پر محمد بن الفضل کا نام تھا، ان سے پہلے کے اسماء معلوم نہین،

۱۰۔ لآلی ج اص ۷۷، حدثنا الحسین بن محمد بن اسحاق الاسفراینی، حدثنا عمیر بن مرداس، حدثنا محمد بن بکیر الغنوی، حدثنا حکیم بن جبیر، عن الحسن بن سعد مولیٰ علیؓ عن علیؓ:-

ان رسول اللہ صلعم اراد ان یغزو غزاۃ	رسول خدا نے ایک غزوہ کرنا چاہا تو جعفر کو بلاکر مدینہ
فدعا جعفرًا فامرہ ان یتخلف علی المدینہ	پر قائم مقام بنانا چاہا انھون نے عرض کیا کہ آپ کے
فقال لا اتخلف بعدک ابدًا فدعانی	پیچھے تا ابد نہین رک سکتا تو مجھے بلایا اور قسم دی کہ
فعزم علیّ لاتخلفت[۱] قبل ان اتکلم فبکیت	مین خلیفہ بنجاؤن قبل اسکے کہ کچھ کہون تو مین رونے لگا تو فرمایا

[۱] اصل مین لما تخلفت ہے مگر غلط ہے۔

فقال اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون — کیا تم کو پسند نہیں کہ موسیٰ کے مقابلہ مین جو درجہ ہارون

من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی فان — کا تھا، وہی درجہ میرے مقابلہ مین تمہارا ہو مگر فرق

المدینة لا تصلح الا بی او بک. صحیح الاسناد — یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہین مدینہ بھی یا مجھ سے یا تمھین سے سدھر سکتا ہے

۱۱- لآلی ج ۱ ص ۱۷۱

انا مدینةُ العلم وعلیؑ بابها = مین علم کا شہر اور علیؓ اس شہر کا پھاٹک ہین،

یہ حدیث مستدرک ج ۳ ص ۱۲۶ مین موجود ہے، مستدرک مین صرف حسب ذیل اسناد درج ہے

حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب، ثنا محمد بن عبد الرحیم الهروی، بالرملة ثنا ابو الصلت عبد السلام

بن صالح، ثنا ابو معاویه، عن الاعمش، عن مجاهد، عن ابن عباس،

لیکن سیوطی نے ایک اور اسناد کا ذکر کیا ہے، جو مستدرک مین موجود نہین ہے، یعنی

حدثنا الحسین بن فهم. حدثنا محمد بن یحیی بن الضریس، حدثنا محمد بن جعفر الفیدی، حدثنا ابو معاویة

ابو معاویہ کے بعد کے اسما وہی ہین جو پہلی اسناد مین مذکور ہین، اس سند کا مستدرک مین ہونا نہایت ضروری ہے، کیونکہ بعد کی عبارت مین حاکم نے فیدی کی توثیق پر کافی زور دیا ہے، اسلیے ضرور ہے کہ فیدی والی اسناد بھی موجود ہو،

ختم حدیث کے بعد مستدرک کے مطبوعہ نسخہ مین حسب ذیل عبارت ہے،

هذا حدیث صحیح الاسناد ولم — یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، شیخین نے

یخرجاه وابو الصلت ثقة — تخریج نہ کی، ابو الصلت ثقہ اور مامون

مامون فانی سمعت ابا العباس — ہین جیسا کہ مین نے ابو العباس سے سنا

. . . . الخ

اس کی جگہ پر سیوطی نے حسب ذیل عبارت نقل کی ہے،

الحسین بن فہم ثقۃ مامون حافظ	حسین بن فہم ثقہ ہیں، جرح سے محفوظ ہیں، حافظ ہیں، ابوالصلت
والبو الصلت ثقہ مامون وہذا حدیث	ثقہ ہیں، مامون ہیں، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، میں نے
صحیح الاسناد سمعت اباالعباس یقول	ابوالعباس کو کہتے سنا ہے . . .
. . . . الخ	. . . . ۱۰

۱۲- لآلی ج ا ص ۵۳۔

ابن جوزی نے ازدی کی حسب ذیل حدیث کو منکر بتایا ہے، اور اس کے ایک راوی وہب بن حفص کو کذاب قرار دیا ہے، حدیث یہ ہے کہ آنحضرت نے فرمایا،

ان لاهل الارض من الغرق قوس	قوس قزح زمین والوں کے لیے غرق سے امان
قزح والامان لاھل الارض من الاختلاف	ہے اور قریش کے ساتھ محبت رکھنا ان کو اختلاف
الموالاۃ لقریش، و (لو) خالفتہا	سے مامون رکھیگا، اگر کسی قبیلہ نے قریش کی مخالفت
قبیلۃ صارت حزب ابلیس،	کی تو وہ حزب ابلیس ہوگیا،

سیوطی نے ابن جوزی پر استدراک کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسکی تخریج ذیل کی اسناد سے مستدرک میں حاکم نے بھی کی ہے، اسناد حاکم حسب ذیل ہے،

حدثنا مکرم بن احمد القاضی، ثنا احمد بن علی الابار، ثنا اسحاق بن سعید بن الارکون، حدثنا خلید بن دعلج، اظنہ عن قتادہ، عن عطاء بن ابی رباح، عن ابن عباس،

یہ حدیث بعینہٖ اسی متن اور اسی اسناد کیساتھ مستدرک میں کہیں نہیں ہے البتہ ج ۳ ص ۱۴۹ میں ہے،

النجوم امان اھل الارض من الغرق	نجوم (ستارے) دنیا والوں کے لیے ڈوب
واھل بیتی امان لامتی من الاختلاف	سے امان بخشنے والے ہیں اور میرے اہل بیت میری

ؔلہ یہ لفظ اصل میں نہیں ہے مگر ضروری ہے۔

واذا خالفتها قبیلة من العرب اختلفوا است کو اختلاف سے امان دیتے ہین جب عرب

وصاروا حزب ابلیس، کا کوئی قبیلہ ان سے اختلاف کریگا وہ قبیلہ خود

" " " " " باہم اختلاف کرنے لگیگا اور ابلیس کا گروہ ہوجائیگا،

یہ عبارت اسی اسناد کیساتھ مذکور ہے جسکا اوپر ذکر گذرا مگر اس مین قوس قزح اور قریش کی فضیلت نہین بلکہ نجوم اور اہل بیت کی برتری مذکور ہے علاوہ برین اس کے متعلق تلخیص مین موضوع لکھا ہے، حالانکہ سیوطی نے احمد بن مکرم والی روایت کے متعلق تلخیص کے حوالہ سے (واہ فی اسنادہٖ) لکھا ہے،

ج ۱ص ۱۵۰ مین ہے،

امان اھل الارض من الاختلاف قریش کی محبت دنیا والون کے لیے باعث امان ہے کیونکہ

الموالاة لقریش وقریش اھل الله فاذا قریش اللہ کے لوگ ہین عرب کا جو قبیلہ ان کی مخالفت

خالفتها قبیلة من العرب صارت حزب ابلیس کریگا ابلیس کا گروہ ہوجائے گا،

اگرچہ یہ عبارت ازدی کے متن سے مختلف ہے پھر بھی اگر اسکی سند وہی ہوتی جو لآلی مین مذکور ہے تو ہم سمجھتے کہ سیوطی کا مقصد اسی کو ذکر کرنا تھا مگر ابن ارکون کے نام سے پہلے مستدرک مین مکرم بن احمد اور احمد بن علی کی بجائے بہ ترتیب ابوبکر بن اسحاق اور محمد بن احمد بن الولید کے نام ہین:-

اس حدیث کے بعد ذہبی نے لکھا ہے،

(واہ فی اسنادہ ضعیفان)

یہ فقرہ سیوطی کے نقل کئے ہوئے فقرہ سے کامل مشابہت رکھتا ہے، معلوم ہوتا ہے، کہ (ضعیفان) کا لفظ لآلی مصنوعہ سے مطبع کی غلطی سے ساقط ہوگیا،

چونکہ ہم مکرم بن احمد اور احمد بن علی کی بجائے ابوبکر بن اسحاق اور محمد بن احمد بن الولید کے نام

کو اختلاف نسخ اور کاتبون کی لغزش قلم پر نہین محمول کر سکتے اور کرم اور ابوبکر کی روایتون کے الفاظ مین فرق بھی ہے، اسلیے تسلیم کرنا پڑیگا ہے، کہ اسی ج ۲ ص ۵، والی حدیث موالات قریش کے بعد زیر بحث حدیث کو بھی ہونا چاہیئے،

۱۳- لآلی ج ۲ ص ۹۹

من اطعم اخاہ المسلم خبزا حتی یشبعہ	جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو پیٹ بھر کھانا
وسقاہ من الماء حتی یرویہ	کھلا دے یا پانی پلا کر سیراب کر دے اس کو
باعدہ اللہ من النار سبعۃ خنادق	خدا جہنم سے سات خندق دور رکھے گا ہر دو خندق
ما بین کل خندقین مسیرۃ خمس	کے درمیان ۵۰۰ برس کی راہ ہوگی،
مأیۃ عام،	

حاکم نے اسکی حسب ذیل سند سے تخریج کی تھی،

ابو العباس محمد بن یعقوب الاصم، عن ابراہیم بن مندہ عن ادریس بن یحیی الخولانی عن رجاء بن ابی عطاء عن وہب بن عبد اللہ المنکی عن عبد اللہ بن عمر،

اس کا تذکرہ لسان مین حافظ ابن حجر نے بھی کیا ہے،

۱۴- لآلی ج ۲ ص ۱۱ مین ہے کہ حاکم نے

محمد بن صالح، حدثنا جعفر بن محمد بن سوار، حدثنا عبد الرحیم بن القاسم بمصر، حدثنا حبان بن علی، عن سعد بن طریف، عن اصبغ بن نباتہ، عن علی،

کی سند سے مستدرک مین روایت کیا ہے کہ

قال رسول اللہ صلعم اطلبوا المعروف	رسول خدا نے فرمایا کہ احسان تو میری امت
من رحماء امتی تعیشوا فی اکنافھم	کے رحیمون ہی سے طلب کرو جن کے

ولا تطلبوا من القاسیة قلوبھم — جوار میں تم آرام سے رہوگے سخت دل لوگوں

فان اللعنة تنزل علیھم۔ — سے نہیں کیونکہ ان پر لعنت نازل ہوتی ہے،

حاکم نے حدیث کو "صحیح الاسناد" لکھا تھا، مطبوعہ مستدرک میں نہیں ہے،

۱۵- لآلی ج ۲ ص ۸،

عن ابن عباس ان النبی صلعم اتی علی — حضرت ابن عباسؓ سے کہ نبی صلعم تاجروں کی

جماعة من التجار فقال یا معشر التجار — ایک جماعت میں آئے اور آواز دی کہ اے

فاستجابوا ومدوا اعناقھم فقال — تاجرو! تو وہ گردنیں اٹھا کر بولے تو فرمایا بیت

ان اللہ باعثکم یوم القیمة فجارا الا — کے دن اللہ تم کو فاجر اٹھائے گا مگر ان لوگوں کو نہیں

من صدق وصلی وادی الامانة ۔ — جو صدقہ دیتے، نمازیں پڑھتے اور امانتیں ادا کرتے ہیں

سیوطی نے اسناد کا ذکر نہیں کیا ہے اس حدیث کو بیان کرکے صرف اتنا فرمایا ہے کہ

دارمی...... اور حاکم نے بھی اسکی تخریج کی ہے اور اسکو صحیح الاسناد کہا ہے

۱۶- لآلی ج ۲ ص ۹، میں ہے کہ حاکم نے مستدرک میں،

ہشام، عن یحیی بن ابی کثیر عن راشد الیرانی انہ سمع عبد الرحمان بن سھل یقول سمعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

کی سند سے حسب ذیل حدیث کی تخریج کی ہے اور صحیح بتایا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا،

ان التجار ھم الفجار، قالوا یارسول اللہ — تاجر ہی فاجر ہیں، لوگوں نے کہا، یارسولؐ اللہ

الیس قد احل اللہ البیع قال بلی ولکن یحلفون — کیا خدا نے بیع کو حلال نہیں کیا؟ فرمایا کیوں نہیں

فیاثمون ویحدثون فیکذبون، — مگر یہ لوگ قسمیں کھاتے ہیں تو جھوٹی باتیں کرتے ہیں تو جھوٹی

ہشام سے پہلے کی سند معلوم نہیں،

۱۷- لآلی ج ۲ ص ۹۰، اسناد مذکور نہین، صرف اس قدر مذکور ہے کہ اس حدیث کی مستدرک مین حاکم نے تخریج کی ہے،

علیکم بالسراری فانھن مبارکات الارحام — لونڈیون سے شادی کرو کیونکہ یہ مبارک رحمون والیان ہوتی ہین،

۱۸- لآلی ج ۲ ص ۹۸

ھلکت الرجال حین اطاعت النساء، — مرد جب عورتون کی اطاعت کرینگے تو ہلاک ہوجائینگے

بکار بن عبد العزیز بن ابی بکرۃ عن ابیہ عن جدہ (مرفوعا) سے پہلے کے اسماء کا ذکر نہین کیا ہے،

۱۹- لآلی ج ۲ ص ۹۸،

مستدرک مین سیف بن مسکین عن مبارک بن فضالہ عن منتصر بن عمارہ بن ابی ذر عن ابیہ عن جدہ مرفوعا کی سند سے ایک طویل حدیث تھی جسکا ابتدائی فقرہ یہ تھا،

اذا اقترب الزمان کثر لبس الطیالسہ وکثرت التجارۃ، — قیامت جب قریب ہوگی تو لوگ بکثرت طیلسان پہنین گے اور تجارت کی زیادتی ہوگی،

آخر مین تھا،

ویربی الرجل جروا هو خیر له من ان یربی ولدا له. — آدمی اگر درندون کے بچے پالے گا تو یہ اپنے بچون کی پرورش سے بہتر ہوگا،

سند کا ابتدائی حصہ اور متن کا درمیانی حصہ سیوطی نے ذکر نہین کیا،

۲۰- لآلی ج ۲ ص ۱۰۰

ان طالت بك مدۃ اوشك ان ترى قوما یغدون فی سخط الله ویروحون — تم نے زیادہ عمر پائی تو ایک ایسی قوم دیکھوگے جو خدا کی نارضامندی اور لعنت مین صبح وشام

فی لعنتہ فی ایدیھم مثل اذناب البقر | بسر کرین گے، ان کے ہاتھون مین گائے کی دموں جیسی چیز ہوگی

(سہیل عن ابیہ عن ابی ہریرہ) سے زیادہ اسناد معلوم نہین،

۲۱- لآلی ج ۲ ص ۳۰ امین ہے کہ:

عن انس بن مالک ؓ ان	کہ انس بن مالک نے کہا کہ جب وفد عبد القیس آیا تو
وفد عبد القیس قدموا علی النبی	وفد کے لوگ بیٹھے ہی تھے کہ اتنے مین حضور صلعم آئے اور
صلعم فبیناھم قعود اذ	آپ نے ان کے خطہ کی ہر قسم کی کھجورون کا نام لیا
اقبل علیھم فقال لھم تمر تدعونھا	ایک نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں
کذا وکذا وتمرۃ یدعونھا کذا وکذا	باپ قربان ہون اگر آپ خود ہجر مین پیدا ہوتے
حتی عد الوان تمرتھم اجمع فقال	تو اس سے زیادہ واقف نہ ہوتے فرمایا کہ جب تم
رجل من القوم بابی انت وامی یا رسول اللہ	آئے تمہارا ملک میرے سامنے کر دیا گیا اس طرح
واللہ لو کنت ولدت فی ھجر ما کنت	کہ دور و نزدیک ہر جگہ کو دیکھ رہا ہون، تمہاری
اعلم منک الساعۃ اشھد انک	کھجورون مین بہتر برنی ہے، جو دافع امراض
رسول اللہ فقال رسول اللہ صلعم	ہے اور مضر نہین،
ان ارضکم رفعت لی منذ قعدتم	" " " "
الی فنظرت الیھا من ادناھا الی	" " " "
اقصاھا فخیر تمرکم البرنی یذھب	" " " "
الداء ولا داء فیہ،	" " " " "

اس کی سند جو مستدرک مین مذکور تھی اس کا صرف آخری جزء معلوم ہے،

"عثمان بن عبد اللہ العبدی عن حمید الطویل عن انس"۔

۲۲- لآلی ج ۲ ص ۱۵۱ مین ابن عدی کی یہ حدیث،

طلحہ بن زید الرقی عن الاوزاعی عن یحیی بن کثیر عن انس،

کی سند سے مرفوعاً مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

من تکلم بالفارسیۃ زادت فی خبثہ	جس شخص نے فارسی مین بات چیت کی اس کا
ونقصت من مروءتہ	خبث بڑھ گیا اور مروت گھٹ گئی،

سیوطی نے کہا کہ مستدرک مین حاکم نے بھی اسکی تخریج کی ہے اور ذہبی نے کہا ہے کہ اسکی سند واہی (کمزور) ہے،

۲۳- سیوطی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حاکم نے مستدرک مین اسکی ایک شاہد حدیث بھی

عمر بن ہارون ثنا اسامۃ بن زید اللیثی عن نافع عن ابن عمر،

کی سند سے بیان روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا،

من احسن منکم ان یتکلم بالعربیۃ فلا	جو شخص بھی طرح عربی بول سکتا ہو فارسی نہ
یتکلمن بالفارسیۃ فانہ یورث النفاق	بولے کہ یہ نفاق کا سرچشمہ ہے،

سیوطی نے فرمایا کہ عمر کی ابن معین نے تکذیب کی ہے اور جماعت نے اسکو چھوڑ دیا،

۲۴- لآلی ج ۲ ص ۱۴۷ مین مذکور ہے کہ حاکم نے

حدثنی ابراہیم بن اسمٰعیل، ثنا عثمان بن سعید الدارمی ثنا سلیمان بن عبدالرحمن ثنا خالد بن یزید بن ابی مالک الدمشقی عن ابیہ عن عطاء بن ابی رباح عن ابی سعید

کی سند سے بیان فرمایا ہے کہ انھون نے فرمایا کہ مین نے رسول خدا کو کہتے سنا ہے،

اللھم احینی مسکینا واحشرنی فی	الٰہی مجھے مسکین زندہ رکھ اور مساکین کے زمرہ
زمرۃ المساکین وان اشقی الاشقیاء	مین میرا حشر کر، بدترین بدبخت وہ ہے جو فقر دنیا

من جمع فقر الدنيا وعذاب الآخرة — اور عذاب آخرت دونون مین مبتلا ہو،

۲۵- ابنانا الحسن بن الحسن، ثنا ابو حاتم الرازی — حسن بن حسن نے ابوحاتم رازی پھر عبید اللہ بن موسے
ثنا عبید اللہ بن موسی، ثنا بشیر بن المهاجر — پھر بشیر بن مہاجر پھر عبد اللہ بن بریدہ پھر بریدہ
عن عبد اللہ بن بریدة عن ابیه — کی مسلسل اسناد سے بیان کیا کہ آنحضرت صلعم
قال قال رسول اللہ صلعم ان للہ — نے فرمایا خدا کے پاس ایک ہوا ہے جسے وہ
ریحا یبعثها علی رأس مأیة سنة — صدی کے شروع مین بھیجتا ہے، جو ہر مومن کی
تقبض روح کل مومن، — روح قبض کرلیتی ہے،

حاکم نے (صحیح الاسناد) کہا تھا اور ذہبی نے بھی تائید کی تھی،

۲۶- لآلی ج ۲ ص ۲۱۲ حاکم نے مستدرک مین تخریج کی تھی،

حدثنی بکر بن محمد الصیرفی حدثنا ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ حدثنا علی بن المدینی حدثنا ابو بکر الحنفی حدثنا عاصم بن محمد بن زید عن سعید المقبری عن ابیه عن ابی ہریرہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

(قال[1] اللہ تعالی) اذا ابتلیت عبدی المومن — (خدا نے فرمایا) جب مین نے اپنے مومن بندہ
فلم یشکنی الی عوادہ اطلقته من اساری — کو مبتلا کیا اور اس نے اپنی عیادت کرنے والون
ثم ابدلته لحما خیرا من لحمه ودما خیرا — سے میری شکایت نہ کی تو مین اسکو گرفت سے
من دمه ثم یستأنف قال الحاکم صحیح — چھوڑ دیتا ہون اور اسکو اسکے گوشت سے
علی شرط الشیخین، — بہتر گوشت اور خون سے بہتر خون دیتا ہون پھر وہ نیا کام

[illegible]

۲۷- لآلی ج ۱ ص ۲۳۷

---

[1] یہ عبارت ساقط ہے،

یبعث اللہ الانبیاء یوم القیمۃ علی الدواب　　محشر کے دن خدا نبیون کو چوپایون پر سوار اٹھائیگا

ویبعث صالح علی ناقتہ کیما یوافی بالمؤمنین　　اور صالحؑ اپنی اونٹنی پر اٹھین گے تاکہ محشر مین اپنے

من اصحابہ المحشر، ویبعث ابنا فاطمہ　　ساتھی مسلمانون کے برابر رہین، فاطمہؓ کے بیٹے

الحسن والحسین علی ناقتین وعلی بن ابی طالب　　حسنؓ اور حسینؓ دو اونٹنیون پر ابوطالب کے بیٹے

علی ناقتی وانا علی البراق ویبعث بلال　　علیؓ میری اونٹنی پر اور مین براق پر اور بلالؓ ایک اونٹنی

علی ناقۃ فینادی بالاذان وشاہدہ حقا　　پر اٹھین گے، پھر اذان پکارین گے یہان تک کہ جب

حتی اذا بلغ اشہد ان محمدا رسول اللہ　　کہین گے کہ مین گواہی دیتا ہون کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہین

شہد بہا جمیع الخلائق من الاولین　　تو ساری مخلوق اگلے پچھلے سب گواہی دینگے تو جنکی گواہی

والآخرین فقبلت ممن قبلت منہ　　قبول کیجا چکی ہے انھین کی قبول کیجائے گی،

سیوطی نے فرمایا کہ اسکی تخریج مستدرک مین حاکم نے بھی کی ہے، سند یہ تھی،

اخبرنی احمد بن بالویہ، حدثنا محمد بن عثمان بن ابی شیبہ حدثنا ابن غیر حدثنا ابو مسلم قائد الاعمش حدثنا

صالح الاعمش عن سہیل بن ابی صالح عن ابیہ عن ابی ہریرہ (مرفوعا)

حاکم نے اس حدیث کو شرط مسلم پر صحیح بتایا تھا، اور سیوطی کی روایت کے مطابق ذہبی نے اعتراض کیا تھا کہ

"ائمہ نے ابومسلم سے تخریج نہ کی امام بخاری نے کہا ہے "فیہ نظر" دوسرون نے کہا متروک ہے"

تعجب ہے کہ مستدرک سے جو حدیثین ساقط ہین وہ مستدرک کے ساتھ چھپی ہوئی تلخیص مین بھی نہین ملتین بلکہ اسی قدر متنون پر اکتفا کی ہے اگر کنز العمال وغیرہ کتب حدیث مین مستدرک کے حوالہ سے لکھی ہوئی حدیثین جمع کیجائین تو ابھی اور گنجائش ہے،

کیا ہم دائرۃ المعارف کے ارباب حل وعقد سے یہ درخواست کرکے کامیاب ہون گے کہ اس قسم کی ساقط حدیثون کا ایک الگ ضمیمہ تیار کیا جائے،

۱ بالویہ ؟

تجزیۂ عبارات | سب سے آخر مین تجزیۂ عبارات کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا ضروری ہے، اس کام کو دائرہ نے بخوبی انجام دیا ہے لیکن پھر بھی ہم کو یہ شکایت ہے کہ تجزیہ کے لیے شاید کوئی خاص اصول مرتب نہین کیا گیا، ذیل مین صرف جلد اوّل سے ۴ مثالین پیش ہین،

۱- ص ۴۲ س ۳ مین خدری کی حدیث ہانی کے صحابیت کے ثبوت مین پیش کی گئی ہے اس لیے اس کو جدید سطر سے نہ ہونا چاہیئے، البتہ س ۱۲ وقد تقدمت کو جدید سطر سے ہونا چاہیئے،

۲- (ص ۸۴ س ۱۵) کی عبارت تعلمها اعرضا الخ کو جدید سطر سے شروع کرنا چاہیئے تھا اور حدیث سطر ۱۸ کو اس کے ساتھ ملحق ہونا چاہیئے تھا کیونکہ یہ حدیث وجہ اعراض بتاتی ہے،

۳- ص ۳۵ س ۱۵ اسی اصول کے ماتحت "وانما اهملاه" کو "یزید ابن زریع" کی حدیث کیساتھ نہین بلکہ "یحیی بن سلمہ" کی حدیث کیساتھ ملاکر لکھنا چاہئے کیونکہ یہ حدیث "وجہ اہمال" پیش کرتی ہے،

۴- تجزیہ کی غلطی سے جو غلط فہمی عام ناظرین کو ہوسکتی ہے اسکی واضح ترین مثال ہم کو ص ،، مین ملتی ہے

"ابوحمزة الانصاری هذا هو طلحة بن یزید وقد احتج به البخاری"

یہ عبارت اگر "شعبہ عن عمرو بن مرہ" کی حدیث کی بجائے اعمش کی حدیث کیساتھ ملاکر لکھی جاتی تو بیاض پُر کرنے مین جو غلطی ہوئی ہے وہ ہرگز نہ ہوتی اور صاف طور پر معلوم ہوجاتا کہ "عن ابی حمزة" لکھنے کی بجائے حاشیہ مین "عن طلحہ مولی قرظہ" لکھنا چاہیئے، کیونکہ اس حدیث کو حاکم نے اسی غرض سے پیش کیا ہے تاکہ ثابت کرین کہ "یہ ابوحمزہ" جنکا نام گذشتہ حدیث کی سند مین آیا ہے وہی طلحہ بن یزید ہین جن سے امام بخاری احتجاج کیا کرتے ہین،

ہم انہین چند مثالون پر اس مضمون کو ختم کرتے ہین آئندہ انشاء اللہ نفس مستدرک پر بھی کچھ عرض کیا جائے گا،

فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ

پر

ایک اجمالی نظر

از جناب احمد تیمور پاشا

مترجمہ:- سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

(۲)

مذہب مالکی

مذہب مالکی امام مالک بن انس اصبحی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، جن کی ولادت مشہور روایت کے بموجب سنہ ۹۳ھ میں ہوئی، اور صحیح روایات کے لحاظ سے سنہ ۱۷۹ھ میں مدینہ میں وفات ہوئی قدامت کے لحاظ سے مذاہب اربعہ میں اسکا دوسرا درجہ ہے، اصحاب مالک کو اہل حدیث کہا جاتا ہے، امام مالک نے احکام شرعی کیلئے ان اصول کے علاوہ جو دوسروں کے نزدیک معتبر ہیں ایک جدید اصول قائم کیا، اور وہ "اہل مدینہ کا عمل ہے"

اس مذہب کی نشو و نما امام مالکؒ کے وطن مدینہ میں ہوئی، پھر پورے حجاز میں پھیل گیا، حجاز پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد، بصرہ، مصر، اور اس کے ماتحت بلاد افریقہ، اندلس، صقلیہ اور مغرب اقصیٰ سے لیکر سوڈان کے ان شہروں پر غالب ہو گیا جہاں اسلام کی روشنی پہونچ چکی تھی، اور بغداد میں بھی اس کی خوب اشاعت ہوئی، لیکن چوتھی صدی کے بعد وہاں زوال پذیر ہو گیا، اسی طرح بصرہ میں پانچویں صدی کے بعد اس میں انحطاط آگیا، اور بلاد خراسان میں سے قزوین اور ابہر میں اس کی خوب اشاعت ہوئی، اور اسی طرح اول اول نیشاپور میں بھی پھلا پھولا، ان تمام

---

[1] کامل لابن اثیر، الفوائد البہیہ،

ممالک میں، ائمہ مالکیہ اور مذہب مالکی کی تعلیم دینے والے لوگ موجود تھے، یہ مذہب فارس میں بھی موجود تھا، اور یمن اور شام کے بہت سے شہروں میں بھی اس کی عام اشاعت ہوئی لیکن وہ اپنے سرچشمہ میں کچھ گمنام ہو گیا تھا، یہاں تک کہ ۷۹۳ھ میں ابن فرحون نے عہدۂ قضا پر متمکن ہونے کے بعد وہاں اس میں دوبارہ جان ڈالی[1]،

جیسا کہ مقریزی کی خطط میں مذکور ہے مصر میں اس مذہب کو سب سے پہلے عبد الرحیم بن خالد بن یزید یحیٰی مولی جمح لائے، پھر عبد الرحمن بن قاسم نے اس کی تبلیغ شروع کی جس کی وجہ سے مصر میں اس کی اس قدر اشاعت ہوئی کہ وہاں مذہب حنفی سے بہت کم لوگ واقف رہ گئے، کیونکہ امام مالک کے تلامذہ بھی یہاں بہ کثرت پہونچ گئے تھے مقریزی کے اس بیان کی تائید سیوطی کی اوائل سے بھی ہوتی ہے، لیکن سیوطی ہی نے اپنی حسن المحاضرہ میں دیباج سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مصر میں مذہب حنفی کے لانے والے سب سے پہلے شخص عثمان بن حکم جذامی ہیں، اصل دیباج کے الفاظ یہ ہیں، "یہ امام مالک کے مصری تلامذہ میں مشہور ہیں، یہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام مالک کے علم کو مصر میں داخل کیا"، اس کے بعد کہتا ہے، "انھوں نے ۱۶۳ھ میں وفات پائی"، لیکن درحقیقت ان دونوں بیانوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ حافظ ابن حجر اپنی تہذیب التہذیب میں عثمان جذامی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں، "ابن وہب کا بیان ہے کہ مصر میں سب سے پہلے امام مالک کے مسائل لانے والے عثمان بن حکم اور عبد الرحیم بن خالد بن یزید ہیں"، اس سے واضح ہوتا ہے کہ جب یہ دونوں امام مالک سے تعلیم حاصل کر چکے تو دونوں ایک ساتھ مصر کو لوٹ آئے، پھر وہاں ان دونوں کے ذریعہ سے فقہ مالکی کا رواج ہوا،

مقریزی کی خطط میں ہے، کہ مصر میں امام شافعی کے مذہب کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اس مذہب

---

[1] دیباج [2] نیل الابتہاج،

پر عمل ہوتا رہا، کیونکہ پہلے مصر کے قضاۃ مالکیوں یا شافعیوں میں سے ہوا کرتے تھے، یا کبھی احناف میں سے کوئی ہوتا تھا، یہاں تک کہ قائد جوہر کا دور آیا، اور وہاں اسی زمانہ سے مذہب شیعی کو عروج حاصل ہوا، اور شیعے ہی عہدۂ قضا پر مامور ہونے لگے، اور ان کے فتووں پر نہ صرف عمل آمد ہونے لگے، بلکہ ان کے مخالفوں کی سختی سے مخالفت کیجانے لگی، پھر جب دولت ایوبیہ کا دور آیا تو اس مذہب نے دوبارہ عروج حاصل کیا، چنانچہ اس مذہب کے فقہا کے لئے مدارس قائم کئے گئے، اور مستقل طور سے قاضی بھی مقرر ہونے لگے، کیونکہ دولت ترکیہ بحریہ میں ظاہر بیبرس نے قضاۃ اربعہ کے لئے جداگانہ عہدے قائم کئے، اور اس مذہب کا قاضی شافعی کے بعد دوسرے درجہ پر شمار کیا گیا، اگرچہ دولت ایوبیہ نے اصل عہدۂ قضا کو تو شافعیوں ہی کے لئے مخصوص رکھا، لیکن قاضی کے ساتھ مذاہب ثلاثہ کے نمایندے بھی شریک رہتے تھے، اور یہ مذہب اس وقت تک مصر میں مذہب شافعی کے دوش بدوش موجود ہے، خصوصاً صعید مصر میں اس کی بہت زیادہ اشاعت ہے،

افریقہ میں ابتداءً صرف احادیث نبوی پر عمل ہوتا تھا، پھر جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے یہاں مذہب حنفی کی اشاعت شروع ہوئی، اس کے بعد جب ۴۰۷ھ میں معز بن بادیس والی مقرر ہوا تو اس نے تمام باشندگانِ افریقہ و اہالیانِ مغرب کو مذہب مالکی کے قبول کرنے پر مجبور کیا، اور اس کے ساتھ تمام مذہبی اختلافات کو فنا کر دیا[1]، معز بن بادیس کے اس طرز عمل نے مذہب مالکی کو افریقہ اور تمام بلادِ مغرب میں نہایت مستحکم کر دیا، اسی کو مغرب کا شاعر مالک بن مرحل مالکی یوں بیان کرتا ہے،

مذہبی تقبیل خدٍّ مذھبِ	زرین رخسار کا چومنا میرا مذہب ہے،
سیدی ماذا تری فی مذھبی	جناب والا! میرے مذہب کے متعلق آپکی کیا رائے ہے؟

[1] ابن اثیر، ابن خلکان، مواسم الادب،

لاتخالف مالکا فی س ا ئ٥　　امام مالک کی رائے کی مخالفت نہ کرو،

فعلیہ جل اہل المغرب[1]　　کیونکہ تمام اہل مغرب کا یہی مذہب ہے،

ان ممالک میں آج تک اسی مذہب کو تفوق حاصل ہے، فاسی اپنی العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین

میں لکھتا ہے کہ مغاربہ سب کے سب مالکی المذہب ہیں، سوائے چند نادر مثالوں کے جن میں وہ لوگ بھی

داخل ہیں جو صرف سنن و آثار کا اتباع کرتے ہیں،

باشندگانِ اندلس پر مذہب اوزاعی غالب تھا، وہاں اس مذہب کو سب سے پہلے صعصعہ بن سلام

نے داخل کیا جب کہ انھوں نے نقل مکان کرکے وہیں بود و باش اختیار کر لی، وہاں اس کو

دو صدی تک تسلط حاصل رہا پھر امیر ہشام بن عبد الرحمن کے عہد حکومت تک باقی رہا، پھر اسکی

جگہ مذہب مالکی نے لے لی، نیل الابتہاج میں ہے:۔ باشندگانِ اندلس مذہب اوزاعی کے سختی سے پابند

تھے، یہاں تک کہ وہاں تلامذۂ امام مالک کی ایک جماعت پہونچی جن میں زیاد بن عبد الرحمن، غازی

بن قیس اور قرعوس وغیرہ تھے، ان لوگوں نے وہاں اپنے مذہب کی تبلیغ شروع کی اور امیر ہشام

اس مذہب کو قبول کرکے لوگوں کو اُسکی دعوت دینے لگا، اس لئے باشندگانِ اندلس نے اسی

مذہب کو قبول کیا، پھر اس مذہب کی اشاعت و تبلیغ میں اس حد تک سختی برتی گئی کہ لوگوں کو

بزور شمشیر اُس کے قبول کرنے پر مجبور کیا گیا،

ضبی کی بغیۃ الملتمس میں ہے کہ اندلس میں مذہب مالکی کی اشاعت یحیی بن یحیی بن کثیر کے

ذریعہ سے ہوئی، ان سے ایک کثیر جماعت نے فقہ حاصل کی، ان کی وفات ۲۳۴ھ میں اور ایک

روایت کے مطابق ۲۳۳ھ میں ہوئی،

لیکن مقریزی نے اپنی خطط اور ابن فرحون نے اپنی دیباج میں لکھا ہے کہ:۔ اندلس میں

[1] کناش بن مفلح، [2] بغیۃ الملتمس [3] دیباج،

مذہب مالکی کے سب سے پہلے لیجانیوالے زیاد بن عبد الرحمن القرطبی الملقب بہ شبطون ہیں یہ یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر سے پہلے پہونچے تھے، کیونکہ ان کا سال وفات ۱۹۳ھ یا ۲۰۴ھ یا ۱۹۹ھ ہے[1]، نفح الطیب میں اس کے متعلق اور زیادہ تفصیل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: ہشام بن عبد الرحمن کے زمانہ میں ایک جماعت حج کے لئے گئی جسمیں شبطون، قرعوس بن عباس، عیسیٰ بن دینار اور سعید بن ابی ہند وغیرہ تھے، ان لوگوں نے حج سے واپس آکر اندلس میں امام مالک کے فضل و کمال، وسعتِ علم اور جلالتِ شان کے حالات بیان کئے جس سے وہاں ان کی عام شہرت ہوگئی، اور اسی کے ساتھ انکی فقہ کے مسائل بھی وہاں رائج ہونے لگے، جو جماعت حج کے لئے گئی تھی اس کے سرخیل شبطون تھے، اندلس میں موطائے امام مالک کو یہی جامع صورت میں لائے تھے، حج کی واپسی کے بعد یحییٰ بن یحییٰ نے ان سے فقہ مالکی کو حاصل کیا، پھر تبحر علم کے لئے شبطون کے مشورہ کے مطابق امام مالک کے پاس گئے اور تحصیل علم کے بعد وہاں سے واپس آئے، پس اندلس میں مذہب مالکی کی اشاعت ان کے اور زیاد اور عیسیٰ بن دینار کے ذریعہ سے انجام کو پہونچی،

پھر ایک دوسری جگہ لکھتا ہے "بعض روایتوں کے مطابق شاہ اندلس نے لوگوں کو مذہب مالکی کے قبول کرنے پر اس لئے مجبور کیا کہ امام مالک نے بعض باشندگانِ اندلس سے شاہ اندلس کے حالات دریافت کئے، تو ان لوگوں نے اس کے ایسے اوصاف بیان کئے جنھیں امام مالک نے بہت پسند کیا اور ارشاد فرمایا کہ "ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ تمھارے بادشاہ کی تشریف آوری سے حرم کو زینت بخشے" ان کے یہی الفاظ تھے یا انھیں کے ہم معنی کوئی دوسرا جملہ تھا، امام مالک نے یہ خیالات اس لئے ظاہر فرمائے کہ وہ خلفائے عباسیہ کے طرز حکومت کو پسند نہیں فرماتے تھے، غرض امام مالک اور اہل اندلس سے جو کچھ گفتگو ہوئی وہ من وعن شاہِ اندلس تک پہونچ گئی، شاہ اندلس

[1] نفح الطیب کی ایک روایت کے مطابق ۲۰۴ھ بھی ہے،

امام مالک کی رفعت شان اور ان کی علمی منزلت سے پہلے سے آگاہ تھا، اس لئے اس کو امام مالک سے اور زیادہ شغف ہو گیا، اور اس لئے وہ مذہب اوزاعی کو ترک کرکے ان کے مذہب کی تبلیغ واشاعت میں سرگرمی سے مشغول ہو گیا،

ابن بنانہ نے بھی شرح العیون میں یہی وجہ بیان کی ہے، صرف فرق یہ ہے کہ اس نے اس واقعہ کو عبد الرحمن الداخل کے زمانہ میں بتایا ہے جو کسی طرح صحیح نہیں، کیونکہ مؤرخین کا عام اتفاق ہے کہ اندلس میں مذہب مالکی عبد الرحمن الداخل کے لڑکے ہشام کے زمانہ میں داخل ہوا،

پھر اس مذہب کو اندلس اور دیار مغرب میں روز افزوں ترقی ہوئی، کیونکہ حکم بن ہشام کے عہد حکومت میں تمام فتاوے مذہب مالکی کے مطابق دیئے جانے لگے، اس لئے کہ یحییٰ بن یحییٰ بن کثیر حکم بن ہشام کے مقربین میں تھا، حکم کو یحییٰ پر اس درجہ اعتماد تھا کہ یحییٰ کی کوئی بات کبھی رد نہیں کیجاتی تھی، قضاۃ کا تقرر انھیں کے مشورہ کے بموجب ہوتا تھا، اس لئے جس طرح مشرق میں امام ابو یوسف نے مذہب حنفی کی اشاعت کی اسی طرح امام یحیی بن یحیی بن کثیر نے مغرب میں مذہب مالکی کو رواج عام دیا،[1]

ابن خلدون نے اندلس اور دیار مغرب میں مذہب مالکی کی عام اشاعت کی ایک اور فلسفیانہ توجیہ پیش کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ "اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ تو ان کے مذہب کو باشندگان اندلس اور دیار مغرب نے مخصوص طریقہ سے اختیار کیا، اگرچہ دیگر مقامات میں بھی یہ مذہب موجود ہے لیکن اندلس اور دیار مغرب میں اس مذہب کے مقلدین کے علاوہ دوسرے مذاہب کے مقلدین کی تعداد نہایت قلیل ہے، کیونکہ سفر حج کے سلسلہ میں زیادہ تر حجاز تک ان لوگوں کا جانا ہوتا تھا، اور وہی ان کا منتہائے سفر بھی تھا، اور اس وقت مدینہ دار العلم تھا، اور مدینہ ہی سے علم عراق میں گیا تھا، لیکن

[1] مقریزی، بغیۃ الملتمس، نفح الطیب،

عراق ان کے راستہ میں نہیں پڑتا تھا، اس لئے وہ مجبور تھے، کہ صرف مدینہ کے شیوخ وعلماء ہی سے استفادہ کریں، جن کے امام، امام مالک تھے، پھر امام مالک کے بعد انھیں کے تلامذہ شیوخ مدینہ کی حیثیت رکھتے تھے، اس لئے باشندگانِ مغرب و اُندلس نے ان کی طرف رجوع کیا، اور مالکی مذہب کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی تقلید نہ کی کیونکہ دوسرے مذاہب ان لوگوں تک پہونچ ہی نہ سکے، علاوہ ازیں دوسری وجہ یہ ہے کہ دیار مغرب اور اُندلس کے رہنے والے فطرۃً بدوی الطبع تھے، اور اُنھیں وہ مدنیت پسند نہ تھی جو اس زمانہ میں اہل عراق میں رائج تھی، اس لئے وہ اپنی بدوی الطبع کی مناسبت سے اہل حجاز کی طرف فطرۃً مائل تھے (ابن خلدون کے نظریہ کے مطابق عرب بدوی ہیں) پس ان کے نزدیک مذہب مالکی کے محبوب ترین مذہب ہونے کا یہی سبب ہے، کیونکہ یہ مذہب دوسرے مذاہب کی طرح تہذیب وتمدن کی پیچیدگیوں میں کبھی بھی نہیں پڑا، اس کے بعد مقدسی کی وہ روائت ہے جو مذہب حنفی کے سلسلہ میں اوپر گذر چکی اور جس سے اُندلس میں مذہب حنفی کے زوال اور مذہب مالکی کے عروج کی وضاحت ہوتی ہے،

پھر جب پانچویں صدی میں مغرب اقصیٰ میں بنو تاشفین کی حکومت قائم ہوئی تو وہ اُندلس پر بھی مستولی ہو گئے، بنو تاشفین کے سلاطین میں سے سلطان ثانی امیر المسلمین علی بن یوسف بن تاشفین کو فقہاء اور علماء سے غائت درجہ شغف تھا، حتی کہ حکومت کا کوئی ادنیٰ کام بھی فقہاء کے مشورہ کے بغیر انجام نہ دیتا، اور تمام قضاۃ کے لئے حکم نافذ کر دیا تھا کہ وہ اپنے تمام فیصلے چار فقہاء کی موجودگی میں کیا کریں اس لئے اس کے عہدِ حکومت میں فقہاء کو خاص منزلت حاصل تھی لیکن جاہ ومنزلت کے حصول کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ مالکی المذہب ہوں، ورنہ بارگاہِ حکومت میں رسوخ ناممکن تھا، اس لئے اس کے دورِ حکومت میں فقہ مالکی اور اس کی کتابیں عام طریقہ سے رواج پا گئیں اور اس میں اس درجہ غلو ہوا کہ لوگ رفتہ رفتہ کتاب وسنت سے بھی مستغنی ہو گئے، اس لئے کہ

مسائل شرعی کا تمام دارو مدار اسی فقہ پر قائم ہو گیا تھا[1]،

پھر جب بنو تاشفین کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور چھٹی صدی کے اوائل میں موحدین نے ان کی جگہ لیلی تو عبد المومن بن علی اس باب میں اپنی پیشرو حکومت کے مسلک پر قائم رہا جس سے اس مذہب کو مزید تقویت حاصل ہو گئی، اس لئے اہل مغرب مذاہب فقہ میں سے مذہب مالکی ہی پر عام طریقہ سے عامل رہے، اور مذاہب متکلمین میں سے ابو الحسن اشعری کے عقائد کی پیروی کی[2]

لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ عبد المومن اور اس کے لڑکے یوسف کا اصلی مطمح نظر یہ تھا کہ وہ لوگوں کو مذہب مالکی سے برگشتہ کرکے ظاہر قرآن و احادیث نبوی پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیں، لیکن یہ دونوں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے[3] اور نہ یہ جرأت کر سکے کہ اپنے مطمح نظر کا اعلان کر دیں اس لئے یہ دونوں ظاہری طور پر مذہب مالکی کی تائید کرتے رہے، لیکن جب اس کے پوتے یعقوب بن یوسف بن عبد المومن کا دور حکومت آیا تو اس نے علی الاعلان مذہب مالکی کو ترک کرکے مذہب ظاہریہ کو اختیار کر لیا یعقوب کے اس اعلان کی وجہ سے باشندگانِ مغرب کا ایک بڑا طبقہ مذہب ظاہریہ کا پیرو ہو گیا، اور اسی کے بعد اہل مغرب کی ایک بڑی جماعت "حزمیہ" کے نام سے موسوم ہوئی جو امام ابن حزم ظاہری کی طرف منسوب ہے، لیکن یہ لوگ مالکیوں سے دبے ہوئے تھے اس لئے یعقوب کے زمانے میں یہ لوگ ابھر کر پھیل گئے، پھر اس نے اپنی زندگی کے آخری زمانے میں بعض شہروں میں شافعی قاضی مقرر کئے اور ان کی طرف میلان ظاہر کیا[4]،

مراکشی المعجب میں لکھتا ہے:۔ یعقوب کے عہد حکومت میں علم فقہ پر ایسا زوال آیا کہ اس نے فقہ کی کتابوں کے متعلق یہ عام حکم جاری کر دیا کہ ان سے آیات قرآنی اور احادیث نبوی علیحدہ کر لینے کے بعد ایک ایک کتاب کو آگ میں جھونک دیا جائے، چنانچہ اس حکم کے بموجب تمام،

---

[1] المعجب للمراکشی، [2] کامل ابن اثیر، [3] المعجب للمراکشی، [4] کامل ابن اثیر

حدود سلطنت میں فقہ کی عام کتابیں مثلاً مدونہ سحنون کتاب ابن یونس، نوادر ابن ابی زید، مختصر نوادر ابن ابی زید التہذیب للبرازعی، واضحہ ابن حبیب اور اسی قسم کی بہت سی کتابیں نذر آتش کردی گئیں، میں اس زمانہ میں فاس میں تھا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ یہ کتابیں بوجھ کی بوجھ لائی جاتیں اور آگ میں ڈال دیجاتیں جب فقہ کی تمام کتابیں جلائی جا چکیں تو پھر یعقوب نے کتب احادیث بخاری، مسلم، ترمذی، موطأ، سنن ابی داؤد، نسائی، بزاز، دارقطنی، بیہقی اور مسند ابن ابی شیبہ وغیرہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، اور ان کی اشاعت میں اس درجہ اہتمام کیا کہ وہ خود لوگوں کو یہ کتابیں املا کرتا، لوگوں کو ان کے حفظ کرنے کی ترغیب دلاتا، اور جو شخص ان کو حفظ کرتا اس کو مال و زر اور خلعت سے سرفراز کرتا،،

اور جیسا کہ مقدسی نے احسن التقاسیم میں لکھا ہے یہ مذہب چوتھی صدی میں عراق و اہواز میں موجود تھا، مصر و بلاد مغرب میں اس کی عام اشاعت ہو چکی تھی، اور اندلس میں اس کو بہت زیادہ تسلط حاصل تھا،

مذہب مالکی اور مذہب متکلمین

مالکیہ عقائد میں ابوالحسن اشعری کے عقائد کے متبع ہیں تاج سبکی کی معید النعم اور طبقات کے بیان کے مطابق کوئی مالکی اشعری کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں سکتا،

مذہب شافعی

مذہب شافعی امام محمد بن ادریس الشافعی القرشی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے جنکی ولادت ۱۵۰ھ میں غزہ میں ہوئی اور ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات پائی، حافظہ و ذکاوت میں یکتا تھے اور ان میں ایسے فضائل جمع ہو گئے تھے جو دوسروں میں جمع نہ ہو سکے، مذہب شافعی قدامت کے لحاظ سے مذاہب اربعہ میں تیسرا مذہب ہے، مالکیوں کی طرح ان کے متبعین کو بھی اہل حدیث،

کہا جاتا ہے، بلکہ اہل خراسان کی اصطلاح تو یہ ہے کہ جب وہ علی الاطلاق "اصحاب حدیث" کہیں تو شافعیوں کے علاوہ کوئی دوسرا مراد ہی نہ ہوگا[۱]، امام شافعی ان لوگوں میں ہیں جنھوں نے پہلے امام مالک سے تحصیل علم کی، پھر مستقل طور پر ایک جدید مذہب کے بانی ہوئے، ابن خلدون لکھتا ہے: "وہ امام مالک کے بعد عراق گئے اور اصحاب ابی حنیفہ سے مل کر علم حاصل کیا، اور پھر حجاز و عراق کے دونوں مذاہب کو سامنے رکھکر ایک خاص مذہب قائم کیا، انھیں اپنے مذہب میں امام مالک رحمۃ اللہ سے بہت سے مسائل میں اختلاف کرنا پڑا ہے"،

مولفین طبقات کا بیان ہے کہ یہ مذہب سب سے پہلے مصر میں نمایاں ہوا اور ان کے متبعین کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی، پھر عراق میں داخل ہو کر بغداد پر قابض ہوگیا، ان کے علاوہ اور دیگر ممالک مثلاً خراسان، توران، شام، یمن، ماوراء النہر، بلاد فارس، حجاز اور ہندوستان کے بعض شہروں میں بھی داخل ہوا، اور اسی طرح تیسری صدی کے بعد افریقہ اور اندلس میں بھی پہونچ گیا[۲]،

جیسا کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے، اہل مصر پر مذہب حنفی اور مالکی چھائے ہوئے تھے، پھر جب امام شافعی وہاں تشریف لے گئے تو ان کے مذہب کو قبولیت عام حاصل ہوگئی[۳]، ابن خلدون کہتا ہے:- مصر میں امام شافعی کے مقلدین کی تعداد ہر جگہ سے زیادہ ہے، لیکن اس کی اشاعت

---

[۱] ابن خلدون، [۲] طبقات سبکی، [۳] دیباج، الفوائد البہیہ، [۴] علی بن عبد القادر الطوخی نے اپنی کتاب قضاۃ مصر میں لکھا ہے کہ عیسی بن منکدر قاضی مصر نے امام شافعی کے روبرو کہا "تم اس شہر میں اس وقت داخل ہوئے جبکہ اس کے آراء و احکام ایک تھے، لیکن تم نے لوگوں میں تفرقہ پیدا کردیا" قاضی اس جملہ سے امام مالک کے مقلدین کی مخالفت کی طرف اشارہ کر رہا ہے، کیونکہ اہل مصر شافعی سے پہلے مذہب مالکی کے سوا کسی دوسرے مذہب سے واقف نہ تھے، لیکن طوخی کا یہ بیان صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس وقت اہل مصر کے درمیان مذہب حنفی بھی موجود تھا،

عراق، خراسان اور ماوراء النہر تک پہونچ چکی ہے، بلکہ شافعی ان تمام ممالک کے درس و تدریس اور فتووں میں حنفیوں کے برابر کے شریک ہوگئے، اور جہاں جہاں مذہب شافعی داخل ہوا، وہاں حنفیوں سے مناظرہ کی مجلسیں بھی خوب گرم ہوئیں، اور ان دونوں مذاہب کے متنوع استدلالات سے کتب خلافیات بھری پڑی ہیں، اور پھر یہی کتابیں ممالک مشرقیہ کے نصاب درس میں داخل ہوگئیں،

اور جب امام شافعی مصر میں بنو عبد الحکم کے پاس پہونچے تو خاندان حکم میں سے ایک جماعت اور اشہب، ابن قاسم اور ابن مواز وغیرہ نے امام صاحب سے فقہ کی تحصیل کی پھر حارث بن مسکین اور ان کے خاندان نے استفادہ کیا، اس کے بعد وہ دور آیا جس میں رافضیوں کی حکومت کی وجہ سے مذاہب اہل السنہ کو زوال آگیا، اور ان مذاہب کے بجائے اہل بیت کی فقہ رائج ہوئی پھر رافضیوں کی حکومت عبیدیین کا خاتمہ ہوا اور مصر کی عنانِ حکومت صلاح الدین یوسف بن ایوب کے مبارک ہاتھوں میں آگئی، خانوادۂ ایوبیہ میں اہل عراق و شام کے توسط سے فقہ شافعی داخل ہو چکی تھی، اس لئے فقہ شافعی مصر میں انکی حکومت کی ابتدا ہی سے پہلے سے زیادہ بہتر حالت میں جلوہ گر ہوئی، اور اس کا بازار خوب گرم ہوگیا، اور فقہائے شافعیہ میں محی الدین نووی جلبی جن کی پرورش شام کی حکومت ایوبیہ کے ظل عاطفت میں ہوئی تھی، اور عز الدین بن عبد السلام کو شہرت حاصل ہوئی، پھر ابن الرفعہ، اور تقی الدین بن دقیق العید آئے اور ان دونوں کے بعد تقی الدین السبکی کا نام روشن ہوا، یہاں تک کہ یہ اس زمانہ کے شیخ الاسلام سراج الدین البلقینی پر تمام ہوتا ہے، جو آج مصر کے جلیل القدر شافعیوں میں شمار کئے جاتے ہیں، بلکہ اپنے ہمعصر علماء میں نہایت بلند پایہ ہیں،

جب حکومت ایوبیہ نے مصر میں فقہاء کے لئے مدارس وغیرہ قایم کرکے مذاہب اہل السنہ

کی طرف خاص توجہ کی تو اس سلسلہ میں مذہب شافعی کے لئے وافر حصہ رکھا، چنانچہ عہدۂ قضا خاص شافعیوں کے لئے مخصوص تھا، کیونکہ بنوایوب سب کے سب شافعی المذہب تھے؛ اس لئے حکومت کا یہی مذہب قرار پایا، لیکن بنوایوب میں سے سلطان شام المعظم عیسیٰ بن العادل ابوبکر مذہب حنفی کے پیرو تھے اور ان کی وجہ سے ان کی اولاد بھی اسی مذہب پر قائم تھی[1]، یہ اپنے مذہب میں نہایت غلو کرتے تھے، احناف ان کو اپنے فقہا کی صف میں داخل کرتے ہیں، انھوں نے کئی جلدوں میں جامع الکبیر کی شرح بھی لکھی ہے، اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد میں امام ابوحنیفہؒ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ ان کا رد کرنے میں ان کا بھی کافی حصہ ہے[2]،

پھر جب مصر میں بنوایوب کے بعد حکومت ترکیہ بحریہ کا دور آیا تو اس کے سلاطین بھی شافعی المذہب تھے[3]، اس لئے عہدۂ قضا کی حالت بدستور قایم رہی یہاں تک کہ ظاہر بیبرس نے قضاۃ اربعہ کا طریق جاری کیا، اور ان قضاۃ اربعہ میں مرتبہ کے لحاظ سے شافعی کو مقدم رکھا گیا، ان کے بعد قاضی مالکی کا درجہ تھا پھر حنفی کا، اور سب سے آخر میں قاضی حنبلی کا[4]، منصب قضا کا یہ نظام چرکسیوں کے

---

[1] ابن خلکان [2] الفوائد البہیہ [3] سلطان سیف الدین قطز جو بیبرس سے پہلے تھا حنفی المذہب تھا، لیکن اپنی مدت حکومت کے قلیل ہونے کے باعث حکومت کے مذہب پر کوئی اثر نہ ڈال سکا، اور سیوطی کا حسن المحاضرہ میں یہ دعویٰ ہے کہ اس حکومت میں اس کے سوا کوئی ایسا والی نہ تھا جو شافعی المذہب نہ ہو،

[4] صبح الاعشیٰ، ابن بطوطہ کہتا ہے کہ الملک الناصر کے زمانہ میں ان قضاۃ کی ترتیب میں حنفی کو مالکی پر تقدم حاصل تھا، پھر جب برہان الدین بن عبد الحق منصب قضا پر آئے تو امرائے حکومت نے الملک الناصر کو توجہ دلائی کہ وہ سابق دستور کے مطابق مالکی کو حنفی پر مقدم کر دے، چنانچہ اس نے امرائے حکومت کے کہنے کے مطابق یہی کیا اور پھر ہمیشہ اسی پر عمل ہوتا رہا،

عہد حکومت تک بدستور جاری رہا، حکومت چرکسیہ کے بعد حکومت عثمانیہ کا دور آیا تو اس نے محکمۂ قضاء کے نظام میں تغیر کیا اور قضاۃ اربعہ کے منصب کو توڑ کر محکمۂ قضاء کو صرف حنفیوں کے لئے مخصوص کر دیا، اور اُس وقت سے اِس وقت تک یہی مذہب حنفی حکومت کا مذہب ہے، لیکن اس طریقۂ عمل سے مذہب شافعی اور مالکی کی اشاعت میں کوئی زوال نہ آیا، کیونکہ ان کو ملک میں پیشتر سے وقار حاصل تھا، اس لئے یہ دونوں مذاہب ریف و صعید پر جیسے غالب تھے غالب ہیں، اور خصوصاً ریف میں جو ساحل دریا کے قطعۂ اراضی پر مشتمل ہے، شافعیوں کی تعداد بہت زیادہ رہی، ۱۱۳۷ھ سے ۱۲۸۷ھ تک جامعہ ازہر کی ریاست شافعیوں کے لئے مخصوص رہی[1]، پھر ۱۲۸۷ھ میں شیخ محمد مہدی عباسی حنفی کے شیخ الازہر ہونے کے بعد یہ منصب کسی خاص مذہب کے لئے مخصوص نہ رہا، لیکن ابھی تک اس منصب پر کوئی حنبلی سرفراز نہ ہو سکا ہے، کیونکہ مصر میں ان کی نہایت قلیل جماعت ہے،

سرزمینِ شام میں مذہب اوزاعی کو غلبہ حاصل تھا، یہاں تک کہ ابو ذرعہ محمد بن عثمان دمشقی شافعی مصر کے عہدۂ قضا سے منتقل ہو کر دمشق کے عہدۂ قضا پر مامور ہوئے، اور انھیں کیساتھ شام میں مذہب شافعی داخل ہوا، وہ خود اور ان کے بعد کے تمام قضاۃ دمشق اسی مذہب کے مطابق فیصلے کرتے تھے، ابو ذرعہ کو اپنے مذہب سے اس درجہ اُنس تھا کہ جو شخص مختصر المزنی کو حفظ کر لیتا وہ اس کو سو دینار انعام دیتے تھے، ان کا انتقال ۳۰۲ھ یا ۳۰۳ھ میں ہوا[2] مقدسی احسن التقاسیم میں لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں چوتھی صدی

---

[1] شیوخ ازہر جو پہلے گذرے ہیں ان میں شیخ محمد خرشی متوفی ۱۱۰۱ھ کا نام ہم معلوم کر سکے ہیں، جو مالکی تھے ان کے بعد شیخ ابراہیم بن محمد البرماوی الشافعی اس عہدے پر فائز ہوئے، اور ۱۱۰۶ھ میں وفات پائی، اس کے بعد یہ عہدہ ۱۱۳۷ ہجری تک مالکیوں کے لئے مخصوص ہو گیا پھر شافعیوں میں منتقل ہوا، [2] رفع الاصر، الاعلان بالتوبیخ، النغر البسام فی قضاۃ الشام، لابن طولون،

ہجری میں اقلیم شام کے قضاۃِ مصر شافعی المذہب ہوتے تھے، بلکہ پورے اقلیم شام میں کوئی ایک مالکی یا داؤدی مذہب کا فقیہ نظر نہیں آتا تھا،

سبکی کی طبقات اور سخاوی کی الاعلان بالتوبیخ میں ہے کہ یہ مذہب ماوراالنہر میں محمد بن اسمٰعیل القفال الکبیر الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ کے ذریعہ سے پھیلا، اور مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اقلیم مشرق کے اکثر شہروں مثل نورۃ الشاس، ایلاق، طوس، نسا، اور ابیورد وغیرہ میں اس مذہب کی عام اشاعت تھی، اور اسی طرح ہرات، سجستان، سرخس، نیشاپور اور مرو وغیرہ میں بھی اس کی اشاعت ہوئی، پھر لکھتا ہے: سجستان اور سرخس میں شافعیوں اور حنفیوں کے درمیان نہایت متعصبانہ جذبات موجود تھے، بسا اوقات اس تعصب کی بنا پر خون خرابہ ہو جاتا تھا جس میں سلطان کو مداخلت کرنی پڑتی تھی، اس کے بعد اقلیم دیلم کے متعلق لکھا ہے کہ قومس، جرجان اور طبرستان کے اکثر باشندے حنفی المذہب تھے، اور احناف کے علاوہ جو تھے ان میں کچھ حنبلی مذہب رکھتے تھے اور کچھ لوگ شافعی المذہب تھے، لیکن بیار میں شافعیوں کے علاوہ کوئی دوسرا اہل حدیث نظر نہ آتا تھا، اور اقلیم قور کے متعلق لکھتا ہے جس میں موصل اور آمد وغیرہ ہیں، کہ یہاں کے باشندے زیادہ تر حنفی تھے، لیکن شافعی اور حنبلی بھی پائے جاتے تھے، اور اقلیم کرمان میں شوافع کی تعداد بہت غالب تھی،

الاعلان بالتوبیخ میں ہو کہ مرو اور خراساں میں مذہب شافعی کو احمد بن سیار کے بعد عبدان بن محمد بن عیسیٰ مروزی نے عام کیا، اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ابن سیار شافعی مذہب کی بہت سی کتابیں لاد کر مرو لے گیا، جنھیں لوگوں نے حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھا،

عبدان نے بھی بعض کتابوں کا مطالعہ کیا، اور انھوں نے مطالعہ کے بعد ان کتابوں کو نقل کرنا چاہا، لیکن ابن سیار اس میں مزاحم ہوا اس لئے عبدان نے یہ ہمت کی کہ وہ اپنی جائداد

فروخت کرکے مصر چلے گئے، جہاں ربیع اور دوسرے شوافع سے ان کی ملاقات ہوئی، اور ان کی مدد
سے وہ کتابیں نقل کرکے ابن سیار ہی کی زندگی میں مرو واپس آگیا، اور مذہب شافعی کی اشاعت
میں لگ گیا، یہاں تک کہ ۲۹۳ھ میں اس کا انتقال ہوگیا، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے
کہ ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق نیساپوری اسفرائنی مصنف الصحیح المستخرج علی مسلم پہلے شخص ہیں جو
اسفرائن میں مذہب شافعی اور اس کی کتابوں کو لے گئے، انھوں نے ربیع اور مزنی سے علم حاصل کیا
تھا، ۳۱۶ھ میں ان کا انتقال ہوا، آگے چل کر لکھتا ہے، ابو اسمٰعیل محمد بن اسمٰعیل بن یوسف سلمی ترمذی
امام شافعی کی کتابیں مصر سے باہر لے گئے، جن کے نسخے اسحاق بن راہویہ نے نقل کئے، اور ان
کتابوں پر اپنی طرف سے "الجامع الکبیر" کا اضافہ کیا، یہ بویطی سے روایت کرتے ہیں، ۲۸۰ھ میں
انتقال ہوا، اور ابن سریج نے مذہب شافعی کی اشاعت مختلف مقامات میں کی،

یاقوت کی معجم البلدان میں ہے کہ "باشندگان رے کے تین طبقے تھے، اول شافعی جنکی تعداد
نہایت قلیل تھی، احناف جو بہ تعداد کثیر ہیں، اور شیعے جن کا سواد اعظم ہے، پہلے حنفیوں اور شافعیوں
میں اتحاد تھا اس لئے وہاں شیعوں اور سنیوں میں منافرت پیدا ہوئی اور یہ تعصب اس حد تک
ترقی کرگیا کہ دونوں فرقوں میں جنگ شروع ہوگئی جس کا خاتمہ شیعوں کے خاتمہ کے ساتھ ہوا، جب
شیعے باقی نہ رہے تو پھر حنفیوں اور شافعیوں میں چھڑ گئی، شوافع کی کافی تعداد کے مقتول ہونے کے باوجود
انھیں کو غلبہ حاصل ہوا، اور حنفی بھی ایک ایک کرکے ختم ہوگئے، اب رے میں شیعوں اور حنفیوں کے محلے ویران
پڑے ہیں صرف شافعیوں کا ایک چھوٹا سا محلہ باقی ہے کیونکہ ابتدا سے ان کی تعداد کم تھی، لیکن
درحقیقت رے سے مذہب شیعی اور حنفی بالکل فنا نہ ہوسکے کیونکہ لوگ مخفی طور پر شیعی اور حنفی عقائد رکھتے
ہیں،" پھر اسی سلسلہ بیان میں کہتا ہے "سادہ کے تمام باشندے جو رے اور ہمدان کے وسط میں آباد
تھے، شافعی المذہب تھے، اور سادہ کے قریب ہی ایک شہر آوہ آباد تھا جس کے تمام باشندے

شیعہ امامیہ تھے، ان دونوں مختلف العقائد شہروں کے متصل ہونے کی وجہ سے دونوں میں مذہبی مناقشات جاری رہتے تھے،،

کامل ابن اثیر حوادث ۵۹۵ھ میں ہے ،، اسی سال غیاث الدین صاحب غزنہ اور بعض بلاد خراسان مذہب کرامیہ[1] کی تقلید ترک کر کے شافعی المذہب ہو گئے اور اس کا سبب یہ تھا کہ غیاث الدین کی مصاحبت میں ایک شخص فخر مبارک شاہ نامی تھا، جو زبان فارسی میں شاعری کرنے کے علاوہ دیگر علوم میں بھی دستگاہ رکھتا تھا، اس نے شیخ وجیہ الدین ابوالفتح محمد بن محمود المروزی الفقیہ الشافعی کو غیاث الدین کی خدمت میں پیش کیا جنھوں نے اسکے سامنے مذہب شافعی کے محاسن بیان کر کے مذہب کرامیہ کے نقائص ظاہر کئے جس سے متأثر ہو کر اس نے مذہب شافعی کو قبول کر لیا، پھر شوافع کے لئے مدارس قائم کئے، اور غزنہ میں ان کے لئے ایک مسجد بھی تعمیر کی، اور شوافع کے ساتھ خاص مراعات سے پیش آنے لگا جب کرامیوں نے یہ حالات دیکھے تو انھوں نے شیخ وجیہ الدین کے ساتھ بدسلوکی کرنی چاہی، لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور غیاث الدین کے شافعی مذہب قبول کرنے کی دوسری وجہ یہ بھی بتائی جاتی ہے، کہ جب غیاث الدین اور اس کے بھائی شہاب الدین خراساں پر قابض ہوئے تو وہاں ان دونوں سے

---

[1] یہ مذہب محمد بن کرام سجستانی متوفی ۲۵۵ھ کی طرف منسوب ہے، لفظ ،،کرام،، کے تلفظ میں اختلاف ہے، بعض لوگ ،،کِرام،، بعض ،،کرَام،، اور بعض لوگ ،،کرّام،، کہتے ہیں، محمد بن کرام مذاہب علم کلام میں سے ایک مذہب کے بانی ہیں، لیکن مقریزی نے اپنی خطط میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ مسائل فقہ میں سے بعض مسائل میں بھی منفرد ہوئے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسافر کیلئے صلوٰۃ خوف میں صرف دو تکبیریں کافی ہیں، اسی طرح انکے نزدیک ایک نجاست آلود کپڑے میں نماز ادا کی جائے تو ہو جائیگی، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عبادتیں بغیر نیت کے بھی درست ہیں کیونکہ صرف اسلام کی نیت یعنی مسلمان ہونا کافی ہے اور اسی قسم کے اور دیگر مسائل ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ وہ فقہ میں بھی صاحب مذہب ہیں، اور اسی علم کے بعد ابن اثیر کی یہ عبارت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ،،غیاث الدین نے مذہب کرامیہ چھوڑ کر شافعی مذہب اختیار کر لیا،،

کہا گیا کہ لوگ مذہب کرامیہ کو بالعموم اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے اس لئے بہتر ہے کہ اس مذہب کو ترک کردیا جائے، چنانچہ اسی بنا پر اُنھوں نے شافعی مذہب قبول کرلیا. لیکن شہاب الدین کے متعلق ایک دوسری روایت یہ موجود ہے کہ وہ شافعی المذہب تھا، خدا جانے واقعہ کیا ہے؟

جیساکہ بیان کیا جاچکا بغداد پر مذہب حنفی چھایا ہوا تھا، پھر شافعی مذہب نے ظہور پذیر ہوکر وہاں اس سے مزاحمت کی، لیکن ان کی تعداد غالب رہی، اور باوجودیکہ حکومت کا مذہب حنفی تھا لیکن بعض خلفاء مذہب شافعی کی تقلید کرتے تھے، چنانچہ ان میں متوکل سب سے پہلا خلیفہ ہے جس نے مذہب شافعی کی پیروی کی[1]، بغداد میں مذہب شافعی کے قدم جمانے والوں میں حسن بن محمد زعفرانی بھی ہیں جو امام شافعی کے قدیم رواۃ میں ہیں. ۲۶۰ھ میں انتقال ہوا، سخاوی الاعلان بالتوبیخ میں لکھتا ہے: "۲۴۰ھ میں ربیع بن سلیمان حج کے لئے گئے تو مکہ میں ابوعلی حسن بن محمد زعفرانی سے ملاقات ہوئی، ان دونوں نے ایک دوسرے کو سلام کرنے میں پیش قدمی کی، پھر ربیع نے کہا "ابوعلی! تم مشرق میں ہو، اور میں مغرب میں جہاں ہم دونوں اس علم یعنی مذہب شافعی کی اشاعت کر رہے ہیں"، مغرب سے ربیع کا مقصود مصر ہے، کہ وہ بغداد کے لحاظ سے جانب مغرب میں پڑتا ہے، سبکی کی طبقات میں ہے، بنو عقامہ ہی وہ لوگ ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تہامہ میں مذہب شافعی کی اشاعت کی،

مصر اور تمام بلادِ مشرق میں مذہب شافعی کی اشاعت کی یہی تاریخ ہے، لیکن مغرب میں مالکیوں کے غلبہ کی وجہ سے اس مذہب کے قدم نہ جم سکے، چنانچہ مقدسی احسن التقاسیم میں بیان لکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں تمام بلادِ مغرب سے حدودِ مصر تک مذہب مالکی چھایا ہوا تھا، ایک آدھ مرتبہ یہ بھی اتفاق پڑا کہ باشندگانِ مغرب کے سامنے فقہ کے کسی مسئلہ کے سلسلہ میں امام شافعی

[1] محاضرۃ الاوائل،

کا نام آگیا، اس پر بعض مغربی متعجب ہو کر دریافت کرنے لگے، "یہ شافعی کون ہیں؟ مشرق میں تو امام ابو حنیفہ ہیں، اور ہمارے مغرب میں مالک، پھر کہتا ہے: "میں نے مالکیوں کو امام شافعی سے نہایت بغض رکھتے ہوئے دیکھا، امام شافعی پر ان کا سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ انھوں نے امام مالک سے پہلے علم حاصل کیا، اور پھر انھیں کی مخالفت کی"، پھر قیروان کے متعلق کہتا ہے، کہ "وہاں حنفی اور شافعی دونوں ہیں اور دونوں میں غایت درجہ ارتباط قائم ہے، کسی قسم کے جہل و تعصب کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی"، پھر اندلس کے متعلق لکھتا ہے، "وہاں مالکیوں کے علاوہ کوئی کسی دوسرے مذہب کا پیرو موجود نہیں، اگر کوئی شخص اپنا مذہب حنفی یا شافعی ظاہر کرنے کی جرأت کرتا ہے تو فوراً جلا وطن کر دیا جاتا ہے"، ابن اثیر کی کامل میں ہے کہ: "یعقوب بن یوسف بن عبد المومن صاحب مغرب واندلس، مذہب ظاہری کے اعلان کے بعد اپنی آخر عمر میں مذہب شافعی کی طرف مائل ہو گیا تھا اور بعض شہروں کے منصب قضا کو بھی ان کے سپرد کر دینا چاہتا تھا"،

مذہب شافعی اور مذاہب متکلمین،

شوافع عقائد میں ابو الحسن اشعری کے متبع ہیں، تاج سبکی طبقات میں لکھتا ہے کہ: شافعی زیادہ تر اشعری ہوتے ہیں، اور کچھ لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو تجسیم یا اعتزال کی طرف مائل ہوتے ہیں،

ارتقائے ادب فارسی، عہد اکبر میں،

از

مولوی مینار احمد صاحب ایم۔ اے،

ہمارے دوست نے جس موضوع پر قلم اُٹھایا ہے، وہ مستشرقین یورپ کی امداد و توجہ سے ہنوز بے نیاز ہے، اس لئے موصوف کو اس موضوع کی تلاش میں پوری زحمت اٹھانی پڑی ہے، اور بڑی کوششوں سے یہ مواد یکجا کیا ہے اور بنابریں وہ فارسی ادب کے شائقین کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں، (معارف)

ہندوستان کی سرزمین دنیا میں نہایت زرخیز مانی گئی ہے، یہی کلیہ علم و ادب کے بارے میں بھی پورا اترتا ہے، ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن اور ادب و فلسفہ میں اہل ہند کے نمایاں اور حیرت انگیز کارنامے ابتک تاریخ باستاں کے طالب کے لئے ایک دل کش موضوع ہیں، لیکن اس صحبت میں ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ اسلامی ادبیات پر جو ہندوستان میں مغلوں کے ابتدائی عہد میں نشو ونما پاکر برگ و بار لائے، بحث کریں اور ان کے اسباب ارتقا اور نتائج مابعد پر حتی الوسع روشنی ڈالیں[1]،

---

[1] اس مضمون میں حسب ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے،

تاریخ۔ اکبرنامہ و آئین اکبری مصنفہ ابو الفضل علامی، منتخب التواریخ ملا عبد القادر بدایونی، طبقات اکبری، خواجہ نظام الدین احمد بخشی، تاریخ فرشتہ، مآثر رحیمی، مولفہ ملا عبد الباقی نہاوندی، ہفت اقلیم امین احمد رازی، دربار اکبری شمس العلما آزاد دہلوی، تاریخ اکبر مرتبہ ونسنٹ اسمتھ،

تذکرہ و تنقید۔ آئین اکبری، منتخب التواریخ حصہ سوم، مآثر الامرا مولفہ شہنواز خاں، آتشکدہ آذر، مآثر الکرام، وخزانہ عامرہ مصنفہ آزاد بلگرامی، شعر العجم علامہ شبلی نعمانی، سخندان فارس آزاد دہلوی، لٹریری ہسٹری آف پرشیا (براؤن)،

کلام نظم و نثر۔ قصائد و دیوان عرفی، مثنوی عرفی، کلیات نظیری، کلیات فیضی، نل و دمن، مرکز ادوار، دفتر و رقعات علامی وغیرہ۔ تصانیف البدایونی،

محمود غزنوی (۹۹۳-۱۰۳۰ء) اور محمد غوری (۱۱۷۵-۱۲۰۶ء) کے حملوں کے بعد شمالی ہند میں فتوحات کا سیلاب اُتر جاتا ہے، اور استحکام و انتظام سلطنت کا دور شروع ہوتا ہے، دہلی کے پٹھان[1] سلاطین قابل اور زبردست فرماں روا ہونے کے ساتھ ہی علم و فن کے قدر داں اور اہل کمال کے پایہ شناس تھے، ان میں اکثر خود صاحب فضل اور فضلا کے حامی و سرپرست تھے، یہی وجہ تھی کہ دنیائے اسلام کے ہر گوشہ سے ارباب کمال اُمڈے چلے آتے تھے، اور دربار دہلی سے اپنے کمال کی داد پاتے تھے، ان غریب الوطن اساطین علم و فضل میں زیادہ نامور یہ لوگ ہیں،

عوفی یزدی۔ جس کا تذکرہ لباب الالباب اس وقت تک قدیم ترین اور بہترین مانا جاتا ہے، یہ کتاب عوفی نے ناصر الدین قباچہ فرماں روائے سندھ کے وزیر کو ۶۱۷ھ (مطابق ۱۲۲۱ء) میں پیش کی تھی،

حکیم روحانی سمرقندی، جس نے اپنے وطن مالوف کو چھوڑ کر شمس الدین التمش (۱۲۱۱-۱۲۳۶ء) کی ملازمت اختیار کی،

قاضی منہاج سراج بلخی۔ جنھوں نے اپنی مشہور تصنیف طبقات ناصری، ۱۲۵۲ء میں سلطان ناصر الدین محمود کی خدمت میں نذر گزرانی،

شیخ حمید الدین سبزواری گنوری جو سلطان غیاث الدین بلبن (۱۲۶۶-۸۶ء) کے علم دوست فرزند سلطان محمد شہید والی ملتان کے دربار میں خاص اعزاز و امتیاز رکھتے تھے، اور جنھوں نے اپنے بھائی شیخ مصلح الدین سعدی کی تصانیف سے ہندوستان کو سب سے پہلے روشناس کیا،

بدر الدین (بدر چاچ) یہ ترکستان کے علاقہ چاچ کے باشندے اور سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵-۵۱ء) کے شاعر دربار تھے،

---

[1] مغلوں سے پہلے ہندوستان میں جو مسلمان بادشاہ ہوئے وہ عموماً پٹھان کہے جاتے ہیں، اگرچہ انمیں سید مغل پٹھان سب ہی شامل ہیں

اُدھر دکن میں سلطنت بہمنی (۱۳۴۷ - ۱۵۲۶ء) علم و فن کی اشاعت میں مصروف تھی اور زر و سیم کا مینہہ برسا رہی تھی، دکن کے دربار میں اہل کمال کا جو مجمع پایا جاتا ہے، اس میں شیخ آذری اسفرائنی اور شہیدی قمی کے نام زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں، ان ایرانی یا تورانی پناہ گزینوں کے علاوہ جنھوں نے تلاش معاش میں وطن عزیز کو چھوڑ کر ملک ہند کا رخ کیا اور بالآخر دامن مدعا گوہر مقصود سے بھرا خود خاک ہند میں چند ایسے جوہر قابل پیدا ہوئے جنکی چمک نے دنیا کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا، اس گروہ میں حضرت امیر خسرو دہلوی (۱۲۵۳ - ۱۳۲۵ء) جن کا نظیر دہلی اتنی گردشوں کے بعد بھی پیدا نہ کر سکی، ان کے رفیق حسن دہلوی، ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی، شیخ جمال کمبوہ، اور مظہر گجراتی علم و فضل کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر درخشاں ہوئے، اور جب تک ہندوستان اور اسکی تاریخ زندہ ہے یہ نام زریں حروف میں ثبت رہیں گے،

اگرچہ اس بحث کا موضوع عہد اکبری کا لٹریچر ہے، تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے امیر خسرو کے علمی کارناموں پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے، جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ زمانہ مابعد کے ادب پر اس کا کیا اثر ہوا،

امیر خسرو جن کو نہ صرف پٹھان سلطنت بلکہ اسلامی ہند کا سب سے گراں مایہ ادیب تسلیم کیا گیا ہے، ۶۵۳ھ/۱۲۵۳ء میں پٹیالی ضلع ایٹہ میں پیدا ہوئے، اور ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں سفر آخرت کیا،

امیر خسرو کو متفقہ طور پر ہندوستان کا سب سے بڑا فارسی شاعر مانا گیا ہے، حتی کہ شعرائے عجم جو ہندوستانیوں کی برتری تو کجا برابری بھی تسلیم کرنے میں تعصب کو دخل دیتے ہیں امیر کی فضیلت اور ناموری کے سامنے سر نیاز خم کرنا فخر سمجھتے ہیں،

مولانا جامی نے بجا طور پر یہ فیصلہ صادر کیا ہے، کہ خسرو کے سوا نظامی کے خمسہ کا جواب کسی سے نہیں ہوا،

خسرو کی جامعیتِ فن کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رزمیہ، عشقیہ، اخلاقی، صوفیانہ، غرض کوئی صنف و موضوع نظم و نثر ایسا نہیں جس میں انھوں نے طبع آزمائی نہ کی ہو اور دادِ کمال نہ دی ہو، متعدد تصانیف ان کی یادگار ہیں، اور خراجِ تحسین وصول کر چکی ہیں، کہا جاتا ہے کہ خسرو کے اشعار کی تعداد تین لاکھ تک پہونچتی ہے، مگر یہ قرین قیاس نہیں معلوم ہوتا،

امیر خسرو کو اس کا اعتراف ہے کہ میں غزل میں سعدی کا، مثنوی میں نظامی کا، قصائد میں کمال کا اور پند و مواعظ میں سنائی و خاقانی کا پیرو ہوں، اس کے باوجود ان کے کلام میں ایسی ندرت اور دل کشی ہے، جو دوسروں کے یہاں نہیں پائی جاتی، ان کی جدتِ تشبیہات، اور ندرتِ اسلوب محتاج بیان نہیں، اس پر مستزاد ان کی قوت بیان، علوے تخیل، زور کلام، قدرت الفاظ، سلاست اور سلامت ذوق نے ان کی شہرت کو رہتی دنیا تک غیر فانی بنا دیا ہے، لیکن ایک تنقید نگار کمال ادب کے ساتھ یہ کہنے پر مجبور ہو گا کہ ان کے کلام میں وہ جوش و سرمستی جو ایران کے صوفی شعرا کا خاصہ ہے نظر نہیں آتی اور ان کی تصانیف (خصوصاً نثر) عربی جملوں اور صنائع و بدائع کی پابندیوں سے جو اس عہد کے اہل علم کا شعار تھیں، اس قدر مملو ہیں کہ بعض وقت آدمی گھبرا جاتا ہے، مغلوں سے پیشتر اور بھی چند نامور علما اور شعرا گذرے ہیں جنہیں سے بعض کا نام اوپر لیا جا چکا، لیکن ان میں سے کسی کو وہ قبول عام اور شہرت دوام نصیب نہ ہوئی، جو امیر خسرو کو ہوئی،

خسرو کی وفات سے تقریباً ۷۰ برس کے بعد امیر تیمور نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا، تیمور کی فتوحات کے بادل دہلی کی فضا میں گرجے اور آناً فاناً برس کر کھل گئے، مگر جدھر نظر اٹھتی تھی تباہی اور بربادی کے آثار نظر آتے تھے،

نصف دنیاے معلومہ کو تسخیر کر کے ۱۴۰۵ء میں یہ خونریز فاتح بھی اجل کا شکار ہو گیا، تیمور کے حملہ کے بعد ہندوستان کی تاریخ بد انتظامی اور

بے امنی[1] کی تاریخ کہی جاسکتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اس دور میں علمی اور ادبی کارناموں کی تلاش ناکامی سے دوچار ہو جاتی ہے، ینقلب الیک البصر خاسئًا وھو حسیر،

تقریباً ایک صدی تک یہی صورت حال قائم رہی یہاں تک کہ بابر نے جو امیر تیمور کی پانچویں پشت میں تھا، ۱۵۲۶ء میں ہندوستان پر حملہ کیا، اور سلطنت دہلی کو شکست دیکر حکومت مغلیہ کی بنیاد ڈالی،

عہد تیموریہ،

تیمور کا دور بلاشبہ قتل و ہلاکت کا دور تھا، اس کے حملوں کا طوفان آندھی کی طرح ترکستان سے اٹھا، اور بے شمار خلق خدا کی متاع عافیت کو اپنے ساتھ بہا لے گیا، ظاہر ہے کہ اس بے اطمینانی میں علم و فن کی ترقی کا خیال کسے سوجھتا، مگر با ایں ہمہ تیمور کی عہد حکومت میں بعض خوبیاں بھی تھیں تاریخ شاہد ہے کہ یہ جنگجو فاتح اور اس کے جانشین علم کے قدردان اور علما کے سرپرست تھے،

اس خاندان کا سب سے آخری بادشاہ سلطان عین مرزا اور اس کا روشن خیال وزیر علی شیر دمربی جامی، خود صاحب علم ہونیکے ساتھ، اہل علم کی سرپرستی اور تربیت اپنا فرض اولین سمجھتے تھے اسی کا اثر تھا، کہ بقول علامہ شبلی نعمانی آگے چل کر صفوی اور اکبری دور میں شعر و سخن کے چشمے ابل پڑتے،

چونکہ تیموریہ عجم کے کارنامے ہمارے مبحث سے خارج ہیں، اس لئے ان کو چھوڑ کر ہم تیموریہ ہند کے حالات پر انحصار کریں گے،

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا بابر نے ۱۵۲۶ء میں ہندوستان پر چڑھائی کی اور فتح کرکے دہلی اور آگرہ کی بادشاہی کی عنان اپنے ہاتھ میں لی، لیکن وہ اپنے لگائے ہوے باغ کی بہار دیکھنے

---

[1] اگرچہ ایک آدھ بادشاہ، اس زمانہ میں بھی زبردست اور منتظم گذرے مگر اصل یہ ہے کہ، درخت اقبال کی جڑوں کو دیمک لگ چکی تھی،"

کو عرصہ تک زندہ نہ رہا اور آخر ۱۵۳۰ء میں راہی عدم ہوا، اس کی وفات پر ہمایوں تخت نشین ہوا تخت پر بیٹھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ افغانوں نے اپنے قابل اور زبردست سردار شیر خاں کی سرکردگی میں سر اُٹھایا اور بالآخر ۱۵۴۰ء میں ہمایوں کو جان لیکر ایران بھاگنا پڑا، مدتوں خانہ بدوشی اور تباہ حالی کی زندگی بسر کرکے ۱۵۵۶ء میں غریب نے پھر تاج و تخت حاصل کیا، لیکن اجل گھات میں تھی، اور چند روز گذرے ہوں گے کہ اچانک کوٹھے سے پھسل کر جاں بحق ہوا، اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا اکبر اعظم اریکہ آرائے سلطنت ہوا، اکبر کی مدت حکومت (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء جو نصف صدی ہوتی ہے) تاریخ میں عالمگیر فتوحات اور وسیع انتظامات کیلئے خاص طور پر ممتاز ہے، وہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مالک تھا جس کی حدود ایک طرف کابل سے بنگالہ تک اور دوسری طرف کشمیر سے احمد نگر تک منتہی ہوتی تھیں، ہر طرف امن و اقبال کا دور دورہ تھا، اور لوگوں کے طرز ماند و بود میں عیش پسندی داخل ہوگئی تھی، یہی سبب تھا، کہ ملک میں فنون لطیفہ کی گھر گھر قدر ہونے لگی اور شعر و سخن کے چرچے سے محفلیں گونجنے لگیں، یوں سمجھو کہ ہندوستان میں ادبیات فارسی کی پیداوار کے لئے کوئی موسم اتنا موافق ثابت نہ ہوا جتنا کہ یہ زمانہ جو ہمارا مایہ البحث ہے،

یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم تفصیل کے ساتھ اس دور ادب کی (جس کو پروفیسر ایتھ ETHE کے شاعرانہ الفاظ میں ادب فارسی کی "ہندی فصل بہار" کہنا زیبا ہے) خصوصیات پر نظر ڈالیں، مگر پیشتر یہ اندازہ کرنا مناسب ہوگا کہ اس دور میں فارسی نظم و نثر کی وسعت کس حد تک پہونچ گئی تھی،

ونسنٹ اسمتھ نے اس عہد کے لٹریچر کو پانچ عنوانوں میں تقسیم کیا ہے،

(۱) تراجم، جو اس زمانہ میں کم پسند کئے جاتے تھے، اور جنکی ادبی محاسن کی نسبت صحیح رائے

قائم کرنا دشوار ہے،

(۲) تواریخ، یہ محض واقعات کا مجموعہ ہیں، اور ادبی اعتبارات اعلیٰ پایہ نہیں رکھتیں،

(۳) خطوط (۴) کلام نظم، (۵) کتب مذہبی، (۶) فنی تصانیف،

ذیل میں ہم مختلف ذرائع سے ان چند مشہور کتابوں کی ایک فہرست ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جو اکبر کے عہد میں یا اس کی سرپرستی میں تصنیف یا ترجمہ کی گئیں،

مذہب و اخلاق

نام کتاب	مصنف یا مترجم	زمانہ تصنیف یا ترجمہ
سواطع الالہام (تفسیر بے نقط)	فیضی	سنہ ۱۰۰۲ھ
کتاب الاحادیث،	ملا عبد القادر البدایونی	سنہ ۹۷۸ھ یہ کتاب سنہ ۹۸۶ھ میں پیشکش کی
نجات الرشید، (اخلاق)	"	سنہ ۹۹۹ھ
موارد الکلم، (اخلاق)	فیضی	سنہ ۱۰۰۲ھ
اتھرب بید (از سنسکرت)،	بدایونی، فیضی، حاجی ابراہیم سرہندی	سنہ ۹۸۳ھ
بھگوت گیتا (از سنسکرت)	فیضی	
مرکز ادوار (تصوف)	"	

تاریخ و سوانح،

نام کتاب	مصنف یا مترجم	زمانہ تصنیف یا ترجمہ
تاریخ الفی	ملا احمد، ملا بدایونی وغیرہ	سنہ ۱۰۰۰ھ
تزک بابری (از ترکی)،	عبد الرحیم خانخاناں	سنہ ۹۹۸ھ
ہمایوں نامہ	گلبدن بیگم	سنہ ھ
تاریخ کشمیر	بدایونی	سنہ ۹۹۹ھ

نام کتاب	مصنف	زمانہ تصنیف
طبقات اکبری	خواجہ نظام الدین بخشی	سنہ ۱۰۰۱ھ
منتخب التواریخ	بدایونی	سنہ ۱۰۰۴ھ
آئین اکبری	ابو الفضل	سنہ ۱۰۰۶ھ
اکبرنامہ	"	سنہ ۱۰۱۰ھ
اکبرنامہ	فیضی سرہندی،	سنہ ھ
رامائن (از سنسکرت)	بدایونی وغیرہ،	سنہ ۹۹۳ھ
مہابھارت (از سنسکرت)	" "	سنہ ۱۰۰۰ھ
ہری بنس (ہندی)	ملا شیری	سنہ ھ
	افسانہ،	
نامۂ خرد افزا (از ہندی) (ترجمہ سنگھاسن بتیسی)	بدایونی،	سنہ ۹۸۲ھ
عیار دانش (از سنسکرت)	ابو الفضل	سنہ ۹۹۶ھ
نل دمن (از ہندی)	فیضی،	سنہ ۱۰۰۳ھ
بحر الاسمار	بدایونی	سنہ ۱۰۰۴ھ
	فلسفہ و حکمت وغیرہ	
فتاحی،	حکیم ابو الفتح گیلانی	۰
قیاسیہ،	"	۰
ثمرۃ الفلاسفہ (از یونانی)	عبد الستار بن قاسم	سنہ ۱۰۱۱ھ
لیلاوتی (از سنسکرت) در فن حساب	فیضی	سنہ ۱۰۰۳ھ

نام کتاب	مصنف	زمانہ تصنیف
تاجک (از سنسکرت) (در فن ہیئت)	مکمل خان گجراتی	•
مثنوی (در علم جوتش)	عبدالرحیم خانخاناں	
حیوٰۃ الحیوان (از عربی) (در علم الحیوان)	شیخ مبارک ،	سنہ ۹۸۳ھ
معجم البلدان (از عربی) (در جغرافیہ)	علمای متعدد	سنہ ۹۹۵ھ
انشاء ولغت		
انشاء فیضی	فیضی	•
انشاء ابو الفضل	ابو الفضل	•
جامع اللغات	"	•
چار باغ	حکیم ابو الفتح،	•

فہرست بالا سے جو کسی طرح جامع نہیں کہی جا سکتی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ اکبر کا علمی مذاق کس قدر بڑھا ہوا تھا، یہ تصانیف یا تراجم جو بیشتر فارسی میں لکھے گئے تھے، سب اکبر کے عہد یا سرپرستی میں تکمیل کو پہنچے، اس فہرست میں او رجن کتابوں کے علاوہ سنسکرت، ہندی، عربی، ترکی، یونانی زبانوں سے جو ترجمے ہوئے وہ بھی شامل ہیں، مباحث کے تنوع کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تاریخ، سیرت، افسانہ، ریاضی، طبیعیات، نجوم، فلسفہ، تصوف، اخلاق، طب، جغرافیہ، بدیع وغیرہ سب ہی پر اہل علم سے کتابیں لکھوائی گئیں، اور علم دوست بادشاہ نے ہر طرح سے ان کی قدر افزائی کی،

سلہ زیادہ تر ان کتابوں کے نام درج کرنے پر اکتفا کی گئی ہے جو مشہور ہیں، اور دستیاب ہوتی ہیں ورنہ صرف فیضی ہی کی تصانیف کی تعداد ۱۰۱ بتائی جاتی ہے،

یہاں ان بے شمار دیوانوں اور مثنویوں کا احصا کرنا جو اس دور میں لکھی گئیں طوالت سے خالی نہیں، ان میں سے بعض کا ذکر اور نمونہ آگے چل کر ملے گا، نیز ہم ان خالص مذہبی یا علمی تصانیف کو جو عموماً درباری اثرات سے علحدہ رہکر ترتیب دی گئیں، اس موقع پر نظر انداز کرنا مناسب سمجھتے ہیں، مثلاً مدارج النبوۃ، جذب القلوب، اخبار الاخیار، مطلع الانوار، وغیرہ مصنفہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی، یا شمائل نبوی، و تنزیہ الانبیاء از تصنیفات ملا عبد اللہ سلطانپوری (مخدوم الملک)، یا مصنفات میر فتح اللہ شیرازی و قاضی نور اللہ شوستری وغیرہم،

اس موقع پر پہونچ کر ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ وہ علمی انجمن جس نے دفعۃً دربار اکبری کو جگمگا دیا اور "محفل اعظم" کے نام کو چمکا دیا، کن درخشاں ستاروں پر مشتمل تھی، درحقیقت اسی عہد کی تحریک تھی جو جہانگیر اور شاہجہاں کے زمانہ میں ادبی کارناموں کی صورت میں ظاہر ہوتی رہی یہاں تک کہ زہد کیش اور تقشف پسند عالمگیر نے ان تمام مشاغل کا یکبارگی سدباب کر دیا،

اس امر میں ابوالفضل کی شہادت غالباً سب سے مستند اور قابل اعتبار ہے، اس نے آئین اکبری میں اپنے زمانہ کے علما کو پانچ گروہوں میں تقسیم کیا ہے،

(۱) "خدیو نشناسائیتن"، مثلاً شیخ مبارک ناگوری، شیخ نظام نارنولی وغیرہما، اس عنوان میں اکیس نام گنائے ہیں جنمیں ہندو مسلمان دونوں ہیں؛

(۲) "خداوند باطن"، اس کے تحت میں پندرہ نام آتے ہیں، جیسے شیخ امان اللہ، رام بھدر وغیرہما،

(۳) "دانندۂ معقول و منقول"، مثلاً میر فتح اللہ شیرازی، میر مرتضیٰ، و امثالہما کل بارہ ہیں،

(۴) "شناسائے عقلی کلام"، اس عنوان کے تحت میں بائیس اہل علم گنائے ہیں، جیسے

مولینا پیر محمد، مولانا عبد الباقی، کشن پنڈت، بھٹاچارج،

(۵) "خوانائے نقلی مقال" مثل شیخ احمد، ملا عبد القادر، میان حاتم سنبھلی، مخدوم الملک شیخ عبد النبی، میر سید محمد میر عدل، بیج سین سور، بھان چند، (کل ۴۳ ہیں)

یہ تو علما اور فقرا کی فہرست تھی، اب رہے شعرا جن کو ابوالفضل قافیہ سنج کے نام سے یاد کرتا ہے، ان کی تعداد سینکڑوں تک پہونچتی ہے،

ابوالفضل کے بیان کے مطابق شعرائے دربار میں سے جو "منتخب" تھے ان کی تعداد ۵۹ ہے، آئین میں ان کا مختصر حال اور نمونۂ کلام دیا گیا ہے، پندرہ سولہ شعرا ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنے قصائد بادشاہ کی خدمت میں روانہ کئے تھے مگر خود حاضریِ دربار سے محروم رہے، ایسے لوگوں میں ظہوری ترشیزی اور ملک قمی کے نام زبان زد مشہور ہیں،

صاحب طبقات اکبری (خواجہ نظام الدین احمد) نے عہد اکبری کے علما اور حکما کی تعداد تقریباً سو اور شعرا کی اکیاسی بتائی ہے، لیکن ملا عبد القادر بدایونی نے منتخب کی تیسری جلد[1] میں ۹۵ علما اور ۱۶۷ شعرا کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے اکثر ممالک غیر کے رہنے والے تھے اور بادشاہ یا امرا کی فیاضی کی بدولت چین کرتے تھے،

غور کرو اکبر کا دربار کیا تھا، ایک اچھی خاصی اکاڈیمی (بیت العلم) تھا جس میں ہر فن کے ماہر سب طرف سے سمٹ کر جمع ہو گئے تھے، جب تک فن تاریخ دنیا میں موجود ہے، کوئی مورخ اسلامی ہند کے ان نامور باکمالوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا، کیا یہ ممکن ہے کہ زمانہ کی گردش سے شیخ مبارک ناگوری جیسے متبحر عالم یا اس کے نامور فرزندوں فیضی اور ابوالفضل

[1] صاحب منتخب نے فقرا (۳۸) اور حکما (۱۵) کا تذکرہ بھی کیا ہے، مگر ہم نے خارج از موضوع سمجھ کر قصداً نظر انداز کر دیا،

کے کارنامے شیخ عبد الحق محدث رئیس اہل سنت کی تصانیف، شیخ یعقوب کشمیری جیسے امام تفسیر و حدیث و تلمیذ شیخ ابن حجر مکی، کی تحریرات، یا مشہور فلسفی میر فتح اللہ شیرازی اور زبردست متکلم قاضی نظام بدخشی اور شیعہ مجتہد قاضی نور اللہ شوستری صاحب مجالس المومنین وغیرہم کی تصنیفات صفحۂ تاریخ سے محو ہو جائیں یا مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطان پوری، صدر الصدور شیخ عبد النبی، سید محمد میر عدل، اور ملا عبد القادر بدایونی جیسے اساطین فضل و کمال کی یادگاریں مٹ جائے، انھیں بھی جانے دو کیا یہ قرین قیاس ہے، کہ زمانہ فیضی، غزالی، عرفی، نظیری، ثنائی، شیری، حیلی کی ترانہ ریزیاں اور خوش نوائیاں جنھوں نے دہلی اور آگرہ کے گلزاروں کو گلستان شیراز و اصفہان کا جواب بنا دیا تھا، یکسر بھول جائیگا؟

تلک آثارنا تدل علینا　　فانظروا بعدنا الی الآثار

اس جگہ اکبری دور ادب کی خصوصیات پر بحث کرنے سے قبل ہم تھوڑی دیر ٹھہر کر یہ اور دکھانا چاہتے ہیں کہ ادبی مشاغل کی اس فراوانی کے اسباب کیا تھے، اور کیا وجہ تھی کہ تمام ایران سمٹ کر آگرہ میں آگیا تھا، ظاہر ہے کہ ادبی مسائل آسانی سے طبعی واقعات کی طرح علت و معلول کے شکنجہ میں نہیں کسے جا سکتے، تاہم غور و استقصا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں فارسی ادب کے ارتقا کے حسب ذیل اسباب ہو سکتے ہیں،

(۱) ہندوستان کی سرزمین ہمیشہ علم و ہنر کے لئے موافق ثابت ہوئی ہے، ملک کی فضا مشاغل ادبی کے واسطے پہلے سے آمادہ تھی، یہی وجہ تھی کہ عہد مغلیہ میں علم و ادب نے ملک کی ہوا کے رخ پر نہایت سرعت سے ترقی کی، تازہ گوئی جس پر ہم آگے چل کر تفصیلی بحث کریں گے ہندوستان کی زمین میں ہی پہلے پیدا ہوئی اور برگ و بار لائی، یہاں تک کہ اس دور کی شاعری کو فارسی لٹریچر کی فصل بہار کہنے لگے،

(۲) امن عام اور اطمینان نے تعیش اور تعیش نے فنون لطیفہ کے ذوق کو دوبالا کیا، اسی وجہ سے اس زمانہ میں شعرا و شعرا کی فراوانی نظر آتی ہے،

(۳) بادشاہ اور درباری امرا اہل کمال کی نہایت قدردانی اور عزت کرتے تھے، انھوں نے غریب الوطن حکما اور شعرا کو اپنے دامن دولت میں پناہ دی اور اپنے دربار میں عہد کے بہترین ارباب فضل کو ہر طرف سے سمیٹ کر جمع کر لیا، ہر شخص جانتا ہے کہ ایشیا میں علم و ادب حکومت کے سایہ میں بڑھتے ہیں، ہندوستان میں بھی لازماً یہی ہوا، سلطنت نے کمال والوں کی سرپرستی کی اور ان کو اطمینان سے بیٹھ کر اپنے کمال کی ترقی کا موقع ملا، خزانہ عامرہ اس قسم کی فیاضیوں اور بیدریغ بخشیوں کی داستانوں سے بھرا ہے، اکثر موقعوں پر سلاطین اور امرا نے قصیدہ گویوں کا منہ جواہرات سے بھر دیا ہے، یا سونے سے تلوا دیا ہے، انھیں عطا پاشیوں نے اکبر اور اس کے امرا کے درباروں کو شعرا کی نغمہ سنجیوں سے چمن بنا دیا تھا،

واضح رہے کہ دوسری طرف مغلوں کی حریف سلطنت صفویہ ایران میں اشاعت علم اور سرپرستی علما میں ہمہ تن مصروف تھی، ملوک اور امرا اس باب میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے، اور اس طریقہ سے علم و فن کی نشر و اشاعت روز بروز ترقی پذیر ہوتی تھی، بعض مصنفین کی رائے ہے کہ چونکہ شاہان صفوی خود ذی علم اور علم کے قدردان تھے، اور اس زمانہ میں امن و تہذیب کا دور دورہ تھا، اس لئے لٹریچر (خصوصاً فن شعر) قدرۃً معراج کمال پر پہونچ گیا، مگر ہمیں نہایت ادب کیساتھ یہ عرض کرنا ہے کہ صفوی عہد کو کسی طرح لائٹ لٹریچر کی ترقی کا عہد نہیں کہہ سکتے، اصل یہ ہے کہ اس دور کا کوئی شاعر حتیٰ کہ شفائی بھی شہرت کمال یا حسن کلام کے اعتبار سے فیضی، عرفی یا صائب کی ہمسری نہیں کر سکتا،

صفوی اور مغل دور کی خصوصیات شاعری کا مطالعہ اور تقابل تو پھر کسی فرصت پر اٹھا

رکھنا چاہئے، مگر اس قدر دیکھنا ضروری ہے، کہ وہ کیا اسباب تھے، جنھوں نے صفوی لٹریچر پر اثر ڈالا، جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا، صفویوں کے زمانہ میں شاعری نے کوئی نمایاں ترقی نہیں کی، اس کا سبب یہ نہ تھا، کہ ملک کی ہوا میں شعر و سخن کی تربیت کی استعداد نہ تھی بلکہ اصلاً حکومت کی طرف سے بخشش کا ہاتھ کوتاہ اور فیاضی کا دروازہ بند تھا، سلاطین صفویہ کی ہمت تمامتر مذہب سلطنت (تشیع) کی ترویج اور ملاؤں کی اعانت میں مصروف تھی، علاوہ بریں ایک طرف تصوف اور اس کے لٹریچر سے ان کو مذہباً نفرت تھی، اور دوسری طرف قصیدے اور مدح سے بیزاری اس لئے سینکڑوں شعرا ناامید اور دل شکستہ ہوکر وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور داد اور صلہ کی طمع میں اکبر کے دربار کا رخ کیا،

(۴) اس کے ساتھ ہی سلاطین مغلیہ اور ان کے درباری بڑے نقادفن تھے، اور وقتاً فوقتاً اعتراض و انتقاد سے کلام میں اصلاح دیتے رہتے تھے، عرفی و نظیری وغیرہما کی لطافت تخیل اور جدت اسلوب اسی بحانکتہ چینی کا نتیجہ ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس بحث کو قدرے تفصیل سے بیان کیا جائے،

تیموریہ عجم اور تیموریہ ہند کا مذاق سلیم اور وجدان صحیح عالم آشکا ہے، بابر اور ہمایوں خود خوش گو شاعر اور آتشی قندھاری اور خواجہ حسین مروزی، سید علی جدائی تبریزی وغیرہم کے سرپرست تھے، بابر نے اپنی بے نظیر یادداشت (تزک بابری) میں کچھ شاعروں کے حالات اور اشعار دیئے ہیں، اور ان کے کلام پر اس قدر صحیح ریویو کیا ہے کہ بڑے سے بڑا ادیب کرتا تو ایسی ہی کرتا،

ہمایوں کا فرزند اکبر اگرچہ اُمی محض تھا، تاہم علم کا فطری ذوق لے کر آیا تھا، اس نے ایک مجلس[1] علماء قائم کی، اور متعدد تراجم اور تصانیف لکھوائیں، مذاکرات علمی اور مباحثات

[1] اس دار التصنیف یا "مکتب"، کا اہتمام مشہور علماء و فضلا کو سپرد کیا گیا تھا، جنھیں شیخ فیضی، ملا بدایونی، نقیب خاں، میر فتح اللہ، حکیم ہمام، حکیم علی، حاجی ابراہیم، نظام الدین، ملا شیری کے نام زیادہ مشہور ہیں،

مذہبی کی غرض سے اکبر نے عبادت خانہ کے بنیاد ڈالی جس میں فریقین کی دلائل وہ خود غور سے سنتا اور محاکمہ کرتا تھا، وہ جس مفید کتاب کا ذکر سن پاتا اس کو منگواتا اور پڑھوا کر سنتا،

تیموری سلاطین میں اکبر پہلا بادشاہ تھا جس نے ملک الشعرار کا عہدہ قائم کیا، اور اس عہدہ پر پہلے غزالی اور غزالی کی وفات کے بعد فیضی کا تقرر کیا،

لیلی پھڑک اُٹھی نگہ انتخاب کی

جیسا کہ اوپر گذرا اکبر کو قدرۃً علم کا مذاق اور شاعری کا ذوق تھا، وہ نکتہ رسی اور شعر فہمی کیساتھ شعر بھی کہتا تھا، اور خوب کہتا تھا، اس کے حسن طبیعت کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہو سکتا ہے، جو تاریخوں میں اس سے منسوب ہیں،

دوشینہ بہ کوے می فروشاں	پیمانۂ می بہ زر خریدم
اکنوں ز خمار سر گرانم	زر دادم و درد سر خریدم
من بنگ نمی خورم مے آرید (میارید)	من چنگ نمی زنم نے آرید (نیارید)

ابو الفضل نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ کے حضور میں یہ شعر پڑھا گیا،

مسیحا یار خضر رخش ہمرکاب دھمناں توسن	فنائی آفتاب من بدیں اعزاز می آید

بادشاہ نے برجستہ فرمایا کہ آفتاب کے بدلے شہسوار ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا، سخن سنج جان سکتے ہیں کہ اس اصلاح نے شعر کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا، اکبر کے علاوہ اس کے بیٹے سلیم اور مراد وغیرہ بھی نہایت نکتہ رس اور نکتہ شناس طبیعت لیکر آئے تھے اور ان کے دربار بھی ہمیشہ ارباب کمال سے معمور رہتے تھے، مگر سب سے بڑھکر امراے اکبری نے اپنی بیدریغ بخشی

[1] اسی دور میں دکن بھی اس شعبہ میں فیاضیاں دکھا رہا تھا، چنانچہ بیجاپور میں ابراہیم عادل شاہ (ممدوح ظہوری و ملک قمی) اور برہان پور میں نظام شاہ بحری مربی فن تھے،

اور برمحل نکتہ چینی سے مذاق سخن کو اس قدر بلند کر دیا کہ کوئی دوسرا دور اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا، ان امیروں میں عبد الرحیم خانخاناں، حکیم ابو الفتح گیلانی، علی قلی خاں، خان زماں، خان اعظم کوکلتاش، ظفر خاں اور غازی خاں خاص امتیاز رکھتے ہیں، ان میں سے اکثر شاہانہ سطوت و شکوہ سے رہتے تھے، اور ان کے درباروں پر بارگاہ سلطانی کا دھوکا ہوتا تھا،

ہم اس موقع پر دربار اکبری کے ان جواہرات کا مختصر حال لکھتے ہیں، جس سے معلوم ہوگا کیونکر ان کی ضیا پاشیوں سے بزم ادب چمک اُٹھی تھی،

ان امرا میں عبد الرحیم خان خاناں کا نام چوٹی پر نظر آتا ہے، وہ در اصل اس بہار کے رنگ برنگ پھولوں میں گل سرسبد کیے جانے کا مستحق ہے، اس کے مشورہ و اصلاح اور صلہ و انعام نے علم و ادب کے معیار کو بلند کرنے میں جو مدد دی محتاج بیان نہیں، خود اسکا باپ بیرم خانخاناں ایک خوش گو شاعر تھا، اس کے ترکی اور فارسی دیوان چھپ گئے ہیں، بیرم ہی نے نظیر سمرقندی کو شاہنامہ کے جواب میں شاہنامۂ ہمایونی لکھنے کی خدمت سپرد کی مگر افسوس کہ کتاب نامکمل رہی، بیرم خاں نے ایک بیاض (موسوم بہ دخلیہ) مرتب کی تھی جسمیں اساتذۂ سلف کے اشعار پر اپنے ایرادات جمع کئے تھے، یہ کتاب اب ناپید ہے،

بیرم کا نامور فرزند عبد الرحیم سخن شناسی اور فیاضی میں باپ کا صحیح جانشین تھا، وہ فارسی اور ترکی کا عالم تھا، اور عربی اور سنسکرت میں بھی دخل رکھتا تھا، اس کو علوم رسمیہ میں کافی مہارت تھی، اور فن شعر و علم بدیع پر پورا عبور تھا، اس کی تصانیف میں تزک بابری کا فارسی ترجمہ، نجوم میں ایک مثنوی جس کا ایک مصرع فارسی اور دوسرا سنسکرت ہے، اور بعض غزلیات و رباعیات یادگار ہیں، عبد الرحیم نے ایک بڑا کتبخانہ جمع کیا تھا، جس میں نادر قلمی نسخے اکٹھا کئے تھے، شعرا میں عرفی، نظیری، شکیبی، حیاتی، نوعی، کفوی، بیروی، رسمی، محوی، اس کے

دامن دولت سے وابستہ تھے، اور اسی کی فیاضی پر بسر کرتے تھے، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اس کی دقیقہ رسی اور تربیت شعر کے مذاق کو بلند کرنے اور اسالیب ادا کو وسیع کرنے میں ہمیشہ مصروف رہی،[1]

ملا عبد الباقی نہاوندی نے تذکرۂ عبد الرحیم (مآثر رحیمی) میں عرفی کا ذکر کرتے ہوئے اس کا صاف اقرار کیا ہے کہ "بہ اندک فرصتے بہ یمن تربیت وشاگردی ومداحی ایں دانائے رموز یگانگی تمام وترقی مالا کلام در منظوماتش بہم رسید"

خانخاناں کے بعد حکیم ابو الفتح گیلانی کا نمبر ہے۔ یہ اپنے زمانہ کا زبردست فلسفی اور حکیم تھا، یہ خانخاناں کا دوست اور سرپرستی فن میں برابر کا شریک تھا، عبد الباقی کا بیان ہے کہ تازہ گوئی جو ہندوستان کی فارسی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے، ابو الفتح ہی کی جدت وجودت کا نتیجہ ہے سب اہل فن متفق ہیں کہ سولھویں صدی میں سرزمین ہند میں فارسی شاعری کے جتنے اسالیب بیان پیدا ہوئے اسی کی مربی گری اور نقادی کی یادگار ہیں، حیاتی گیلانی، عرفی شیرازی، ثنائی مشہدی، سیلی، مرزا قلی، کو اس کی مصاحبت اور تربیت پر فخر ہے، حکیم ابو الفتح نے ایک خط میں خانخاناں کو تحریر کیا ہے، "ملا عرفی وملا حیاتی، بسیار ترقی کردہ اند"

اسی طرح علی قلی خاں خانزماں جو غزالی و الفتی کا سرپرست تھا خان اعظم کوکلتاش جس کے سایہ حمایت میں جعفر ہروی، فہمی، مدانی، نذری نقیبی سبزواری چین کی زندگی بسر کرتے تھے، ظفر خاں جس کی مربی گری نے صائب وکلیم جیسے نامور استاد پیدا کئے[2]، اور غازی خاں حاکم قندہار

---

[1] دیکھو رسمی کا اعتراف اس بارہ میں،

زمین مدح تو آں نغمہ سنج شیرازی | رسید صیت تلاشش بہ روم از خاور

[2] صائب نے ظفر خاں کی سرپرستی اور تربیت کا اشعار ذیل میں نہایت خوبی سے اعتراف کیا ہے،

زوقت تو بینی شدم چناں باریک | کہ می تواں بہ دل مور کرد پنہانم
تو جاں زدخل بجا مصرع مراد دادی | تو در فصاحت دادی خطاب سحبانم

بھی ادیبوں اور عالموں کی سرپرستی میں عالی پایہ رکھتے تھے، یہ لوگ چونکہ خود صاحب علم تھے اس لئے بقول علامہ شبلی محض خوشامد کے ذریعہ سے ان کے دربار تک رسائی آسان نہ تھی،

(۵) ایران سے بڑے بڑے حکیم اور فاضل جب آتے تھے سیدھے دربار آگرہ کا رخ کرتے تھے، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی، کہ ہمایوں کی جلاوطنی کے زمانہ میں سلطنت عجم نے مغلوں کے ساتھ جو فیاضانہ سلوک کیا تھا ہمایوں کے جانشین اس سلوک کا معاوضہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے، اسی سبب سے سلاطین و امرائے مغلیہ ہر غریب الوطن عجمی کے ساتھ اس نوازش سے پیش آتے تھے، کہ وطن کی آسایش بھول جاتا تھا، صائب لکھتا ہے،

ہمچو عزم سفر ہند کہ در دل ہست | رقص سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

کلیم۔ ز شوق ہند زانساں چشم حسرت برقفا دارم | کہ رو ہم گر براہ آرم نمی بینم مقابل را

سلیم۔ نیست در ایران زمین سامان تحصیل کمال | تا نیامد سوئے ہندستاں حنا رنگیں نشد

یوں سمجھنا چاہئے کہ ہندوستان پر ایران کا قرض تھا، جو اکبر کے عہد میں معہ سود ادا کیا گیا

(۶) اس زمانہ میں مشاعروں کا بیحد رواج ہوگیا اور شاعروں کی مسابقت اور حریفانہ منافست نے فن کو معراج ترقی پر پہونچا دیا،

نثر کے متعلق اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اکثر اسباب مذکور اور نیز ضروریات دربار نے اس کو تیموریۂ عجم کے عہد کی خامیوں اور فرد گذاشتوں سے پاک کردیا،

تلخیص و تبصرہ

اسلامی دائرۃ المعارف
کی
ترتیب و تدوین

علامہ سید کرد علی رئیس المجمع العلمی العربی دمشق نے اپنے رسالہ مین اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب وتدوین کے حالات اوس کے اڈیٹر ہوتسما کے اُن خطوط سے اخذ کر کے شائع کئے ہین جو ان کے نام وقتاً فوقتاً آتے رہے ہین، اس مقالہ کی تلخیص ذیل مین دیجاتی ہے،

جب کوئی قوم اپنی علمی ترقی مین معراج کمال تک پہنچ جاتی ہے تو وہ متفرق طور پر علوم کی جمع وتدوین سے گذر کر اونکی تفصیل تنقید اور تنظیم و ترتیب مین لگ جاتی ہے، اسی ارتقائی اصول کے موجب عربون کی علمی ترقی ہوئی، جب وہ مختلف علوم و فنون حدیث، سیر، لغت، ادب، تاریخ اور جغرافیہ وغیرہ کی داغ بیل ڈال چکے تو ان مین تنوع پیدا کرنا شروع کیا، اور اس قدر بہترین حسن ترتیب سے ان علوم کی تنظیم و تنسیق کی کہ لوگ آج تک ان سے مستفید ہو رہے ہین، اور انکی مرتبہ کتابون کو پیش نظر رکھ کر یورپ مین کتابون کو مرتب کیا جارہا ہے، مسٹر براؤن لکھتے ہین "عربون نے فن جغرافیہ و مساحت مین جیسی کتابین لکھی ہین ویسی آج تک تالیف نہ کیجا سکین، اور ہمارے خیال مین اونکی تاریخ کی بعض کتابین ایسی ہین جنکا نمونہ یورپ اپنے دور ترقی مین بھی پیش نہین کرسکتا" پھر اہل یورپ کو مخاطب کر کے کہتے ہین "یورپ اپنی برطانی انسائیکلوپیڈیا پر اس وقت

اس قدر نازان ہے، لیکن اس کو معلوم نہین کہ علمائے عرب کی ایک بڑی جماعت نے اپنی انسائیکلو پیڈیا "اخوان الصفا" اس وقت مرتب کی تھی جبکہ یورپ اپنے دور جہالت مین زندگی بسر کر رہا تھا،

حقیقت یہ ہے کہ یورپ ایک طویل مدت تک اسلام اور عرب سے جزوی حالات کے سوا بالکل ناآشنا رہا، جب جنگ صلیبی چھڑی تو یورپ کی توجہ اسلام اور عربون کی طرف منعطف ہوئی اور اسی سلسلہ مین انکی واقفیت نے متصل ترقی کرنی شروع کی، کیونکہ اس کے بعد یورپ کو عربون اور دیگر اسلامی اقوام سے ملنے جلنے کا موقع ملا، اور اس اختلاط کے بعد اہل یورپ اسلام اور عرب سے سال بہ سال زیادہ واقف ہوتے گئے، یورپ کی اسی واقفیت کا نتیجہ مستشرقین کی جماعت ہے جس نے سترہوین صدی کے اوائل سے لیڈن (ہالینڈ) کے مطبع سے تاریخ جغرافیہ، ادب، فلسفہ اور مختلف اسلامی علوم کی قدیم عربی کتابونکو شائع کرنا شروع کیا جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے، اور اسی کے ساتھ اسلام اور علوم اسلام پر مستقل کتابین لکھی جانے لگین، اسی سلسلہ مین آج سے دو صدی پیشتر فرانس کے مشہور مستشرق ہربلٹ نے ایک اسلامی دائرۃ المعارف شائع کی جس کے ماخذ عرب، ترک اور دیگر شعوب اسلامیہ کی کتابین ہین، لیکن یہ دائرۃ المعارف نہایت ناکافی تھی، کیونکہ اولاً تو فاضل مستشرق کے پاس اس قدر ماخذ نہ تھے جو اس وقت موجود ہین، دوسرے یہ کہ کوئی دائرۃ المعارف اس وقت تک جامع نہین ہوسکتی جب تک علماء و ماہرین کی ایک مستقل جماعت اس کو اڈٹ نہ کرے،

مستشرقین یورپ نے بھی اس کو محسوس کیا، جیسا کہ ہوتسما اڈیٹر اسلامی انسائیکلوپیڈیا نے خط مین لکھتے ہین "مستشرقین کی کانفرنس مین مدت دراز تک ایک ایسی انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و تدوین کا مسئلہ زیر بحث رہا جو اسلامی علوم و فنون کے عام مباحث پر حاوی ہو، پھر ان کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھون نے ۱۸۹۹ء مین اس انسائیکلوپیڈیا کا خاکہ تیار کرنے کے لیے بعض

مستشرقین کو ہالینڈ میں مدعو کیا، اس کے بعد انھون نے ابتدائی مراحل طے کر کے اس انسائیکلوپیڈیا کے بعض مقالات لیڈن سے نمونہ کے طور پر شائع کیے جو ارباب علم کے درمیان خاص وقعت و استحسان کی نظر سے دیکھے گئے، پھر موصوف نے یورپ کی علمی اکاڈمیون کے سامنے اس کی اشاعت کا مسئلہ پیش کیا، جسمین انھین خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی، اور لیڈن کے ایک مطبع نے اپنے صرف سے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کی لیکن ابھی تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ وہ یورپ کی کس زبان مین شائع کیا جائے بالآخر بڑی رد و قدح کے بعد جرمنی، فرانسیسی اور انگریزی زبانون مین اسکی اشاعت کا فیصلہ ہوا، لیکن وہ لکھتے ہین کہ:- تین زبانون مین اشاعت کی تجویز ہمارے لیے حد درجہ یاس انگیز تھی، کیونکہ اس تجویز سے ہماری مالی مشکلات مین سہ گونہ اضافہ ہوگیا اسلیے ہماری جد و جہد مین کافی دشواریان حائل ہوگئین، مگر بالآخر انھون نے اس تجویز پر عمل پیرا ہونے کا فیصلہ کیا اور فرانسیسی نسخہ کے لیے اپنے رفقائے کار مین پروفیسر باسٹ کا اضافہ کیا جو جزائر کے لٹریری کالج کے پرنسپل تھے اور انگریزی نسخہ کی طباعت کا کام آئرلینڈ کے پروفیسر ارنلڈ کے سپرد کیا گیا، اس کے بعد پروفیسر باسٹ کے سپرد وہ مقالات ہوئے جو شمالی افریقہ جزائر، ٹیونس اور مراکش وغیرہ سے تعلق رکھتے ہین، اور پروفیسر ارنلڈ کو وہ مقالات دیئے گئے جو اُن اسلامی ممالک کے متعلق ہین جو اس وقت حکومت برطانیہ کے زیر نگین ہین لیکن مصر کو اس سے علیحدہ کر لیا گیا، اور ان کے علاوہ اور دیگر اسلامی ممالک مصر، سلطنت عثمانیہ، فارس، ایشیائے وسطی، اور جاوہ وغیرہ ہوتسما نے اپنے متعلق رکھے، اور یہ اصول بتایا گیا کہ ہر اڈیٹر اپنے اپنے حصۂ ملک کے متعلق دنیا کے مختلف اہل علم سے مقالات حاصل کرے لیکن ان مقالات کی تمام تر ذمہ داری خاص اسی اڈیٹر کے اوپر عائد ہوگی،

اسلامی دائرۃ المعارف کا یہی نقشہ ہے جس پر اس وقت عملدرآمد ہو رہا ہے، یہ علمی خدمت ستائیس سال سے جاری ہے، لیکن ابھی تک پایۂ تکمیل کو نہین پہنچی ہے، موصوف اپنے ایک خط

مین لکھتے ہین، "ہماری انسائیکلوپیڈیا کو جنگ عظیم نے شدید نقصان پہنچایا، ان ایام مین ہمارے مشاغل کی رفتار نہایت سست پڑ گئی تھی، لیکن اب پھر قدیم رفتار جاری ہو گئی، اور ہمین امید ہے کہ یہ سلسلہ اختتام تک پہنچ جائے گا اگرچہ مین اس کبرسنی مین زندگی کے آخری لمحے گذار رہا ہون، اس سلسلہ کو جلد تر اختتام تک پہنچانے کے لئے مین نے اپنے شاگرد پروفیسر وانسنگ کو لیڈن مین طلب کر لیا ہے، جو اسکی اشاعت مین میری معاونت کر رہے ہین، انھون نے آخری جلد کو شائع کرنا زیادہ مناسب سمجھا جسمین وہ مقالات ہین جو حرف S سے شروع ہو کر حرف Z پر ختم ہوتے ہین اور دوسرا جزو بھی تقریباً ختم ہو چکا ہے جو حرف S سے M تک مشتمل ہے، اب صرف حرف L سے R تک کے مقالات باقی رہ گئے ہین، جو زیر تالیف ہین اور جو ہمین چند سالون تک مشغول رکھین گے"،

اس کے بعد اسی خط مین موصوف لکھتے ہین:- جرمنی اور فرانسیسی نسخون کا کام مختلف اہل قلم کے ہاتھ مین آیا، لیکن ہمین شدید صدمہ یہ برداشت کرنا پڑا کہ ہمارے رفیق کار پروفیسر باسٹ کا جزائر مین انتقال ہو گیا، ان کے بعد ان کے لڑکے ہنری باسٹ نے کام کو سنبھالا، لیکن دست اجل نے ہم سے ان کو بھی دفعتہً چھین لیا، اور جرمنی نسخہ پروفیسر شادی، ہرٹیس اور بوئر کے سپرد ہوا، پھر صرف پروفیسر شادی ہی رہ گئے، اب ہینِنگ کے سپرد ہے، ہمین سخت افسوس ہے کہ ہمارے بہت سے رفقار انسائیکلوپیڈیا کی خدمت انجام دیتے ہوئے قضا کر گئے، جس سے ہماری رفتار نہایت سست ہو گئی، اور جن جلیل القدر علماے مشرقیات کے متعلق اسلامی دائرۃ المعارف کی خدمت سپرد ہے اون کی مجموعی تعداد پچاس سے زیادہ ہے، ان مین سے تین ارکان ہالینڈ کے ہین جنمین سے ایک فلسفہ اسلامی دوسرے شعبۂ ترکیات اور تیسرے شعبۂ فارسیات کے پروفیسر ہین، جرمنی کے گیارہ ارکان ہین جو آثار قدیمہ، جغرافیہ، علوم طبعیہ، شعبۂ ترکیات اور فارسیات وغیرہ کے پروفیسر ہین، اسی طرح ڈنمارک

مین سے تین ہین، جو عربی کے مختلف شعبون کے پروفیسر ہین، پھر سوئڈن کے ایک، روس کے تین، انگلستان کے سات، فرانس کے بائیس، اور اٹلی کے پانچ ارکان ہین، ان کے علاوہ ترکی، جزائر اور ہندوستان کے ایک ایک رکن ہین"

افسوس ہے کہ اس فہرست مین مشرقی ممالک کے صرف چار ارکان نظر آتے ہین، جو مستشرقین کی معاونت کر رہے ہین، اسی طرح جہانتک مجھے معلوم ہے امریکہ سے بھی صرف ایک رکن مسٹر مکڈانلڈ کو منتخب کیا گیا ہے، اور مغربی ممالک مین سے بھی اسپین اور پرتگال سے کوئی رکن منتخب نہین کیا گیا حالانکہ ان دونون ممالک کو عرب اور اسلام سے ایسے شدید تعلقات وابستہ رہے ہین کہ ان ممالک کی تقریباً ہشت صد سالہ تاریخ عرب اسلام اور اس کے تہذیب و تمدن پر مشتمل رہی ہے،

"ر"

سبحہ شماری،

یہ عجیب پر لطف تاریخی اتفاق ہے کہ تقریباً دنیا کے تمام اہل مذاہب مین تسبیح پر دعائین پڑھنے کا رواج پایا جاتا ہے، لیکن الہامی کتابون مین سے کسی ایک مین بھی تسبیح کے دانون کا تذکرہ نہین ملتا، مگر باوجود اس کے دنیا کے تمام اہل مذاہب تسبیح پڑھنے کو زہد و اتقا اور کمال تقدس کی نشانی سمجھتے ہین، مؤرخین کا ابتک یہ خیال تھا کہ تاریخ سے تسبیح پڑھنے کے سب سے قدیم دستور کا بودھ مت کی اس جماعت مین پتہ چلتا ہے جو تبت کی پہاڑی پر رہتی تھی، کیونکہ اس پہاڑی کے آثار قدیمہ کے متعلق بعض مباحث علمیہ کے سلسلہ مین بعض ایسے دھاگے دستیاب ہوئے تھے جنمین لکڑی یا صندل یا سیب وغیرہ کے دانے پروئے ہوئے تھے اور ان دھاگون مین زیادہ تر ایک سو آٹھ دانے تھے، لیکن اب جدید انکشاف یہ ہے کہ ان بودھون سے بیشتر قدیم مصریون اور قبطیون کے راہبون کے حالات مین تسبیح کا تذکرہ ملتا ہے، اور اس کے بعد یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عیسائیون مین تسبیح پڑھنے کا رواج

پہلی صدی عیسوی مین انھین قبطیون سے ہوا، کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام کے عہد مین اسکا تذکرہ نہین ملتا اگر کہین اس کا ذکر ہو سکتا تھا تو انکی یا ان کے متبعین کی زبان سے انجیل مین ہوتا، چنانچہ جرمنی کا ایک مشہور فاضل کہتا ہے کہ عیسائیون مین تسبیح پڑھنے والی سب سے قدیم جماعت قبطی عیسائیون کی ہے سب سے پہلے انھی لوگون نے "دعا ربانیہ" کو تسبیح کے دانون پر شمار کر کے پڑھنا شروع کیا اور اس طریقۂ عمل کو شروع کرنے کا انتساب عیسائیون مین سے بالا دیوس اور سوزو بن کی طرف کیا جاتا ہے، پھر جب گیارہوین صدی عیسوی کا نصف اوّل گذر گیا تو "دعا ربانیہ" کے ساتھ "دعا عذرا" بھی پڑھی جانے لگی جو انجیل لوقا کی فصل اول مین مذکور ہے، اس کے بعد تیرہوین صدی عیسوی مین ان دونون دعاؤن کے ساتھ "سلام عذرا" اور "سلام ملائکہ" کا اضافہ ہوا، پھر جب مغرب مین مذہب عیسوی کی عام اشاعت ہوئی تو وہان بعض اور دعاؤن کا اضافہ ہوا اور اس طرح رفتہ رفتہ تسبیح کے دانے مسیحیت کا ایک لازمی جز قرار پا گئے،

یہی واقعہ مذہب اسلام کے ساتھ پیش آیا، عہد نبوی مین تسبیح کے دانون پر دعائین پڑھنے کا رواج نہ تھا، اس لیے مذہب اسلام مین یہ طریقہ سنت نبوی کے خلاف ہے، جرمنی کا ایک فاضل مستشرق کہتا ہے "جزیرۂ عرب مین تسبیح کے دانون کا عام رواج تیسری صدی ہجری مین ہوا جو دہان مصر کے راستے پہنچا" بلکہ ایک حدیث صحیح مین اس طریقہ سے تسبیح کرنے کی ممانعت آئی ہے جس مین آپ نے بعض ازواج مطہرات کو کنکریون پر گن کر دعائین پڑھنے کی ممانعت کی ہے اور ان کنکریون کے بجائے ہاتھ کی انگلیون پر گننے کی ہدایت فرمائی ہے، اور یہ ارشاد فرمایا ہے، کہ یہ طریقہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے" کتب حدیث مین ایک دوسری روائت یہ ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بعض نمازیون کو تسبیح پڑھتے ہوئے دیکھا تو سخت ناراض ہوئے اور سختی سے اس کی ممانعت فرمائی، اس لیے یہ تو قطعی ہے کہ دانون پر تسبیح پڑھنا اسلام مین ایک ایسی بدعت ہے

جو تیسری صدی مین عام طریقہ سے اسی طرح مروج ہوئی جیسے عیسائیون مین اس کا رواج پایا جاتا تھا اس لئے اسلام مین سلف صالحین نے اس بدعت کی ہمیشہ مخالفت کی، چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن شیخ ابو القاسم جنید بغدادی متوفی ۲۹۸ھ تسبیح پڑھتے ہوئے دیکھے گئے، جس پر بعض فقہا رنے نہ صرف سختی سے اعتراض کیا بلکہ اس تسبیح کو ضبط کر لینا چاہا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ انباری نے جو بلند پایہ علماے اسلام مین گذرے ہین، اپنی جلیل القدر تصنیف "المدخل" مین، نون پر تسبیح پڑھنے کو بدعت بتا کر اسکی سختی سے مخالفت کی ہے، غرض مذہب عیسوی کی طرح مذہب اسلام مین بھی اس کا وجود نہین اور سلف صالحین کے نقطۂ نظر کے مطابق یہ فعل مذموم اور قابل ترک ہے،

تسبیح پڑھنے کے اغراض بھی مختلف ہوتے ہین کچھ لوگ تو عبادت کے لیے تسبیح پر بعض دعائین پڑھتے رہتے ہین اور کچھ لوگ اپنے دیگر اغراض مین انکو استعمال کرتے ہین، چنانچہ لیڈی کالبڈی، تبریز کے متعلق کہتی ہین کہ وہان یہ دستور ہے کہ جب کوئی بیمار پڑتا ہے تو اطبار کی طرف رجوع کرنے سے پیشتر تسبیح پر کچھ پڑھ کر یہ معلوم کرتے ہین کہ آیا طبیب کا بلانا ضروری ہے کہ نہین؟ دوائین اس غرض کو فائدہ پہنچا سکتی ہین کہ نہین؟ شہر کے کس طبیب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے؟ اسی قسم کے سوالات اور بھی ہوتے ہین جنکے جوابات حاصل کرتے ہین اور وہ اپنے اس طریقہ عمل کو "استخارہ" سے موسوم کرتے ہین، مسٹر گارڈنر کہتے ہین کہ "باشندگان روس امراض سے محفوظ رہنے کیلئے اپنی گردنون پر تسبیح لپیٹتے ہین، اور تقدیر کے پنہان رازون تک پہنچنے کے لیے مختلف طریقون سے تسبیح پڑھتے ہین"، اسی طرح مصر جزائر، اور جادہ کے باشندے تسبیح کو مختلف اغراض مین مختلف طریقون سے استعمال کرتے ہین، اور ان دانون کو خاص تقدس کی نگاہ سے دیکھتے ہین،

یہ ڈاکٹر زویمر کے ایک مضمون کی تلخیص ہی جو الہلال مصر بابت ماہ جولائی مین شائع ہوا ہی، لیکن یہ مسئلہ شرعی نقطۂ نظر سے اس سے زیادہ تحقیق طلب ہے، اسلئے معارف کے کسی آئندہ نمبر مین اس مسئلہ پر ایک مستقل مضمون مین مزید روشنی ڈالی جائیگی"

"ز"

کولمبس کا تاریخی نقشہ، ابھی حال مین فرانس کے مکتبۂ وطنیہ مین ایک نقشہ ملا ہے، جو کولمبس کے مشہور تاریخی سفر مین اسکی رہنمائی کرتا تھا، نقشہ مین بعض ایسے قرائن موجود ہین جن سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا بنانے والا کوئی باشندۂ جینوا اور کولمبس کے رفقار سفر مین تھا، اور نقشہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ کولمبس کے اسی خاص تاریخی سفر کے لیے تیار کیا گیا تھا، کیونکہ اس مین بعض ایسے شہرون کو دکھایا گیا ہے جنھین اس زمانہ مین اس قدر شہرت حاصل نہ تھی کہ ان کو عام طور پر نقشون مین نمایاں کیا جا،

رسالۃ التوحید فرانسیسی زبان مین، مسرّت ہے کہ بعض نوجوانانِ مصر نے بعض فرانسیسیون کی مدد سے علامہ شیخ محمد عبدہ مصری کی جلیل القدر کتاب "رسالۃ التوحید" کا ترجمہ فرانسیسی زبان مین کرکے شائع کیا ہے، کتاب کی ابتدا مین مترجم کا ایک مقدمہ بھی ہے جس مین علامہ عبدہ کے سوانح د حالات بیان کئے گئے ہین، امید ہے کہ اس رسالہ نے جس طرح مصر مین عام مذہبی ذہنی انقلاب پیدا کیا ہے اسی طرح فرانس مین بھی اس سے مفید نتائج مترتب ہون گے اور خصوصًا یہ رسالہ ان عام غلط فہمیون کو بڑی حد تک رفع کرے گا جو اسلام کے متعلق متعصب مسیحی مبلغین اور عام مستشرقین یورپ نے یورپ مین پھیلا رکھے ہین،

مادیین کی بلند پروازیان، بعض ماہرینِ علوم مادیہ کی یہ بلند پروازیان دیکھو کہ اب وہ یہ بھی ادعا کرنے لگے کہ وہ بے حس و حرکت مادون سے ایسے اجسام پیدا کرنے مین کامیاب ہو گئے ہین،

جن مین قوت نمو پائی جاتی ہے اور ان مین طبعی طور پر یہ استعداد موجود ہے کہ وہ ازخود حرکت کرتے ہین،
یہ ادعا پروفیسر پاسٹین کے دماغ کا اختراع ہے اور کہا جاتا ہے کہ انھین اپنی تائید مین ماہرین علوم
مادیہ کی ایک جماعت بھی ملگئی ہے لیکن مادیات کے عام ماہرین اس ادعا کی تردید کرتے ہین،

تھرما میٹر کی ایجاد اور ترقی۔ تھرما میٹر کی ایجاد کا انتساب گلیلو کی طرف کیا جاتا ہے، جو
اٹلی کا رہنے والا تھا، وہ اپنے ایجاد کردہ تھرما میٹر مین پارے کے بجائے نبیذ سے کام لیتا تھا اور
اس کے اُتار چڑھاؤ سے حرارت دریافت کرتا تھا، لیکن اس وقت تک اس کو اغراض طبی مین استعمال
نہین کیا گیا تھا، ۱۶۲۲ء مین سب سے پہلی مرتبہ اس کو اغراض طبی مین استعمال کیا گیا، اور اس کے بعد ۱۷۴۳ء
اس مین نبیذ کے بجائے پارہ استعمال کرنے لگے، پھر ۱۸۰۰ء مین ایک فرانسیسی گھڑی ساز نے میکانکی
تھرما میٹر سونے چاندی اور پلاٹنم سے تیار کیا اور اس مین گھڑی کے مثل ایک سطح بنائی، جس مین ان
معادن کا گھٹنا بڑھنا نمایان ہوتا ہے اور اسی سے حرارت کا پتہ چلتا ہے،

ایک نغمہ آفرین مشین، دو فرانسیسیون کی پانزدہ سالہ مشترکہ جد وجہد کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے
کہ ایک ایسی مشین عالم وجود مین آگئی ہے جس کو سارنگی مین لگا دینے سے وہ انسان کے ہاتھون
کی مدد کے بغیر بجنے لگتی ہے، موجدین نے یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ اس مشین کے لیے کسی خاص قسم کی سارنگی
کی ضرورت نہین ہے، بلکہ وہ ہر قسم کی سارنگی کو بجا سکتی ہے، اور نیز اس پر یہ مستزاد ہے کہ اس کے
ذریعہ سارنگی کے مثل پیانو بھی بجایا جا سکتا ہے،

فرائض مادری کی تعلیم کے لئے ایک گرانقدر رقم، امریکہ کی ایک معززہ خاتون نے

ایک زمانہ کالج کو ایک لاکھ پونڈ کی گرانقدر رقم اس لیے دی ہے کہ اس رقم سے کالج مین تعلیم کا ایک ایسا شعبہ قائم کیا جائے جس مین نوجوان خواتین کو فرائض مادری بتایے جائین، اور نفسیات اطفال، امور خانہ داری وغیرہ کے مضامین کی تعلیم اس مین خاص طور پر دی جائے،

مرجان، مرجان ایک دریائی جانور ہے جو بحر احمر، بحر متوسط، بحر ابیض اور ایشیا و امریکہ کے دوسرے سمندروں مین پایا جاتا ہے، یہ جانور ظاہرا دیکھنے مین درخت معلوم ہوتا ہے اس لیے پہلے لوگون کا خیال تھا کہ یہ کوئی نباتی شئے ہے لیکن جدید تحقیقات سے اس کے حیوانات کی قسم میں ہونے کا پتہ چلا ہے، کیونکہ اسکی غذا صرف حیوانات ہین جو نباتات کی غذا نہین ہوتے،

قدیم شہر تدمر کے چند آثار، دمشق سے ۱۵۰ میل پر جانب شمال مشرق مین ایک قدیم شہر تدمر کے چند آثار اب تک موجود ہین، توراۃ کی روایت کے مطابق اس شہر کی بنیاد حضرت سلیمانؑ کے ہاتھون پڑی تھی، یہ رومانیون کے زمانہ مین ایک بہت بڑا تجارتی مرکز تھا اور یہی وہ مقام تھا جہان مشرقی اور مغربی تجار تبادلۂ اجناس کرتے تھے، یہ ۲۶۱ء مین رومانی حکومت سے آزاد ہوگیا، اور ۲۶۳ء مین اس پر ایک عورت زنیب نامی حکمران ہوئی جس نے اس قدر اقتدار حاصل کیا کہ رومیون سے مصر کو بھی چھین لیا۔ اس طرح یہ شہر ایک زمانہ مین مصر کا دار الحکومت رہ چکا ہے، اگرچہ پھر زنیب نے طوق سلاسل پہنکر اس کی آزادی بھی کھودی، اس شہر کے جو آثار اب تک باقی رہ گئے ہین ان مین ایک معبد شمس، رومیون کا "تھیٹریکل ہال"، اور ایک عظیم الشان محل "قصر اسود" ہے جو شاید باشندگان تدمر مین سے کسی صاحب ثروت کا مکان تھا، یہ آثار رومیون کے قدیم فن انجینیری کا بہترین نمونہ ہین، اسلیے معلوم ہوتا ہے کہ باشندگان تدمر اپنے تمدن و تہذیب مین معراج کمال تک پہنچ گئے تھے،

شہرون مین ہجوم خلائق، بعض انگریز ماہرین کا خیال ہے کہ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۲۰ء تک دنیا مین جس تناسب سے شہر آباد ہوئے ہین اگر ۲۰۰۰ء تک یہی رفتار جاری رہی تو پھر اس وقت تک دنیا کی آبادی اس قدر بڑھ جائے گی کہ کسی شہر مین ایک مکان ۵ کلومیٹر مربعہ زمین سے زیادہ مین نہ مل سکیگا،

چڑیاخانوں کی ایجاد، آج یورپ کے جدید تہذیب و تمدن مین متمدن شہرون مین مختلف مصالح کے لحاظ سے چڑیاخانون کا قیام ضروری سمجھا جاتا ہے، لیکن لوازم تمدن مین انھین کس نے داخل کیا؟ شاید یہ سنکر حیرت ہو کہ یہ بھی اسی قدیم عربی تمدن کے آثار باقیہ مین ہین، سب سے پہلے مامون نے بغداد مین قصر ثریا کے سامنے وسیع میدان مین ایک چڑیاخانہ قائم کیا، جس مین ہر قسم کے پرند و چرند جمع کئے گئے تھے، تاکہ اُن کے عادات و خصائل و دیگر حالات کا مطالعہ کیا جاسکے، پھر خلیفہ مقتدر باللہ نے اس چڑیاخانہ کو اور ترقی دی اور جہان تک ممکن ہو سکا اس مین ہر قسم کے جانورون کا اضافہ کیا،

کتاب الحمقاء والمغفلین، مسلمانون کے علم تاریخ کے بیشمار اصناف مین ایک شعبہ "طبقات" کا ہی، جس مین انھون نے صدہا تفریعین پیدا کی ہین، چنانچہ کتب طبقات مین خلفار، سلاطین، حکمار، فقہار، صوفیہ، متکلمین، قراء، نحاۃ، کتاب مصنفین اور شعرا کے علاوہ عشاق، مغنیین، غلمان، لصوص وغیرہ کے حالات و سوانح زندگی مین بھی کتابین لکھی گئی ہین جس سے انکا مقصود یہ تھا کہ ایک خاص دور اور ایک خاص زمانہ کے لوگون کے عام اجتماعی، معاشرتی، ذہنی اور اخلاقی حالات کا نقشہ کھینچین، انھی کتابون مین مصر کے مشہور مورخ ابوالفرج ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ کی ایک کتاب "کتاب الحمقاء والمغفلین" ہے، جس مین مختلف قسم کے لوگون کے حماقت آمیز اور مضحکہ خیز مستند تاریخی واقعات درج کئے گئے ہین، ابتک اس کتاب کے تین قلمی نسخون کا حال معلوم تھا جنمین سے ایک برلن کے کتبخانہ مین دوسرا پیرس مین اور تیسرا مدینہ منورہ کے کتبخانہ مین محفوظ ہی، اب اس کا ایک چوتھا نسخہ بھی دستیاب ہوا ہی جو المجمع العلمی العربی دمشق کے کتبخانہ مین داخل ہوا ہی، علامہ کرد علی رئیس المجمع نے اپنے رسالہ مین ایک تقریظ لکھا تھا جابجا اسکے اقتباسات دو نمبرون مین شائع کئے ہین،

"د ر"

ادبیات

گوشۂ قناعت

از جناب مولوی وحید الدین صاحب سلیم پروفیسر جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد

(انگریزی زبان کے شاعر ڈائر کے خیالات کی ترجمانی)

دل مرا اک سلطنت ہے جسمین ہون مین حکمران روز و شب رہتا ہوں مین اس سلطنت مین شادمان

جو مسرت دی ہے مجکو میری صبح و شام نے ہیچ ہیں دنیا کے سارے لطف اُسکے سامنے

پاس لوگون کے بہت سی ایسی چیزین ہین ضرور جو مجھے حاصل نہین لیکن مرا دل ہے غیور

بے ضرورت آرزو مین اُن کی کر سکتا نہین، مین شکنجے مین طمع کے آ کے مر سکتا نہین

مین ضرورت سے زیادہ کی طلب کرتا نہین جام کیون چھلکے مرا مین اس قدر بھرتا نہین

دوسرون پر حکمرانی کی نہین خواہش مجھے گلہ کیون ہو، گلہ بانی کی نہین خواہش مجھے

آج جو عشرت مین ہین، کل ہے انھین عسرت کا ڈر آج عزت جنکی ہے، کل ہے انھین ذلت کا ڈر

رہتے ہین چورون سے لرزان مال و زر ہے جنکے پاس خون دل پیتے ہین وہ، لعل و گہر ہے جنکے پاس

ہے ان اندیشون سے اور فکرون سے آزادی مجھے ہے قناعت نے دیا سرمایۂ شادی مجھے

ہو کوئی عسرت مین، تو مین طعن سے ہنستا نہین ہو کوئی عشرت مین، تو مین رشک مین پھنستا نہین

کوئی غم ہو، دل مگر میرا ہے اطمینان مین تیرتی ہے میری کشتی بے خطر طوفان مین

ہے ضرورت سے زیادہ پاس جنکے مال و زر رکھتے ہین اس سے زیادہ کی ہوس شام و سحر

پاس میرے کچھ نہین اور چاہتا بھی کچھ نہین | اس ہوس مین دل مرا رہتا نہین اندوہگین
ہے بہت کچھ پاس اُن کے، پھر بھی رہتے ہین فقیر | پاس میرے کچھ نہین، پر ہون حقیقت مین امیر
وہ ہوس سے مرتے ہین، جیتا ہون استغنا مین | دین سے بیزار ہین وہ، ہو [illegible] ی دنیا سے مین
وہ پہاڑی پر چڑھین، رہتا ہون مین میدان مین | اُن کو ہے گرنے کا خطرہ، مین ہون اطمینان مین
حرص کی جو آفتین ہین، وہ کہان سہتا ہون مین | بس قناعت ہی کے گوشے مین مگن رہتا ہون مین

ہمارا ہندوستان

از جناب مولوی سراج الحسن صاحب ترمذی وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد

زیر نگین رہا ہے ہندوستان ہمارا | صدیون رہا ہے اس پر سکہ رواں ہمارا
تھا راحتون کا مسکن دارالامان ہمارا | اپنا جواب خود تھا یہ گلستان ہمارا

قسمت چمک اٹھی تھی اس عالم کہن کی،،
روشن جبین کچھ ایسی تھی مادر وطن کی،،

اس انجمن کا چرچا عالم مین جابجا تھا | ہر ذرہ اس زمین کا سورج بنا ہوا تھا
جس سمت دیکھتے تھے منظر بہار کا تھا | دنیا مین بس یہی اک فردوس پُر فضا تھا

سیراب اسی سے ہوتی عالم کی سرزمین تھی
چشم وچراغ سب کی یہ خاک دلنشین تھی

ہے روشنی جہان مین اس شمع انجمن کی | پھولون مین تازگی ہے ساری اسی چمن کی
دنیا ابھی ہے ممنون اس کشور کہن کی | پر اب کہان وہ باقی رنگینیان وطن کی

یورش ہے اب خزان کی اس کنج دلنشین پر
شاید کہ آسمان اب ٹوٹے گا اس زمین پر

علم و ہنر کا معدن ہندوستان کبھی تھا گیتی فروز اپنا نام و نشان کبھی تھا
سارے جہان سے دلکش یہ گلستان کبھی تھا مرغانِ نغمہ خوان کا یہ آشیان کبھی تھا

گو اب فلک زدہ ہے پریا درفتگان ہے
دھندلا سا اس فضا مین ماضی کا اک نشان ہے

کلام یوسف

جناب یوسف صاحب دتفلا بنگلور

سعیِ بے حاصلی ہوئی منظور عشق ہے آج فاتح و منصور
دورِ گردی یہ دل تھا کل مغرور آج ہے انکی زلف کا محصور!
بوالہوس جتنے ہین وہ ہین نالان دیکھ کر ملکِ حسن کا دستور!
چشم ساقی کے ایک اشارے سے ہوگئے اہلِ انجمن مخمور
دلِ خوکردۂ ستم سے کیون کیجئے عیشِ رفتہ کا مذکور
رحم کے خواستگار ہین تجھ سے یہ تنِ زار یہ دلِ رنجور
ہے زبان شکر سے بھی بیگانہ اس کے ظلم و ستم کا کیا مذکور
لذت دید بھی چمک اُٹھی جلوۂ حسن نے کیا جو ظہور
دل تو دل روح بھی ہے سجدہ فشان حبذا فیض جلوۂ مستور
ان سے انکی طلب بھی ہے بیکار مجھ سے کہتی ہے میری طبعِ غیور
میرے نزدیک یہ ہے کفر صریح وصل سے یاس اے دلِ مہجور
پرورش یافتہ ہے برسون کا زخم سے جب کہین ہوا ناسور
تجھ سے تیرے وصال کا طالب ہے ازل سے یہ یوسف مہجور

باب التقریظ والانتقاد

وقارِ حیات

مؤلفہ مولنا اکرام اللہ خانصاحب ندوی،

تعلیم ایک فرسودہ لفظ تھا جسکی صدائین بار بار ہمارے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ایوانِ حکومت سلطان منزل مین گونجتی رہی ہین، اور آج بھی گونج رہی ہین، لیکن زمانے کے اختلاف نے اسکو کبھی محدود رکھا اور کبھی وسیع کر دیا،

ہمارے مخدوم مولانا الحاج مولوی حبیب الرحمن خان شیروانی کے دور سکریٹری شپ سے پہلے یہ لفظ صرف چند رسمی ڈگریون کے حاصل کر لینے کا مرادف تھا، لیکن مولانائے موصوف نے جب کانفرنس کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ مین لی تو ان کو نظر آیا کہ نتائج کے لحاظ سے قدیم زمانے مین تعلیم کا لفظ اس قدر محدود نہ تھا، اس بنا پر اوھون نے اپنے انتخاب کے بعد:۔

کانفرنس کے مقاصد قواعد مین دیکھے، ادبی پہلو مین ترقی کی گنجائش پائی، اہل علم وقلم کو متوجہ کیا، ذرائع محدود تھے، تاہم بعض نادر نمونے پیش نظر آگئے، مثلاً تاریخ گجرات پر مولوی سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم کا رسالہ یادِ ایام، یا مذہب وعقل کی بحث پر مولوی عبدالباری صاحب ندوی کا رسالہ مذہب وعقلیات،

اس کے بعد ان کو نظر آیا کہ کانفرنس کا ایک مقصد مشاہیر کی حیات لکھنا بھی ہے، اسلیے اونھون نے سب سے پہلے رفقائے سرسید مرحوم کی طرف توجہ کی، اور مختلف اخلاقی خصوصیات کی بنا پر اس

مبارک سلسلے کی ابتدا کے لیے نواب وقار الملک کی ذات گرامی کو انتخاب کیا، اس موزون انتخاب کے بعد دوسرا مرحلہ ان کے سوانح نگار کے انتخاب کا پیش آیا، اور خوش قسمتی سے یہ شرف حاشیہ نشینان بزم شبلی کے ایک فرد یعنی ہمارے دوست مولوی اکرام اللہ خان ندوی کو حاصل ہوا جو جسمانی حیثیت سے اپنے ہیرو سے بہت مشابہ ہین، اور ممکن ہے کہ اس لائف کے لکھنے کے بعد اُنھون نے اپنے اندر اپنے ہیرو کی اخلاقی خصوصیات کے پیدا کرنے کی بھی کوشش کی ہوگی،

اس مرحلے کے طے ہو جانے کے بعد سب سے اہم سوال اس لائف کے سرمایہ اور مواد تاریخی کا تھا، جو خوش قسمتی سے نہایت مستند ذرائع سے وافر مقدار مین حاصل ہوا اور اس کو نہایت خوبی کے ساتھ مرتب کرنے کے بعد ساڑھے آٹھ سو صفحے کی ایک ضخیم کتاب تیار ہوگئی، جو اس وقت وقار حیات کے نام سے شائع ہو کر ہمارے پیش نظر ہے، اور دو حصون مین منقسم ہے، پہلے حصے مین بچپن سے لیکر حیدر آباد کے زمانہ ملازمت تک کے حالات نہایت تفصیل و توجیہ و تعلیل کے ساتھ جمع کئے گئے ہین، اور زمانۂ ملازمت مین نواب صاحب نے جو جو اصلاحات کی ہین، ان سب کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے،

دوسرے حصے مین نواب صاحب کی ملکی، قومی، علمی اور سیاسی خدمات کا مفصل تذکرہ ہے، اور اسی مین علالت، وفات، حلیہ، وضع قطع، اخلاق و عادات اور حسن معاشرت کی تفصیل بھی کیگئی ہے، نواب صاحب مرحوم کی زندگی اگرچہ نہایت خشک اور روکھی پھیکی تھی، لیکن کتابی صورت مین ان کے سوانح حیات ہمارے سامنے نہایت دلچسپ صورت مین آتے ہین، کیونکہ،

۱- ان کے حالات مین جو تعدد و تنوع پایا جاتا ہے، وہ غالباً مشاہیر ہندوستان مین کسی کے حالات مین نہین پایا جاتا، اُنھون نے چھوٹی اور بڑی بہت سی ملازمتین کی ہین، ملازمت سے سبکدوش ہو کر ایک مدت تک قوم پر حکمرانی کی ہے، اور اس طرح ان کو مختلف، قومی،

علمی، سیاسی، مذہبی، اور تعلیمی خدمات کے انجام دینے کا موقع ملا ہے، اور ان سب نے انکی تصویر زندگی مین مختلف قسم کے رنگ بھر دیئے ہین، اور وقار حیات کے جامع نے ہر رنگ کو الگ الگ کرکے نہایت خوبی کے ساتھ دکھایا ہے،

۲- ان کی زندگی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس میدان مین اترے ہین، انکو مختلف قسم کی مخالفتون اور مزاحمتون کا سامنا پڑا ہے، اور زیادہ تر ان کے اخلاق کی ہمواری اور کیرکٹر کی مضبوطی نے یہ تمام مشکلات پیدا کی ہین، اور اسی اخلاقی طاقت سے اُنھون نے شکست بھی کھائی ہے اور فتح بھی حاصل کی ہے، اس لیے ان کے سوانح حیات نے ایک جنگی داستان کی حیثیت حاصل کر لی ہے، جو ایشیا کی قومون مین نہایت دلچسپی کیساتھ سنی جاتی ہے، اور ان لڑائیون مین انھون نے اخلاقی حیثیت سے جس متانت و وقار کے ساتھ مقابلہ کیا ہے، وہ اور بھی اُنکی ذات کو ایک پرعظمت ہیرو کی حیثیت سے ہمارے سامنے پیش کرتی ہین جس سے ان کے ساتھ ہماری دلچسپی اور عقیدت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے،

۳- نواب صاحب کے حالات کے ساتھ ریاست حیدرآباد، علی گڈھ کالج اور ان کے رفقائے کار وغیرہ کے واقعات بھی نہایت تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے آجاتے ہین، اسلیے اس کتاب کی نوعیت صرف لائف ہی کی نہین رہجاتی، بلکہ اس سے مسلمانون کی سیاسی، علمی اور قومی تاریخ کے متعلق بھی نہایت دلچسپ معلومات حاصل ہو سکتی ہین،

۴- اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس مین صرف نواب صاحب کی مداحی ہی نہین کیگئی ہے، بلکہ ان کی اخلاقی خصوصیات پر تنقیدی نگاہ بھی ڈالی گئی ہے، اور غالباً اردو زبان مین جو سوانح عمریان لکھی گئی ہین، ان مین سب سے پہلے اس باب کا اضافہ صرف وقار حیات ہی مین کیا گیا ہے، نواب صاحب مرحوم کی ذات گوناگون خوبیون کا ایک ایسا وسیع مرقع تھی کہ ان کے پردے مین ان کی اخلاقی کمزوریون کو نہایت کامیابی کے ساتھ چھپایا جا سکتا تھا لیکن جامع کتاب نے ان پر

پردہ نہین ڈالا ہے بلکہ آخر مین نہایت تفصیل کے ساتھ اونکی اخلاقی کمزوریان دکھائی ہین، بہرحال اول سے اخیر تک یہ کتاب نہایت دلچسپ، مستند، اور سبق آموز حالات کا بہترین مجموعہ ہے، اور بہترین طرز انشا، وتحریر کے ساتھ مرتب کیگئی ہے، متانت واعتدال کی جلوہ گریان ہرجگہ موجود ہین غلو، مبالغہ اور اغراق سے بالکل خالی ہے، اور نہایت سادہ، باوقار، اور متین لب ولہجہ مین لکھی گئی ہے، اور تمام معلومات کو بلاکم وکاست نہایت حسن وترتیب کیساتھ جمع کردیا گیا ہے، ضخامت ۴۰۸ صفحہ قیمت صہ لکھائی چھپائی عمدہ ودیدہ زیب محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علی گڈہ کے پتے سے مل سکتی ہے،

شعر الہند حصہ دوم

مصنفہ

مولانا عبد السلام ندوی،

جس میں اردو شاعری کے تمام انواع یعنی غزل، قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، وغیرہ پر تاریخی اور ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، ضخامت ۴۵۹ صفحات قیمت ... للعہ

رسول عربی

اس کتاب کو ایک سکھ مصنف گوردت سنگھ دارا بیرسٹر نے عام فہم اردو میں لکھا اور وہ اسقدر مقبول ہوئی کہ اسکا پہلا اڈیشن بہت جلد نکل گیا، اب دوسرا اڈیشن دو ہزار کی تعداد مین چھپ گیا ہے جس مین ایکہزار نسخے ایک صاحب مستقل طور پر خریدین گے، بقیہ ایکہزار نسخے متفرق طور پر فروخت ہونگے، عام فائدہ کے خیال سے قیمت پہلے سے نصف کردیگئی ہے، یعنی بجائے سعہ کے ۸؍ شائقین جلد طلب فرمائین،

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

مناقبِ رزاقیہ، بانسہ ضلع بارہ بنکی کے مشہور بزرگ حضرت سید شاہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب و سوانح میں متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں جنمیں سب سے قدیم ان کے مرید ملا نظام الدین فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی مناقب رزاقیہ فارسی زبان میں ہے جس کا پہلا اڈیشن ۱۳۱۳ھ میں شائع ہوا تھا، اب اسی رسالہ کو جناب مولوی صبغۃ اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی نے اردو میں منتقل کرکے شائع کیا ہے، ملا صاحبؒ نے رسالہ کو پانچ فصلوں میں منقسم کرکے اپنے پیر مرشدؒ کے سوانح و مناقب بیان کئے ہیں، اور چونکہ ملا صاحب رحمہ اللہ سید صاحب بانسویؒ کے جان نثار مرید تھے اسیلے ساری کتاب عقیدت و محبت سے لبریز ہے، ابتدا میں جناب محی الدین حسن صاحب قادری نے دو صفحون میں مصنف رسالہ ملا صاحبؒ کے مختصر سوانح زندگی لکھے ہیں، حجم ۶۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت ۵/ پتہ:- جناب محمد محی الدین صاحب عرف غوثو میاں نمبر ۱۸ وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ،

طیبیہ، جناب علی احمد صاحب زاہد جیل پوری نے خاص طور پر عورتون کے لیے ایک کتاب "طیبیہ" کے نام سے لکھنا شروع کی ہے جس کا پہلا حصہ شائع ہوگیا ہے، یہ حصہ عورتوں کے سن بلوغ سے ایام زچگی تک کے لیے لکھا گیا ہے، اور اس دور میں عورتون میں جن امراض کے پیدا ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے ان کی تشریح کیگئی ہے، پہلے ہر مرض کے ابتدائی علامات بتائے گئے ہیں، پھر ان کے اسباب سے بحث کیگئی ہے، اس طرح ہر مرض کے متعلق تمام معلومات دینے کے بعد اس کا طبی علاج بتایا گیا ہے، اور جو امراض زیادہ اہمیت رکھتے ہیں ان کی مکمل تشریح کے بعد ان کے ازالہ کے لیے

کسی مستند طبیب یا ڈاکٹر کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کیگئی ہے آخر مین ایک ضمیمہ ہے جس مین قدیم طبی اصطلاحات کے سامنے یورپ کے جدید علم طب کے اصطلاحات درج ہیں،

کتاب قدیم و جدید طب کی تحقیقات کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی ہے، اور تصنیف کے بعد مستند اطبار اور ڈاکٹرون سے رائین لے لیگئی ہین، اسلیے کافی طور پر مستند قرار پاسکتی ہے، اور عورتون کے لیے اس کا مطالعہ مفید ہوگا، ضخامت ۱۱۲ صفحے سرورق خوشنما اور کاغذ اور لکھائی چھپائی متوسط ہے قیمت عہ پتہ:- ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبل پور،

تشریح الاوزان، جناب علی احمد صاحب زاہد جبل پوری نے اس رسالہ مین عربی، فارسی، یونانی، ویدک، ہندی اور جدید علم طب کے اوزان کی تشریح کی ہے، اس کے علاوہ انگلستان کے سکون کی قیمت ہندوستان کے سکون مین بتائی ہے، اور مختلف ممالک اور مختلف فنون کے پیمانون وغیرہ کی بھی تشریح اس رسالہ مین درج کیگئی ہے، سب سے آخر مین علم ہندسہ کے متعلق مختلف معلومات دئیے گئے ہین، رسالہ نوآموز اطبار اور کاروباری لوگون کے لیے مفید ہے، حجم ۴۰ صفحے لکھائی چھپائی متوسط اور کاغذ معمولی ہے، قیمت ۴ر پتہ:- ایس اے احمد کمپنی جامع مسجد جبل پور،

سرمایہ تسکین، جناب محمد یسین صاحب تسکین اپنے کلام کو "سرمایۂ تسکین" کے نام سے موسوم کر کے منظر عام پر لائے ہین، ابتدار مین جناب اثر کا ایک مقدمہ ہے جس مین جناب تسکین کے مختصر سوانح زندگی اور ان کی شاعری پر تبصرہ ہے، پھر منظومات کا سلسلہ ہے جنھین مختلف لڑیون مین پرو دیا گیا ہے، پہلے "حسن اولیں" ہے جس سے "حسن ازل" کے عنوان سے ایک نظم درج ہے، پھر "رے دو آتشہ" ہے جس مین "شادی وغم" "فنا و بقا" کے عنوانون کے ذیل مین نظمین ہین، پھر "گل سہ برگ" ہے اس کے بعد "عناصر ادب" ہے جس مین "حسن خندان" "حسن برہم" "حسن خفتہ" اور "حسن گریان" کا نقشہ کھینچا گیا ہے، پھر "پنجہ نگارین" "عقد ثریا" "ہفت اختر" "انعکاسات" اور "واقعات" کی سرخیان ہین جنھین مختلف عنوانون

کے تحت مین مختلف نظمین ہین، آخر مین "سحر حلال" کے عنوان سے غزلین درج کیگئی ہین، سب سے آخر مین کلام تسکین پر جناب احسن صاحب سمبھلی کا تبصرہ ہے، جناب تسکین کے کلام کی نمایان خصوصیت یہ ہے کہ طرز ادا نہایت سلجھا ہوا، اور زبان نہایت سہل آسان اور شیرین ہے ضخامت ۹۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت مع جلد ۸ر، پتہ :- جناب افضل صاحب متصل جامع مسجد بلند شہر،

امین بک، مصر کے مشہور ادیب جرجی زیدان کا ایک تاریخی فسانہ بطرز ناول "المملوک الشارد" ہے اس فسانہ کا ترجمہ جناب مولانا سید علی محسن صاحب ندوی نے "امین بک" کے نام سے کیا ہے، فسانہ مین خدیو مصر محمد علی پاشا کے دور حکومت مین مصر و شام کے سیاسی واقعات بیان کئے گئے ہین، ترجمہ صاف شستہ اور سلیس زبان مین ہے، ضخامت ۲۰۷ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت معمولی ہے قیمت ۱۲ر، پتہ :- جناب منیجر صاحب شبلی بکڈپو لکھنؤ،

قریۂ ویراں، جناب سید راحت حسین صاحب بی ایل نے گولڈ اسمتھ کی اس مشہور نظم کا ترجمہ نظم میں کیا ہے، جس مین شاعر نے ایک قریہ کی خوشحالی اور اسکی ترقی دکھا کر اسکی بربادی و ویرانی کا نقشہ کھینچا ہے، ابتدا مین ترجمہ پر جناب آغا شاعر صاحب قزلباش دہلوی کی ایک تقریظ ہے، پھر جناب مترجم کا ایک مقدمہ ہے جو چھوٹی تقطیع کے ۰۵ صفحے پر ختم ہوا ہے، اس مقدمہ مین اردو شاعری پر سرسری نگاہ ڈالی گئی ہے، پھر "روداد نظم" کے عنوان سے اس نظم کے حالات اور شاعر کے سوانح زندگی بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد نظم کا ترجمہ ہے جو ۰۴ صفحوں مین آیا ہے، ترجمہ صاف اور سلیس ہے، جسکی خاص خوبی یہ ہے کہ نظم مین ترجمہ کرنے کے باوجود تحت اللفظ ترجمہ کیا گیا ہے، جہان کہین غایت مجبوری پیش آئی ہے وہان الفاظ بڑھائے گئے ہین، لیکن اُن کو قوسین مین نمایان کر دیا گیا ہے، لکھائی چھپائی خاصی اور کاغذ عمدہ ہے، قیمت ۸ر، پتہ :- مرغوب بک ایجنسی چوک متی لاہور،

"ز"

دوسرے دارالاشاعتون

کی

کتابین

مکاتیب، نواب وقار الملک اور نواب محسن الملک کے خطوط کا مجموعہ عمر

الاستدلال، اس مین علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کیے گئے ہین ۸ر

الفہرست، اردو زبان کی ہر علم کی تصنیفات کی مکمل فہرست مع اسمائے مصنفین و مطبع قیمت و ضخامت . . . . . عـہ

الانسان، اس مین انسان کے تمام قوائے نفسانی وجسمانی خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کیگئی ہے، صفحہ ۲۱۳، قیمت ۸ر

تسہیل البلاغت، اردو زبان مین فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل اور آسان کتاب ہے، سے ر

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید و قدیم معلومات کی جامع کتاب ہے قیمت . . . . . ہے

مولدین، مسٹر ہنری چارلس لی کی کتاب مورس کو کا ترجمہ جس مین اندلس سے مسلمانون کی بربادی کے بعد مسلمانون اور عیسائیون کے باہمی ربط کی تفصیل کیگئی ہے، مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب . قیمت . . . . . ہے

تاریخ مغرب، البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد اول مصنفہ علامہ ابن العذاری المراکشی کا ترجمہ جس مین شمالی افریقہ کے مسلمانون کی مفصل تاریخ مذکور ہے، ضخامت ۴۹۴ صفحات، قیمت . . . . ہے

خلافت موحدین، علامہ عبدالواحد مراکشی کی کتاب المعجب کا ترجمہ جس مین اندلس مین موحدین کی خلافت کی تاریخ مذکور ہے ضخامت ۳۰۷ صفحات، قیمت . . . . . سے ر

مختصر تاریخ اسلامی، تاریخ اسلام کے طالب علمون کے لیے مفید سلسلۂ اسباق جس کو مصر کے فاضل مورخ محی الدین خیاط کی کتاب سے ضروری اضافون کے ساتھ منشی خلیل الرحمن صاحب نے ملخص کیا،

حصہ اول، (ذکر رحمت للعلمین) ۸ر حصہ دوم، (خلافت راشدہ) ۹ر حصہ سوم، (خلافت بنو امیہ) ۱۰ر حصہ چہارم (خلافت بنو عباس) عـہ

اخبار الاندلس، اسلامی اندلس کی مستند ترین تاریخ ہسٹری آف مورس امپائر ان یورپ کا ترجمہ جس سے بہتر اس وقت تک کوئی کتاب نہین لکھی گئی، اس پی اسکاٹ مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب،

حصہ اول، ابتدا سے ۱۰۱۲ع تک قیمت . . عـہ ر

حصہ دوم، جنگ باز یافت تک، ہے ر

حصہ سوم، جنگ باز یافت کے بعد . . قیمت عـہ ر

مکاتیب امیر مینائی، مؤلفہ احسن اللہ خان صاحب ثاقب جس مین علاوہ ان کے خطوط کے ان کے حالات زندگی ان کے مشاہیر تلامذہ کے سوانح، طرز اصلاح سخن، داغ و امیر کا موازنہ وغیرہ بھی شامل ہین، قیمت ۸ر

گوہرین نامہ، مولوی احسن اللہ خانصاحب ثاقب جس مین جناب موصوف نے اپنی بلند پایہ نثر و نظم فارسی عربی اور اردو کے انتخابات جمع کئے ہین حجم ۴۲۱ صفحے قیمت . . . عـہ

ماثر صدیقی، نواب صدیق حسن خان کی سیرت ہے، پہلا حصہ ان کے خاندانی حالات اور اس کے عہد کے دیگر علماء کے حالات، حصہ دوم ذاتی حالات، حصہ سوم بھوپال کی تاریخ حصہ چہارم ان کے عقائد و تالیفات کے ذکر پر مشتمل ہے . مؤلفہ نواب علی حسن خان بہادر، قیمت ہر حصہ کی ۸ر سے،

تاریخ ہند، مؤلفہ سید ہاشمی صاحب فریدآبادی، جس مین ابتدا سے لیکر عہد سلطنت برطانیہ تک ہندوستان کی تاریخ ہے، جو بالخصوص طلبا کے لیے ازبس مفید ہے، ضخامت ۴۲۸ صفحے قیمت عـہ

حقیقت اسلام، نواب سر امین جنگ بہادر چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام، کی نوٹس آف اسلام کا ترجمہ ہے، جس مین نئے انداز سے اسلام کی حقانیت اور اس کا سائنس کے ساتھ تطابق دکھایا گیا ہے، کتاب قابل دید ہے قیمت . . . ۱۲

مسلمانان اندلس، یعنی اسٹینلی لین پول کی مشہور کتاب "مورس ان اسپین" کا ترجمہ از سید عبدالغنی وارثی (علیگ) مرحوم ۸ر

شعر و شاعری، یعنی مولانا حالی کے اردو دیوان کا لاجواب مقدمہ . . . . قیمت ۸ر

تاریخ عرب، موسیو سیدیو فرانسیسی کی مشہور کتاب کا ترجمہ جسمین مسلمانون کے علوم و فنون، تمدن، اور فتوحات کی تاریخ ہے،
قسم خاص جلد چرمی ۸ر (قسم عام جلد پارچہ) صہ ر

اساس التعلیم، یورپ امریکہ کے ماہرین تعلیم و پرورش کے تجربات مؤلفہ جناب عبدالحی صاحب بی اے . . . . . . عـہ ر

کشاف الہدیٰ، جس مین نزول قرآن، وحی الہام اور قرآن مجید کے متعلق تمام علمی مباحث پر بحث کیگئی ہے ضخامت ۲۴۰ صفحات ۸ر

تاریخ تمدن، مسٹر ٹامس بکلس کی مشہور کتاب کا انگریزی ترجمہ جس مین مصنف نے نہایت فلسفیانہ غور و فکر سے تمدن کی تاریخ مرتب کی ہے اور اس کے اسباب و علل کی تحقیق کی ہے، قیمت جلد اول عـہ، جلد دوم عـہ

مقدمات الطبعیات، طبعیات (سائنس) کے ضروری ابتدائی مسائل پر محققانہ تالیف . . . . عـہ

القمر، چاند کے فلکی حالات، اس کے طلوع و غروب گھٹنے اور

بڑھنے کے اسباب کی تشریح، قیمت ... ۱ر

اردو کا قاعدہ، بچون کو سہل طریقہ سے اردو پڑھانے کا قاعدہ ... ۲ر

کلید قاعدہ، قاعدہ مذکور کو پڑھانے کے لیے ہدایات ۴ر

فلسفۂ تعلیم، ہربرٹ اسپنسر کی تصنیف جس مین مصنف نے تعلیم کے فلسفہ کی خوبی سے تشریح کی ہے اور اس کے متعلق اپنے فلسفیانہ اصول کی تفصیل کی ہے اردو مین اس موضوع پر یہ بہترین کتاب ہے ... سے

دریائے لطافت، اردو علم ادب، لغت اور قواعد پر اس زبان کی پہلی کتاب ہے، سید انشا اس کے مصنف ہین، قیمت ... عہ

طبقات الارض، علم طبقات الارض پر اردو مین بھی ایک کتاب موجود ہے، قیمت ... عہ

مشاہیر یونان و رومہ، یونانی اور رومی مشاہیر کے حالات وسوانح پر پلوٹارک کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ قیمت جلد اول سے، جلد دوم عہ

علم المعیشت، فن معاشیات یا اقتصادیات (پولیٹکل اکانومی) پر اردو مین سب سے مبسوط اور جامع تصنیف، ضخامت ۶۶۰ صفحے، قیمت ... صہ

تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی مارل ہسٹری آف یورپ کا ترجمہ جس مین فلسفۂ اخلاق پر ضمنی مباحث کے علاوہ یورپ کی تدریجی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے، قیمت جلد اول سے، جلد دوم عہ

تاریخ یونان قدیم، اردو مین اس موضوع پر تنہا تصنیف قیمت ... عہ

انتخاب کلام میر، میر صاحب کے کلام کا یہ انتخاب سب سے بہتر ہے، قیمت ... عہ

رسالۂ نباتات، علم نباتات کے مسائل کی تشریح مع تصاویر عہ

دیباچۂ صحت، علم حفظان صحت پر اردو مین سب سے مبسوط تصنیف، قیمت ... للعہ

نکات الشعرا، میر تقی مرحوم دہلوی نے شعرائے اردو کا تذکرہ لکھا ہے، قیمت ... عہ

وضع اصطلاحات، اردو مین اصطلاحات کیونکر وضع کیے جائین اس موضوع پر پروفیسر وحید الدین صاحب سلیم نے اپنے خیالات ظاہر کیے ہین، قیمت ... سے

نفح الطیب، اندلس کی سب سے جامع عربی تاریخ کا ملخص ترجمہ قیمت ... سے

محاسن کلام غالب، ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری مرحوم نے غالب کے دیوان پر یہ تبصرہ لکھا تھا، قیمت ... عہ

تاریخ ملل قدیم، بابلی، کلدانی، وغیرہ قدیم قومون کی تاریخ عہ

علم کیمیا، ... کے خواص وکیفیات پر ابتدائی تصنیف زبان

سہل اور جلی ہوئی، قیمت ... ۶ر

تذکرۃ الشعرا میر حسن، میر حسن دہلوی کا تذکرہ شعرائے اردو ...

سرگذشت حیات، جس مین نباتات اور حیوانات وغیرہ کے حالات ونشوونما زندگی سے بحث کی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحات ...

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم ونسق، جس مین جاپان کے تعلیمی نظم ونسق سے بہ تفصیل بحث کی گئی ہے، ۴۱۰ صفحات، سے

سیر المصنفین، اردو کے قدیم نثر نویس مصنفین کے حالات جو غالب سے پہلے گذرے ہین، از مولوی محمد یحیی صاحب تنہا قیمت عہ

شرعۃ الحق، مصنفہ حافظ سید محب الحق صاحب عظیم آبادی جسمین اسلام کے تفصیلی احکام کو قرآن مجید سے مستخرج کیا گیا ہے ... عہ

کلام جوہر ۶ر

ہندوستانی سہیلی فائدہ، اردو قواعد اردو زبان سیکھنے کے تمام اصول جس سے اردو نہ جاننے والے بہت جلد اردو سیکھ سکتے ہین قیمت ... سے

شرح ہندوستانی سہیلی فائدہ ... عہ

مضامین جوہر، جامعہ ملیہ کے طلبہ کے قلمی رسالہ جوہر کے دلچسپ مضامین کا مجموعہ عہ

عرض جوہر، مولانا محمد علی صاحب کا تازہ کلام ... ۸ر

اسلامی تہذیب، قیمت ... ۴ر

ترکون کی کہانیان ... ۴ر

ازہار العرب، ابتدائی عربی خوان طلبہ کے پڑھنے کے لئے ادب کا ایک ابتدائی مجموعۂ نظم ونثر مؤلفہ مولانا سورتی، ۸ر

المدنیۃ والاسلام، علامہ فرید وجدی کی عربی کی مشہور کتاب تمدن اور اسلام کا ترجمہ ... عہ

الخلافۃ الکبری، سورہ بقر کی جدید اردو تفسیر مقتضیات حال کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے مصنفہ خواجہ عبد الحی صاحب قیمت مجلد صہ غیر مجلد للعہ

الصراط المستقیم، سورۂ توبہ اور سورۂ انفال کی تفسیر اسی طرز خاص پر ... عہ

بصائر، حضرت موسی کے قصۂ قرآنی کی سیاسی تفسیر قیمت ... ۶ر

مطبع کاویانی برلن کی مطبوعات،

دیوان غالب اردو، تقطیع نہایت خوبصورت ٹائپ سنہری جلد عمدہ ترین پتلا مضبوط کاغذ سرخ جلد (لین) جرمنی کا چھپا ہوا، ہے

سفرنامۂ حکیم ناصر خسرو فارسی ہے، **گلستان سعدی فارسی** عہ

تاریخ سنی ملوک الارض عربی مین حمزہ اصفہانی کی مشہور کتاب جو نہین ملتی تھی، اب مطبع کاویانی نے چھاپی ہے عہ، **زاد المسافرین** حکیم ناصر خسرو کی ایک فارسی فلسفیانہ اور مذہبی تصنیف، نادر چیز ہے پہلی بار ...

تیاتر، جدید فارسی مین ایک ڈراما مصنفہ مرزا ملکم خان ناظم الدولہ ... عہ

موش وگربہ، باتصویر عبید زاکانی کی نظم ... ۵ر

مجلد ہژدہم | ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۲۶ء | عدد اول

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

کیا خدا کی قدرت ہے، کہ یورپ، اسلام کے چہرہ پر گرد و غبار ڈالنے کی جتنی زیادہ کوشش کر
اسی قدر اس کا قدرتی حسن و جمال اور نکھرتا آتا ہے، اس نے بارہا چاہا کہ اسلامی تاریخ کو بدتر سے بدتر
وبدنماشکل مین پیش کرے، لیکن ہر مرتبہ اعترافِ عظمت وکمال پر مجبور ہو ہو جانا پڑا، بڑی سخت کوش
اسکی رہی، کہ قرآن کی صحت مشتبہ کر دکھائی جائے، اس کوشش مین برابر ناکامیون پر ناکامیون
کا اضافہ ہوتا گیا، بہت چاہا کہ سرمایۂ حدیث کو ایک دفترِ خرافات ثابت کر دیا جائے، قدرت نے
اسی کے فرزندون کے ہاتھون استنادِ حدیث پر بہتر سے بہتر شہادتین جمع کرادین، جہاد، غلامی
تعدد ازدواج، تحریم خمر، تحریم سود، غرض جس جس اسلامی مسئلہ کو عقلائے یورپ نے موردِ طنز و تو
بنایا، اس کا بہترین جواب، خود دہین کے واقعات و حوادث، حالات و مشاہدات سے بہم پہنچ گیا
کا یہ زندہ معجزہ صدیون سے چلا آرہا ہے، اور انشاء اللہ برابر اسی طرح قائم رہے گا،

ایک خاص حربہ یورپ کے ہاتھ میں یہ رہا گیا ہے، کہ مسلمانون نے اپنے دورِ عروج مین علوم
کی کسی قسم کی پرورش نہین کی، لیکن خود مغرب ہی کے فرزندانِ رشید کی تحقیقات اس دعویٰ کی
تردید کر چکی ہے، اس سلسلہ کی ایک تازہ کڑی، اسپین کے پروفیسر آسن کی کتاب کا انگریزی تر
پروفیسر موصوف، میڈرڈ یونیورسٹی مین عربی زبان و ادب کے استاد ہین، اور پچیس سال سے علوما

مطبوعاتِ جدیدہ

تسہیل البیان، حکیم نور محمد صاحب نے اپنے جدِ محترم مولوی جان محمد صاحب لاہوری مرحوم کی تسہیل البیان شائع کرکے ان عربی خوان طلبہ پر احسان کیا ہے جو قرآن مجید کو سمجھکر پڑھنا چاہتے ہین، حوض مین قرآن مجید ہو، حاشیہ مین وہ نکات ہین جنکا فاضل مؤلف نے املا کیا تھا بین السطور مین بھی کہین کہین وجوہِ اعراب، اور بعض ضروری تفسیری اشارات بھی ہین، اس صورت ترتیب نے اس کو اس قابل بنا دیا ہے کہ عربی خوان طلبہ اور وہ لوگ جو کچھ عربی جانتے ہین اپنی روزمرہ کی تلاوت کے لیے اسی کو ترجیح دین، جو لوگ پارہ پارہ الگ خریدنا چاہین ان کو فی جزء ۱۲ر اور جو لوگ تیسون پارے یکجا خریدنا چاہین ان کو فی جزء ۱۰ر قیمت دینی ہوگی، پتہ حکیم نور الدین صاحب کشمیری بازار لاہور،

لمعاتِ نور، جذباتِ فطرت، اور معارفِ ملت وغیرہ نامون سے جناب الیاس برنی نے اردو شعراء کے منتخب اور مفید کلام کے جو مجموعے شائع کئے تھے، ان کو ملک نے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا، حال مین جناب ماسٹر نور الدین صاحب نور سابق لکچرر فنون لطیفہ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور نے لمعاتِ نور کے نام سے اسی انداز پر ایک نیا مجموعہ شائع کیا ہے، کتاب نہایت شاندار ہے، بیچ بیچ مین مشہور شعرا کی عکسی تصویرین مین، اور ان کے ساتھ ان کے مختصر حالات و سوانح ہین، اشعار کے انتخاب کا معاملہ اختلافِ ذوق کی بنا پر مشکل ہے، تاہم انھون نے اس مشکل کو سر کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح اردو شاعری کے ہر دور کے نمونے ایک جلد مین جمع کر دیئے ہین، برنی صاحب کے ضخیم مجموعے کے بعد یہ ایک جلد کا مجموعہ ہر طرح قابلِ قبول ہے، لکھائی چھپائی اچھی اور جلد نہایت خوشنما ہے، قیمت فی جلد سے ر پتہ:- حافظ قمر الدین اینڈ سنز تاجرانِ کتب موچی دروازہ، لاہور،

عربون کا علم کیمیا، مسٹر ہولمرڈ کو عربون کے علم کیمیا سے خاص شغف ہو، چنانچہ انھون نے شیخ ابو القاسم عراقی کی ایک کتاب کو جو کچھ دن پیشتر دستیاب ہوئی تھی، انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہو اور اونکی بعض دوسری کتابون کے ترجمے بھی کر رہے ہین، مسٹر ہولمرڈ نے شیخ ابو القاسم کی کتاب پر مقدمہ لکھتے ہوئے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ عربون نے علم کیمیا کی تحصیل حکماے اسکندریہ سے کی ہے جیسا کہ یورپ نے جابر بن حیان کی کتاب السموم سے علم کیمیا کا سبق سیکھا ہے،

مقتولین معرکۂ درِ دانیال، کپتان پوسٹن نے جو امریکہ کے بحری افسرون مین ہین، معرکۂ درِ دانیال پر ایک کتاب تالیف کی ہے جسمین سرکاری روداوون سے ثبوت بہم پہنچا کر بتایا ہے کہ اس جنگ مین چار لاکھ انگریزی فوج شریک ہوئی تھی جسمین سے ایک لاکھ بیس ہزار مقتول ہوئے، اور آٹھ لاکھ ترکی فوج مین سے ۲ لاکھ ۱۸ ہزار نے شہادت حاصل کی، لیکن فرانسیسی فوج کی تعداد ابھی تک معلوم نہ ہوسکی،

فنِ پرواز کی ترقی کیلئے گرانقدر عطیہ، مسٹر دانیال نے جو امریکہ مین تانبے کے بہت بڑے تاجر ہین، ۰۰۰۰۰ ۳ پونڈ فنِ پرواز کی ترقی کے لیے وقف کئے ہین جنمین سے ۶۰ ہزار پونڈ لالنڈ سٹنفورڈ یونیورسٹی اور ۶۰ ہزار پونڈ کلیفورنیا کے ایک صنعتی انسٹیوٹیوشن کو دیئے ہین، تاکہ یہ دونون اس مقصد کے حصول مین سعی کرسکین،

عدد سوم	ماہ صفر ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۲۶ء	مجلد ہژدہم

مضامین

گل رعنا

الحمدللہ تعالیٰ کہ ساڑھے تین مہینہ کی غیرحاضری کے بعد فریضۂ حج وزیارت سے مشرف ہوکر آج معارف کا اڈیٹر آپ کی خدمت مین پھر حاضر ہے، ان ساڑھے تین مہینون مین آنکھون نے جو کچھ دیکھا، کانون نے جو کچھ سنا، دل نے جو مشاہدہ کیا، یہ داستان ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ان صفحات کے ذریعہ کبھی کبھی آپ تک بھی پہنچیگی،

میری غیرحاضری سے رفقائے دارالمصنفین نے معارف کو جس طرح مرتب کیا وہ ہم سب کے شکریہ کا مستحق ہے، اور سب سے بڑی بات جو مجھ سے بھی نہ ہوسکی تھی، وہ انھون نے یہ کی کہ رسالہ کو مہینہ کے اندر ناظرین کے ہاتھون تک پہنچا دیا، اب اگر رسالہ پھر بچھڑ جائے تو علت ومعلول کے قاعدہ سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ رسالہ کی تاخیر کا اصل موجب خود میرا وجود ہے، کوشش کرونگا کہ اس الزام سے اپنے کو بری اور محفوظ ثابت کرسکون، وعلیہ التکلان،

میرے پیچھے جو مضامین شائع ہوئے ان مین ابھی پچھلے دو نمبرون مین مستدرک حاکم کا مضمون چھپا ہے، مضمون نگار نے اپنی محنت اور تتبع کا پورا حق ادا کیا ہے، مگر وہ مضمون اشاعت کیلئے زیرغور تھا اور مزید تشفی کے لیے اس کو رکھ چھوڑا گیا تھا، مگر شاید مقالات کی کمی کے باعث وہ شائع ہوگیا، اس لیے ہمارے رفقاء کے "حسن نیت" مین شک نہین، خواہ ان کے "حسن عمل" مین شک ہو، چونکہ یہ

مضمون میری نظر سے گذر چکا تھا، اسلئے اسکی بعض تحقیق طلب باتین میرے ذہن مین رہگئی تھین، مدینہ منورہ کے کتبخانہ محمودیہ مین مستدرک حاکم کا قلمی نسخہ مین نے اسی لیے بڑے شوق سے دیکھا، اور جن بعض باتون کی کمی کا اس مین ذکر تھا وہ مجھے اس مین بھی نہین ملین، خصوصاً مستدرک حاکم کا طویل مقدمہ جسمین حاکم نے اپنے اصول و شرائط لکھے ہون اس مین بھی نظر نہ آیا بلکہ اسی مطبوعہ نسخہ کے مطابق نظر آیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو حاکم نے اس موضوع پر الگ رسالہ لکھا ہو یا یہ کہ اس کے لکھنے کا اونکا ارادہ ہو، لیکن لکھنے کی نوبت نہ آئی ہو، حاکم کی معرفۃ علوم الحدیث بھی دیکھی، مگر اس مین بھی یہ باتین نہین،

مکہ معظمہ مین موتمر اسلامی کے سبب سے ڈیڑھ ماہ قیام رہا، مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک ۱۲ منزلون کے طے کرنے مین ۱۲ دن صرف ہوئے، اور ۱۲ دن مدینہ منورہ مین قیام رہا، مکہ معظمہ سے تو ایک حدتک طبیعت سیر ہوچکی تھی مگر افسوس کہ مدینہ مبارکہ سے سیری نہ ہوئی،

باز ہوائے چمنم آرزوست،

مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک کی بارہ منزلین نہایت آسانی سے طے ہوئین اور ہر منزل مین ایک نئی دلچسپی نظر آتی تھی، مین نے کوشش کی ہے کہ ہر منزل کی قلمی تصویر ناظرین کی چشم خیال تک پہنچا سکون، راستون کا نشیب و فراز، پہاڑون کا سلسلہ در سلسلہ، کہین چشمے، کہین کوئین، کہین بدؤن کے جھونپڑے، کہین ببول کے درخت، کہین ریگستان، کہین سنگستان عجیب عجیب منظر نظر سے گذرے،

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان عجیب فرق نظر آیا، صوفیہ کی اصطلاح مین یہ کہنا چاہیئے کہ مکہ شان جلال کا اور مدینہ شان جمال کا مظہر ہے، آب وہوا، جائے وقوع، آبادی، لوگون کے اخلاق، خانہ کعبہ اور مسجد نبوی

کے عمارات ہر چیز مین یہ فرق محسوس ہوتا ہے اور دل لذت پاتا ہے،
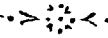
علمی اور تعلیمی حیثیت سے بھی ان دونون شہرون مین یہی فرق ہے، مکہ معظمہ مین پرانے مدرسون مین سے کسی مدرسہ کی عمارت موجود نہین، حرم کے بعض اطراف مین سلطان محمود نے جو مدرسے بنوائے تھے، وہ اشراف کے شخصی تصرفات مین داخل ہوکر محو ہو چکے ہین، مگر مدینہ منورہ مین اب تک ان مدرسون کی مستقل عمارتین خواہ وہ کسی ویرانی کی حالت مین ہون موجود ہین، اور مسلمانون کی حالت زار پر نوحہ خوان ہین، مکہ معظمہ مین دو عمومی کتبخانے ہین، بڑا کتبخانہ جو حرم کے اندر ہے، سلطان محمود کی طرف منسوب ہے، اس مین ہر علم و فن کی چھ سات ہزار کتابین ہونگی جو زیادہ تر قلمی ہین، دوسرا کتبخانہ ایک ترک عالم شروانی کا موقوفہ ہے، اور انکی نسبت سے کتبخانۂ شروانی کہلاتا ہے، وہ مٹ چکا ہے، اور شریف کے عہد مین برباد ہو چکا ہے، اسمین اب صرف چند سو کتابین ہین،
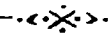
مدینہ منورہ مین اس وقت بھی ۱۹ کتبخانے چھوٹے بڑے موجود ہین جنمین سب سے بڑا شیخ الاسلام عارف حکمت بے کا کتبخانہ ہے، جسکا حال معارف کے مئی نمبر مین شائع ہو چکا ہے، اس کے علاوہ کتبخانۂ محمودیہ اور کتبخانۂ سیدنا عثمان قابلِ ذکر کتبخانے ہین، ان دو پچھلے کتبخانون مین تفسیر، حدیث اور فقہ کی نادر کتابون کا بڑا ذخیرہ ہے،

ہم نے ان تینون کتبخانون کی نادر کتابون کی فہرست مرتب کرلی ہے، ترکون نے جنگ عظیم مین جہان مدینہ منورہ کے نادر تحفے قسطنطنیہ کو منتقل کر دیئے، وہان ایک خاص آدمی بھیجکر ان کتبخانون سے بہت سی نادر کتابین بھی منتقل کرلین، اور ہم کو معلوم ہوا ہے کہ قسطنطنیہ کے کتبخانۂ عمومی مین وہ موجود ہین اور یہ بھی سنا ہے کہ ان

کتابون مین جنکے دو نسخے وہان ہونگے ان مین سے ایک نسخہ مدینہ منورہ کے کتبخانہ مین دیدیا جائے گا،
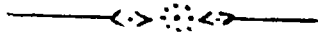
یہ تمام کتبخانے ترکی سلاطین کے جمع اور وقف کئے ہوئے ہین، اوران پرانکی مہرین ہین، پہلا کتبخانہ البتہ ایک ترک عالم کا موقوفہ ہے، اور دو تین وجوہ سے وہ سب سے بہتر ہے، ایک تو یہ کہ اوسکی عمارت اور خود کتبخانہ نہایت اچھی حالت مین ہے، روزانہ باقاعدہ کھلتا اور بند ہوتا ہے، دوسرے اوپر سے لیکر نیچے تک اس مین سب ترک ملازم ہین، تیسرے یہ کہ اس مین ہر علم و فن کی کتابین ہین،

مسجد نبوی کو حقیقت مین سلطان عبدالمجید خان کی فیاضی نے عروس المساجد بنا دیا ہے، اس قدر خوبصورت اس قدر لطیف صنعتکاریان کی ہین کہ بے اختیار زائر کی زبان سے احسنت اور جزاک اللہ نکل جاتا ہے اس مسجد کا تاریخی نقشہ ہاتھ آیا ہے کبھی وہ آپ کے سامنے بھی آئیگا، اسی کے ساتھ مسجد نبوی کی موجودہ صورت و شکل و خصوصیات کی الفاظ و حروف کے رنگ مین کھینچے تصویر اتاری ہے وہ بھی آپ دیکھینگے
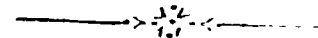
جنۃ المعلّی (مکہ کا قبرستان) اور جنۃ البقیع (مدینہ کا قبرستان) اب عمارتون قبون اور گنبدون سے خالی ہے اکثر قبرین محض قبر کی حیثیت سے باقی اور نمایان ہین، ان پر کوئی دیوار یا حصار یا قبہ نہین ہے بعض قبرون پر سے قبے اتار دیئے گئے ہین، اور صرف چار دیواری چھوڑ دیگئی ہے چنانچہ جنۃ المعلّی مین حضرت ابو طالب اور عبد المطلب کی طرف جو مقبرہ منسوب ہے اسکی چار دیواری اب تک کھڑی ہے جنۃ البقیع مین کوئی دیوار بھی باقی نہین صرف قبرین نمایان ہین انپر کوئی کتبہ بھی نہین سیدنا حمزہ کے مزار (واقع احد) کا گنبد بھی اتار دیا گیا ہے اور صرف چار دیواری باقی ہے اور مسجد کے دالان سے اُسکا راستہ بند کرکے باہر سے اس کا راستہ دیوار توڑ کر بنا دیا گیا ہے اور پھاٹک لگا دیا گیا ہے یہ صورت حال شرعی ہے یا نہین، اس پر اسلامی فرقون مین جو جنگ برپا ہے، اسکا نتیجہ دیکھئے کیا ہو،

مسئلۂ حجاز کے متعلق سیاسی و مذہبی حیثیت سے بہت سی باتین ہین جنکو ہمارے دوست معارف کی زبان سے سننے کے متوقع ہون گے لیکن اس کی گتھیان اتنی الجھی ہوئی ہین کہ ہم ان کے سلجھانے سے علانیہ عاجز ہین، اور معارف کو ان مباحث مین پھنسانا نہین چاہتے،

موتمر اسلامی، یقیناً ایک دلفریب موضوع ہے، یہ موتمر مسلمانون کی پوری ایک صدی کے خواب کی تعبیر ہے، اس مین اکیس اسلامی ملکون کے نمائندون نے شرکت کی، اور کل نمائندون کی تعداد ۶۹ کے قریب تھی، اگر اس موتمر مین کمی تھی تو یہ کہ ایران، عراق اور یمن، اور مصر و سوڈان کے علاوہ افریقہ کے مسلمانون کے نمائندے اس مین شریک نہ تھے، ایک مہینہ کے قریب اس کے عام جلسے ۸ بجے صبح سے لیکر ۱ بجے تک اور خاص جلسے عصر سے لیکر عشا تک ہوتے رہے، کل ۱۵ کے قریب اس مین مختلف تجویزین پیش ہوئین جنکا زیادہ تر تعلق حجاز سے تھا،

امسال کے حج کی خصوصیت یہ تھی کہ عام حاجیون کے علاوہ ہر ملک کے ارباب فکر اور اہل علم بھی آئے تھے، اور انھون نے حجاز اور عالم اسلامی کے مسائل پر باہم غور و مشورہ کیا، اگر اس موتمر کو مضبوط اور مستحکم کیا جائے اور اسکی قوت کو سال بسال بڑھایا جائے تو عجب نہین کہ مسلمانون کی لیگ آف نیشنس (جمعیۃ الاقوام) بن جائے

امسال سرسری اندازہ کے مطابق پونے دو لاکھ حاجی مختلف ملکون سے آئے جنمین سب سے زیادہ کہا جاتا ہے کہ نجد کے لوگ تھے جنکی تعداد ۶۰ ہزار تھی، ان کے بعد ہندوستان کا درجہ تھا جہان سے ۲۰ ہزار حاجی آئے تھے، پھر مصری تھے جو ۲۰ ہزار کے قریب تھے، جادیون کا اندازہ دس ہزار ہے، یمنی چار پانچ سو ہونگے، سوڈانی و تکرونی بھی اسی قدر، بخاری و افغانی دو دو ہزار ہونگے، ترک ساٹھ ستر ہونگے، یوگوسلیویا، البانیہ وغیرہ سے

بھی حاجی آئے تھے، یوگوسلیویا کے ۲۰ حاجی تھے، سب سے کم روس سے اور روس سے بھی کم تونس ومراکش والجیریا کے حاجی تھے، جنکی تعداد چند سے زیادہ نہ ہوگی، شیعون کی تعداد بھی ہمارے خیال مین ڈیڑھ دو سو ہوگی،

سب سے دور دراز راستہ سے جو حاجی آئے تھے وہ نائیجریا (افریقہ) کے تھے، یہان ڈیڑھ کروڑ مسلمانون کی تعداد ہے، ایک برائے نام سلطان ان پر حکمران ہے اور اصلی قبضہ انگریزون کا ہے، یہ حاجی نائیجریا سے مکہ معظمہ تک تقریباً نو مہینے مین پہنچے تھے، ان نو مہینون کا بڑا راستہ انھون نے پیادہ پا طے کیا تھا، ان مین بوڑھے بھی تھے، نوجوان بھی تھے، مرد بھی تھے، عورتین بھی تھین، جاہل بھی تھے، پڑھے بھی تھے، مگر بڑے مسکین اور نیک لوگ تھے، نائیجریا سے سوڈان تک پیادہ سفر کرکے سوڈان مین ان کو ریل نظر آئی جس پر وہ پورٹ سوڈان پہنچے، پورٹ سوڈان سے جہاز پر جدہ آئے پھر جدہ سے مکہ معظمہ اور مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک وہی پا دپیمائی تھی، مذہب کے نشہ روحانی کے سوا اور کون چیز ان تکالیف ومشکلات کو سہل وآسان بنا سکتی ہے ؟

مہینون کے بعد ہندستان بلکہ دنیا سے واقف ہوا ہون، اس لئے ابھی عرب سے باہر کے حالات و واقعات سے ناآشنائی بلکہ ناواقفیت ہے، اس بنا پر شذرات مین اور گوشون کے متعلق کوئی نقد و تبصرہ نہین، ابھی کچھ دن ادھر سے مانوس ہونے دیجئے،

مقالات

امام غزالیؒ

اور

فلسفۂ اخلاق

از

مولٰنا عبدالسلام ندوی

ہندوستان کے جدید تعلیم یافتہ گروہ کی طرح اگرچہ مصر کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی مطلق العنان ہوگیا ہے، تاہم مصر مین اس مطلق العنانی کے علمی نتائج ہندوستان سے زیادہ بہتر نظر آتے ہین، اور وہان کے جدید تعلیم یافتہ لوگون کے قلم سے جو آزادانہ تحریرین نکلتی ہین، اُن مین آزادخیالی کے ساتھ وسیع النظری بھی پائی جاتی ہے،

ہندوستان کا آزادخیال گروہ اگرچہ اپنی آزادخیالی کا صور نہایت بلند آہنگی کے ساتھ پھونکتا ہے، لیکن یہ بلند آہنگی زیادہ تر سرسید، چراغ علی، شبلی، امیر علی، اور بعض انگریزون کی آواز بازگشت ہوتی ہے، خود اسکی تحقیق و تدقیق کا کوئی حصّہ اس مین شامل نہین ہوتا، لیکن مصر کا جدید طبقہ بذات خود مطالعہ اجتہاد اور تحقیق و جستجو سے کام لیتا ہے اور اس کے بعد جو کچھ کہتا ہے، وہ طوطے کی طرح کسی کے رٹائے ہوئے الفاظ کی تکرار نہین ہوتا،

حال مین ڈاکٹر زکی مبارک کے قلم سے اسی قسم کی ایک کتاب "الاخلاق عند الغزالی" کے نام سے نکلی ہے جس مین امام غزالی کے فلسفۂ اخلاق پر نہایت آزادی کیساتھ تنقید کیگئی ہے، امام غزالی پر نہایت قدیم زمانے سے تنقیدین ہوتی چلی آئی ہین، چنانچہ خود ڈاکٹر زکی مبارک نے بھی اپنی تنقید سے پہلے تمہیداً ان تنقیدات کو نقل کر دیا ہے، لیکن قدیم تنقیدین صرف فن اخلاق تک محدود نہین، بلکہ ان کی زد مین تصوف وغیرہ کے اور مسائل بھی آگئے تھے، اور ان کا تمامتر دار و مدار شریعت اور فقہ پر تھا، لیکن ڈاکٹر زکی مبارک نے صرف امام غزالی کے فلسفۂ اخلاق کو اپنی تنقید کے لیے مخصوص کر لیا ہے، اور دور جدید کے حالات وضروریات کو پیش نظر رکھکر ان پر تنقید کی ہے، اگرچہ ان کی تنقید مین جابجا بے اعتدالیان پائی جاتی ہین تاہم اگر ان کے غیر ضروری حصے کو حذف کر دیا جائے تو ان سے اسلامی اخلاق کے بعض تاریخی پہلو نمایان ہو جاتے ہین اسلیے ہم ان کے مباحث کا خلاصہ ان سے زیادہ سلجھی ہوئی شکل مین پیش کرنا چاہتے ہین،

اسلامی فلسفۂ اخلاق کے اساسی مسائل صرف کتاب وسنت سے ماخوذ ہین، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اسی اخلاق کی زندہ و متحرک تصویر تھے، اس کے بعد علمی و عملی حیثیت سے اخلاق کے دو سلسلے اور قائم ہوئے، جنمین علمی سلسلہ تو یونانی فلسفۂ اخلاق سے تعلق رکھتا ہے، اور عملی سلسلے مین صوفیہ کرام اور ان کے پیرو مربوط تھے، اور مسیحی اخلاق بھی جنکی نمائش اُس زمانے کے راہب کرتے تھے اس سلسلہ کا ایک جزو بن گئے تھے، بلکہ ارسطو کے علاوہ یونان کے دوسرے حکماء مثلاً دیو جانس کلبی، سقراط، اور افلاطون وغیرہ کے اخلاقی مسائل یا کم از کم انکی اخلاقی مثالین بھی ہمارے صوفیہ کے سامنے تھین کیونکہ ارسطو کے سوا یونان کے اور حکماء زیادہ تر راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے، اس لئے ہمارے صوفیہ کیساتھ ان کو گونہ مناسبت پیدا ہو گئی تھی، امام غزالی کے زمانہ تک ان دونون سلسلون کے اخلاقی مسائل پر تصنیفات کا ایک ذخیرہ مرتب ہو گیا تھا، امام غزالی نے جیسا کہ انھون نے خود تصریح کی ہے، صرف

کام کیا کہ ۱- ان کے ابہام واجمال کی توضیح وتفصیل کی،

۲- ان کے پراگندہ مسائل کو مرتب ومنظم کیا،

۳- ان کا اختصار کیا،

۴- ان کے مکررات کو حذف کیا اور لوگون نے جو کچھ لکھا تھا اوس کو ثابت کیا،

۵- اُن مشکل مسائل کی تحقیق کی جو لوگون کی سمجھ مین نہین آئے تھے اور دوسری کتابون مین ان سے تعرض نہین کیا گیا تھا۔ اس جد وجہد کے بعد احیاء العلوم وجود مین آئی، اور اس کے بعد اسلامی فلسفۂ اخلاق کا ایک نیا دور شروع ہوا اور اس دور کے بعد نظم ونثر مین جو کچھ لکھا گیا، غالبًا وہ احیاء العلوم ہی کی آواز بازگشت تھا، احیاء العلوم کے علاوہ فن اخلاق مین اگرچہ امام غزالی کی اور تصنیفات بھی ہین، مثلاً میزان العمل، کتاب الاربعین، منہاج العابدین وغیرہ لیکن ان مین باہم کوئی جوہری فرق نہین ہے کیونکہ امام غزالی کی ایک تصنیفی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک ہی بات کو ایجاز واطناب کیساتھ اپنی اخلاقی کتابون مین بار بار بیان کرتے ہین، اب سوال یہ ہے کہ امام غزالی کی ان اخلاقی تصنیفات کا کیا پایہ ہے؟ اور وہ کس حد تک روح اسلام سے مناسبت رکھتی ہین،

امام غزالی کا عام قاعدہ یہ ہے کہ وہ اپنی تصنیفات مین بہ کثرت آیات احادیث اور اخبار لاتے ہین اور اس سلسلے مین موضوع وضعیف حدیثون سے بھی احتراز نہین کرتے اسلئے متعدد علما کا خیال ہے کہ وہ بعینہ اسلامی اخلاق کی تعلیم دیتے ہین لیکن مصنف کو اس سے انکار ہے، اور اس نے غلط یا صحیح طریقہ پر اس کو اس طرح ثابت کیا ہے کہ

(۱) سب سے پہلے امام غزالی کی زندگی کے مختلف دور سے بحث کی ہے اور یہ دکھایا ہے کہ وہ ایک صوفی خاندان مین پیدا ہوئے، صوفیانہ زندگی بسر کی اور اسلامی کشمکش کے نہایت سخت زمانے مین اہم اجتماعی اور سیاسی مسائل مین کوئی عملی حصہ نہین لیا، چنانچہ جب پطرس راہب وردن

یورپ کو جنگ صلیبی پر آمادہ کرتے مین مشغول تھے، تب امام غزالی اپنے خلوت کدہ مین مصروف اوراد و وظائف تھے انھون نے خود منقذ من الضلال مین لکھاہے، کہ وہ بیت المقدس مین حجرے کا دروازہ بند کرکے دن بھر عبادت کرتے تھے اور ان خلوتون مین ان پر جن امور کا انکشاف ہوا ان کا استقصا نہین کیا جاسکتا، انھون نے پورے دس سال اسی طرح عزلت نشینی مین بسر کئے، اور اپنی اخلاقی کتابین اسی حالت مین تصنیف کین اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

۱۔ صوفیانہ روح وراثۃً ان کے قالب مین حلول کرگئی تھی،

۲۔ اور اس عزلت گزینی کا ان کی طبیعت، مزاج اور تصنیفات پر بہت بڑا اثر پڑا،

۳۔ امام غزالی سے پہلے فن اخلاق کا کافی ذخیرہ فراہم ہوچکا تھا، اہل عرب کے اقوال امثال حکم، اشعار اور مدح وذم کے قصائد غیر مرتب طور پر بہت سے اخلاقی مسائل پر مشتمل تھے، قرآن وحدیث مین اخلاق و معاشرت کے نہایت دقیق مسائل مذکور تھے، بہت سی اخلاقی تصنیفات مثلاً کلیلہ ودمنہ ادب الکبیر، ادب الصغیر، رسالہ قشیریہ، اور قوت القلوب وغیرہ لکھی جاچکی تھین، فلاسفہ یونان نے جو کچھ فن اخلاق پر لکھا تھا، وہ بھی عربی مین منتقل ہوچکا تھا، بالخصوص رسائل اخوان الصفا اور ابن مسکویہ کی طہارۃ الاخلاق اس باب مین خاص اہمیت رکھتی تھین، فقہا نے بھی آداب و معاشرت کے متعلق بہت کچھ لکھا تھا، اور انجیل مقدس تو خاص طور پر راہبانہ اخلاق کا مجموعہ تھی، امام غزالی نے اگرچہ ان تمام ماخذون سے فائدہ اٹھایا، لیکن چونکہ ان پر تصوف کا اثر غالب تھا، اسلیے انھون نے اس تمام اخلاقی سرمایہ پر صوفیانہ حیثیت سے نگاہ ڈالی اور اس کو تصوف کے رنگ مین شرابور کردیا، یہان تک کہ فلاسفہ کے متعلق بھی جو ایک آزاد خیال گروہ تھا منقذ من الضلال مین لکھتے ہین، کہ

اخلاقیات مین انکا تمام کلام نفس کے صفات، اوسکے اخلاق ان کے انواع واجناس اوس کے معالجہ و مجاہدہ کی کیفیت سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کو انھون نے صوفیہ کے کلام سے اخذ کیا ہے،

اگرچہ عبارت صرف حکماے اسلام تک محدود ہوتی تو اس کے تسلیم کرنے مین کوئی مضائقہ نہ تھا لیکن حکماے یونان کو بھی انھون نے صوفیہ ہی کا گرانبار احسان بنا دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہین،

ان کے زمانے مین بلکہ ہر زمانے مین متالہین کی ایک جماعت موجود تھی، خداوند تعالی دنیا کو ان سے خالی نہین رکھتا کیونکہ وہ زمین کے ستون ہین، ان کی برکات سے زمین پر رہنے والون کیلئے رحمت نازل ہوتی ہے ۔

ان کے مخالفین نے ان پر جو اعتراضات کئے ہین ان مین اکثر کی بنیاد صرف اُن صوفیانہ وساوس و خطرات پر ہے جنکی انھون نے پیروی کی ہے، بلکہ بعضون نے تو یہانتک کہدیا ہے کہ وہ تصوف سے بھی ناآشنا تھے اور زبیدی وغیرہ اس کا جواب اس سے زیادہ نہ دیسکے کہ قوت القلوب اور رسالہ قشیریہ مین سلوک کے متعلق جو مختلف رائین مذکور تھین، امام غزالی نے بلا تصرف ان کو نقل کر دیا ہے،

بہرحال ان کا اخلاقی سرمایہ زیادہ تر تصوف سے ماخوذ یا کم از کم اس سے مخلوط ہے، شرعی حیثیت سے ان کا ایک ماخذ انجیل مقدس ہے لیکن وہ بھی تمامتر راہبانہ اخلاق پر مشتمل ہے حدیثین جو نقل کی ہین وہ اکثر ضعیف ہین، اور غالباً صوفیہ اور ان کے ہم خیالون کی وضع کردہ ہین، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے اخلاقی مسائل زیادہ تر شریعت اسلام کی روح سے مناسبت نہین رکھتے، مثلاً وہ زیادہ تر اخلاق کے سلبی پہلو کو لیتے ہین اور اس کے ایجابی پہلو سے بہت کم تعرض کرتے ہین، زہد، توکل، خوف، گمنامی، گوشہ نشینی، عجز و انکسار، اور فقر و فاقہ کی فضیلت مین تو انھون نے دل کھول کر زور قلم صرف کیا ہے، لیکن ان کے مقابلے مین اخلاق کے جو ایجابی مسائل ہین، مثلاً شجاعت، آزادی، عزم و استقلال وغیرہ کے فضائل کی طرف بہت کم توجہ کی ہے، حالانکہ اخلاق کے تمام سلبی مسائل ضعف سے تعلق رکھتے ہین، اور اسلام کی ابتدا قوت سے ہوئی ہے، جس کا اصلی مظہر اخلاق کے ایجابی مسائل ہین،

اسی طرح انھون نے زیادہ تر اخلاق کے انفرادی مسائل کو لیا ہے، مثلاً قناعت ایک انفرادی

فضیلت ہے جو صرف ایک شخص کی ذات سے تعلق رکھتی ہے، لیکن دیانت وامانت ایک اجتماعی فضیلت ہے جنکی ضرورت عام انسانی معاملات مین پڑتی ہے امام غزالی نے زیادہ ترجن اخلاق سے بحث کی ہے وہ صرف ان لوگون کو کامیاب بنا سکتے ہین جو گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنا چاہتے ہین لیکن اجتماعی وسیاسی زندگی کے لیے انکی اخلاقی تصنیفات بالکل بیکار ہین، یہی وجہ ہے کہ اونکی اخلاقی تصنیفات سے اُس زمانے کے علمار و فقرار کی اخلاقی تاریخ تو مرتب کیجا سکتی ہے، لیکن امرار وسلاطین وغیرہ کے متعلق انھون نے بہت کم لکھا ہے، اسلیے وزرار، سفرار اور دوسرے اہل مناصب اونکی تصنیفات سے بہت کم فائدہ اٹھا سکتے ہین،

سلبی وانفرادی مسائل کے متعلق بھی انھون نے جو کچھ لکھا ہے، اُس مین صوفیانہ غلو سے کام لیا ہے اسلیے ان کے معاصرین نے شرعی حیثیت سے ان پر بہت کچھ نکتہ چینیان کی ہین، اور اس حالت مین ان کے لیے ان غلطیون کے تدارک واصلاح کا نہایت عمدہ موقع حاصل تھا، لیکن انھون نے ان کو اصرار کے ساتھ قائم رکھا، اور ایک مستقل کتاب "الاملار فی اشکالات الاحیار" کے نام سے لکھی، جس مین ان کا جواب دیا، اور اپنے مخالفین کو اس لئے حقیقت سے دور بتایا کہ

ان کو نقبار کے احوال، نجبار کے مراتب، بدلار کے خصائص اور اوتاد کے کرامات حاصل نہین ہوئے اگر ان لوگون کو اپنے نفس کی معرفت حاصل ہوتی تو ان کے لیے حق ظاہر ہوجاتا اور اہل باطن کے علم سے واقف ہوجاتے،

انھی اصول کو پیش نظر رکھکر مصنف نے امام صاحب کے فلسفۂ اخلاق پر نکتہ چینیان کی ہین، چنانچہ ہم اس موقع پر اُسکے چند اعتراضات کا خلاصہ نقل کرتے ہین،

۱- امام صاحب نے ضمنی طور پر خیر وشر کا معیار عقل اور شریعت کو قرار دیا ہے، لیکن انھون نے بہت سی اخلاقی باتین ایسی لکھی ہین جو عقل وشریعت دونون کے منافی ہین، مثلاً وہ

گرسنگی کے فوائد کے متعلق لکھتے ہین،

کھانا عبادت کی کثرت سے روکتا ہے، کیونکہ اس مین وقت صرف ہوتا ہے، بلکہ بسا اوقات اس کے خریدنے اور پکانے مین وقت صرف کرنا پڑتا ہے، پھر بدن کے دھونے اور خلال کی ضرورت ہوتی ہے، پانی پینے کے لیے بار بار اٹھنا پڑتا ہے، لیکن جو وقت ان کامون مین صرف کیا جاتا ہے، اگر وہ ذکر، مناجات اور تمام عبادات مین صرف کرتا تو اس کا نفع بہت زیادہ ہوتا،

لیکن کیا خیر و شر کا یہ عقلی و شرعی معیار ہے؟ عقل تو انسان کو قوت و نشاط کے ساتھ زندہ رکھنا چاہتی ہے اور شریعت ایک مسلمان کو سپاہی، اور سپاہی بناتی ہے، لیکن اگر لوگ اس تضیع اوقات سے احتراز کرنے لگین تو دنیا کا کیا حال ہوگا؟

۲- اغراض و نتائج کے لحاظ سے خیر و شر کا کیا معیار ہے؟ یعنی ایک نیک کام اسلیے نیک ہے کہ اس سے نیکی کا ارادہ کیا گیا ہے، یا اس لیے کہ نیکی کا ارادہ تو نہین کیا گیا لیکن نیکی خود بخود اس سے پیدا ہوگئی؟ امام صاحب نے عبادات کے متعلق نیکی کی نیت کو لازمی قرار دیا ہے، اس بنا پر اگر کوئی شخص اس لیئے سفر حج کرے، کہ تبدیل آب و ہوا سے اسکی صحت اچھی ہو جائے گی، تو اس کو کچھ ثواب نہ ہوگا لیکن انھون نے اس مین اجتماعی و انفرادی اعمال کے فرق کو ملحوظ نہین رکھا ہے، کیونکہ عبادت ایک شخصی فعل ہے، اسلیے اگر اسکی صحیح نیت نہ کیگئی تو وہ ایک فعل عبث ہوگا، لیکن پبلک کام کی حالت اس سے مختلف ہے، ایک شخص کی نیت کچھ بھی ہو، لیکن اوس سے جمہور کو بہر حال فائدہ پہنچے گا، اور اس شخص کو نیک کامون کی عادت ہوگی،

۳- امام صاحب نے اخلاقی امراض کے ازالہ کے جو طریقے بتائے ہین اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے کے صوفیہ کبر و غرور کا ازالہ سوال و گداگری سے کرتے تھے، لیکن مصنف کے نزدیک گداگری خود ایک اخلاقی مرض ہے اور مرض کا علاج مرض سے نہین کیا جاسکتا،

۴ - امام صاحب کے نزدیک اخلاق کا مقصد صرف سعادت اخروی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انھون نے اجتماعی فوائد کو اس مقصد کے حدود سے خارج کر دیا ہے چنانچہ انھون نے میزان العمل مین تصریح کی ہے کہ جو شخص محض اپنے عز و شرف کے قائم رکھنے کے لیے بدکاری سے اجتناب کرتا ہی اُسکو عفیف اور پاکدامن نہین کہا جا سکتا، کیونکہ اس نے یہ اجتناب خالصۃً لوجہ اللہ نہین کیا، لیکن مصنف کو اس پر دو اعتراض ہین ایک تو یہ کہ اگر ایک شخص کسی مصیبت زدہ شخص کی امداد کرتا ہے اور اس کا مقصد محض اسکی امداد نہین ہوتا بلکہ وہ اس کو سعادت اُخروی کے حاصل کرنے کا ذریعہ قرار دیتا ہے، تو یہ محض ایک تاجرانہ فعل ہوگا جو معالی اخلاق کے خلاف ہے،

دوسرے یہ کہ اگر کسی شخص نے صرف اپنے عز و شرف کے قائم رکھنے کے لیے بدکاری سے اجتناب کیا تو اس کو پاکدامن کیون نہین کہا جا سکتا؟ عفت و پاکدامنی کا تو یہی مقصد ہے" اور اسی لیے شریعت نے اسکی دعوت دی ہے،

۵ - امام صاحب نے توکل پر نہایت تفصیلی بحث کی ہے لیکن انھون نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ تجرد و رہبانیت کی علانیہ دعوت ہے، مثلاً وہ لکھتے ہین کہ:-

> رزق کے لیے اہتمام کرنا دینداردن کے لیے برا، اور علماء کے لیے اور برا ہے، کیونکہ ان کے لیے قناعت شرط ہے، اگر ایک عالم لوگون سے لینا نہین چاہتا، اور اپنی کمائی سے گذرا وقات کرنا چاہتا ہے، تو صرف علمائے ظاہر کے لیے اسکی ایک وجہ نکل سکتی ہے، کیونکہ کسب باطنی سلوک سے روکتا ہی اس لیے اس کا سلوک مین مشغول رہنا اور اس شخص کے ہاتھ سے لینا جو تقرب الی اللہ چاہتا ہے بہتر ہے،

لیکن مصنف کے نزدیک اگر امام صاحب حکومتون کو علماء کی اعانت کی طرف متوجہ کرتے تاکہ وہ فکر معاش سے آزاد ہو کر ہمہ تن اشاعتِ علم مین مصروف ہو جائین تو یہ کسی قدر صحیح ہو سکتا تھا لیکن

یہ خیال کہ کسب معاش سلوک باطنی سے روکتا ہے، اور علماء کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ نذر دنیاز پر زندگی بسر کرین علماء کے شایان شان نہین جمع مال کے متعلق امام غزالی کی رائے نہایت عجیب ہے، ان کے نزدیک جو شخص ایک سال کے لیے کسی چیز کو محفوظ رکھتا ہے وہ متوکل نہین ہے، اور جو شخص چالیس یا چالیس دن سے کم کے لیے اسکی حفاظت کرتا ہے، اوسکو آخرت مین متوکلین کا درجۂ محمود نہین ملسکتا لیکن مورخین کی تصریحات کے مطابق مصنف کے نزدیک اہل عرب کی سلطنت کے زوال کا سبب صرف یہ تھا کہ وہ علم الاقتصاد سے واقف نہ تھے، لیکن جس قوم مین ایسے ائمہ پیدا ہون جو چالیس دن تک تحفظ مال کو انسان کے لیے مقام محمود سے محرومی کا سبب بتائین اوس مین اس فن کو کیا وقعت حاصل ہوسکتی ہے،

امام صاحب نے طلب رزق و اسباب رزق کو ایک فعل عبث قرار دیا ہے اور توکل پر ایک خطابی مثال کے ذریعہ سے اس طرح آمادہ کیا ہے کہ شکم مادر مین بچہ چونکہ حرکت کے قابل نہ تھا اسلئے اس کو غذا پہنچانے کے لیے خداوند تعالیٰ نے اوسکی ناف کو ماں کی ناف سے ملا دیا پھر جب وہ پیدا ہوا تو دودھ پلانے کے لیے خدا نے ان کے دل مین اوسکی محبت ڈالدی یہانتک کہ جب وہ بوڑھا ہوا تو تمام شہر اوسکی محبت کرنے لگا اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ خود بخود مختلف حالات مین انسان کے رزق کے مختلف اسباب پیدا کر دیتا ہے، اسلیے اسکے لیے جد وجہد کی ضرورت نہین ہوتی مصنف کے نزدیک اسی دلیل سے امام صاحب کے مقصد کے خلاف کام لیا جاسکتا ہے، کیونکہ اگر خدا کا یہ مقصد نہ تھا کہ انسان خود دوسرون سے بے نیاز ہوکر مستقل زندگی بسر کرے تو اس نے بچے کو اسطرح قوت کیون عطا فرمائی ؟

۲- امام صاحب نے اخلاص کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر مصنف کو صرف یہ اعتراض ہے کہ وہ صرف دینی امور مثلاً نماز، روزہ اور حج وغیرہ تک محدود ہے، حالانکہ قومی اور اجتماعی امور مین اس سے بھی زیادہ اخلاص کی ضرورت ہے۔ اور اگر امام صاحب اُن سے واقف ہوتے تو اس قسم کے اخلاص کی

مختلف قسمین بیان کرتے، جنسے قومین ترقی کرتی ہین، اور اہل غرض کے اغراض فاسدہ سے ان کو کس قدر صدمہ پہنچتا ہے،

۷۔ آفاتِ زبان مین غیر ضروری کلام بھی ہے، اور امام غزالی کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے سفر کے حالات بیان کرے، اور اس حالت مین جو پہاڑ وغیرہ دیکھے ہین، یا جو واقعات پیش آئے ہین، جو غذائین، اور کپڑے پسند کیے ہین، اور علماء و مشائخ کے جو حالات و واقعات اسکو پسند آئے ہین، ان سبکی تفصیل کرے تو یہ کلام غیر ضروری مین داخل ہے، جو شرعاً و اخلاقاً ممنوع ہے، لیکن مصنف کے نزدیک سفر کے حالات اور مختلف شہرون اور مختلف لوگون کے طبائع و اخلاق کا بیان کرنا نہایت مستحسن ہے، اور جن لوگون کے ذریعہ سے ہم کو اس قسم کی معلومات حاصل ہوتی ہین، وہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہین،

۸۔ اخلاقیات کے ساتھ امام صاحب نے علوم و فنون پر بھی اسی صوفیانہ حیثیت سے نگاہ ڈالی ہے، چنانچہ انھون نے علوم کی دو قسمین کی ہین، عملی اور نظری، جنمین تمام علوم نظریہ کی تزئیف و تردید کی ہے، صرف اُن علوم کو باقی رکھا ہے جو خدا، ملائکہ، ملکوت السموات والارض اور نفوس انسانیہ و حیوانیہ کے عجائبات سے تعلق رکھتے ہین، لیکن یہ عجائبات بھی مقصود بالذات نہین ہین، بلکہ ان کے ساتھ یہ حیثیت بھی ملحوظ ہے کہ وہ قدرت خداوندی کے ساتھ مربوط و وابستہ ہین،

وہ اگرچہ علوم عقلیہ و نقلیہ کی اہمیت کے منکر نہین ہین، لیکن علوم عقلیہ مین بعض کو علوم نظریہ کا اور علوم نقلیہ مین بعض کو علوم عملیہ کا وسیلہ قرار دیا ہے، اور وسیلہ کا درجہ اصل مقصد سے کم ہوتا ہے، اسلیے بعض حدیثون مین علم کو عمل پر جو فضیلت دیگئی ہے، اُس سے وہی خدا، ملائکہ، پیغمبرون اور قیامت کا علم مراد ہے،

مصنف کو بھی اس علم کے شرف سے انکار نہین ہے لیکن وہ اجتماعی حیثیت سے یہ سوال کرتا ہے کہ ایک شخص اس علم کی تحصیل مین اپنی عمر بسر کرتا ہے، اور دوسرا شخص ان طریقون کے معلوم کرنے مین

مصروف رہتا ہے جیسے امراض کے جراثیم فنا کئے جاسکتے ہین، ان دونون مین عقلاً و شرعاً کون افضل ہے؟

امام صاحب نے علم فقہ پر بھی صوفیانہ حیثیت سے نگاہ ڈالی ہے، اور اس کو دنیوی علوم مین شامل کیا ہے، ان کے نزدیک فقہا کی ضرورت صرف اسلئے پڑتی ہے کہ وہ لوگون کے مقدمات و نزاعات کا فیصلہ کرتے ہین، لیکن اگر لوگ خود انصاف کرنے لگین تو فقہا کا گروہ بیکار ہو جائے گا، اور انکی کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہے گی، لیکن فقہ چونکہ ایک اجتماعی نظام ہے، اسلیے مصنف امام صاحب کی اس رائے سے اختلاف کرتا ہے، اس کے نزدیک رسول اللہ صلعم خود فقیہ اور آپ کی شریعت خود فقہ تھی، خداوند تعالیٰ نے آپ کو اسلیے مبعوث کیا تھا کہ مسلمانون کو دنیا کا خلیفہ بنائین، اور خلافت و سیاست کا وجود قانونِ فقہ کے بغیر ناممکن ہے،

امام صاحب نے علم توحید پر جو کچھ لکھا ہے اس پر مصنف نے نہایت دریدہ دہنی سے اعتراض کیا ہے، اس کے نزدیک علم توحید کا مقصد صرف یہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم حاصل کیا جائے، لیکن مصنف کے نزدیک اسکی کوشش بالکل حماقت ہے، اور مسلمانون نے نبوت، وحی، ملائکہ، شیاطین، قیامت، جنت، دوزخ، پل صراط، میزان حساب، اور رویت باری وغیرہ کی حقیقت کے معلوم کرنے مین جو وقت ضائع کیا وہ اس کے نزدیک سخت افسوسناک ہے،

محدثین کے نزدیک بھی ان چیزون پر بحث کرنا جائز نہین ہے، لیکن ان کو ان کی حقیقت سے انکار نہین ہے، بلکہ وہ ان کے متعلق قرآن و حدیث کے ظاہر الفاظ کو مانتے ہین اور ان سے آگے بڑھنا نہین چاہتے، لیکن مصنف کے نزدیک یہ تمام چیزین رموز و اسرار ہین، مسلمانون نے غلطی سے ان کو حقیقت تسلیم کر لیا ہے، اور اسی حیثیت سے ان کی تفسیر و تاویل کی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے قدیم علما دنیا کے نقشے سے زیادہ آخرت کے نقشے سے واقف تھے اور جنت کی نہرون کو دنیوی نہرون سے زیادہ جانتے تھے امام غزالی نے بھی اس گمراہی مین انکی مدد کی ہے، چنانچہ انھون نے عزلت و خلوت کے متعلق

تو طویل کتابین لکھی ہین، لیکن اجتماعی امور کے متعلق صرف ایک کتاب التبر المسبوک فی نصیحۃ الملوک لکھی ہے، جو نہایت سخیف اور مضطرب البیان ہے، لیکن ان علمار کا فیصلہ صرف قرآن کرسکتا ہے جسمین قیام سلطنت کی دعوت دیگئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ عزت صرف خدا، اوسکے رسول اور مسلمانون کے لیے ہے،

امام غزالی نے تمام فنون لطیفہ مثلاً شعر و شاعری، مصوری، اور رقص و سرود، سے بحث کی ہے لیکن انھون نے ان کو ایک دنیوی صنعت قرار دیا ہے، علوم مین ان کا شمار نہین کیا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک علوم صرف وہ ہین جو ایصال آخرت کا ذریعہ ہون، ان کے علاوہ اور جو چیزین ہین مثلاً طب، حساب، لغت، اور شعر وغیرہ سب کی سب دنیوی صنعتین ہین، اور انسان کو صرف اوس صنعت کو اختیار کرنا چاہیے جو دنیوی حیثیت سے اہم ہو، اسلیے وہ فنون لطیفہ کو علوم سے نکال کر ایک غیر اہم دنیوی صنعت قرار دیتے ہین جو انسان کا مستقل پیشہ نہین بن سکتے، البتہ ان کی بعض صورتین جائز ہین، لیکن یہ جواز صرف اوس حد تک ہے جبتک وہ محرکات شہوت سے دور ہون، لیکن مصنف چونکہ دور جدید کا تربیت یافتہ ہے اسلیے وہ امام صاحب پر اصولاً چند اعتراضات کرتا ہے، ایک تو یہ کہ امام صاحب نے شہوات نفسانیہ کے گرد لوہے کی دیوارین کھڑی کر دی ہین، اور ان کا فلسفۂ اخلاق ایسے محتاط اشخاص پیدا کرتا ہے جو دنیوی شگفتگی سے بالکل الگ ہون، لیکن اس قسم کے مردہ دل لوگ زندگی کے میدان مین کامیاب نہین ہوسکتے،

دوسرے یہ کہ ان کا فلسفۂ اخلاق ذوق سلیم کی تربیت بالکل نہین کرتا، چنانچہ انھون نے فنون لطیفہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس مین اس اخلاقی اصول کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے،

امام صاحب نے تربیت اطفال کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ نقل کرنے کے بعد مصنف نے اس پر چند جزئی گرفتین کی ہین، جو موجودہ حالات کے موافق ہین، مثلاً لڑکے کو اگر معلم سزا دے تو امام صاحب اس کو صبر و تحمل کی تعلیم دیتے ہین، لیکن مصنف کے نزدیک مناسب یہ تھا کہ وہ خود معلمین کو اس عادت سے

باز رہنے کی تعلیم دیتے،

انھون نے تعلیم کا جو پروگرام بنایا ہے، اس مین ورزشی کھیلون کا مطلق ذکر نہین کیا، با اینہمہ امام غزالی نے لڑکے کو تمام عیش و تنعم کے اسباب سے محروم کر دیا ہے، اس لیے ان کے اصولِ تربیت کے روسے ایک طالب العلم دنیوی معرکے مین سپاہیانہ زندگی بسر کرنے کے لیے تیار ہو سکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ انھون نے اپنے صوفیانہ اخلاقی مقصد کو فراموش نہین کیا ہے، اور یہ وصیت کی ہے کہ طلبہ کو یہ تعلیم دینی چاہیے کہ موت ہر وقت آسکتی ہے، اور عقلمند صرف وہ ہے جو آخرت کی تیاری مین مصروف رہتا ہے، لیکن مصنف کے نزدیک اس طریقہ سے ضعفِ عزم پیدا ہوتا ہے، اور اسلام کی وہ روح نہین پیدا ہو سکتی جو سرحدون کی حفاظت کر سکے،

امام صاحب سے مصنف کو بڑی شکایت یہ ہے کہ انھون نے لڑکیون کی تعلیم و تربیت کے متعلق کچھ نہین لکھا، کیونکہ اس زمانے مین یہ مسئلہ کوئی اہمیت نہین رکھتا تھا، انھون نے عورتون کے حقوق کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس مین مرد کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ عورت کو فرائض مثلاً نماز اور روزہ کی تعلیم دے، لیکن یہ تعلیم خانگی زندگی کے لیے کارآمد نہین ہو سکتی،

امام صاحب نے حقوق و واجبات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، اس مین بھی یہی صوفیانہ نقطۂ نگاہ ان کے پیش نظر ہے، مثلاً انھون نے انسان کے ذاتی فرائض مین لکھا ہے کہ انسان کو داہنی کروٹ سونا چاہیے جس طرح مردے کو قبر مین لٹاتے ہین اور یہ خیال کرنا چاہیے کہ نیند موت کے اور بیداری حشر و نشر کے مشابہ ہے، اوسکو سر کے نیچے وصیت لکھ کر رکھ لینا چاہیے، کیونکہ ممکن ہے کہ رات کو اوسکی موت آجائے لیکن مصنف کے نزدیک موت کا اس قدر عمیق تخیل ضعفِ عزم اور رہبانیت پیدا کرتا ہے، اعمالِ حسنہ کی ترغیب کے اور طریقے بھی ہین، اسلیے موت کو چھوڑ کر ان سے کام لینا چاہیے،

دوسرون کے متعلق انسان پر جو حقوق و فرائض عاید ہوتے ہین، ان مین امام غزالی نے

غیر مسلمون کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، اگرچہ ان کے بعض فتاوے سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، لیکن خود احیار العلوم مین انھون نے اس پر کچھ نہین لکھا ہے، البتہ انھون نے حق الجوار کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسمین ذمیون کو بھی شامل کر لیا ہے، اور مشرکین کو بھی اس سے مستثنیٰ نہین کیا ہے،

امام صاحب نے تاجرون کے فرائض و واجبات کے متعلق جو کچھ لکھا ہے مصنف نے اوسکی داد دی ہے اور لکھا ہے کہ جو تاجر ان آداب کے ساتھ متصف ہوگا اوسکی تجارت یقیناً پبلک کے لیے نفع عام ہو جائے گی اور وہ غیر معلوم طریقہ پر اہل شہر کا خادم ہو جائے گا، البتہ امام صاحب نے تاجر کا ایک یہ فرض قرار دیا ہے کہ اس کو تجارت کا اس قدر حریص نہین ہونا چاہیے کہ سب سے پہلے بازار مین جائے اور سب کے بعد بازار سے نکلے، اور تجارت کے لیے بحری سفر کرے کیونکہ حدیث مین ہے کہ انسان کو صرف حج، عمرہ اور جہاد کے لیے بحری سفر کرنا چاہیے، لیکن مصنف کے نزدیک یہ وہی امام صاحب کا صوفیانہ مذاق ہے، جو اجتماعی زندگی سے میل نہین کھاتا، کیونکہ امام صاحب نے جس چیز کی ممانعت کی ہے، تمدنی حیثیت سے وہ ایک تاجر کے فرائض مین داخل ہے،

عورتون کے حقوق کے متعلق امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اوسکی تمام تر بنیاد صرف اس پر ہے کہ وہ تابع ہے متبوع نہین، اسلیے انھون نے اوس کے صرف وہ حقوق بتائے ہین جن سے وہ بحیثیت ایک بی بی ہونے کے متمتع ہو سکتی ہے، عورت کے عام اجتماعی حقوق سے انھون نے بالکل تعرض نہین کیا ہے لیکن اس رد و قدح سے صرف یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کتاب صرف نکتہ چینیون ہی تک محدود ہے بلکہ مصنف نے سب سے پہلے امام غزالی کے سوانح اُن کے اساتذہ و مشائخ کے حالات، اس دور کی خصوصیات، ان کے عہد کے علمار و فضلار کے تراجم لکھے ہین، اور انکی تصنیفات پر نہایت مفصل بحث کی ہے، اس کے بعد ان کے فلسفۂ اخلاق کی تلخیص کی ہے، اور اسی ضمن مین اس پر تنقید کرتا گیا ہے، یہ تنقیدین اگرچہ زیادہ تر مخالفانہ ہین، لیکن جہان کہین اسکو موجودہ مذاق کی کوئی چیز ملگئی ہے

وہان اونکی داد بھی دی ہے،

مثلاً ریاء کے متعلق لکھتا ہے کہ

اس بحث مین امام صاحب نے شئون اجتماعیہ کو نظرانداز نہین کیا ہے، چنانچہ انھون نے بیان کیا ہے کہ بعض لوگ، تقوی، اور ورع کا اظہار اسلیے کرتے ہین کہ مین مشہور ہون اور اس طرح قاضی یا اوقاف وصایا یا یتیمون کے مال کے والی ہو کر اس کو خورد برد کرین یا زکوۃ وصدقات کے تقسیم کرنے کی خدمت ان سے متعلق کیجائے، اور وہ جہان تک ہوسکے اس کو اپنے استعمال مین لائین، یا ان کے پاس امانتین رکھی جائین اور وہ اس کو نے لین اور انکا انکار کر دین، یا جو مال حج کے راستے مین صرف کیا جاتا ہے وہ ان کے سپرد کیا جائے، اور وہ اُسکے کل یا بعض مین خیانت کرین، اس باب مین امام صاحب کی نظر دور رس ہے، وہ اجتماعی عیوب کی تعیین اور علماء وزہاد کے عیوب کی تشریح کرتے ہین، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے کے لوگون نے خدا کے دین کو اپنے اغراض خبیثہ یعنی فسق و فجور اور غارتگری کا ذریعہ بنایا تھا،

مین دوبارہ کہتا ہون کہ امام غزالی صرف اس وقت غضبناک ہوتے ہین، جب وہ اس برائی کے خلاف جہاد کرتے ہین جسکو وہ اپنی آنکھ سے دیکھتے ہین، اسلیے اس معاملے مین انکا کلام ان کے زمانے کی تصویر ہوتا ہے، اور ان قدیم کتابون کے مطالعہ کا نتیجہ نہین ہوتا جو لوگون کے عیوب بیان کرتی ہین، ایک شخص انکی کتاب احیاء سے ان کے عہد کے علماء وزہاد کی نہایت واضح تصویر نکال کر پیش کر سکتا ہے، لیکن مین حکام وامراء کی نسبت ایسا نہین کہہ سکتا کیونکہ انھون نے اپنے عہد کی حکومت سے نہایت کمزور لہجے مین بحث کی ہے، اور بادشاہون کو انکی تیز زبانی سے کوئی صدمہ نہین پہنچا ہے،

لا یعنی کلام کے متعلق لکھتا ہے،

امام صاحب نے نہایت ٹھیک طور پر لایعنی کلام مین اس کو بھی شمار کیا ہے کہ تم راستے مین ایک شخص کو دیکھو اور اس سے پوچھو کہ کہان سے آتے ہو، کیونکہ بسا اوقات اس کے بیان کرنے سے کوئی چیز مانع ہوتی ہے، اور اگر وہ بیان کر دے تو اس کو تکلیف ہوگی اور شرم آئے گی، اور اگر اس نے سچ نہین کہا تو جھوٹ کا مرتکب ہوا اور تم اس کے سبب ہوئے،

ان سب کے بعد یہ بحث کی ہے کہ امام غزالی کے عہد اور ان کے بعد کے زمانے پر انکا کیا اثر پڑا؟ ان کی تصنیفات کس قدر مقبول ہوئین؟ ان کے مخالفین کون کون لوگ تھے؟ مخالفت کی بنیاد کیا تھی؟ وغیرہ وغیرہ، پھر موجودہ یورپین فلاسفہ کے حالات لکھے ہین اور ان سے امام غزالی کا مقابلہ کیا ہے، اور اس طرح امام صاحب کے متعلق معلومات کا کافی ذخیرہ جمع کر دیا ہے، لیکن بایںہمہ ہمارے نزدیک جس طرح امام غزالی کا فلسفۂ اخلاق خالص اسلامی فلسفۂ اخلاق نہین ہے، اسی طرح مصنف نے امام صاحب پر جو نکتہ چینیان کی ہین، وہ بھی بالکل اسلامی اصول کے مطابق نہین ہین قدماء اور امام غزالی کے درمیان جو نزاع تھی وہ جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے تصوف و شریعت کے درمیان کی نزاع تھی لیکن مصنف نے ان کے فلسفۂ اخلاق پر موجودہ ملحدانہ تمدن و تہذیب کو پیش نظر رکھکر نکتہ چینی کی ہے، جو تصوف سے کہین زیادہ شریعت اسلامی کے مقاصد کے مخالف ہے، محدثین خدا کی ذات و صفات وغیرہ کے متعلق بحث کرنے سے اسلیے روکتے تھے کہ شریعت نے اسکی اجازت نہین دی ہے، لیکن مصنف ان باتون سے اسلیے روکتا ہے کہ نبوت، وحی، الہام، حشر و نشر، صراط و حساب وغیرہ حقیقی چیزین نہین ہین اس لئے ان کی بحث مین وقت ضائع کرنا مناسب نہین، بلکہ ان کے بجائے شؤن اجتماعیہ سے بحث کرنی چاہیے،

وہ شاعری، مصوری اور رقص و سرود وغیرہ کو اسلیے جائز رکھتا ہے کہ اس سے فنون لطیفہ کو ترقی اور ذوق سلیم کی تربیت ہوتی ہے جو اخلاق کی ایک بنیاد ہے، لیکن کیا اسلام نے بھی ذوق سلیم

کو اخلاق کی بنیاد قرار دیا ہے؟ بہرحال اگر امام غزالی خدا کی ذات مین اس قدر مستغرق ہو گئے ہین کہ ان کو آخرت کے سوا اور کوئی چیز نظر نہین آتی تو مصنف بھی خدا سے اس قدر الگ ہو گیا ہے کہ اوسکو دنیا بلکہ یورپ کے سوا اور کچھ نظر نہین آتا،

اس بنا پر ہمارے نزدیک اگر امام غزالی نے اخلاقی مراتب کی تشریح مین غلو و افراط سے کام لیا ہے، تو مصنف نے بھی نہایت مداہنت و تفریط کی ہے، اسلیے ایک مصلح اخلاق کو ان دونون سے الگ ہو کر صرف قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا چاہیے، جس مین یہ مراتب روحانیت و اجتماعیت دونون سے مدغم نظر آتے ہین، صحابۂ کرام اور قرن اول کے مسلمان اسی اخلاق کی مجسم تصویر تھے، اسلیے ایک رومی قیدی نے جو مسلمانون کی فوج سے بھاگ نکلا تھا، ہرقل سے مسلمانون کی یہ خصوصیت بیان کی تھی کہ:-

"وہ لوگ دن کو شہسوار اور رات کو راہب ہوتے ہین جس قوم سے معاہدہ کرتے ہین اس سے ہر چیز بقیمت لیکر کھاتے ہین اور جس شہر مین داخل ہوتے ہین امن و امان کے ساتھ داخل ہوتے ہین"

روشنی کی عدم جسمیت

پر

ارسطو کے دلائل

از

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی

گیارھویں "موتمر المستشرقین" منعقدہ پیرس ۱۸۹۷ء میں سینٹ جوزف کالج (بیروت) کے پروفیسر ریورنڈ پیری لوئی شیخو نے "شعبۂ اسلامی" کی طرف سے "عربی کے چند مخطوطات قدیمہ" پر ایک مضمون پیش کیا تھا، یہ قلمی نسخے جو مختصر رسائل کا ایک مجموعہ میں، ایک عیسائی عالم جرجیس صفا دوکیل دیر القمر لبنان کے پاس سے اُنھون نے حاصل کئے تھے، اِنھیں قلمی رسائل میں ایک مختصر رسالہ یہ بھی تھا، جس کا عنوان حسب ذیل ہے:-

من کلام جمعہ حنین بن اسحاق من ارسطو فی ان الضوء لیس بجسم للقیم بن ہلال الصابی

یہ معلوم ہے کہ ارسطو کا کوئی مخصوص رسالہ اس موضوع پر نہیں ہے، البتہ اُس نے اپنی تصانیف میں کہیں کہیں اس پر بحث کی ہے، حنین بن اسحاق نے ارسطو کے ان تمام اقوال کو جو اس موضوع سے متعلق ہیں، یکجا جمع کر دیا ہے، اور جسمیت روشنی کی تردید میں ایسا مفید اور بہتر مواد فراہم کیا ہے جو غالباً اس سے بیشتر کسی نے نہیں کیا، اس سے پتہ چلتا ہے، کہ حنین ارسطو کے فلسفیانہ مسائل اور اس کی تصنیفات سے زبردست واقفیت رکھتا تھا، اس نے اس موضوع پر ارسطو کے ان دلائل

کو جمع کر دیا ہے جو اسکی مختلف تصانیف میں منتشر اور ایسی غیر متعلق کتابوں میں گم ہیں جنکی نسبت خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ یہ رسالہ ان میں پایا جائیگا، یہ زبردست دلیل ہے اس بات کی کہ حنین کو اس نامور یونانی فیلسوف اور اسکی تصنیفات کے مطالعہ سے کہرا شغف تھا، ارسطو کی اکثر وہ تصانیف جن سے حنین نے اکثر دلائل اخذ کئے ہیں فی زماننا ناپید ہیں، اور اگر اس نے اپنے ماٰخذ کا حوالہ دیا ہوتا تو ہمارے لئے اس موضوع سے متعلق مزید معلومات پر حاوی ہونا بہت آسان ہو جاتا،

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حنین اس مختصر رسالہ کا مصنف ہے تو پھر "للقیم بن ہلال الصابی" کیا معنی رکھتا ہے، یہ لفظ "جمعہ حنین" سے تو یہی مستفاد ہوتا ہے کہ حنین ہی اسکا مصنف یا جامع ہے، یہ قیاس نہیں ہو سکتا کہ اس نے ہلال کی کتاب سے اس کو جمع مرتب کیا ہو کیونکہ حنین و ہلال کی تاریخ وفات میں سو برس کا فرق ہے، ممکن ہے کہ اصل سریانی میں ہو، اور ہلال نے اسکا عربی ترجمہ کیا ہو، اس صورت میں ہلال کی حیثیت ایک مترجم سے زیادہ نہیں ہے، بہرحال اس وقت ہمارے پاس اس زمانہ کی ایک قدیم تصنیف ہے جبکہ اہل عرب یونانیوں کے سرمایۂ علم و ادب کو اپنی زبان میں منتقل کر رہے تھے، اس زبردست دماغی تحریک کے علمبرداروں میں سے حنین بھی ایک تھا، اس نے ۲۶۰ھ (مطابق ۸۷۳ء) میں وفات پائی، ہلال صابی مشہور عالم ثابت بن سنان (بن ثابت بن قُرّہ) کا بھتیجا تھا جس نے ۳۶۳ھ (۹۷۳ء) میں وفات پائی[1]

ابن الندیم نے اس کو **ہلال بن ابی ہلال الحمصی**، لکھا ہے[2]، یہ ان چار مترجمین میں سے ایک تھا جنھوں نے ایولونیوس فرجی کی کتاب المخروطات کا عربی میں ترجمہ کیا،

یہ مختصر رسالہ ایک ایسے عجیب و غریب موضوع پر جس نے ارسطو کے ایک فاضل مترجم کو اس طرف متوجہ کر لیا، نہایت دلچسپی کے ساتھ دیکھے جانے کا مستحق ہے خصوصاً ایک ایسے زمانہ میں جبکہ علم طبیعیات اور نیچرل سائنس نے اس قدر تیز پا ترقی کرنے کے باوجود ہنوز روشنی کی جسمیت کے متعلق کوئی ناطق فیصلہ

---

[1] مختصر الدول لابن العبری (طبع بیروت) ص ۲۰۰، [2] الفہرست ص ۲۴۴ و ص ۲۶۶ (طبع یورپ)

نہیں صادر کیا،

اس موضوع پر، جہان تک البصریات کا تعلق ہے، مشہور اسلامی عالم ابن ہیثم کے ایک مختصر رسالہ کا مطالعہ بیحد مفید اور دلچسپ ہوگا، جو ۱۸۸۲ء میں، رسالہ زیڈ ڈی، ایم، جی میں بارمن (J. Baarmann) کے جرمنی ترجمہ کے ساتھ شائع ہوچکا ہے[1]، اس رسالہ سے ہم آیندہ قارئین کرام کو روشناس کرائیں گے انشاء اللہ،

روشنی کے متعلق قدما کا خیال یہی تھا کہ وہ ایک مادی شی ہے، جو خطوط مستقیمہ کی صورت میں ایک جسم روشن سے پیدا ہوتی ہے، فلاسفۂ حال کی رائے میں روشنی ایک خاص قسم کی حرکت ہو، اور وہ ایک ایسے واسطہ میں پائی جاتی ہے جسکا تمام خلا کو پُر کر دینا اور تمام مادیات میں نفوذ کرجانا مسلم ہو، اسکی یہ حرکت موجی ہے، جو خلا میں ۱۸۶۰۰۰ میل فی سکنڈ کی رفتار سے پھیل جاتی ہے[2]،

یہاں ہم اصل مقالۂ عربی کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جو امید ہے کہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا،

"روشنی کی جسمیت سے متعلق قدما کے جو اقوال ہم تک پہونچے ہیں ان میں صحیح ترین دلائل ارسطو کے ہیں، اس نے اپنی کتاب النفس وغیرہ میں اس مبحث پر جو دلائل قائم کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

پہلی دلیل، جسم کی حرکت زماں میں ہوا کرتی ہے، اور چونکہ روشنی کی حرکت[3] زماں کی پابند نہیں ہے اس لئے وہ جسم نہیں ہے، کیونکہ آفتاب کے طلوع ہونے کے ساتھ ہی تمام افق جستہ جستہ نہیں بلکہ معاً روشن ہوجاتا ہے، اس لئے اسکی حرکت زماں میں نہ ہوئی، زمان منقسم ہے دو حصوں یعنی قبل و بعد پر، اور وہ اپنی تقسیم کے ساتھ ہی ان حرکات کو بھی منقسم کر دیتا ہے، جو اسمیں واقع ہوتی ہیں،

دوسری دلیل، ہر جسم یا تو بسیط ہوگا یا مرکب، اور اجسام بسیطہ و مرکبہ جب اپنی طبائع میں اکثر حرکت

---

[1] Z.D.M.G. جلد ۳۶ ص ۱۹۵ تا ص ۲۳۷ و جلد ۳۷ ص ۱۴۵ تا ص ۱۴۸۔ [2] نیلسن انسائیکلوپیڈیا لفظ لائٹ،

[3] غالباً یہاں حرکت سے مراد "حرکت عرضی" ہے،

ہوں گے تو وہ دو حرکتوں سے خالی نہ ہوں گے یعنی ان کی حرکت مستقیمہ ہوگی یا مستدیرہ مستقیم حرکت کرنیوالی اشیاء آگ، پانی، ہوا، مٹی اور وہ چیزیں ہیں جو ان عناصر سے مرکب ہیں، اور مستدیر حرکت کرنے والی اشیاء، آسمان اور اجرام سماوی ہیں، پھر حرکت کی دو قسمیں ہیں، یا تو وہ وسط سے اوپر کی طرف ہوگی جیسے آگ اور ہوا کی حرکت، یا اوپر سے وسط کی طرف ہوگی جیسے پانی اور مٹی کی حرکت، لیکن روشنی کی نہ تو کوئی مستقیم حرکت ہے نہ مستدیر، بلکہ کبھی تو وہ وسط سے اوپر کو حرکت کرتی ہے، جیسے چراغوں کی روشنی کی حرکت، یا اوپر سے وسط کو حرکت کرتی ہے، جیسے سورج کی روشنی کی حرکت، اور کبھی وسط میں حرکت کرتی ہے جیسے اجرام سماوی کی روشنی کی حرکت جو خود انکی حرکت کے تابع ہے، پھر جسم کی حرکت طبیعی صرف ایک جہت کو ہوتی ہے، اور چونکہ روشنی مختلف جہات میں حرکت کرتی ہے لہذا وہ جسم نہیں،

تیسری دلیل، اگر سورج کی روشنی کو جسم مانا جائے تو جب وہ ہوا میں پھیل کر اس کو روشن کردے تو ضرور ہے، کہ وہ تین حالتوں سے خالی نہ ہو:-

(۱) یا تو وہ ہوا سے متصل ہوگی، (۲) یا ہوا کے اندر داخل ہوگی، (۳) یا ہوا اس کو اٹھائے ہوئے ہوگی،

(۱) پہلی صورت میں اس کا مکان، مکانِ غیر ہوگا، کہ اجسام مجاورہ کی یہی حالت ہوتی ہے، نیز یہ ضروری ہوگا کہ روشنی کا مکان بذاتہ روشن ہو، اور ہوا کا مکان روشن نہ ہو، حالانکہ ہمارا حاسہ اس کے خلاف گواہی دیتا ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں، کہ ہوا جب روشنی کرتی ہے تب وہ تمامتر روشن ہوتی ہی،

(ب) دوسری صورت میں یہ لازم ہوگا کہ دونوں (ہوا اور روشنی) ایک دوسرے کے اندر داخل ہوں اگر دو جسموں میں ایسی مداخلت ہم مان لیں تو تمام اجسام عالم میں اس کو ممکن ماننا پڑیگا، اور یہ محال ہے

(ج) تیسری صورت میں روشنی بحیثیت "محمول فیہ" عرض ہوگی، فھو المقصود،

چوتھی دلیل، اگر روشنی کو جسم منور فرض کیا جائے تو لازم ہوگا، کہ جب وہ ہوا میں مختلط یا اس سے متصل

ہو توہوا کے اجزار کوکثیف بنادے، اور اس کو تاریک کردے، یہ ایسا ہی ہے کہ اگر ہم دو چمکدار تانبے کے پترون کو لےلین اور ایک کو دوسرے پر رکھدین تو وہ دونون غلیظ ہوکر تاریک ہوجائین گے حالانکہ ہم دیکھتے ہین کہ جب روشنی ہوا سے ملتی ہے، تو اس کو کثیف و تاریک نہین بناتی بلکہ اسکو اور لطیف ومنور کردیتی ہے، اسی طرح اجسام منورہ کو آپس مین ملایا جائے توکثیف ہوکر تاریک ہوجائین گے، حالانکہ روشنی جب ہوا مین داخل ہوتی ہے، تو اس کو روشن کردیتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ روشنی کوئی جسم منور نہین ہے، جیساکہ بعض لوگون کا خیال ہے،

پانچوین دلیل، چونکہ روشنی ضد ہے ظلمت کی، اور ظلمت کوئی جسم نہین ہے تو لازم ہوا کہ روشنی بھی کوئی جسم نہین ہے، اس لئے کہ دونون متضاد ہونے کے باوجود متحد بالقوی ہین، پس جب ظلمت جسم نہ ہوئی تو روشنی بھی جسم نہ ہوئی،

چھٹی دلیل، اگر یہ کہا جائے کہ آگ کی روشنی جسم ہے تو ضروری ہوگا کہ یا تو وہ آگ ہی ہو یا آگ سے پیدا ہونے والا جسم، اور یہ ناممکن ہے، کہ آگ کی روشنی بھی آگ ہو، آگ کا کام ہے جلانا اور روشنی نہین جلاتی، کیونکہ روشنی پانی مین بھی پائی جاتی ہے، پانی کی خاصیت یہ ہے کہ وہ سرد اور تر کردیتا ہے، لہذا آگ کی ضد ہے، اضداد جب جمع ہوتی ہین تو ایک دوسرے مین تغیر و فساد پیدا کردیتی ہین، حالانکہ ان دونون (آگ اور پانی) کے اجتماع مین ایسا نہین ہوتا پس ثابت ہوا کہ روشنی آگ نہین ہے. اسی طرح ہم دیکھتے ہین کہ روشنی روئی، اون وغیرہ پر پڑتی ہے تو انکو مشتعل کردیتی ہے، پس اگر آگ کی روشنی بھی آگ ہو تو ضرور ہے کہ وہ بھی ان اشیاء کو مشتعل کرے، اور اگر وہ آگ سے پیدا ہونے والا کوئی جسم ہے تو آگ بجھ جانے کے بعد بھی اس کو قائم رہنا چاہئے، کہ تمام اجسام منفرداً اور قائم بالذات ہوتے ہیں، حالانکہ ہمارا حاسہ اس کو غلط ٹھہراتا ہے جبکہ ہم آگ کے ساتھ اسکی روشنی کو بھی زائل ہوتے دیکھتے ہین، اس لئے روشنی جسم نہین ہے،

ساتوین دلیل، اگر آگ کی روشنی جسم ہو تو آگ کی طرح اس مین بھی تغیر و فساد پیدا ہونا ضروری ہے مگر ہم آگ بجھنے کے ساتھ اس کی روشنی کو بھی بجھتے ہوئے دیکھتے ہین، اور ہر جسم جو فساد پذیر ہے وہ لامحالہ طبیعۂ مفسدہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، یا ایسی طبیعۃ کی طرف، جو طبیعۂ مفسدہ کے قریب ہو مثلاً آگ مین جب فساد پیدا ہوتا ہے تو وہ بھاپ بنجاتی ہے، اور چونکہ روشنی حالتِ فساد مین اجسام کی ان دو طبیعتون کی طرف منتقل نہین ہوتی لہذا وہ جسم نہین ہے۔

آٹھوین دلیل، اگر ہم یہ کہین کہ روشنی ایک ایسا جسم ہے جو روشن ہونے کا اثر اپنے اندر رکھتا ہے، تو اس کے معنی یہ ہون گے کہ روشنی سے مؤثر ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم یہ کہین کہ یہ جسم مسخن (حرارت پہونچانیوالا) ہے یعنی وہ تسخین کا اثر رکھتا ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ حرارت پیدا کرتا ہے، اثر وہ فعل ہے جو اثر پذیری کے قابل اشیار مین اپنا عمل کرتا ہے، اور اثرات مین کوئی جسمیت نہین بلکہ وہ اعراض ہین چونکہ اثر عرض ہے لہذا روشنی بھی عرض ہے،

نوین دلیل، روشنی ایک کیفیت ہے، جو بڑھتی اور گھٹتی ہے، اور کمی بیشی کیفیت کے اجزاء مین اسکی مثال یہ ہے جیسے ہم یہ کہین کہ یہ جسم روشن بہ نسبت دوسرے جسم کے کم روشن ہے، اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ روشنی متشابہ اور غیر متشابہ دونون حالتون کو قبول کرتی ہے، یہ وصف خاص کیفیت کی تمام انواع مین پایا جاتا ہے، جیسے آگ کی روشنی کہ وہ غیر متشابہ ہے سورج کی روشنی سے، اور ایک سیارے کی روشنی کہ وہ متشابہ ہے دوسرے سیارے کی روشنی سے، پس روشنی ایک کیفیت ہے اور کیفیت چونکہ عرض ہے، لہذا روشنی بھی عرض ہے،

دسوین دلیل، مکان اپنے اندر ایک طرح کی قوتِ طبعی رکھتا ہے، جس کا اثر اشیاء طبیعیہ مین ظاہر ہے یہی وجہ ہے کہ ہر جسم کا ایک محل مخصوص پایا جاتا ہے، جو اس کی طبیعۃ کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ مکان ہی معرفت اشیار کے اولین اسباب مین سے ہے، اجسام جب حرکت مستقیمہ یا

مستدیرہ رکھتے ہون، اس وقت بھی ان کے لئے امکنۂ طبیعی مقرر ہین: مثلاً

(۱) بلندی، آگ اور ہوا کا مکان

(۲) وسط، ان اجسام کا مکان ہے جنکی ترکیب مین مٹی اور پانی غالب ہین،

(۳) محیطِ وسط، وہ مکان جو وسط مین حرکت مستدیرہ کرنے والے اجسام کے گرد محیط ہو،

یہ امکنۂ ثلاثہ "امکنہ طبیعی" کہلاتے ہین، اب یہ محال ہے کہ کوئی جسم ایسا پایا جائے جس کا کوئی مخصوص مکانِ طبعی نہ ہو، کیونکہ جس طرح کوئی جسم بلا مخصوص حرکت طبیعی کے نہین ہوتا اسیطرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی مخصوص مکانِ طبیعی بھی ہو" امکنۂ ثلاثہ" مین سے کوئی مکان روشنی کے ساتھ مخصوص نہین ہے، کہ وہ ان ہر سہ امکنہ مین (بیک وقت) پائی جاتی ہے، اور جب وہ ان مین سے کسی ایک مکان کو چھوڑ دیتی ہے تو کسی دوسرے مکانِ خاص کی اس کو حاجت نہین ہوتی، ان مقدمات سے لازم آئیگا کہ روشنی جسم نہین،

گیارھوین دلیل، روشنی تاریکی سے اسی طرح برعکس ہے جسطرح اشیار اپنی اضداد سے ہوتی ہین، یا ایسی مخالف جیسے وجود عدم سے دونون حالتون مین وہ عرض ہے، اس لئے کہ وجود اور عدم وغیرہ اسباب متضادہ صفات ہین جو ایک دوسرے کے برعکس ہین، جیسے سفیدی وسیاہی وجود کی ہستی عدم کے مقابلہ مین ایسی ہی ہے، جیسے نابینائی بصارت کے مقابلہ مین جواہر مین تقابل نہین پایا جاتا، اور چونکہ روشنی ظلمت کے مقابل ہے اس لئے وہ عرض ہے،

بارھوین دلیل، آگ کی چنگاری مین روشنی داخل ہوتی ہے جو خود ایک جسم ہو اور چونکہ ایک جسم دوسرے جسم مین نفوذ نہین کرسکتا، اس لئے روشنی جسم نہین ہے،

تیرھوین دلیل، صیقل (پالش) بھی روشنی کی ایک قسم ہے، اگر ہم ایک سیاہ ٹھوس جسم کو صیقل کرین تو وہ چمکدار اور روشن ہو جائیگا، صیقل جسم کے بعض اجزا بعض مین پیوست کرکے

ان کو مسلط کر نیکو بنے ہیں یہاں تک کہ ان مین کوئی جزو کسی جزو سے باہمدگر نظر نہ آئے، اس حالت مین جسم چکیدار اور روشن ہوگا، یہ چیک اور روشنی چونکہ عرض ہے لہذا روشنی بھی عرض ہے''

روشنی کی حد اور رنگ اور روشنی کا فرق،

روشنی کی حد اور رنگ اور روشنی کا فرق بیان کرتے ہوئے ارسطو لکھتا ہے:-

''تاثیر کی دو قسمین ہین:- (۱) متمم (۲) منقص

متمم جیسے روشنی کی تاثیر ہوا مین، کہ روشنی بجائے اس کے کہ ہوا کی ذات مین کسی قسم کا تغیر و فساد پیدا کر دے اس کو روشن بناتی اور مکمل کرتی ہے،

منقص، جیسے سیاہی کی تاثیر سپیدی مین، کہ سیاہی جب سفید اشیاء پر اپنا عمل کرتی ہے تو انکو خراب کر کے سیاہ بنا دیتی ہے''

اس کے بعد ارسطو کہتا ہے:-

''رنگ، ہر صاف و شفاف جسم یعنی ہوا، پانی اور ان کے مثل صاف اجسام کو (جنمین اشیاء کے رنگ فی الحقیقت معلوم ہوتے ہین) مکمل کر دیتا ہے، کیونکہ ہوا بذاتہ رنگین نہین ہے، بلکہ دوسری شے سے رنگ پکڑتی ہے، کہ اگر وہ رنگین ہوتی تو ہمارے سامنے کسی رنگ کو اسکی اصلی صورت مین پیش ہی نہ کرتی، اور اشیاء کے متضاد رنگ بھی اسی کا رنگ اختیار کر لیتے جیسے کوئی شخص رنگین شیشہ مین سے ہر شے کو اسی شیشہ کے رنگ مین دیکھکر اس کے رنگ کو شے مرئی کا رنگ سمجھ لیتا ہے، اگرچہ ہوا کا رنگ اس کا ذاتی رنگ نہین ہے، تاہم وہ رنگ پکڑنے کی قابلیت اپنے اندر رکھتی ہے، اور اس طرح وہ بالقوۃ رنگین ہے، کیونکہ اشیاء موجودہ کے رنگون کو قوت سے فعل مین لاتی اور خود بھی بالفعل رنگین ہو جاتی ہے، ہوا کا ذو لون بالقوۃ ہونے کے ساتھ ذو لون بالفعل ہونا اسکی تاثیر کا کمال ہے''

اس کے بعد ارسطو نے روشنی کی حد بتائی ہے، وہ لکھتا ہے:-

"جسم شفاف مین روشنی ایک طرح کا اثر ہے، جو اس (جسم) کے ساتھ مکمل ہو کر اس کو رنگ پکڑنے کے قابل بنا دیتا ہے، (جسم صاف و شفاف سے میری مراد ہوا اور اس کے مثل وہ تمام اجسام ہین جن مین اشیار کے رنگ معلوم ہو سکتے ہین) پس روشنی اور رنگ کا فرق ظاہر ہے اگرچہ یہ دونون مل کر ہوا کو مکمل کرتے ہین، تاہم ہوا روشنی ہی کے توسط سے رنگ قبول کرتی ہے، گویا روشنی ہی نے ہوا کو روشن بنایا اور جب وہ روشن ہو گئی تو اس نے رنگ قبول کیا، اگر روشنی کا یہ توسط نہ ہوتا اور ہوا کو مکمل نہ کرتی تو ہوا کا اشیار کے رنگون کو قبول کرنا ناممکن تھا،

ہوا رنگ کو قبول کرتی ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ہم روشن چیز کو ہوا مین رکھدین، تو وہ ہوا بھی اسی کے مانند ہو جائے گی، اور اوسی کا سا رنگ اختیار کرے گی، پس روشنی کی حد یہ ہے کہ جہان تک وہ جسم شفاف مین اثر کرتی ہے، اسے مکمل کرکے رنگین بنا دیتی ہے"،

ارسطو نے رنگ اور روشنی کی حدود کو ان کی تکمیل سے قایم کیا ہے، کیونکہ اس کا قیاس تھا کہ "وہ ہوا جو شے مرئی اور بصارت کے مابین ہے شے مرئی کے رنگ مین رنگ جاتی ہے" پھر وہ کہتا ہے کہ "ہوا ہماری آنکھون سے متصل ہے، اور ہماری آنکھین صیقل شدہ اجسام مین سے ہین اور صیقل شدہ اجسام روشنی و رنگ کو قبول کر لیتے ہین، تو ضروری ہے کہ ہماری آنکھین بھی روشنی کو قبول کرین اور شے مرئی کے رنگ مین رنگ جائین، البتہ استحالہ جو آنکھ مین موجود ہے، روشنی، ہوا اور اس جسم صاف و شفاف کے توسط بغیر (جو بصارت اور مبصر کے درمیان ہوتا ہے) عمل مین نہین آتا، کیونکہ یہ جسم ہوا کا قائم مقام ہو کر پانی وغیرہ اجسام صافیہ کو منقطع کر دیتا ہے، یہی استحالہ ہے جو

بصارت کو مکمل کرتا ہے، بہ شرطیکہ وہ اس مین تغیر و فساد پیدا کرے، پس رنگ کی حد جسم صاف و شفاف کی تکمیل ہے، اور روشنی کی حد وہ اثر ہے جو جسم صافی کو مکمل کرکے رنگ پکڑنے کے قابل بنا دیتا ہے،

سیرۃ النبی صلعم

رسول اللہ صلعم کے حالات، غزوات، اور اخلاق و عادات کے متعلق بہت رطب و یابس واقعات تاریخ و سیر کی کتابون مین مذکور ہین لیکن اس کتاب کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ اسمین اس قسم کی تمام روایتون سے قطع نظر کر لیگئی ہے، اور صرف وہ واقعات بیان کئے گئے ہین جو قرآن مجید اور احادیث مین مذکور ہین جنکی صحت عقلی و نقلی حیثیت سے کوئی اعتراض واقع نہ ہو،

ابتک اس کتاب کے تین حصے شایع ہو چکے ہین، اور تین حصے اور باقی ہین، پہلے حصے مین ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات ہین، اور ابتدا مین ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جسمین سیرت کی کتابون پر تنقید کی گئی ہے، اور انکی خصوصیات بتائی گئی ہین، اسی مقدمہ مین آپکی سوانح کے متعلق اور بھی چند اہم اور اصولی مباحث مذکور ہین، دوسرے حصہ مین آپکی وفات آپکے اخلاق و عادات اور اعمال و عبادات وغیرہ کا مفصل بیان ہے، اور یہ حصہ تمامتر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے،

تیسرے حصہ مین آپکے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہے، اسمین سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثین کیگئی ہین، پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایت صحیح ثابت ہین، اس کے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کیگئی ہے، قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد ۳ ولایتی ۴ حصہ دوم تقطیع کلان ۳ حصہ دوم تقطیع خورد ۳ دیسی حصہ سوم تقطیع کلان ۳ روپے،

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

ارتقاے ادبیات فارسی
متاخرین کے کلام کے خصوصیات

از پروفیسر نثار احمد صاحب ایم اے

(۲)

ہم اس مقام پر متاخرین کے کلام کی نمایاں خصوصیات دکھائیں گے، اور نیز اُن تغیرات پر بحث کریں گے جو انھوں نے قدماء کے اسٹائل میں پیدا کئے، اسی سلسلہ میں یہ امر خاص طور پر مستحق توجہ ہے کہ سولھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی فارسی شاعری اور نثاری کس راستہ پر جارہی تھی،

پہلے ہم شاعری کو لیتے ہیں، فارسی شاعری رنگ کے لحاظ سے چار ممتاز دوروں میں تقسیم کی جا سکتی ہے،

(۱) متقدمین، (۲) متوسطین، (۳) متوسطین مابعد، (۴) متاخرین، پہلا دور رودکی سے شروع ہوتا ہے دوسرے میں نظامی، خاقانی، تیسرے میں سعدی، وخسرو وغیرہما چوتھے میں فغانی اشرف جہان اور ان کے مقلدین امتیازی درجہ رکھتے ہیں،

شعراے متقدمین کی خصوصیات سادہ خیالات ہیں، اور سیدھا سادہ طرز ادا صنائع وبدائع (خصوصاً صنعت ترصیع) اور کثرت الفاظ ان کے یہاں زیادہ ہیں، متوسطین کے خیالات میں عموماً بلند پروازی، کلام میں زور، اور تشبیہات میں پیچیدگی پائی جاتی ہے، اگرچہ ان میں مابعد کے شعرا مثلاً سعدی وخسرو نے اعتدال برتا ہے، تاہم مضمون آفرینی ان سب کی مابہ الامتیاز ہے، مدحیہ اور عشقیہ مضامین میں سلف نے امکان بھر ہر پہلو کو ادا کردیا تھا، اس پر طرہ یہ کہ تمدن کی ترقی نے مذاق بدل دیا، گلو،

کے ردکے پہلے مضمون نگاہوں میں جنچتے نہ تھے مگر لائیں تو کہاں سے، لامحالہ انھیں مضامین کو تشبیہ کے لباس یا استعارہ کے زیور میں سجا کر پیش کرتے تھے۔ یہ مضمون آفرینی کی ہوس شعرائے متاخرین کے عہد میں انتہا کو پہونچ گئی اور بالآخر یہ نوبت ہوگئی کہ شعر و شاعری معما بن کر رہ گئی، ان کا کلام بالعموم خیالی مضامین، دوراز کار تخیل ابعید استعارات کا گورکھ دھندا ہے جس نے شاعری کو تمامتر معلق اور "کوہ کندن وکاہ برآوردن" کا مصداق بنادیا،

رنگ کے اعتبار سے بعض مستشرقین کی یہ رائے ہے کہ قدما کے دور کو (ROMANTIC)[1] متوسطین کے دور کو (CLASSICAL) اور متاخرین کے عہد کو جدید (MODERN) کہنا مناسب ہوگا،

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلاسیکل شاعری کا دور کس پر ختم ہوتا ہے؟ مستشرقین کا ایک بڑا گروہ مولسنا جامی کو آخری کلاسیکل شاعر قرار دیتا ہے، پروفیسر براؤن اور استاذ الہند علامہ شبلی نعمانی صائب کو مانتے ہیں، اور بعض کی نظر انتخاب علی حزیں پر پڑتی ہے، مگر یہ دیکھتے ہوئے کہ ایک طرف فغانی اور اس کے متبعین، دوسری طرف عرفی، نظیری اور اس کے مقلدین کے رنگ نے ایران کے لٹریچر میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا جس نے فارسی ادب کے قالب میں "جدید روح" پھونک دی، میری ناچیز رائے یہ ہے کہ سولھویں صدی کے آغاز کے ساتھ ہی فارسی کے کلاسیکل دور کا خاتمہ ہوگیا، اور دور جدید شروع ہوا، یہی عہد اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے، دیکھنا یہ ہے کہ اس عہد کی شاعری کے تفصیلی خصائص کیا ہیں؟ مولانا شبلی نعمانی اپنی نادر تصنیف شعر العجم

---

[1] ان دونوں لفظوں کا صحیح مفہوم ادا کرنے کے لئے اُردو میں کوئی لفظ خیال میں نہیں آتا، رومانٹک صفت ہے، اور رومنس سے مشتق ہے جس کے معنی افسانہ کے ہیں، کلاسیکل کلاسکس سے ماخوذ ہے جس کو ادبیات عالیہ سے تعبیر کر سکتے ہیں،

میں (جس سے استفادہ کا براؤن جیسے وسیع النظر کو بھی اعتراف ہے) فرماتے ہیں کہ تیموریہ عجم کے زمانہ تک نازک خیالی شاعری کا نصب العین سمجھی جاتی تھی، لیکن صفویہ کے عہد سے معاملہ بندی یا وقوعہ گوئی کا رواج ہوا، معاملہ بندی کے رنگ کا موجد مرزا شرف جہاں قزوینی وزیر شاہ طہماسپ ہے اگرچہ وقوعہ گوئی کا آغاز سعدی و خسرو کے زمانہ ہی میں ہو چلا تھا، مگر اس میں شک نہیں کہ عہد صفویہ میں اس انداز کو جو مقبولیت نصیب ہوئی وہ شرف جہاں کی بدولت ہوئی وحشی یزدی، علی قلی میلی، علی نقی کمرہ اور ولی قاتی اسی رنگ کا تتبع کرتے تھے، شکر ہے کہ یہ انداز ہندوستان میں مقبول نہ ہوا، اور ہندوستان کی شاعری اس قسم کے مبتذل اور ناپاک خیالات سے محفوظ رہی بدقسمتی سے ہماری اُردو میں ضرور انشا و جرأت جیسے بے فکرے اس طرح کی لایعنی حرکات میں مبتلا ہوئے تاہم مجموعی طور پر فضا مکدر نہیں ہوئی، وقوعہ گوئی کی تمثیل کے لئے ذیل کے اشعار کافی ہوں گے، جو نسبتہً ذرا بلند ہیں،

نہ آشنا و نہ بیگانہ می دانم — کہ اختلاط چنیں را کسے چہ نام کند

پس از عمرے چو بنشینیم بصد تقریب در بزمش — سخن از مدعا من کند تا زود برخیزم

عاشق نشدی زحمت ہجراں نکشیدی — کس پیش تو غم نامۂ ہجراں چہ کشاید

صد بار رنجہ گشتہ ام و صلح کردہ ام — کاں مہ خبر نداشتہ از صلح و جنگ من

با آنکہ بہ پرسیدن ما آمدہ مردیم — کاپاز کہ پرسید رہ خانہ مارا

امتحاں نام نہد دل ستمے کز تو کشد — خویش را چند بہ ایں حیلہ شکیبا دارد

میرم و بر زند گام رحم می آید کہ تو — خو بہ آں بیداد ہا داری کہ با ما کردۂ

شرف جہاں کے حریف فغانی کا طرز (مضمون آفرینی) ہندوستان میں زیادہ مقبول ہوا، اس رنگ کے نامور شعرا میں محتشم شغائی عجم میں اور عرفی و نظیری ہند میں خاص امتیاز رکھتے ہیں یہاں تک کہ ایک وہ زمانہ آیا کہ جلال اسیر، طالب کلیم، شوکت بخاری، قاسم دیوانہ، بیدل، ناصر علی،

وغیرہ نے شعر کو دقت مضمون اور نزاکت تخئیل کے زور سے چیستان بنادیا،

اس مثال پر شعر من حیث الفن کے بابت یہ بحث پیدا ہوتی ہے، کہ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں، لامحالہ یہ کہنا پڑیگا کہ تخئیل و محاکات جسے شاعر مختلف مقدمات میں اپنی ذہن کی جولانی سے ربط پیدا کردیتا ہے یا فرضی تعلق کی بنا پر ایک کو دوسرے کی علت قرار دیتا ہے، اس کو تخئیل کہیں گے کبھی وہ گذرا ہوا واقعہ ہو بہو نقل کردیتا ہے، اس کو محاکات سمجھیئے، مثلاً ہوا میں برگ گل کا ہوا سے حوض میں گرجانا معمولی واقعہ ہے، جسے دنیا نے دیکھا ہوگا، مگر شاعر کو یہ خیال گذرتا ہے، کہ معشوق کے حسن سے منفعل ہو کر بہار اپنا دفتر حسن پانی سے دھو رہی ہے،

برگ گل نیست کہ از باد در آب افتاد ست   دفتر حسن بہارست کہ در عہد تو شست

صائب وغیرہ کی تمثیلیہ شاعری زیادہ تر اسی انداز پر قائم ہے،

یا عاشق پر اکثر یہ حالت گذرتی ہے کہ وہ دل ہی دل میں معشوق کی بے اعتنائیوں پر شکوہ سنج اور بیزار ہو جاتا ہے، پھر اس کی ذاتی مجبوریوں کا خیال کرکے اس کو بے قصور قرار دیتا ہے، اور اپنا دل اس کی طرف سے صاف کرلیتا ہے، یہ واردات قلب شاعر وغیر شاعر دونوں پر گذرنی ممکن ہیں مگر اسکو اداکرنے کے ملئے شاعر اور صرف شاعری کی زبان کام دے سکتی ہے،

کاں بے خبر نداشتہ از صلح و جنگ من   صد بار رنجہ گشتہ ام و صلح کردہ ام

پہلا شعر تخئیل کی مثال ہے، اور دوسرا محاکات کی،

ان مثالوں سے اجمالی طور پر تخئیل و محاکات کی حقیقت ذہن نشین ہو گئی ہوگی، اب ایک باکمال شاعر کا فرض ہے کہ دونوں کو اس خوبی کے ساتھ مصرف صحیح میں استعمال کرے کہ نہ تخئیل نری ہوا بندی معلوم ہو، نہ محاکات محض نقالی، ظاہر ہے کہ تخئیل واقعیت کے بغیر طلسم باطل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، اور محاکات خیال بندی کے بغیر تحصیل حاصل کے سوا کوئی خوبی نہیں رکھتی، اگر

ممدوح سے کہا جائے کہ کسی شہر میں تھر پر آپ کے بادپا کی شبیہ بنی ہو اور کوئی شخص تازیانہ کا نام زبان پر
لائے تو تصویر اڑ جائیگی تو اس مدح کو عاقل ہجو ملیح قرار دیں گے، اسی طرح اگر محبوب سے کوئی شاعر کہے، کہ

دندان تو جملہ در دہانند　　　چشمان تو زیر ابروانند،

تو ایسی تعریف کو لوگ منہ چڑھانا کہیں گے،

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں عناصر کی حکیمانہ ترکیب پر شاعری کا مدار ہے، اور یہ امر کہ کس
موقع پر کون سا عنصر نمایاں رہے شاعر کے مذاق صحیح پر موقوف ہے، اگر بے اعتدالی برتی گئی اور
ان دونوں میں سے کوئی عنصر غائب ہو گیا یا ضرورت سے زیادہ غالب ہو گیا تو یوں سمجھو کہ شاعری کی
"جان شیریں"، "قالب" سے رخصت ہو گئی۔

اگرچہ تخئیل و محاکات کے مدارج نہایت نازک اور ان کے اصول خالص وجدانی ہیں تاہم
اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ (غزل میں) صوفیانہ، فلسفیانہ، اخلاقی، مثالیہ، عشقیہ شاعری کے اندر تخئیل کی
چاشنی زیادہ ہونی چاہئے، اور (قصیدہ و مثنوی میں) مناظر قدرت، رزم و بزم کے مضامین ادا کرتے
وقت محاکات کی،

ہم ان بے اعتدالیوں کے نقائص پر بعد کو کسی قدر روشنی ڈالیں گے۔ اس وقت یہ بتا دینا
کافی ہے کہ سولھویں صدی میں ایران و ہندوستان میں فارسی شعراء کے جو دو اسکول (شرف جہانی
اور فغانی) ہو گئے تھے ان میں سے پہلے نے صرف محاکات کو لے لیا، اور دوسرے نے صرف تخئیل کو
شرف جہاں کے مقلدین کا حال آپ مختصراً سن چکے، اب فغانی کے متبعین کو لیجئے، جن کا انداز ہندوستان
میں صدیوں تک مقبول رہا،

یہ شعراء تخیل کے بادشاہ ہیں، اور نادر تشابیہ اور لطیف استعارات میں بڑی دستگاہ رکھتے
ہیں، اس میں شک نہیں کہ تشبیہ و استعارہ کی بدولت مضمون زیادہ واضح اور پر اثر ہو جاتا ہے

مثلاً کسی حسین آدمی کا وصف کرتے ہوئے اگر یہ کہیں کہ اس کا چہرا آفتاب کی طرح ہے تو عبارت کا زور بڑھ جائیگا، اور اگر ترقی کرکے یہ کہدیں کہ آفتاب طلوع ہوگیا (چہرہ نمودار ہوا) تو مضمون کا اثر اور زور حد کمال کو پہونچ جائیگا، قدما کے کلام میں اس قسم کے استعارے اور تشبیہیں بہت ہیں متوسطین (خصوصاً نظامی و خاقانی) کی فلک پیما تخیل نے ان پر قناعت نہ کی اور ذہانت وتلاش سے نئے مضامین ایجاد کئے، انھوں نے مرکب تشبیہوں اور پیچیدہ استعاروں سے ایک حیرت انگیز اور ہوش ربا طلسم بنا کر کھڑا کیا، مگر دقت یہ ہوئی کہ تخیل کی اس بھول بھلیاں میں اکثر واقعیت کا سراغ لگانا مشکل ہوگیا، مولانا نظامی نے نوشابہ کے لب کو یاقوت سے مشابہت دینے پر اکتفا نہ کی بلکہ اس کے تکلم کو ایک عجیب اسلوب سے تعبیر کیا فرماتے ہیں :- "زیاقوت سربستہ بکشا د بند"

روزانہ کا فرسودہ منظر، سورج کا نکلنا اور ستاروں کا چھپنا دنیا نے دیکھا ہوگا، لیکن شاعر کی قوت متخیلہ اس معمولی سی واردات کے ادا کرنے کے لئے نئے میدان تلاش کرتی اور نادر پیرائے ایجاد کرتی ہے، "کلیچہ شد آں سیم گاورس زار"، اسی طرح رات کا آنا اور سورج کا ڈوبنا دیکھو، (مولانا نظامی)

چو یاقوت خورشید را دزد برد | بہ یاقوت جستن جہاں پے فشرد
بہ دزدی گرفتند مہتاب را | کہ ایں برد آں جوہر تاب را

اب متاخرین کے دور میں تہذیب و تمدن میں بہت ترقی ہوگئی تھی اور اسباب تعیش کی ہر طرف فراوانی تھی، اس وجہ سے ان کی قوت تخیل نے اگلوں کی پامال روش پر چلنا اور پرانے اسلوب بیان کو برتنا پسند نہ کیا، امحال خیالی اور فرضی استعارات ایجاد کئے گئے اور بناء الفاسد علی الفاسد استعارہ در استعارہ سے کام لیا گیا اور اس طریقہ سے شاعری کی زمینوں میں مجاز کے گھوڑے دوڑنے لگے، یہ نیا انداز بیان لطیف ہونے کے ساتھ جب تک قریب الفہم رہا کچھ مضائقہ نہ تھا،

لے خاقانی اور ان کے معاصرین کے قصائد ایسے بعید استعارات سے مالا مال ہیں،

گھوڑے کی تعریف میں اس کا مبالغہ ملاحظہ ہو،

آن سبک سیر سمندے کہ چو گرمش سازی		از ازل سوی ابد و ز ابد آید بہ ازل

قطرہا کش دم رفتن چکد از پیشانی،		شبنم آساش نشیند گہ رجعت بہ کفل

ظہوری | بس آفتاب کہ در سایۂ دل افتادست		ازینکہ سینہ بداغش مقابل افتادست

کبھی یہ شعرا انتہاے اجمال سے کام لیتے ہیں، گویا دریا کو کوزے میں بند کرتے ہیں، مضمون کی باقی کڑیوں تک عوام کی نظر نہیں پہونچتی اور شعر پیچیدہ ہو جاتا ہے، دیکھو عرفی ایک مضمون ادا کرنا چاہتا ہے، ایک شعر کفایت نہیں کرتا آخر دو شعروں کا قطعہ لکھتا ہے، تاہم اصل خیال مبہم کا مبہم رہتا ہے،

از بس شرف گوہر تو منشیِ تقدیر		آن روز کہ بگذاشتی اقلیم عدم را

تا حکم نزول تو دریں دار نوشت		صدرہ بعبث باز تراشیدہ قلم را

قدسی کا شعر ہے،

عیش ایں باغ بہ اندازہ یک تنگدل است		کاشکی گل غنچہ شود تا دل ما بکشاید

اس اختصار پسندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ شعرا مشکل گوئی پر اُتر آئے چنانچہ دور اکبری کے بعد کی شاعری میں تو سلاست او صفائی عام طور پر ناپید ہو گئی اور مشکل پسند شاعروں کی لے تمام ملک میں مقبول ہو گئی، اشعار ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے،

برنگ آمیزی گلہاے نیرنگی ہمینم بس		کہ ہر برگ گلے آئینۂ دیدار خود کردم

کف پاے حجلہ نشیں ما بخیال کرد کمیں ما		پے آرزوے حسیں ماز چراغ رنگ حنا طلب

زلکنت می تپد نبض لب لعل گہر بارش		شہید انتظار جلوۂ خویش است گفتارش

یہی رنگ اُردو میں مومن و غالب کے یہاں نمایاں ہے، جو طرز بیدل کے پیرو تھے، مگر اردو کی خوش قسمتی کہنا چاہئے کہ اس رنگ کو حسن قبول نہ ملا،

یہ تھا متاخرین خصوصاً مقلدین فغانی کی شاعری پر مختصر تبصرہ،

ہمیں سچائی سے اعتراف کرنا چاہئے کہ انکی تخئیل نہایت بلند اور لطیف تھی، اگرچہ بعض صورتون میں بے اعتدالی کی حد تک پہونچ جاتی تھی،

اب متاخرین کی زبان کو لیجئے، پروفیسر براؤن کی راے ہے کہ گذشتہ چند صدیوں سے ایران کی شاعری زبان و مضمون دونوں کے اعتبار سے "جامد" ہو کر رہگئی ہے، ہمیں اس کے پہلے حصے سے کم از کم ضرور اتفاق ہے، زبان متاخرین کے زمانہ میں اس قدر شستہ اور لطیف ہو گئی تھی کہ ابتک باجود مرور ایام اُس میں بہت کم تغیر کی ضرورت پڑی ہے، بقول مولانا شبلی مغفور متاخرین کے احساس لطافت نے زبان کو اس قدر صاف کر دیا تھا کہ ابتک ان کے زمانہ کا ایک لفظ بھی متروک نہیں ہوا، اگرچہ آج تک ایران کی شاعری سیاسی حالات کی بنا پر بہت کچھ بدل گئی ہے، تاہم شاعری کی زبان تقریباً نہیں بدلی،

زبان کی صفائی یوں تو تمام متاخرین کا خاصہ ہے، مگر فغانیوں کی مساعی اس امر میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، فغانی کے پیرووں نے نئی تراکیب اور نئے الفاظ استعمال کئے، اور فارسی زبان کو وسعت دی، اس طریقہ سے بڑے سے بڑا مضمون چھوٹی سے چھوٹی بندش کے ذریعہ سے ادا ہو سکتا تھا، عرفی اور فیضی، کے یہاں اس قسم کی تراکیب زیادہ ہیں،

عرفی

بہ برقع مہ کنعان کہ بود حسن آباد	بہ حجلہ گاہ زلیخا کہ بود یوسف زار
بہ نخل وعدہ تراشش قناعت عیاش	بصدق تنگ معاشش و خوش مدا حرار
بہ طائراز نی سنج بے اثر نغمہ،	بہ لن ترانی ہم ذوق مژدۂ دیدار

فیضی کی نعت پڑھو اور ذیل کی بندشوں پر غور کرو،

آن مرکز دور ہفت جدول	گرداب پسین و موج اوّل

مگر عہد اکبری کے بعد مضمون آفرینوں کی ایک جماعت پیدا ہوئی جس نے شاعری کو گورکھ دھندا بنا دیا، شعر کی تعریف یہ کیجاتی تھی کہ اس سے "نفس" کو "انبساط یا انقباض" ہو لیکن جلال اسیر، شوکت بخاری، بیدل، وغیرہ کے کلام سے "طبیعت" کو تو ضرور "انقباض" ہوتا ہے باقی خیر صلاح، گویا اس دور کا کلام بجائے اس کے کہ قلب کی تفریح کا ذریعہ ہو دماغ کی مشق کا سامان بہم پہونچاتا ہے اور اس کی تہ کو پہونچنے کے لئے اسی کد و کاوش کی ضرورت ہوتی ہے، جو ایک مسئلہ ریاضی کے حل کرنے کیلئے درکار ہے، نظم پر موقوف نہیں، بیدل وغیرہ کی نثر میں بھی یہی عالم نظر آتا ہے، خود فیضی و عرفی کے معاصر ظہوری کی تصانیف دیکھ جاؤ، تصنع اور اغلاق کے سوا کچھ نہ پاؤ گے، ہیں ان باکمالوں کی خصوصیت یا اُن کے کمال سے انکار نہیں، مگر یہ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس روش خاص نے اس دور میں خاقانی جیسے تو بہت پیدا کر دیئے، مگر سعدی جیسا ایک بھی پیدا نہ کیا، غرض یہ کہ اس طریقہ سے نفس مضمون واضح اور ذہن نشین ہونے کے عوض اور تاریک و مبہم ہو گیا اور تشبیہ جو محض مقصود بالغیر تھی، مقصود بالذات بن گئی،

عرفی و نظیری تک یہ صفت حد اعتدال سے تجاوز نہیں کرنے پائی تھی، عرفی لکھتا ہے:-

به عرضه دادن شوق و به آب شستن پای — بہ تیاری توفیق و رنگ دادن کار

بہ مردمی کہ بود ہم طویلۂ عنقا — بہ محرمی کہ بود ہم قبیلۂ اسرار

فیضی نے بھی زمین شعر میں تشبیہ اور استعارے کے دریا بہا دیئے ہیں، حمد میں کہتا ہے:-

آں نقش کہ دانش نمونہ — کلکش زدہ نعل واژگونہ

تابش نہ بود بہ چشم بینا — کیں سے بگداز داو بہ بینا

ہم پاشنہ ریش و ہم کف آماس — چوں پائے نہم بہ دشت الماس

نظیری لکھتا ہے:-

دامن کشاں چو ابر بہ گلزار می رود تا آب نرگس کہ و برق گیاہ کیست

اس قوت تخئیل کو اگر صحیح راستہ پر ڈالا جاتا تو یقیناً کارآمد ہوتی مگر تخئیل کے بیجا مصرف نے شعر کی سادگی اور واقعیت کو تمام تر مسخ کر دیا، ظہوری لکھتا ہے،

گل داغش کسے را رستہ از شاخ کہ چوں نے استخوانش گشتہ سوراخ

جلال اسیر کہتا ہے:۔

شعلہ با داغ جگر می چکد از ابر جنوں لالۂ بوقلموں سایۂ پرواز من است

بیدل لکھتے ہیں،:۔

مرغوا اے کہ نرگس او کند نگاہے ز کنج ابرو،

ز داغ خود ہچو چشم آہو بناز چشمک زند پلنگش ،

غنی کا شعر ہے،:۔

تا دید سر برہنگی طفل اشک ما دریا بدست موج کلاہ حباب دوخت

ان دور از کار تشبیہات اور استعارات کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلام پیچیدہ ہو کر معما بن گیا، یہ پیچیدگی کم و بیش تمام مقلدین فغانی کے یہاں پائی جاتی ہے،

اس کے علاوہ اغلاق کے کچھ اور اسباب بھی پیدا ہو گئے، ان شعرا کی پرواز تخئیل ان کو واقعیت کی سطح پر اترنے سے مانع آتی تھی، اور لامحالہ معمولی مضامین کے لئے اغراق و غلو کے اسالیب تلاش کئے جاتے تھے جس کے باعث شعر بعید الفہم اور بے مزہ ہو جاتا تھا، یہ عیب تقریباً تمام فغانیوں میں موجود ہے خواہ ایرانی ہوں یا ہندوستانی، ہم شعرائے ہند کے دو تین اشعار پر اکتفا کریں گے،

عرفی کہتا ہے:۔

سایۂ من ہچو من در ملک ہستی اُمّت سایۂ تو در عدم پیغمبر ہمتائے من

دور از حقیقت اور مبالغہ آمیز ہو، سی قدر نادر، دلکش اور پر زور ہوگا۔ چون اکذب اوست احسن او،

مثال کے طور پر دیکھئے (ان مثالوں میں سے بعض میں تو خالص مبالغہ ہے، اور بعض میں کسیقدر

واقعیت ہے تو سہی لیکن تخیل بیحد نامانوس اور پیچیدہ ہے)

عرفی۔ زین خجالت چون دل آیم کز دل موج خون — نو عروسانِ غمت را موکشان انداختہ

نو حیرت در شب اندیشہ اوصاف تو — بس ہمایون مرغ عقل از آشیان انداختہ

من کہ باشم کہ عقل کل را ناوک انداز ادب — مرغ اوصاف تو از اوج بیان انداختہ

از خواہش دینا الم آشوب نگردم — زین باد پریشان نکنم زلف الم را

بجائے خون خورشش در رحم گر مے بود — کہ مست شد متولد ز بوستان نرگس

فیضی۔ از سبزۂ تر بچشم مینا — مستانہ ہوا شکست مینا

در دیدہ دری چشم بلبل — زد میل بہ سرمہ شاخ سنبل

نظیری۔ اگر نہ آفت سر مادر خست امین دید — چرا ست شعلہ بیضا بدست موسیٰ را

سنائی مشہدی۔ چنان ناز بار دز پا تا سرش — کہ رفتن تو آن ناز از بسترش

عزیز اللہ قزوینی۔ سبزۂ خط رستہ از لعل لبش با آب و تاب — زانکہ دائم می خورد از چشمہ خورشید آب

نشانی۔ ترا تا سبزۂ خط بر لب جان بخش پیدا شد — مسیحا بود تنہا خضر ہمراہ مسیحا شد

خان اعظم۔ باریک چو موئیست میانے کہ تو داری — گویا سر آن موست دہانے کہ تو داری

جیسا کہ آپ اوپر پڑھ گئے ہیں، اس رنگ نے ہندوستان میں بہت مقبولیت حاصل کی

اور آخر میں مسخ ہو کر شاعری کی جو صورت ہو گئی وہ یہ ہے:-

بیدل۔ بخیال چشم کہ میزند قدح جنون دل تنگ ما — کہ ہزار میکدہ می دود برکاب گردش رنگ ما

جہاں جنونِ بہارِ غفلت ز نرگس سرمہ سائی دارد — زہر بن مو بخواب نازیم دمحمل ما تماشا دارد

غنی، | تواند صورتے دادن خیالِ آں پری رو را مصور گر کند از بال عنقا خامۂ مو را

ان اصولی نقائص کے سوا متاخرین (جنہیں مقلدین فغانی بجا طور پر زیادہ بدنام ہیں) کے کلام میں ایک عیب یہ بھی تھا کہ وہ ایہام سے بہت کام لیتے تھے، وہ ذو معانی الفاظ استعمال کرتے تھے، اور بعید معنی مراد لیکر اس کمزور نیو پر مضمون کی عمارت کھڑی کر دیتے تھے، سامع کا ذہن پہلے قدرۃً معنی قریب کی طرف منتقل ہوتا تھا، مگر لفظ کا سیاق وسباق آخر اصل مضمون کی جانب رہنمائی کر دیتا تھا، اور اس طریقہ سے شعر میں ایک ندرت پیدا ہو جاتی تھی،

اگرچہ عام طور پر متاخرین صنائع سے نفور تھے تاہم نادر خیالات ایجاد کرنے کے شوق میں انکو ایہام سے کچھ عار نہ تھا، مثلاً لفظ آب (جس کے معنی پانی، تیزی، چمک وغیرہ کے ہیں) کی مدد سے پورا شعر بنالیا،

مستانہ کشتگانِ تو ہر سو فتادہ اند تیغ ترا مگر کہ بمے آب دادہ اند

مگر مطلب دیکھو تو خاک نہیں، کس قدر حسیت و بلند مطلع تھا مگر حاصل وہی ڈھاک کے تین پات عرفی لکھتا ہے،

دہانِ یار بامن دوش رمزے گفت پنہانی کہ من سرچشمۂ آب حیاتم ہیچ می دانی

غنی کہتا ہے،

حسن سبزے بخط سبز مرا کرد اسیر دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

مشہور ہے کہ یہ ایک شعر پورے دیوان پر بھاری ہے، لیکن لفظ سبز کو ہٹا دو تو شعر کی تمام عمارت زمین پر آرہیگی، کیونکہ ہمرنگ کے لفظ کا جس قدر زور ہے، سب بے کار ہو جائیگا،

ظاہر ہے کہ سبز کا لفظ جو مجازاً یا بطور محاورہ مستعمل ہوا ہے، سارے شعر کی جان ہے، اس کے دور کرتے ہی ایہام کا لطف جاتا رہیگا، یہی باعث ہے کہ اس قسم کے اشعار ترجمہ کی صلاحیت نہیں رکھتے اور اگر

چابک قدم بساط افلاک والا گہر محیط لولاک

مشعل نہِ پیش گاہ اقرار آتش زنِ دودمان انکار

نظیری کا شعر ہے:-

اثرِ عتاب برون زدل ہم اندک اندک بہ بدیہہ آفریدین بہ بہانہ سازکردن

نظیری اور کلیم وغیرہ کے کلام میں محاورات کی مثالیں بھی بکثرت ہیں، جو معمولی تلاش سے مل سکتی ہیں،

البتہ اس بات کی شکایت ہے کہ اُنھون نے دوسری زبانوں کے قبول کرنے میں عموماً تعصب برتا اور توسیعِ زبان و اسلوب کی طرف کم توجہ کی، ایرانی ہندوستان کے معاملہ میں اکثر متعصب واقع ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عرفی نے ہندوستان میں عمر گذار دی مگر اس کے کلام میں جگر کے سوا مشکل سے کوئی ہندوستانی لفظ ملے گا، یہی حال (بجز کلیم کے) دوسرے شعرا کا ہے، زبان کی صفائی کے علاوہ ایک اور خاص بات بھی ہے جو فغانیوں اور شرف جہانیوں (متاخرین) دونوں کے کلام میں مشترک ہے وہ یہ کہ یہ شعرا متقدمین و متوسطین کے برخلاف عربی جملے اور تراکیب کم استعمال کرتے ہیں، جس کا سبب حسب تصریح علامہ شبلی یہ ہے کہ اس زمانہ میں ایران کی حکومت عرب کے اثر سے آزاد ہو چکی تھی، فیضی جوشِ مولویت کی بنا پر اپنے ابتدائی کلام میں عربیت کی جھلک دکھا جاتا ہے، مگر آخر میں شعرائے عجم کی صحبتوں میں وہ رنگ قدیم پھیکا پڑ جاتا ہے،

صنائع لفظی بھی ان کے یہاں شاذ کے حکم ہیں، "ائق صد مبارکباد ہے کمال اسمعیل جس نے قدما کے اس رواج کے خلاف عملاً سب سے پہلے احتجاج کیا،

متاخرین کی شاعری کے نقائص،

ان تمام باتوں کے باوجود متاخرین کے کلام میں بعض نقص بھی موجود تھے، ابھی بیان ہو چکا ہے

کہ شرفِ جہاں کے طرز نے ملک کا مذاق پست کر دیا عشق و محبت کا بلند نصب العین ترک کر دیا گیا، اور تعیش پسند شعرائے عجم معاملہ بندی یا دقوعہ گوئی پر مائل ہو گئے، معاملہ بندی کا مفہوم کیا تھا؟ ان واردات وصل و ہجر کا بیان کرنا جو ایک دنیوی عاشق کو واقعتہً پیش آتی ہیں، عشق حقیقی تو درکنار مجازی محبت اور وہ بھی آلودۂ ہوس، صرف یہی نہیں بلکہ اس کے وہ حیاسوز واقعات جن کو نثر میں ادا کرتے ہوئے آدمی جھجکے، بے دھڑکے یہ شاعری کی کائنات رہ گئی،[1]

یہ قوتِ محاکات (جو بڑا ایک قابل قدر صفت ہے) فغانیوں کی قوت تخیل کی طرح رائگاں گئی، اور علم و ادب کی صحیح خدمت سے قاصر رہی،

اب رہی مقلدین فغانی کی مضمون آفرینی یا خیال بندی وہ بھی (جیسا کہ مکرر عرض کیا جا چکا ہے) دور از کار مبالغوں اور بعید استعارات میں اُلجھ کر رہ گئی، ہم ابھی صراحت کر چکے ہیں کہ محاکات اور تخیل دونوں شاعری کے ضروری عناصر ہیں، شاعر کا کمال فن یہ ہے کہ ان دونوں کو متناسب اور معتدل انداز سے صرف کرے، اس میں بے اعتدالی یا ترکِ حفظ مدارج شعر کو مذاق صحیح سے گرا دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ شعرا (جو اس تناسب کو ملحوظ نہیں رکھتے) کسی منظر یا معرکہ کا بیان کرتے وقت محاکات کا پہلو نظر انداز کر جاتے ہیں، اور تخیل کے افسوں سے ایسی نظر بندی کر دیتے ہیں کہ لوگوں کو گمان ہوتا ہے کہ ہم کسی دوسری دنیا میں پہونچ گئے ہیں، یا اپنے ممدوح یا محبوب کا وصف کرتے ہوئے خیالات کا وہ طلسم باندھتے ہیں کہ ہر طرف مبالغہ اور تصنع کا مرقع دکھائی دیتا ہے،

پہلے انداز میں واقعیت تو تھی، یہاں نہ بھی سرے سے ندارد، گویا سب سے عمدہ وہ شعر ہوتا تھا جس میں تخیل سب سے زیادہ اور بلند ہوتی تھی، اور تخیل کا مفہوم یہ قرار دیا گیا تھا کہ جس قدر بعید

---

[1] اسی زمانہ اور اسی ماحول میں فارسی شاعری میں واسوخت کی بنیاد پڑی مگر آیندہ اس طرز کو ترقی نصیب نہ ہوئی،

ترجمہ کیا جائے تو سرتاپا مضحکہ بن جائیں،

یورپ کے مشرق شناس ایجاد کے اس غلط استعمال پر بجا طور پر بہت ناک بھوں چڑھاتے ہیں کیونکہ وہ اس قسم کے ذومعانی الفاظ کی خوبی کا اندازہ نہیں کر سکتے، اسی سلسلہ میں متاخرین کی زبان کی نسبت اسقدر اور بتانا ضروری ہے کہ وہ قصائد میں بھی غزل کی لطیف اور شیریں زبان کو استعمال کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس دور کی مدحیہ نظموں میں تغزل کا انداز اور رزم میں بزم کا جلوہ نظر آتا ہے، گو اس زمانہ میں اکثر رزمیہ مثنویاں لکھی گئیں، لیکن جو بات سکندر نامہ یا شاہنامہ کو نصیب تھی حاصل نہ ہو سکی، قوم کی معاشرت اور زبان بلکہ ہر چیز پر تعیش پسندی چھا گئی تھی، یہی سبب تھا کہ اس عہد میں اگر کسی مثنوی نے قبول عام پایا بھی تو فیضی کی عشقیہ مثنوی نل دمن، نے یہی حشر قصیدہ کا ہوا، عرفی کے سوا اکبری عہد کا کوئی شاعر قصیدہ گوئی میں سلف کے قدم بقدم نہ چل سکا، تمدن کی لطافت نے قصیدہ کو غزل بنا دیا، اب اگر لکھتے بھی ہیں تو وہی رنگ جھلکتا ہے جو اردو میں امیر و داغ کے قصائد میں ہے، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

عرفی

کجا بحسن شود با تو ہم عنان نرگس　　تو چشم عالمی و چشم بوستان نرگس

اگر بصحن چمن فی المثل شجاعت او　　دہد نہیب کہ ہیں یاسمیں دہان نرگس

چو عکس لالہ زند یاسمیں در آب آتش　　چو شاخ بید کشد خنجر از میان نرگس

یا

صباح عید کہ در تکیہ گاہ ناز و نعیم　　گدا کلاہ نمد کج نہاد و شہ دیہیم الخ

اسی طرح نظیری کا قصیدہ پڑھو،

پس از ادائے نماز حج و رسوم عباد　　بسیر عرصۂ گجرات اتفاق افتاد

عرفی اس زمانہ کے قصیدہ گویوں میں سب سے[1] بہتر ہے، مگر جیسا کہ ہم نے اوپر نقل کیا ممدوح کی شجاعت اس سے زیادہ نہ بیان کر سکا اگر یہ مضمون متوسطین میں کسی کے یہاں بیان ہوتا تو دیکھتے کہ زمین و آسمان میں تہلکہ پڑ جاتا،

سچ پوچھو تو یہ دور غزل کا دور ہے، اور اس عہد کی غزل ہر مضمون پر حاوی ہے، ان تمام امور کی تفصیل ہم آگے چلکر کریں گے،

[1] اس دور میں عرفی قصیدے کا، نظیری غزل کا، فیضی مثنوی کا بادشاہ ہے، ہم کسی موقع پر ہر ایک کی خصوصیات پر بحث کریں گے،

فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ پر ایک اجمالی نظر

از جناب احمد تیمور پاشا

مترجمہ: سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

مذہب حنبلی،

مذہب حنبلی امام احمد بن حنبل شیبانی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے، جنکی ولادت ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی، اور وہیں ۲۴۱ھ میں وفات پائی، ان کی ولادت کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ مرو میں پیدا ہوئے اور ایام شیر خواری میں بغداد لیجائے گئے، وہ امام شافعی کے ارشد تلامذہ میں تھے، جو ان کے مصر جانے سے پہلے تک برابر ان کے ساتھ رہے، عام سنی مسلمانوں کا جن مذاہب پر عمل ہے انمیں یہ چوتھا مذہب ہے اور اس کی نشو و نما بغداد میں ہوئی، پھر یہیں سے دوسرے مقامات میں پہونچا لیکن اس کی اشاعت دیگر مذاہب ثلاثہ کی طرح نہ ہوسکی[۱] ابن فرحون دیباج میں کہتا ہے "امام احمد بن حنبل رضی کا مذہب پہلے بغداد میں پھیلا پھر شام کے اکثر شہروں میں پھیل گیا، لیکن اس وقت (یعنی آٹھویں صدی میں) اس کو زوال آگیا ہے" اور ابن خلدون کہتا ہے "امام احمد بن حنبل کے متبعین کی تعداد کم پائی جاتی ہے، کیونکہ یہ مذہب، اجتہاد اور معارض حدیثوں کی تطبیق دینے میں بہت پیچھے ہے، اس کے متبعین شام، عراق اور خصوصاً بغداد اور اس کے نواحی میں بہت زیادہ ہیں، یہ لوگ دوسروں کی

---

[۱] الفوائد البہیہ،

بہ نسبت روایت حدیث اور سنن نبوی کے زیادہ حافظ ہوتے ہیں،

یہ مذہب مصر میں ایک مدت کے بعد یعنی ساتوین صدی میں پھیلا علامہ سیوطی حسن المحاضرہ میں ان الفاظ میں اسکی توجیہ کرتے ہیں ،، یہ لوگ دیار مصر میں بہت کم ہیں چنانچہ وہاں کے حالات میں ساتویں صدی کے پہلے اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، اس کی وجہ یہ ہے، کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ تیسری صدی میں گذرے ہیں، اور ان کا مذہب تیسری صدی کے بعد چوتھی صدی میں عراق سے باہر نکلا، اور یہ وہی زمانہ ہے جبکہ مصر پر عبیدیین کو تسلط حاصل تھا جنھوں نے تمام مذاہب اہل سنت کے ائمہ و فقہا کو قتل اور جلا وطن کرکے مصر کو ان سے خالی کرالیا، اور اپنے مذہب رفض کو قائم کیا، یہ حالت چھٹی صدی کے اواخر تک قائم رہی، اور پھر مذاہب اہل سنت مصر میں پہونچے، اور سب سے پہلے حنبلی امام جو مصر میں داخل ہوئے وہ حافظ عبدالغنی مقدسی صاحب العمدہ ہیں،

اور مقریزی اپنے خطط میں لکھتا ہے ،، مصر میں عہد ایوبیہ میں حنفی اور حنبلی مذہبون کا کچھ زیادہ تذکرہ نہ تھا، لیکن اس عہد حکومت کے اواخر میں مصر میں مذہب حنبلی کو فروغ حاصل ہوا،

پھر جیسا کہ السبل الوابلہ میں ہے کہ:- قاضی عبداللہ بن محمد بن عبدالملک حجادی کے زمانہ میں ـــ جو ۳۸ھ میں مصر میں مذہب حنبلی کے عہدۂ قضا پر مامور تھے، اور ۶۹ھ میں وفات پائی ـــ اس مذہب کی عام اشاعت ہوئی[1]،

اور مقدسی کا بیان ہے کہ:- یہ مذہب چوتھی صدی میں بصرہ، اقلیم اقور، دیلم، رحاب، اور اقلیم خوزستان میں سے سوس میں موجود تھا، اور بغداد میں اس کو اور مذہب اہل تشیع کو غلبہ حاصل تھا، اسی سلسلہ میں مصر کے متعلق لکھتا ہے کہ اسکے زمانہ میں مصر میں مذہب فاطمی کی فقہ کے مطابق فتوے دیئے جاتے تھے لیکن فسطاط میں تمام مذاہب کو غلبہ حاصل تھا، اور وہیں کرامیوں کا ایک محلہ تھا، اور معتزلہ اور حنابلہ کا بھی شور و غوغا تھا،

---

[1] السبل الوابلہ علی ضرائح الحنابلہ لمحمد بن حمید مکی، حنابلہ کے طبقات میں ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ اس مذہب کی اشاعت عام شہروں میں ہوئی، لیکن اس کے متبعین کی تعداد ہر زمانہ میں کم رہی چنانچہ خفاجی اپنی ریحانہ میں زین الدین محمد انصاری خزرجی کے ترجمہ میں لکھتا ہے،

"انھوں نے امام احمد بن حنبل کے مذہب میں تفقہ حاصل کیا، چنانچہ یہ اپنے تلامذہ کے لئے ایک شیرین چشمہ تھے اور حنابلہ ہر زمانہ میں نہایت قلیل تعداد میں رہے، اور معززین کے ساتھ ہمیشہ یہی ہوتا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے،

یقولون لی تدقل مذہب احمد — وکل قلیل فی الانام ضئیل

لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ امام احمد کا مذہب کم ہو، اور ہر کم لوگوں میں حقیر ہے،

فقلت لھم مھلاً غلطتم بزعمکم — الم تعلموا ان الکرام قلیل

میں نے لوگوں سے کہا کہ بس، تم نے اپنے خیال میں غلطی کی ہو کیا تم نہیں جانتے کہ شرفاء کم ہیں،

وما ضرنا انا قلیل وجارنا — عزیز وجار الاکثرین ذلیل"

اگر ہم تھوڑے ہیں تو کوئی حرج نہیں، ہمارے پڑوسی غالب ہیں، اور اکثر لوگوں کے پڑوسی ذلیل ہیں،

ہم کسی ملک میں اس مذہب کے غالب ہونے کا حال نہیں جانتے سوائے اس کے کہ اس وقت بلاد نجد میں اس کو غلبہ حاصل ہے، اور چوتھی صدی میں بغداد پر مستولی تھا، اور خصوصاً ۳۲۳ھ کے لگ بھگ کے سنوں میں یہ وہاں اپنے پورے شباب پر تھا، کیونکہ ابن اثیر اسی سنہ کے حوادث میں لکھتا ہے،

اسی سنہ میں بغداد میں حنابلہ نے قوت پکڑی اور انھیں اس قدر اقتدار حاصل ہوا کہ سپہ سالاروں اور عام لوگوں کے گھروں کو بند کر دیتے، اگر کہیں نبیذ پا جاتے تو اس کو لنڈھا دیتے، کوئی مغنیہ پاتے تو اس کی خبر لیتے، اور اس کی ساز و سارنگی توڑ پھوڑ دیتے، بیع و شرا پر معترض ہوتے، اگر مردوں کے ساتھ عورتوں اور لڑکوں کو چلتے ہوئے دیکھتے تو تعارض کرتے اور جو عورتیں اور لڑکے ساتھ ہوتے ان کے متعلق تحقیق کرتے کہ دونوں میں کیا تعلق ہے، اگر بتانے سے گریز کیا جاتا تو پھر ان مردوں کی

خبر لیجاتی، اور انھیں پولیس کے پاس لاکر ان پر حیا سوزی کا الزام لگایا جاتا، یہاں تک کہ بالآخر جمادی الآخرہ میں صاحب الشرطہ بدر الخرشنی کو یہ کارروائی کرنی پڑی کہ وہ ابو محمد بربہاری حنبلی کے تلامذہ کے پاس آیا اور اعلان کر دیا کہ "دو حنبلی ایک ساتھ جمع نہ ہوں، اور نہ اپنے مذہب کے متعلق مناظرہ کریں"، اسکے بعد کہتا ہے "لیکن صاحب الشرطہ کی یہ کارروائی کچھ سودمند ثابت نہ ہوسکی، بلکہ ان کے فتنہ و فساد میں اور اضافہ ہوتا گیا، اس کے بعد ان لوگوں نے ان اندھوں پر اثر ڈال کر جو مسجدوں میں رہتے تھے اپنا ہم آہنگ بنایا، چنانچہ ان اندھوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا، کہ جب کوئی شافعی المذہب ان کے نزدیک سے گذرتا اس کو ڈنڈوں سے بسا اوقات اس طرح مارتے کہ مرجانے کا خطرہ ہوتا، اس بنا پر خلیفہ راضی کا فرمان جاری ہوا کہ جسمیں حنابلہ کے اس فعل پر اعتراض کیا گیا تھا" اور اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ اس قسم کے فتنے صرف عوام کی عصبیت کا نتیجہ تھے، اور اکثر ان کا تعلق ان عقائد سے تھا جن میں اور لوگ ان کے مخالف تھے، کیونکہ اصولاً حنبلیوں کے خاص خاص عقائد ہیں جو اور لوگوں سے الگ ہیں[1]،

مذہب حنبلی اور مذاہب متکلمین

تاج سبکی اپنی طبقات میں لکھتا ہے، کہ "متقدمین میں سے اکثر فضلائے حنابلہ اشعری تھے، اور ان میں سے اشعری عقیدے سے سوائے ان لوگوں کے جو اہل تجسیم سے مل گئے کوئی اور خارج نہیں ہوا، پھر کہتا ہے :- اہل تجسیم میں مذاہب اربعہ کے متبعین میں سے حنابلہ کی تعداد زیادہ ہے"،

---

[1] مقالہ نگار نے مذہب شافعی اور حنبلی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کو پیش نظر رکھکر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ خود شافعی المذہب ہیں، اور اس کا اثر ان دونوں مذاہب کی تاریخ بیان کرتے ہوئے نمایاں طور پر ظاہر ہو رہا ہے۔ "ر"

خاتمۂ سخن

اسی طرح ان مذاہب اربعہ کو فروغ ہوتا گیا اور اہل سنت کے دیگر مذاہب مٹتے گئے، یہاں تک کہ جب ساتویں صدی آئی تو تمام بلادِ اسلام پر یہی مذاہب چھا گئے، اور فقہائے اسلام نے انھیں چاروں مذاہب میں سے کسی ایک اتباع کو ضروری قرار دیدیا، اس لئے سنیوں کے جتنے مذاہب تھے سب کے سب ایک ایک کرکے ختم ہوگئے، لیکن مذہب ظاہری آٹھویں صدی تک زندہ رہا، پھر اس کی بھی آخری سانس نکل گئی، جیسا کہ ہم تفصیلی طور پر پہلے بیان کرچکے، چنانچہ مقریزی کہتا ہے، "جب ملک ظاہر بیبرس بندقداری کا زمانہ آیا تو اس نے مصر و قاہرہ[1] میں قضاۃ اربعہ مقرر کئے جو شافعی، مالکی، حنفی اور حنبلی تھے، یہ سلسلہ ۶۶۵ھ تک قائم رہا، یہاں تک کہ تمام عالم اسلام میں ان مذاہب اربعہ کے سوا کوئی ایک مذہب بھی ایسا باقی نہ رہ گیا جس پر مذہب اہل اسلام ہونے کا اطلاق کیا جاتا، اور اسی طرح مذاہب متکلمین میں صرف مذہب اشاعرہ باقی رہ گیا، اور انھیں مذاہب اسلام کے لئے تمام بلادِ اسلامی میں مدارس، خانقاہیں، زاویئے وغیرہ قائم کئے گئے، اور اگر کوئی شخص کسی دوسرے مذہب کی پیروی کرنا چاہتا تو اس کو انھیں مذاہب میں سے کسی ایک کے اتباع پر مجبور کیا جاتا، اور کوئی ایسا شخص قاضی بھی مقرر نہیں ہوسکتا جو ان میں سے کسی ایک کا متبع نہ ہوتا، اور نہ کسی ایسے شخص کی شہادت قبول کیجاتی اور نہ کوئی شخص خطابت، امامت اور درس و تدریس کے لئے اس وقت تک منتخب کیا جاتا جب تک وہ اپنے کو ان مذاہب میں سے کسی ایک کا متبع نہ ظاہر کرتا، اور اس اثنار میں ان ممالک کے تمام فقہاء نے ان مذاہب میں سے کسی ایک کے اتباع کے وجوب پر فتویٰ دیدیا، اور نیز بہ تصریح یہ بھی ظاہر کردیا کہ ان کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کا اتباع قطعاً حرام ہے، اس وقت سے اس وقت تک

---

[1] مصر سے مراد فسطاط ہے، جو پہلے قاہرہ سے علیحدہ تھا پھر بعد میں دونوں متصل ہوگئے اور فسطاط قاہرہ کا ایک حصہ ہوگیا جو آج کل مصر عتیقہ سے موسوم ہے،

اسی پر عمل درآمد ہے،، مذاہب اہل اسلام سے مقریزی کی مراد جمہور مسلمانوں کا مذہب ہے، ورنہ مذہب اباضیہ اسوقت موجود تھا، اور اس وقت بھی مشرق و مغرب میں معمول بہ ہے، اور مقریزی نے "مذہب اشعری" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ بھی تحقیق طلب ہے، کیونکہ احناف اصول وعقائد میں ماتریدی مذہب رکھتے ہیں، البتہ ان کو اس لحاظ سے اشاعرہ کی صف میں داخل کیا جا سکتا ہے، جن معنوں میں تاج سبکی نے کہا ہے جسکی تفصیل اوپر گذر چکی، اور مقریزی نے حنابلہ کو شائد اس لئے نظر انداز کر دیا کہ ان کی تعداد قلیل ہے، ورنہ جیسا کہ ہم بیان کرائے ہیں اس باب میں ان کے مخصوص عقائد ہیں،

اب ہم موجودہ دور کے عام مسلمانوں کے مذاہب بیان کرکے یہ سلسلۂ کلام ختم کرتے ہیں، لیکن اب ہم جو کچھ بیان کریں گے ان کا ماخذ یورپ کی موجودہ زبانیں ہوں گی کیونکہ عربی زبان میں اسکے متعلق معلومات بہت کم ہیں، ۱۔

آجکل مغرب اقصیٰ میں مذہب مالکی کو غلبہ حاصل ہے نیز جزائر ٹیونس اور طرابلس پر چھایا ہوا ہے، ان تمام ممالک میں مالکیوں کے علاوہ کوئی دوسرا نظر نہیں آتا، صرف نہایت قلیل تعداد میں احناف پائے جاتے ہیں، جو حکومت ترکیہ کے آثار باقیہ ہیں، اور ان قلیل التعداد احناف میں سے بھی ان کی زیادہ آبادی ٹیونس میں ہے، جن میں سے چند شاہی خاندان میں بھی ہیں، اسی لئے وہاں کے دار السلطنت میں مالکی قاضی کے ساتھ حنفی قاضی بھی نظر آتا ہے، اور ٹیونس کے تمام حدودِ حکومت میں قضاۃ مالکیہ ہیں اور خاص دار الحکومت میں جو دو قاضی القضاۃ ہیں، ان میں مرتبہ کے لحاظ سے حنفی قاضی کو تقدم حاصل ہے اور حقیقی معنوں میں اسی کو تمام قضاۃ ٹیونس پر زعامت و ریاست حاصل ہے، اور اس کو قدیم زمانہ سے "شیخ الاسلام" کا خطاب ملا ہے، اور دار الحکومت میں جو دوسرا مالکی قاضی ہوتا ہے اگرچہ نظام کے لحاظ سے حکومت ٹیونس کے تمام قضاۃ کا رئیس ہے، لیکن قاضی حنفی کے مقابلہ میں رتبہ کے لحاظ سے اس کا دوسرا درجہ ہے، لیکن اب کچھ دنوں سے اس کو بھی "شیخ الاسلام" کا لقب مل گیا ہے،

اور دار الحکومت کے دونوں قاضی اور شیخ الاسلام اسی مذہب سے منتخب کئے جاتے ہیں، اور باوجودیکہ تمام حکومت ٹیونس میں مذہب حنفی کے مقلدین کی تعداد نہایت قلیل ہے لیکن قدیم دستور کے مطابق جامعہ زیتونیہ کے تمام اساتذہ کی مجموعی تعداد میں سے نصف احناف اور نصف مالکی ہوتے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ ٹیونس میں مذہب حنفی کو صرف اس لئے امتیاز حاصل ہے کہ وہ شاہی خاندان کا مذہب ہے،

اور مصر میں موجودہ زمانہ میں شافعیوں اور مالکیوں کی تعداد غالب ہے، شافعی ریف میں اور مالکی صعید اور سوڈان میں ہیں، اور ان کے بعد احناف کی تعداد بھی زیادہ ہے، اور حکومت کا یہی مذہب ہے، اس لئے فتوی اور قضا میں اسی مذہب کا اتباع کیا جاتا ہے، باقی رہے حنابلہ تو وہاں انکی تعداد نہایت قلیل بلکہ بالکل اقل قلیل ہے، اور بلاد شام میں سنیوں میں سے نصف احناف اور نصف میں سے ربع شوافع اور ربع حنابلہ ہیں، فلسطین میں زیادہ تعداد شوافع کی ہے، پھر حنابلہ ہیں ان کے بعد احناف ہیں اور سب سے آخر میں مالکی ہیں، عراق میں احناف کو غلبہ حاصل ہے، ان کے بعد شافعی، پھر مالکیہ اور حنابلہ ہیں، اتراک عثمانیہ، البان، اور بلاد بلقان کے باشندوں کی غالب تعداد حنفی المذہب ہے، بلادِ اکراد پر شوافع کو غلبہ حاصل ہے، اور وہی بلادِ آرمینیہ میں بھی غالب ہیں، کیونکہ مسلمانان آرمینیہ نسلی اعتبار سے ترکمانی یا کردی ہیں، ایران کے سنیوں میں زیادہ تر شافعی ہیں اور ان سے جو باقی رہجاتے ہیں، وہ حنفی ہیں، مغربی ترکستان میں جس میں خیوہ، بخارا وغیرہ ہیں حنفی ہیں، مشرقی ترکستان میں جس کو چینی ترکستان بھی کہتے ہیں، پہلے شوافع کو غلبہ حاصل تھا، پھر بخارا کے علمار کی جد و جہد سے احناف کی تعداد غالب ہو گئی، اور بلادِ قوقاز وغیرہ میں حنفیوں کو اکثریت حاصل ہے، نیز وہاں شوافع بھی پائے جاتے ہیں،

بلاد ہند پر حنفی چھائے ہوئے ہیں جنکی تعداد تقریباً چار کرور آٹھ لاکھ ہوگی، وہاں شوافع بھی ایک کرور کی تعداد میں ہوں گے، اہل حدیث بھی کثرت سے ہیں، اور یہاں بعض دیگر مذاہب کے مقلدین

بھی پائے جاتے ہیں جو ہمارے دائرہ بحث سے خارج ہیں، جزائر میں سے جزیرہ سیلون، فلپائن، جاوا اور اس کے قرب وجوار کے دوسرے جزیروں کے باشندے شافعی المذہب ہیں، اسی طرح مسلمانان سیام بھی شافعی المذہب ہیں، لیکن قلیل تعداد میں احناف بھی پائے جاتے ہیں،

اور چینی ہندوستان کے باشندے مذہب شافعی رکھتے ہیں، اسی طرح آسٹریلیا کے مسلمان بھی شوافع ہیں، امریکہ میں برازیل میں تقریباً پچیس ہزار مسلمان حنفی المذہب ہیں، اور امریکہ کے دوسرے شہروں کے مسلمان مختلف مذاہب کے پیرو ہیں جنکی مجموعی تعداد ایک لاکھ چالیس ہزار ہے،

حجاز میں شوافع اور حنابلہ کی کثرت ہے، لیکن شہروں میں حنفی اور مالکی بھی پائے جاتے ہیں، اہل نجد حنابلہ ہیں، اہل عسیر شوافع ہیں، عمان میں مذہب اباضیہ غالب ہے لیکن وہ حنابلہ اور شوافع سے بھی خالی نہیں، قطر اور بحرین میں مالکیوں کی کثرت ہے، لیکن وہاں حنابلہ بھی ہیں جو نجد سے آگئے ہیں، باشندگانِ احسار میں حنبلیوں اور مالکیوں کو غلبہ حاصل ہے، لیکن کویت پر صرف مالکی قابض ہیں،

(الزہرا رجلد ۲ عدد ۱، ۲، ۳)

رسُولِ عربی

اس کتاب کو ایک سکھ مصنف گورودت سنگھ دارا بیرسٹر نے عام فہم اردو میں لکھا، اور وہ اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کا پہلا اڈیشن بہت جلد نکل گیا اب دوسرا اڈیشن دو ہزار کی تعداد میں چھپ چکا ہے جس میں ایک ہزار نسخے ایک صاحب مستقل طور پر خریدیں گے، بقیہ ایک ہزار نسخے متفرق طور پر فروخت ہوں گے، عام فائدہ کے خیال سے قیمت پہلے سے نصف کر دیگئی ہے، یعنی بجائے عہ کے ۸ر، شائقین جلد طلب فرمائیں،

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

بالشویک اور مشرق

روس ایشیا میں کیونکر بغاوت کی تخم ریزی کر رہا ہے

ماسکو مین "بدبخت مشرق یونیورسٹی" کے نام سے ایک یونیورسٹی قائم ہے، جسمین ہزارون طالب العلم تعلیم پاتے ہین اور اُن کے قیام و طعام کا انتظام بھی یونیورسٹی ہی کرتی ہے، اور ان کو جیب خرچ کے لیے دس روبل ماہوار دیے جاتے ہین، یہ طلبہ اگرچہ سب کے سب مشرقی ہین لیکن ان مین کسی اجنبی قوم کا کوئی طالب علم نہین ہے، کیونکہ یہ سب ان ہی مشرقی ممالک سے تعلق رکھتے ہین جو روس کے زیر اثر ہین، مثلاً منگولیا، ترکستان، اور گرجستان کے بہت سے طلبہ اس مین تعلیم پاتے ہین، پہلے اس مین اجنبی قومون کے طلبہ بھی تعلیم حاصل کرتے تھے، لیکن چونکہ روس ان قومون کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ تجارتی سلسلہ قائم کرنا چاہتا تھا، اسلیے مجبوراً اس نے طلبہ کو نکالدیا، اور صرف اپنے زیر اثر مشرقی طلبہ کو بالشوزم کی تعلیم پر قناعت کرلی، اور سنہ ۱۹۲۱ء مین روس نے انگلستان کیساتھ یہ معاہدہ کرلیا کہ ہندوستان اور انگلستان کی دوسری نوآبادیون مین وہ بالشویک پروپگنڈا نہ پھیلائے گا، اس وقت سے اگرچہ انگلستان روس پر عداوت کا الزام لگاتا رہتا ہے، لیکن روس اس الزام سے برات ظاہر کرتا ہے اور اس یونیورسٹی سے اجنبی طلبہ کو نکال کر اپنی نیک نیتی کا ثبوت دیتا ہے،

لیکن عین اس حا... ین جبکہ روسی سلطنت اقتصادی اور سیاسی اغراض سے برطانی نوآبادیون مین

بغاوت کی آگ بھڑکانے سے اپنی برارت ظاہر کرتی ہے، ماسکو مین ایک دوسرا مستقل نظام قائم ہے، جو معاہدات کی مطلق پروا نہین کرتا، اس نظام کا نام مجلس بالشویکی" یا "قومیت ثالثہ" ہے، جو دنیا کے تمام بالشویکون کے نمائندون سے مرکب ہے، اوران نمائندون کے نزدیک ہر بالشویک کا یہ فرض ہے، کہ گو اسکی قوم کا فائدہ ہو، لیکن وہ بذات خود نوآبادی قائم کرنے کی مخالفت کرے، مثلاً ایک انگریز کا یہ فرض ہے کہ وہ مصر ہندوستان اور دوسری نوآبادیون کی آزادی کا خواستگار ہو، کیونکہ ایک برطانی مزدور جبتک ایک انگریز سرمایہ دار کو نوآبادیون مین روپیہ لگانے سے روک نہ دیگا وہ اپنی مطلوبہ آزادی کو حاصل نہ کرسکے گا، اسلئے کہ برطانیہ اور آئرلینڈ کے باشندون کی تعداد ۴۶ ملین سے زیادہ نہین ہے، حالانکہ خود سلطنت انگریزی کے باشندے ۴۳۰ ملین سے زیادہ ہین، یعنی نوآبادیون کے ۹ آدمی ایک انگریز کی خدمت گذاری کرتے ہین، اس لیے جبتک انگریز سرمایہ دارون کو خدمت گذارون کی اس فوج گران سے محروم نہ کردیا جائے گا، ان کے خلاف بغاوت کرنا ناممکن ہوگا، ہندوستان یا چین، یا ایران، یا ترکی مین بالشویک خیال کے لوگون کی جو تھوڑی سی تعداد موجود ہے، وہ تبلیغ و اشاعت کے لیے روسی بالشویکون کی ہمت افزائی نہین کرتی، کیونکہ صنعت گری و مزدوری کی فضا جو بالشویک تبلیغ و اشاعت کی قدرتی فضا ہے اب تک بہت کم ملکون مین پیدا ہوسکی ہے، لیکن ان بالشویکون مین بہت سے لوگ ایسے ہین جو اس سے بالکل نہین ڈرتے اور بالشوزم کے خیر مقدم کے لیے اسکو بھی شگون نیک سمجھتے ہین، وہ خود روس کو مثالاً پیش کرتے ہین جو ۱۹۱۷ء مین صنعتی ماحول اور کارخانون کے لحاظ سے تمام یورپین قومون مین سب سے پیچھے تھا، حالانکہ سب سے پہلے اوسی نے بالشوزم کا پروپگنڈا قبول کیا، ان کا خیال ہے کہ مشرق مین سرمایہ دارون کی قلت، جوشِ سرمایہ دارون کی کمزوری، اور جمہوریت کی عدم اشاعت قوم کو بالشویک انقلاب کے قبول کرنے کے لیے نہایت سرعت کے ساتھ آمادہ کررہی ہے کیونکہ جمہوریت، اور سرمایہ داری ان لوگون کی راے مین دو وجوہ سے بالشوزم کے قدم کو آگے نہین بڑھنے دیتین، ایک تو یہ کہ وہ مزدورون کی تکلیفون پر

اصلاحات کا مرہم لگاتی رہتی ہین، دوسرے یہ کہ وہ فوجی استبداد کو نمایان نہین ہونے دیتین، لیکن سرد ست مشرق مین روشن خیال نوجوانون کی ایک جماعت موجود ہے، جو بالشویزم کی طرف مائل ہے اور وہ فوج پر اپنا اقتدار قائم کرسکتی ہے، اور جس طرح مصطفےٰ کمال پاشا نے قوم کو اپنے مطلوبہ انقلابات و تغیرات پر آمادہ کرلیا ہے اسی طرح وہ لوگون کو بالشویزم پر آمادہ کرسکتی ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناگہانی انقلابات بالشویزم کے لیے یورپ سے زیادہ ایشیا مین موزون ہین،

اس وقت روس مین ہندوستانی وطن پرستون کا ایک بہت بڑا گروہ موجود ہے، جو زمانہ جنگ مین بھاگ کر جرمنی مین چلا آیا تھا، اور اسکی فتح کا متوقع ہو کر اسی کے ذریعہ سے اپنے وطن کی آزادی کا امیدوار تھا، لیکن جب جرمنی نے شکست کھائی تو وہ اتحادیون کی گرفت سے بچنے کے لیے روس کی طرف بھاگ آیا، اور اس نے بھی اوّل اوّل ان کا خیر مقدم کیا لیکن جب ان کو وہان فاقہ مستی کے سوا اور کچھ نہ مل سکا تو وہ دوبارہ جرمنی مین چلا آیا، انھی لوگون مین ایک ہندوستانی کیمیا دان ڈاکٹر عبدالحفیظ بھی ہین جنپر لارڈ کرزن نے یہ الزام لگایا تھا کہ روس نے ان کو افغانستان مین ہندوستان کی سرحد سے قریب گولہ سازی کا کارخانہ قائم کرنے کے لیے روانہ کیا ہے، لیکن روسی بالشویکون کو ہندوستان مین کامیابی کی صورتین بہت کم نظر آتی ہین کیونکہ ان کے نزدیک گاندھی کی مصالحانہ پالیسی لینن کی روش سے مختلف ہے، اور ہندوستانی سرمایہ دارون کے فوائد انگریزون کے فوائد سے وابستہ ہین، کیونکہ دونون کے دونون ہندوستانی مزدور سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہین، اس لیے بڑے بڑے ہندوستانی انگریزون کے خلاف بغاوت کے یا اپنے ملک کی آزادی کے خواہان نہین ہین، اور وہ بہرحال انگریزی شاہنشاہی کو جو ان کے سرمایہ کی ضامن ہے، بالشویزم پر جو ان کو اس سے محروم کرنا چاہتی ہے ترجیح دیتے ہین،

چین مین ابھی جو فسادات ہوئے، ان مین چین کے بیرونی باشندون نے بندرون مین پہنچکر جب خود چینیون پر گولیان چلائین تو روس نے نوجوان چینیون سے بیحد ہمدردی ظاہر کی، روسی سفیر

نے ان نوجوان چینیون کے نام ہمدردی کا خط بھیجا جسمین اون کو غیرملکیون کے حلقۂ غلامی سے باہر آنے کی پرزور نصیحت کی، تاہم چونکہ ابھی بالشویک روس کمزور ہے، اس لیے اوسنے ابھی تک دوسری قومون کے معاملات مین دخل دینے سے احتراز کیا ہے، جب وہ کافی مضبوط ہوجائیگا تو وہ شاید اس اعتدال پر قائم نہ رہ سکے گا،

(الہلال)

"ع"

مقتطف کی جوبلی

ہندوستان کے ادبی حلقون مین مصر کے فلسفیانہ رسالہ مقتطف کے پنجاہ سالہ جشن (جوبلی) کا حال رشک اور مسرت سے سنا جائے گا، رشک اس کا کہ ہندوستان کا کوئی پرچہ جو دیسی زبان مین نکلتا ہو یہ عمر نہ پاسکا کہ اسکی جوبلی کا خیال کیا جاسکے، مسرت اسکی ہے کہ مصر ہماری مشرقی برادری کا ایک ممتاز رکن ہے، اور اس نے یہ درجہ پایا ہے،

مقتطف (قاہرہ) نے اپریل ۱۹۲۶ء مین اپنی عمر کے پورے ۵۰ سال ختم کئے، اس کا اجراء سب سے پہلے ۱۸۷۶ء مین بیروت سے ہوا، ۹ برس تک یہ پرچہ وہین سے نکلتا رہا، پھر کچھ اسباب کے ماتحت قاہرہ مین منتقل ہوگیا، تب سے برابر یہ عربی سمجھنے والی اقوام اور جماعتون کو علمی، فلسفیانہ، صنعتی اور زراعتی حالات کے متعلق نئے سے نئے اور بہتر سے بہتر معلومات کا ذخیرہ مہیا کرتا رہتا ہے، مشرقی صحافت کی برادری مین سب سے پہلا رکن یہی مقتطف ہے جس نے مشرق کو یورپین علوم اور تحقیقات سے آشنا کرنا شروع کیا، مشرق عربی نے اس کو جو شرفِ قبول بخشا ہے اسکی سب سے بڑی سند اسکی پنجاہ سالہ عمر اور عید خمسین کی تقریب ہے،

مصر نے اسکی خدمتون کا اعتراف اس طرح کیا، کہ ۳۰ اپریل ۱۹۲۶ء کو خاص شاہی طرب خانہ مین خود بادشاہِ مصر کی سرپرستی مین اسکی عید خمسین (جوبلی) منائی، جوبلی کے اجتماع مین بادشاہ

کی طرف سے بطور نمائندہ ہز اکسلنسی محمد توفیق نسیم پاشا، شاہی دیوان عالی کے رئیس نے شرکت فرمائی، صدر اجلاس ہز ہائی نس محمد توفیق نعمت پاشا تھے، جنکی دعوت پر شام اور مصر کے گوشون سے ایک بڑی تعداد علماء و فضلاء کی اور جدید و قدیم دونون عہد کے وزراء اور ارباب مناصب نے شرکت فرمائی،

ہندوستان کو کسی ادبی پلیٹ فارم پر یہ دیکھنا نصیب نہ ہوا ہوگا، کہ کاشی کے پنڈت اور ہمارے علماء ہم آہنگ ہون، لیکن مصر مین اس جوبلی کے موقع پر آرتھوڈاکس قبطیون کے نائب بطریرک اور شیخ محمد مصطفےٰ مراغی جیسے عیسائی اور مسلمان علمائے دین کو پہلو در پہلو دیکھکر ہم کو رشک کرنا چاہیئے،

مقتطف کی ادارت عربی کے دو ممتاز عیسائی اہل قلم ڈاکٹر صروف اور ڈاکٹر فارس نمر کے ہاتھ مین ہے یہ دونون بزرگ امریکن کالج بیروت کے فاضل ہین، اس بنا پر اس جامعہ نے اس جوبلی مین خاص طور پر شرکت کی، خود جامعہ نے الگ اور اس کے طلبائے قدیم کی مجلس عام اور اس مجلس کی مختلف شاخون نے الگ الگ اپنے نمائندے روانہ کئے، مصر کے علاوہ شام نے بھی خاص طور پر حصہ لیا، یہان کی جمعیۃ الاتحاد والاحسان نے خاص نمائندے بھیجے، سان پاولو، برازیل کے تارک الوطن اہل شام نے سب سے نمایان حصہ لیا،

جلسہ گاہ مین ۴ بجے بعد ظہر سے لوگ آنے لگے ۵ بجکر دس منٹ پر صدر نے جلسہ کا افتتاح کیا، تقریر صدارت کے بعد غیر حاضر بزرگون کے تار اور خطوط پڑھے گئے، سب سے زیادہ تعظیم اور مسرت کے ساتھ سعد پاشا زغلول کا خط سنا گیا جو بیماری کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے تھے، اس کے بعد سر سعید شقیر نے برازیل کے تارک الوطن شامیون کی طرف سے ایک مورت نذر کی، یہ مورت سنگ مرمر کے پٹرے پر کانسے کی بنی تھی اس کے ساتھ سونے کا ایک تیر تھا، جو ۲۰ سنٹیمیٹر لانبا اور ۵ سنٹیمیٹر چوڑا تھا، اس تیر پر فوزی آفندی معلوف کے یہ اشعار لکھے تھے،

هذا مثال عروس العلم حاملة   اكليل عز الى شيخ المجلات

[illegible] جو رسالون [illegible] ایک عزت کا تاج لیجاتی ہے،

یهدی علی الماس فی یوبیله[1] الآتی — یهدی علے ذھب اکرامنا فمسی

اس کے بعد حاصبیا کے تارکین وطن مقیم برازیل کی طرف سے دوسونے کی دواتین اور دوسونے کے قلم پیش کئے، پھر امریکن کالج بیروت کے طلبائے قدیم قاہرہ کی طرف سے دو دفتری گھڑیان پیش کین اور ایک مختصر تقریر کی، اس کے بعد مصر کے مشہور شاعر حافظ بک ابراہیم نے اپنا قصیدہ پڑھا اور وہان کے مشہور فلسفی انشا پرداز ڈاکٹر محمد حسین بک ھیکل کی تقریر ہوئی، اور اس پر جلسہ کا خاتمہ ہوا،

"ج"

اُردو کا ماہانہ رسالہ شمع آگرہ

بادشاہان اودھ اور ان کے مشہور امرا، اور لکھنو کے مایۂ ناز قدیم شعرا کی قلمی تصاویر عہد مغلیہ و عہد جدید کی مصوری کے بہترین نمونے جو آجتک کبھی شائع نہین ہوئے ہین، رسالہ شمع مین مسلسل شائع ہو رہے ہین، شمع، تاریخی، علمی، ادبی اور سیاسی مضامین اور افسانون کا ہندوستان مین سب سے زیادہ ضخیم ۱۱۲ صفحات کا رسالہ ہے اور جنوری ۱۹۲۵ء سے محمد حبیب الرحمن صاحب (آکسن) پروفیسر مسلم یونیورسٹی علیگڈہ اور حسن عابد صاحب جعفری (آکسن) بیرسٹرایٹ لا، آگرہ کی ادارت مین نہایت آب و تاب کیساتھ جاری ہے، شذرات اور تبصرے قابل دید ہوتے ہین، لکھائی چھپائی نہایت دیدہ زیب کاغذ چکنا اور قیمتی سالانہ حجم ۱۴۰۰ صفحات اور کم از کم ۳۰ تصاویر، سالانہ چندہ صرف چھ روپیے (سے ر)

چندہ سالانہ (سے ر ششماہی دیسے ر) نمونہ کا پرچہ (۱۰ ر) ماہواری حجم ۱۱۲ صفحہ مع تصاویر،

نمونہ کا پرچہ کسی حالت مین مفت نہین روانہ ہوگا،

منیجر شمع، شاہ گنج، آگرہ،

[1] یہ ہماری تعلیم کا ہدیہ (آج تو) سونے پر پیش کرتی ہے آئندہ جوبلی مین الماس پر پیش کرے گی،

آرمینیہ کا ایک قدیم شہر، قدیم زمانہ مین آرمینیا کے ایک دامن کوہ مین ایک شہر "انی" آباد تھا جس کی آبادی ایک لاکھ نفوس پر مشتمل تھی، اس شہر کو صنعت وحرفت اور تجارت مین خاص شہرت حاصل تھی، امریکہ کی ایک مجلس علمی کی اس جماعت کا گذر اس شہر مین ہوا، جو مشرق ادنی کے آثار قدیمہ کی تحقیق مین مصروف ہے، اس مجلس نے اس شہر کے متعلق ایک بیان شائع کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس شہر کی سرزمین پر صرف ایک راہب رہتا ہے جو ایک شکستہ حال کلیسا مین مقیم ہے اور اگر اس راہب کے ہمجلیسون مین کوئی ہے تو صرف اس کی ایک بلی اور ایک "الو" ہے،

اختر شماری، امریکہ کے بعض ماہرین فلکیات نے اختر شماری جیسے غیر متناہی سلسلۂ عمل کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا، انھون نے اپنی جد وجہد کے نتائج شائع کر دیئے ہین جس سے ہر حصۂ ملک کے تارون کی تعداد معلوم ہوتی ہے، وہ اعداد وشمار حسب ذیل ہین،

ولایات متحدہ امریکہ	۱۹۸۴۳۹۰۰	برطانیہ عظمیٰ	۹۰۶۶۰۰
فرانس،	۷۶۳۵۰۰	کناڈا	۷۱۹۷۰۰،
آسٹریلیا،	۱۲۹۷۳۰۰	جرمنی	۳۹۱۹۰۰،
بلجیم،	۱۱۹۶۰۰	اٹلی	۱۰۸۷۰۰

لیکن ہمارے مشرقی شعراء کو مطمئن خاطر رہنا چاہیئے کہ اس فہرست مین کسی مشرقی ملک کا نام موجود نہین،

کولمبس کا مولد، کولمبس کی جائے ولادت کے متعلق مختلف رائین ہین، بعضون کا خیال ہے کہ اسپین مین، اور ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ اٹلی مین پیدا ہوا اور وہان سے منتقل ہوکر اسپین چلا گیا یہ مسئلہ یونہی مختلف فیہ تھا کہ ایک فیصلہ کن شہادت دستیاب ہوگئی جس سے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ وہ جینوا مین پیدا ہوا، یہ ایسی موثق شہادت ہے کہ خود اسپین کے مجمع علمی کو بھی قبول کرنا پڑا اور اس شہادت کے بعد اہل علم مین یہ طے شدہ مسئلہ قرار پایا کہ کولمبس اٹلی ہی کا باشندہ ہے،

بحری خرگوش، فرانس کے بعض سواحل پر ایک ایسی مچھلی پکڑی گئی ہے جو خرگوش کے بالکل مشابہ ہے، اور لوگون نے اس مناسبت سے اس مچھلی کا نام "بحری خرگوش" رکھا ہے، اس بحری خرگوش کو فرانس کے ایک علمی انسٹیٹیوشن نے ایک گرانقدر رقم مین خرید لیا ہے،

ایک تیز رفتار مکھی، انگلستان کے بعض ماہرین کا جدید اکتشاف یہ ہے کہ ایک قسم کی مکھی کی رفتار اس قدر تیز ہوتی ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے کے اندر سارے عالم کا طواف کرسکتی ہے، یہ مکھیان بعض حیوانون کی ناک مین نشو ونما پاتی ہین، پھر ناک سے نکلکر کچھ دنون بے آب و دانہ رہتی ہین، پھر مکھی کی شکل اختیار کرلیتی ہین، ان مکھیون کی رفتار ایک سکنڈ مین ۳۶۰ میٹر ہے، اور اسی تناسب سے چوبیس گھنٹہ کے اندر پوری دنیا کی مسافت طے کرسکتی ہین، اس سے پہلے ماہرین کا خیال تھا کہ مچھر اپنے جنس سے چالیس گنا زیادہ مسافت طے کرسکتا ہے، لیکن اس مکھی کی تیز رفتاری مچھر سے بھی زیادہ بڑھ گئی ہے،

نیویارک کے اوقات، نیویارک امریکہ مین پولیس ہر تین منٹ پر کسی شخص کو گرفتار کرتی ہے، ہر سات منٹ پر کوئی نہ کوئی مردہ دفن کیا جاتا ہے، ہر ۱۳ منٹ پر کہین نہ کہین آگ لگتی ہے، اور ہر ڈیڑھ

گھنٹہ مین کہیں نہ کہیں راستہ پر کوئی ایسا حادثہ ہوتا ہے جس سے کوئی مقتول ہوتا ہے اور ۴۸ گھنٹے پر کوئی نہ کوئی واقعہ قتل ہوتا ہے، اور ہر سو امنٹ پر کسی نہ کسی کی شادی ہوتی ہے،

ملکہ کیتھرائن کا سامان، حکومت روس نے ابھی حال مین ملکہ کیتھرائن کے سامان کا بڑا ذخیرہ ماسکو اور لینن گراڈ کے عجائب خانون مین دیدیا ہے، اس سامان مین قابل ذکر چیزین ملکہ کے بیش قیمت ملبوسات بیش بہا جواہر، نادر کتابین، اور عشق و محبت کے دلچسپ خطوط ہین، ان ملبوسات مین گلابی رنگ کی ایک ریشمی قمیص بھی ہے جس کو ملکہ نے اپنے محبوب کونٹ ارلاف کو بطور یادگار کے دی تھی، اس قمیص پر نہایت خوشنما اور بہترین طریقہ سے یہ الفاظ کڑھے ہوئے ہین "ایک معزز ترین محبوب ترین خاتون کی طرف سے" اور حکومت نے ملکہ کے ایسے بہت سے عاشقانہ خطوط کو جو کونٹ ارلاف کے نام ہین، سربازار فروخت کرنے کا حکم دیا ہے،

ید اللہ، بیروت کی ایک معزز نوجوان خاتون نے جو اس وقت امریکہ مین مقیم ہین، ایک تاریخی فسانہ La Main de Allah یعنی "ید اللہ" کے نام سے لکھا ہے، جسمین سنہ ۴۰ھ سے سنہ ۵۰ھ تک کے اسلامی تاریخ کے واقعات کا مرقع کھینچا گیا ہے، اور خصوصًا امیر معاویہ کے اپنے خاندان مین خلافت کو منحصر کر دینے سے جو برے نتائج مترتب ہوئے ان کو نمایان کیا گیا ہے، مصر و شام کے عربی اخبارات و رسائل اس فسانہ کی بڑی تعریف و توصیف کر رہے ہین،

یورپ کے مسلمانون کے اعداد و شمار، ایک رسالہ نے یورپ کے مسلمانون کے حسب ذیل اعداد و شمار شائع کئے ہین،

البانیا- ۸۳۰۰۰۰، بلغاریہ، ۶۷۲۵۰۰، یونان، ۴۵۰۰۰، مانٹینگرو، ۱۰۵۰۰۰

رومانیہ، ۴۴۰۸۷، روس، ۱۵۲۰۰۰۰، دیگر بلاد یورپ، ۴۶۲۳۷۰

مجموعہ ۱۷۷۸۸۹۵۷،

م ر

شاعر

اور

بلبل و پروانہ

از جناب میر ولی اللہ صاحب بی اے ال ال بی وکیل ایبٹ آباد

خطابِ شاعر بہ بلبل

اے بلبلِ خوشنوائے بستان این نالہ و زاری و فغان چیست

ہر صبح و مسا شوی غزل خوان مقصودِ غزل سرائیت کیست

در آتشِ عشق روے تابان از جان و تنت بگو چہ باقیست

اے مرغکِ ناتوانِ نادان زینسان بجہان نمی توان زیست

گلزار بہ نیم جان نیرزد

خطابِ بلبل بہ شاعر

اے بلبلِ گلشنِ معانی از داغِ دلم خبر نداری

کیفیت نالہ ام چہ دانی در سینہ ز غم اثر نداری

نامحرم سوزشِ نہانی شاید کہ دل و جگر نداری

پیوستہ بہ شغلِ شعر خوانی کار سے جہان گمر نداری

صد شعر بہ یک فغان نیرزد

خطابِ پروانہ بہ بلبل

اے بلبل و شاعرِ غزل گو سرمایۂ تان سخن طرازی است

بیہودہ چراست این من و تو عشق است بلائے جان نبازی است

باشید ز دھر مدعا جو یک عمر بصرف کام سازی است

کارِ منِ ناتوان کم گو بر شعلۂ حسن جان گدازی است

صد سود بدین زیان نیرزد

ہمہ گیریِ عشق،

(جناب سید شوکت حسین صاحب علیگ)

دہر کا ہر ذرہ الفت کا امین سرمایہ دار جادۂ ہستی کی ہر منزل سے الفت آشکار

چاند تارے، دھر عالمگیر آب باد و خاک آتش و پروانہ و شمع و گل صد سینہ چاک

سنبل و شاخ و گل و سرو و صنوبر گلستان بلبل و شمشاد و قمری طوطی رنگین بیان

بحرِ موج انگیز و دریائے روان و ماہتاب ابر نزالہ ریز و برقِ تند زاد و تابناک

منضبط ہیں جذبۂ باہم سے باہم اس طرح آہنی زنجیر کے مربوط حلقے جس طرح

جذبۂ باہم ہی کا، عشق و محبت تو ہے نام منتشر اجزا کی ہے شیرازہ بندی جسکا کام

زاہد و واعظ ہو یا سرمایہ دار دہر تو جسکو دیکھو ہے شہید جامِ عشقِ جانفزا

صوفیِ حق آشنا کے واسطے پشت و پناہ رہبرِ راہِ حقیقت کیلئے قندیلِ راہ

طورِ سینا کے لیے جو شعلۂ بے باک تھا موسیِٰ عمران کا جس سے دامنِ دل چاک تھا

میرے سینہ مین بھی اب وہ سیلِ آتشِ ہو روان
جو تن خاکی مین ہے میرے لئے روح رُوان

بس یہی ہی آرزو میری حکیم چارہ ساز
"چون بمیرم از غبارِ من چراغِ لالہ ساز"

"تازہ کن داغِ مرا سوزان بصحرائے مرا"

افکار شوق

از جناب محمد حسن صاحب شوق بچھرایونی،

مانا کہ سوزِ ہجر سے دل داغدار ہے
دنیائے عشق مین تو یہ اک لالہ زار ہے

کس بات کا غرور ہے کیا افتخار ہے
انسان کی یہ بساط کہ مشتِ غبار ہے

ہوتی ہی ایسی مرگ بھی اک نازشِ حیات
ٹھہرا کے اور کہیے یہ کس کا مزار ہے

اے عندلیب تو ہی فقط نالہ کش نہین
ہو پھول اس چمن مین ہے سینہ فگار ہے

باغِ جہان مین عکس فگن ہے جمالِ دوست
جس گل کو سونگھتا ہون عیان بوئے یار ہے

واقف نہین کہ عشق و محبت ہی چیز کیا
اتنا مین جانتا ہون کہ دل بیقرار ہے

سامان سارے توبہ شکن ہین جناب شیخ
ٹھنڈی ہوا ہے ابر اٹھا ہی بہار ہے

منزل پہ کوئی قافلہ آتا نہین نظر
چارون طرف بلند اگرچہ غبار ہے

دنیا تباہ ایسی تو یارب کبھی نہ تھی
مین جس کو دیکھتا ہون وہ زار و نزار ہے

اے دل زبان پہ لانے کی یہ بات ہی نہین
مجبوریون کا نام یہان اختیار ہے

اے شوق عرضِ حال کو جاتا ہی اسکے پاس
جسکو کہ تیری جنبشِ لب ناگوار ہے

باب التقریظ والانتقاد

مشرقی کتبخانہ پٹنہ
کی
فارسی کتابون کی فہرستین،

مرتبہ خان بہادر مولوی عبد المقتدر صاحب

مولوی خدابخش خان مرحوم کا مشرقی کتب خانہ تعارف سے بالاتر ہے، جب لارڈ کرزن (جو خود ایک عالم، مستشرق اور مصنف بھی تھا) اسکے دیکھنے کو آیا، توسرائی ڈی راس جو اس وقت صرف ڈاکٹر راس تھے، ان کے ہمراہ تھے انھون نے تحریک کی کہ اب جبکہ یہ کتب خانہ سرکاری حفاظت مین آگیا ہے، اسکی مفصل فہرست یورپ کے کٹلاگ کے طریقہ پر ترتیب دیجائے تو بہتر ہے، لارڈ مذکور نے اسے منظور کر لیا اور چونکہ پٹنہ اس وقت صوبۂ بنگال ہی کا ایک جز تھا حکومت بنگال نے اس کے اخراجات اپنے ذمہ لے لیے، تنسیخ تقسیم بنگال کے بعد سے اس بار کو حکومت بہار برداشت کر رہی ہے؛ اور ۱۲ سال کے عرصۂ دراز مین اسکی نو جلدین شائع ہو چکی ہین جنمین سے سات فارسی کتابون پر شامل ہیں، اور دو عربی پر، یہی سات مفصل فہرستین، اس وقت زیر تنقید ہین،

ان فہرستون مین دوسری تمام خوبیون کے علاوہ ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ مرتب نے حتی الامکان بلاواسطہ اولین ذریعہ سے حصولِ معلومات کی کوشش کی ہے اور یہ خصوصیت

تمام دوسری فہرستون سے ممتاز کردیتی ہے،

آئیے، اب ہم ان "ہفت اقالیم" کی سیر کرین، اس وقت جو سات جلدین شائع ہوچکی ہین اونکی تفصیل یہ ہے،

۱- پہلی جلد	نظم	از فردوسی تا حافظ،
۲- دوسری جلد	"	۱۴ وین اور ۱۵ وین صدی کے شعرا
۳- تیسری جلد	"	۱۸،۱۷، ۱۶ اور انیسوین صدی کے شعرا،
۴- چھٹی جلد	تاریخ	عام تاریخ،
۵- ساتوین جلد	"	ہند
۶- آٹھوین جلد	تذکرہ	تذکرۂ حکایات، قصص وغیرہ
۷- نوین جلد	علوم	لسانیات وعام علوم

چوتھی اور پانچوین جلدین عربی کتابون کے متعلق ہین، اور اس وقت زیر بحث نہین، حصۂ نظم مین مندرجہ ذیل کتابون کی طرف خاص طور سے توجہ مبذول کرائی گئی ہے جو کسی نہ کسی حیثیت سے اہمیت رکھتی ہین،

۱- شاہنامۂ فردوسی- یہ وہ نسخہ ہے جو علی مردان خان نے مشہور کاتب مرشد شیرازی سے خاص طور سے لکھوا کر شاہجہان کی نظر سے گذرانا تھا، اس مین تقریباً پچاس ہزار اشعار ہین، اور ۲۲ بہترین ایرانی تصاویر ہین، خطاطی کے لحاظ سے بھی یہ نسخہ خاص وقعت رکھتا ہے، اس کے علاوہ ایک اور نسخہ بھی ہے، اس مین ۵۱ ہزار اشعار اور ۲۵ تصاویر ہین،

۲- رباعیات باخرزی- سعد بن مطفر کی جو سیف الدین باخرزی کے نام سے مشہور ہین، رباعیات تقریباً ناپید تھین، صوفیہ کی اولین صف مین ان کی جگہ تھی، اب یہ رباعیات شائع بھی ہوگئی ہین "مرحو"

نسخہ پندرہوین صدی کا ہے،

۳۔ ہفت بند کاشی:۔ مولانا کمال الدین حسن اپنے اس مخصوص رنگ کی وجہ سے غیر فانی ہوچکے ہین، یہ نسخہ فن خطاطی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے کاتب کا نام محمد علی اعجاز رقم ہے،

۴۔ غزلیات سلمان، خواجہ جمال الدین محمد سلمان بن خواجہ علاء الدین محمد ساوجی اپنے قصائد کی وجہ سے کافی شہرت حاصل کرچکا ہے، یہ مجموعۂ غزلیات قدیم ترین نسخہ ہے، شاعر کی وفات کے صرف ۲۲ سال بعد لکھا گیا ہے، سن کتابت ۷۹۱ھ ہے،

۵۔ دیوان صائب۔ مولانا رکن الدین ہروی معروف بہ رکن صائن کے کلام کا مجموعہ ہے، انکا کلام بہت کمیاب ہے اسلیے یہ نسخہ بہت قابل قدر ہے ۸۳۳ھ کی کتابت ہے،

۶۔ دیوان حافظ یون تو خواجہ حافظ کے متعدد دیوان اس کتب خانہ مین موجود ہین مگر ایک نسخہ خاص امتیاز رکھتا ہے، یہ نسخہ خاندان تیموریہ کے متعدد ارکان کے پاس رہ چکا ہے اور ہمایون وجہانگیر نے اس سے تفاؤل بھی کیا ہے، اس نسخہ پر معارف مین ایک مبسوط ریویو جون ۱۹۲۲ء مین شائع ہوچکا ہے،

۷۔ دیوان کامران۔ ہمایون کے بھائی کا دیوان ہے، یہ نسخہ متعدد سلاطین وارکان دولت کے کتب خانون کو زینت دیچکا ہے، اس کا مفصل حال بھی کتب خانہ مشرقی والے مضمون مین بیان کیا جاچکا ہے، پروفیسر محفوظ الحق ایم اے، ایک عالمانہ مبسوط مقدمہ کے ساتھ اس دیوان کو شائع کرنے کا انتظام کر رہے ہین،

۸۔ شہنشاہ نامہ عثمانی خاندان کے تیرہوین حکمران سلطان محمد ثالث کے حالات مین ہے، یہ نسخہ خود اسی سلطان کے لیے لکھا گیا تھا اور شاید اسکا کوئی دوسرا نسخہ بھی موجود نہین ہے اس کتاب کی تصنیف کی تاریخ اس شعر سے نکالی گئی ہے،

یک والف نا رفتہ بود از سنہ کہ کردم در نظم بر اختتام

مولوی عبدالمقتدر صاحب نے مصرعہ اولی کو مبہم و بے معنی اور تاریخی حیثیت سے بھی ناقابل قبول

بتاکر اس کو اس طرح صحیح کیا ہے،

یک دالف دنہ رفتہ بود از سنہ

مگر میرا خیال ہے کہ یہ مصرعہ یون ہے،

نہ و الف تا رفتہ بود از سنہ

کاتب نے "نہ" کو "یک" لکھدیا ہے اور "تا" کو "نا" کر دیا ہے اور اس طرح سے ۹۰۰ھ (۱۵۰۰ء) حاصل ہوتا ہے،

۹- دیوان عجزی، ملا حسن بیگ عجزی تبریزی کا کلام بہت ہی کمیاب ہے، اس لیے خاص

اہمیت رکھتا ہے،

۱۰- دیوان علی نقی کمرہ، علی نقی محتشم ضمیری، اور وحشی کا ہمعصر تھا، اور باہم خوب خوب

شاعرانہ مباحث، اور مناظرے ہوتے تھے، علی نقی ہندوستان بھی آیا تھا،

۱۱- دیوان صلی، خواجہ محمد طاہر وصلی بن خواجہ محمد شریف ہجری الرازی، نور جہان کا چچا تھا، ہفت اقلیم

کا مصنف اس کا چچازاد بھائی تھا، اس کا دیوان بھی کمیاب ہے، صرف ایتھے نے دفتر ہند کے کتبخانہ

کی فہرست مین، ایک نسخہ کا تذکرہ کیا ہے،

۱۲- کلیات صائب، یون تو مرزا مہدی علی صائب کے کلیات کے پانچ نسخے کتب خانہ مین

موجود ہین اور ان مین ایک نہایت اچھا لکھا ہوا ہے، مگر ایک نسخہ نمبر ۲۴۳ وہ نسخہ ہے جو اوسکی

وفات سے آٹھ سال پہلے اصفہان مین خود اوس کے گھر مین بیٹھ کر لکھا گیا تھا، اس نسخہ کا سنہ کتابت

۱۰۷۸ھ ہے،

ان کتابون کے علاوہ تصانیف جامی کے نسخے مختلف حیثیات سے لائق زیارت ہین

نیز کلیات سعدی، مطلع الانوار خسرو، دیوان امامی، دیوان حسن اور انتخاب بوستان کا تذکرہ

ہم مفصل طور سے معارف جلد ۱۵ صفحہ ۹۶ - ۱۰۰ مین کر چکے ہین، اسلیے ان کو نظر انداز کرتے ہین،

اب ہم تاریخ کی طرف متوجہ ہوتے ہین، عام تاریخون مین بلعمی کے ترجمۂ طبری کا نسخہ خاص اہمیت رکھتا ہے، فارسی نثر کی ابتدائی کتابون مین اس کو ادبی حیثیت سے خاص وقعت ہے، یہ نسخہ ۸۸۳ھ کا لکھا ہوا ہے،

۲- مجمل فصیحی احمد بن محمد فصیح الخوانی کی یہ تاریخ بعض حیثیت سے بہت ممتاز ہے، یہ کتاب سن وار رسول اللہ صلعم، اصحاب کرام، ائمۂ عظام، سلاطین، مصنفین، شعراء و مشاہیر کی ولادت، وفات اور اہم واقعات زندگی کی مجمل فہرست ہے، اس مین ۸۴۵ھ (۱۴۴۱ء) تک کے واقعات ہین، ۹۹۳ھ سن کتابت ہے،

۳- تاریخ ابو الخیر خانی، مسعودی بن عثمان کوہستانی نے یہ کتاب کوچکونجی کے لڑکے ابو الغازی سلطان عبد اللطیف بہادر کے نام سے لکھی تھی، ابتدائے آفرینش سے دسوین صدی ہجری تک کے حالات پر مشتمل ہے، یہ نسخہ ۹۹۹ھ کا لکھا ہوا ہے، اسلیے قدیم ترین نسخہ کہا جا سکتا ہے،

۴- خلاصۃ الاخبار- روضۃ الصفا کا مصنف اس کتاب کے مصنف کا نانا تھا، یہ کتاب اسی کی تلخیص ہے، مصنف کتاب خواند میر تعارف سے بالا ہے، حبیب السیر بھی اسی کی تصنیف ہے، اس مین مفصل واقعات تو ۸۷۵ھ تک ہے، مگر اجمالاً ۹۰۵ھ تک کے واقعات بھی درج ہین، یہ نسخہ ۹۹۶ھ کا لکھا ہوا ہے،

۵- ترجمۂ مولود النبی- سعید بن مسعود الکازرونی کی سیرۃ رسول کا فارسی ترجمہ ہے، مترجم کا نام عفیف بن سعید بن مسعود بن محمد بن علی بن احمد بن عمر بن عمر بن اسمعیل شیخ الشیوخ ابی علی دقاق ہے، اس نے یہ ترجمہ مصنف کی وفات کے دو سال بعد ۷۶۰ھ (۱۳۵۸ء) مین شروع کیا، حاجی خلیفہ کا خیال ہے کہ مترجم مصنف کا بیٹا تھا،

۶- مختار نامہ- مختار بن ابی عبید بن مسعود الثقفی انتقام حسینؓ کی وجہ سے غیر فانی ہو چکا ہے، ابوذر سلطان بن احمد شریف خانی نے اوسی کے کارنامون کو اس کتاب مین جمع کیا ہے، یہ نسخہ بہت قدیم ہے،

اور یہ کتاب بہت کمیاب،

ہندوستان کی تاریخ کے متعلق بھی اس کتب خانہ مین کافی مواد ہے، چنانچہ ایک پوری جلد اسی پر وقف ہے، اس مین ۱۷۸ کتابون پر تنقید کیگئی ہے، ہندوستان کی عام تاریخون مین مطبوعہ تواریخ کے علاوہ گلشنِ ابراہیمی جو اگرچہ متعدد مرتبہ چھپ چکی ہے مگر اب کمیاب ہے، خلاصۃ التواریخ (مصنفہ سبحان رائے) ہفت گلشن (مصنفہ محمد ہادی) چہار گلشن (مصنفہ رائے چترمن) حقیقتہائے ہندوستان (مصنفہ لچھمی نرائن) بحر المواج (مصنفہ محمد علی خان) قابلِ ذکر ہین،

اب مختلف حکمران خاندانون اور صوبون کی تاریخ کی طرف متوجہ ہوجیے،

یون تو فیروز شاہ کے حالات مین متعدد تاریخین لکھی گئی ہین اور ان مین سے اکثر چھپ بھی گئی ہین مگر سیرۃ فیروز شاہی ایک ایسی کتاب ہے جسکا کوئی دوسرا نسخہ دنیا مین موجود نہین ہے، یہ کتاب ۱۴ ابواب پر منقسم ہے ۱۰۰۲ھ کا لکھا ہوا ہے، اسی طرح عہد اکبر تک حالات ہین، ایک تاریخ خاندان تیموریہ ہے، اس کا بھی کوئی دوسرا نسخہ کہین موجود نہین، یہ مصور، مذہب و مطلا ہے، اور اس کے متعلق اور نیز شہنشاہ نامہ (حالات شاہجہان) کے متعلق ہم معارف مین مفصل طور سے لکھ چکے ہین، اسلیے ہم ناظرین کو اس مضمون کی طرف توجہ دلاتے ہین، ان کے علاوہ سوانح اکبری، تزک جہانگیری کا قدیم ترین نسخہ (جو قطب شاہی خاندان کی ملکیت تھا) مہاراجہ رنجیت سنگھ کے فوجی کاغذات اور شہنشاہ ہمایون کے آفتابچی کی تذکرۃ الواقعات بھی قابلِ ذکر ہے، عمارات آگرہ وغیرہ کے متعلق بھی بعض نادر کتابین ہین،

اب ہم ان کتابون کی طرف متوجہ ہوتے ہین، جنکا سب سے بڑا ذخیرہ اس کتب خانہ مین ہے، اور شعراء کے تذکرے، صوفیہ کے حالات، وزراء کے سوانح، اصحابِ علم و فن کی زندگی کے حالات مین آٹھوین جلد تقریباً اسی فن پر ہے اس مین مندرجہ ذیل نسخے قابلِ ملاحظہ و مطالعہ ہین،

۱- آثار الوزراء مصنفہ سیف الدین مکتوبہ ۱۰۸۸ھ اس مین ۹۱۱ھ تک کے تمام مشہور مسلمان وزراء

کے حالات ہین،

۲۔ فریدالدین عطار کے تذکرۃ الاولیار کی پہلی جلد کا قدیم تر نسخہ مکتوبہ ۷۲۲ھ،

۳۔ ابن بزاز کی صفوۃ الصفا، یہ کتاب شیخ صفی الدین اسحاق کے حالات مین ہے، ایران کی حکومت صفویہ انھی کے نام سے منسوب ہے،

۴۔ مجالس العشاق، اس مین متعدد ایرانی طرز کی تصاویر ہین،

۵۔ حکایات الصادقین، دہلی مین جو صوفیاے کرام مدفون ہین ان کے حالات ہین یہ کتاب لکھی ہے،

۶۔ سفینۃ الاولیا، دارا شکوہ کی تصنیف ہے، اس پر نظرثانی ترمیم اور اضافہ خود اسی شہزادہ کے ہاتھ کا ہے،

۷۔ مرآۃ الاسرار، صوفیاے اسلام کے متعلق بیش بہا و کمیاب نسخہ ہے۔

۸۔ عرفات العاشقین، تقی اوحدی کا لکھا ہوا بہت ہی کمیاب تذکرہ ہے،

ان کے علاوہ سفینۂ خوشگو، ید بیضا، گل رعنا، خلاصۃ الکلام، صحف ابراہیم، ترجمہ ابن خلکان اور خاتمہ مآثر رحیمی قابل ذکر ہین،

آخری جلد لسانیات اور مختلف علوم و فنون پر مشتمل ہے، اس مین بھی متعدد نوادر کا تذکرہ ہے لیکن طوالت کے خیال سے ہم اسکو کسی آیندہ فرصت کے لیے اٹھا رکھتے ہین،

کتب خانہ مین اس وقت ۱۵۲۹ عربی ۲۵۰۰ فارسی ۱۵۶ اردو اور ۱۵ ترکی زبان کے قلمی نسخے ہین، ان مین سے فارسی کے نسخون مین سے ۹۰۰ کی فہرست مرتب ہو چکی ہے اور آیندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہیگا،

ختم تنقید سے پہلے مولوی عبدالمقتدر صاحب کو انکی محنت شاقہ، انکی صبرآزما تحقیقات، انکی باریک بینی، انکی پرازمعلومات تنقیدات کے لیے مبارکباد نہ دینا انصاف کا خون کرنا ہے، انھون نے ہر کتاب کے متعلق جسقدر بھی معلومات بالواسطہ یا بلاواسطہ مل سکتے تھے سب کو ہر شخص کے سامنے پیش کر دیا ہے، مصنفین کی تصانیف سنہ ولادت یا وفات یا سنہ تصنیف کے متعلق انھون نے جو محنت کی ہے

وہ خود ہر شخص سے خراجِ تحسین وصول کرے گی، البتہ بعض جگہ بعض خامیاں رہگئی ہیں مثلاً سنائی کی سات مثنویاں ہیں، حدیقہ، سیر العباد، کارنامۂ برق، طریق التحقیق، عشقنامہ، عقلنامہ، اور بہروز بہرام لیکن وہ آخری مثنوی کا تذکرہ نہیں کرتے، اسی طرح غریب نامہ کے متعلق انکی تحقیقات یقیناً قابل تعریف ہے لیکن یہاں بھی انھوں نے بنّائی کی جگہ بنائی لکھدیا ہے، لیکن یہ اہم غلطیاں نہیں ہیں، اور اس قدر اہم وتحقیق طلب کام میں اس قسم کی لغزشیں قابل لحاظ بھی نہیں، ان فہرستوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایتھے، ریو، اور دوسرے مستشرقین نے کیسی کیسی مضحکہ خیز غلطیاں کی ہیں جنکی خان بہادر نے تصحیح کی ہے، یہ ساتوں جلدیں سپرنٹنڈنٹ گورنمنٹ پریس، بہار واڑیسہ، گلزار باغ پٹنہ سے مل سکتی ہیں،

جمعیۃ العلماء کلکتہ کا خطبۂ صدارت

یہ خطبہ جسمیں عالمِ اسلام کے مسائل پر غائر نظر ڈالی گئی ہے، اور علماء کو موجودہ مذہبی خطرات سے آگاہ کیا گیا ہے، اور ہندوستان میں مسلمانوں کے فرائض سے بحث کی گئی ہے، نہایت اہم ہے، اکثر شائقین اس کا تقاضا کر رہے ہیں اس لئے ان کو اطلاع دیجاتی ہے، کہ دفتر میں اس خطبہ کے تھوڑے سے نسخے باقی ہیں، جو اصحاب چاہیں بقیمت منگوا سکتے ہیں،

قیمت ۸؍ ضخامت ۴۷ صفحے

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

سرگذشت وزیر خان لنکراں، جناب مسٹر محمد عبد القوی صاحب فانی ایم اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے جدید فارسی زبان کے ایک تمثیلی فسانہ در سرگذشت وزیر خاں لنکراں، کا ترجمہ اردو میں کیا ہے، جو صاف سلیس اور رواں ہے، جناب مترجم نے ابتدا میں ۲۲ صفحوں کا ایک مقدمہ لکھا ہے جس میں فن تمثیلی فسانہ کی سرگذشت پر روشنی ڈالی گئی ہے، لیکن اگر ماخذ کا حوالہ دیدیا جاتا تو بہتر ہوتا، ترجمہ کے بالمقابل اصل فارسی فسانہ بھی ہے، آخر میں ایک فرہنگ لغات ہے جس میں فسانہ کے مشکل الفاظ کی تشریح کی گئی ہے، حجم مع فرہنگ ۰۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت عہر پتہ آسی پریس محمود نگر لکھنؤ،

بہائیت کا فوٹو، فتنۂ بہائیت ہندوستان اور خصوصاً برما میں اپنی جڑ مضبوط کرتا جاتا ہے، مسلمانان برما بھی اس کے انسداد سے غافل نہیں ہیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں مولوی محمد اسمٰعیل بیگ صاحب الٰہی ناظم جمعیۃ تحفظ مساجد و اسلام برما نے ۴۰ صفحوں کے ایک رسالہ میں بہائیت کا خاکہ پیش کیا ہے جس سے اسلام اور مذہب بہائیت کے اصولی فرق نمایاں ہوتے ہیں، قیمت ۵ر پتہ حافظ محمد اسحٰق صاحب مکان نمبر ۹۶ گلی نمبر ۴۹ رنگون،

سوز و گداز، جناب محمد عبد الرشید صاحب نے جناب شوق نیموی مرحوم کی متعدد مثنویوں کو یکجا کرکے سوز و گداز کے نام سے شائع کیا ہے، ضخامت ۰۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے قیمت ۱۲ر پتہ: جناب محمد رشید صاحب نیمی ڈاکخانہ نگر نہسہ ضلع پٹنہ،

نکاتِ مرزا، مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے نکاتِ مرزا کے نام سے ۴۰ صفحوں

کا ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں مرزا غلام احمد قادیانی اور مولوی عبد اللہ صاحب چکڑالوی اہل قرآن کے چند اُن نکات و رموز کی حقیقت آشکارا کرنے کی کوشش کی ہے، جو اُنھوں نے قرآن مجید کی مختلف آیات کریمہ میں اپنے حسب منشا پیدا کئے ہیں، کتابت و طباعت اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۵؍ پتہ:- دفتر اہل حدیث امرتسر،

مجموعۂ قصائد مومن جناب ضیار احمد صاحب ایم اے بدایونی، جناب مومن خاں مومن دہلوی کے کلام کو تصحیح و ترتیب کے ساتھ شائع کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں اُردو قصائد کا ایک مجموعہ سعی کوشش سے تصحیح کرکے تعلیقات کے ساتھ شائع کیا ہے، ابتدا میں ایک مقدمہ ہے جسمیں مومن خاں کے سوانح زندگی بیان کرکے ان کے کلام پر تبصرہ کیا گیا ہے، ضخامت علاوہ مقدمہ و دیباچہ چھوٹی تقطیع پر ۱۰۲ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۱۲؍ پتہ، الناظر بک ایجنسی لکھنؤ،

سلسلۂ دینیات جناب مولوی ابو بکر شیث صاحب فاروقی نے طلبہ کے استفادہ کے لئے عبادات پر چھوٹے چھوٹے رسالے لکھنا شروع کئے ہیں، اس سلسلہ کا دوسرا نمبر "نماز کی کتاب" ہے جس میں نماز کے تمام مسائل مختصراً بیان کئے گئے ہیں، حجم چھوٹی تقطیع پر ۵۶ صفحے، قیمت ۳؍ اور تیسرا نمبر "تحفۂ اعتکاف" ہے جو رویت ہلال اور اعتکاف کے مسائل ہیں، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۸ صفحے قیمت ۱؍ پتہ:- دائرہ مطبوعات ملیہ جون پور،

مدح پیغمبر اللہ، جناب محمد عبد الرشید صاحب نے جناب قادر بادشاہ صاحب بادشاہ رئیس وانمباڑی مدراس کے نعتیہ کلام کو یکجا کرکے شائع کیا ہے، مدراس میں اُردو کے نفوذ و اثر کے لئے کتاب بسا غنیمت ہے، حجم ۶۲ صفحے، جناب مرتب نمبر ۸، کوچہ گڈنگ مدراس کے پتہ پر مل سکتی ہے،

رفیق زمیندار، جناب شیخ نور الٰہی صاحب ایم اے ال ایس ایس انسپکٹر آف اسکول ملتان ڈویزن نے چھوٹے بچوں کے لئے قصہ کے پیرایہ میں چند اخلاقی تعلیمی اور معاشرتی نصائح لکھے ہیں،

حجم ۳۰ اصفحے، لکھائی چھپائی بچوں کے مناسب ہے پتہ:۔ مسرز عطر چند کپور اینڈ سنز تاجران کتب لاہور،

خلاصۂ اسلام، جناب مولوی احمد علی صاحب نے چھوٹے چھوٹے رسائل کا سلسلہ جاری کیا ہے، جن کے ذریعہ وہ اشاعت وحفاظتِ اسلام کی خدمت انجام دیتے ہیں، ان رسائل میں ایک "خلاصۂ اسلام" ہے جس میں قرآن مجید کی ان آیتوں کو جو اصول اسلام سے تعلق رکھتی ہیں پیش کرکے ان کا خلاصہ اور ماحصل سمجھایا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۲ صفحے، دوسرا رسالہ "خلق محمدی" ہے جس میں اخلاق نبوی بیان کئے گئے ہیں، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۰ صفحے تیسرا رسالہ "اصلی حنفیت" ہے جسمیں مذہب حنفی کو احناف کے فتاوی سے اس کے اصلی خط وخال میں پیش کیا گیا ہے، اور آج کل بعض مزخرفات وبدعات جو حنفیت کا جزو سمجھے جاتے ہیں ان کی تشریح کی گئی ہے حجم چھوٹی تقطیع پر ۶۳ صفحے، ان میں سے ہر رسالہ ایک ایک آنہ کے ٹکٹ میں انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ لاہور سے مل سکتا ہے،

خرافات عزیز، جناب مرزا یاس یگانہ لکھنوی عظیم آبادی نے جناب عزیز لکھنوی کے بعض کلام پر تنقیدی نظر ڈالی ہے، اور اسکو "شہرت کاذبہ یا خرافات عزیز" سے موسوم کرکے شائع کیا ہے، تنقید وتبصرہ توفی نفسہ ایک ادبی خدمت ہے، لیکن زیر تبصرہ رسالہ میں جو اسپرٹ نمایاں ہے اور طرز نگارش میں جو لب ولہجہ اختیار کیا گیا ہے، وہ جناب یاس یگانہ کے شایانِ شان نہیں حجم چھوٹی تقطیع پر ۷۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت معمولی، قیمت ۸ ر پتہ مرزا یاس یگانہ عظیم آبادی بالائے قلعہ علی گڈھ،

مجالس حسنہ، جناب ملا محمد الواحدی صاحب نے جناب خواجہ حسن نظامی صاحب کے چند ملفوظات کو "مجالس حسنہ" کے نام سے شائع کیا ہے، حجم ۸۰ صفحے قیمت ۱ر پتہ نظام المشائخ پوسٹ بکس نمبر ۱۰ دہلی،

نغمۂ افسوس، جناب سید محمد علی صاحب افسوس ٹونکی وکیل جاورہ اول نے اپنا مجموعۂ کلام "نغمۂ افسوس" کے نام سے شائع کیا ہے، حجم ۱۱۲ صفحے لکھائی چھپائی معمولی اور کاغذ عمدہ ہے قیمت ۸ ر جناب افسوس جاورہ، مالوہ کے پتہ سے مل سکتی ہے،

"ر"

دوسرے دارالاشاعتون

کی

کتابین

مکاتیب، نواب وقار الملک اور نواب محسن الملک کے خطوط کا مجموعہ ۸ر

الاستدلال، اس مین علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کیے گئے ہین ۶ر

الفہرست، اردو زبان کی ہر علم کی تصنیفات کی مکمل فہرست مع اسمائے مصنفین ومطبع قیمت وضخامت . . . . عہ

الانسان، اس مین انسان کے تمام قوائے نفسانی وجسمانی خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کیگئی ہے، صفحہ ۲۱۳، قیمت ۶ر

تسہیل البلاغت، اردو زبان مین فن فصاحت وبلاغت اور بدیع پر دلکش اور سہل اور آسان کتاب ہے، سے

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید وقدیم معلومات کی جامع کتاب ہے قیمت . . . . . ہے

مولدین، مسٹر ہنری چارلس لی کی کتاب مورس کوز کا ترجمہ جس مین اندلس سے مسلمانون کی بربادی کے بعد مسلمانون اور عیسائیون کے باہمی ربط کی تفصیل کیگئی ہے، مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب، قیمت . . . . ہے

تاریخ مغرب، البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد اول مصنفہ علامہ ابن العذاری المراکشی کا ترجمہ جس مین شمالی افریقہ کے مسلمانون کی مفصل تاریخ مذکور ہے، ضخامت ۴۹۶ صفحات، قیمت . . . . ہے

خلافت موحدین، علامہ عبدالواحد مراکشی کی کتاب المعجب کا ترجمہ جس مین اندلس مین موحدین کی خلافت کی تاریخ مذکور ہے، ضخامت ۳۰۷ صفحات، قیمت . . . . . . سے

مختصر تاریخ اسلامی، تاریخ اسلام کے طالب علمون کے لیے مفید سلسلہ اسباق جس کو مصر کے فاضل مورخ محی الدین خیاط کی کتاب سے ضروری اضافون کے ساتھ منشی خلیل الرحمن صاحب نے ملخص کیا،

حصہ اول، (ذکر رحمت للعلمین) ۸ر حصہ دوم، (خلافت راشدہ) ۹ر حصہ سوم، (خلافت بنو امیہ) ۱۰ر حصہ چہارم (خلافت بنو عباس) عہ

اخبار الاندلس، اسلامی اندلس کی مستند ترین تاریخ ہسٹری آف مورس امپائر ان یورپ کا ترجمہ جس سے بہتر اس وقت تک کوئی کتاب نہین لکھی گئی، اس پی اسکاٹ مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب،

حصہ اول، ابتدا سے ۰۰۰ تک قیمت . . عہ/

حصہ دوم، جنگ بازیافت تک، سے/

حصہ سوم، جنگ بازیافت کے بعد . . قیمت عہ/

مکاتیب امیر مینائی، مؤلفہ احسن اللہ خان صاحب ثاقب جس مین علاوہ ان کے خطوط کے ان کے حالات زندگی ان کے مشاہیر تلامذہ کے سوانح، طرز اصلاح سخن، داغ وامیر کا موازنہ وغیرہ بھی شامل ہین، قیمت ۶ر

گوہرین نامہ، مولوی احسن اللہ خانصاحب ثاقب جس مین جناب موصوف نے اپنی بلند پایہ نثر ونظم فارسی عربی اور اردو کے انتخابات جمع کئے ہین، حجم ۲۱۴ صفحے قیمت ۱۲ر

مآثر صدیقی، نواب صدیق حسن خان کی سیرت ہے، پہلا حصہ ان کے خاندانی حالات اور اس کے عہد کے دیگر علماء کے حالات، حصہ دوم ذاتی حالات، حصہ سوم بھوپال کی تاریخ، حصہ چہارم ان کے عقائد وتالیفات کے ذکر پر مشتمل ہے، مؤلفہ نواب علی حسن خان بہادر، قیمت ہر حصہ کی ۱۲ر ہے،

تاریخ ہند، مؤلفہ سید ہاشمی صاحب فریدآبادی، جس مین ابتدا سے لیکر عہد سلطنت برطانیہ تک ہندوستان کی تاریخ ہے، جو بالخصوص طلبا کے لیے ازبس مفید ہے، ضخامت ۴۸۰ صفحے قیمت عہ

حقیقت اسلام، نواب سر احمد حسین خان امین جنگ بہادر چیف سکرٹری گورنمنٹ نظام، کی نوٹس آف اسلام کا ترجمہ ہے، جس مین نئے انداز سے اسلام کی حقانیت اور اس کا سائنس کے ساتھ تطابق دکھایا گیا ہے، کتاب قابل دید ہے قیمت ۱۲ر

مسلمانان اندلس، یعنی اسٹینلی لین پول کی مشہور کتاب "مورس ان اسپین" کا ترجمہ از سید عبدالغنی وارثی (علیگ) مرحوم ۱۲ر

شعر وشاعری، یعنی مولانا حالی کے اردو دیوان کا لاجواب مقدمہ . . . . قیمت

تاریخ عرب، موسیو سیدیو فرانسیسی کی مشہور کتاب کا ترجمہ جس مین مسلمانون کے علوم وفنون، تمدن، اور فتوحات کی تاریخ ہے، قسم خاص جلد چرمی ۱۲ر وقسم عام جلد پارچہ صہ

اساس التعلیم، یورپ امریکہ کے ماہرین تعلیم وپرورش کے تجربات مؤلفہ جناب عبدالحق صاحب بی اے . . . . . . عہ

کشاف الہدیٰ، جس مین نزول قرآن، وحی الہام اور قرآن مجید کے متعلق تمام علمی مباحث پر بحث کیگئی ہے، ضخامت ۴۰۴ صفحات ۶ر

تاریخ تمدن، مسٹر ٹامس بکلس کی مشہور کتاب کا انگریزی ترجمہ جس مین مصنف نے نہایت فلسفیانہ غور وفکر سے تمدن کی تاریخ مرتب کی ہے اور اس کے اسباب وعلل کی تحقیق کی ہے، قیمت جلد اول ۱۲ر، جلد دوم ۶ر

مقدمات الطبعیات، طبعیات (سائنس) کے ضروری ابتدائی مسائل پر محققانہ تالیف . . . ۶ر

القمر، چاند کے فلکی حالات، اس کے طلوع وغروب گھٹنے اور

پڑھنے کے اسباب کی تشریح، قیمت ۔۔۔ ۱ر

اردو کا قاعدہ، بچوں کو سہل طریقہ سے اردو پڑھانے کا قاعدہ ۔۔ ۲ پ

کلید قاعدہ، قاعدہ مذکور کو پڑھانے کے لیے ہدایات ۳ م

فلسفۂ تعلیم، ہربرٹ اسپنسر کی تصنیف جس میں مصنف نے تعلیم کے فلسفہ کی خوبی سے تشریح کی ہے اور اس کے متعلق اہم فلسفیانہ اصول کی تفصیل کی ہے اردو میں اس موضوع پر یہ بہترین کتاب ہے ۔۔۔ ہے

دریائے لطافت، اردو علم ادب، لغت اور قواعد پر اس زبان کی پہلی کتاب ہے، سید انشا اس کے مصنف ہیں، قیمت ۔۔۔ عہ

طبقات الارض، علم طبقات الارض پر اردو میں بھی ایک کتاب موجود ہے، قیمت ۔۔۔ عا

مشاہیر یونان و روما، یونانی و رومی مشاہیر کے حالات و سوانح پر پلوٹارک کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ قیمت عا اول سے ۔۔ جلد دوم عہ

علم المعیشت، فن معاشیات یا اقتصادیات (پولیٹکل اکانومی) پر اردو میں سب سے مبسوط اور جامع تصنیف، صفحات ۶۶۰ قیمت صہ

تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی ہسٹری آف یورپین مارلز کا ترجمہ جس میں فلسفہ اخلاق پر علمی مباحث کے علاوہ یورپ کی تدریجی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے، قیمت جلد اول ہے جلد دوم عہ

تاریخ یونان قدیم، اردو میں اس موضوع پر تنہا تصنیف قیمت عہ

انتخاب کلام میر، میر صاحب کے کلام کا یہ انتخاب سب سے بہتر ہے، قیمت عا

رسالہ نباتات، علم نباتات کے مسائل کی تشریح مع تصاویر عہ

دیباچہ صحت، علم حفظان صحت پر اردو میں سب سے مبسوط تصنیف قیمت للعہ

نکات الشعراء، میر تقی مرحوم دہلوی نے شعرائے اردو کا تذکرہ لکھا ہے ۔۔ قیمت عہ

وضع اصطلاحات، اردو میں اصطلاحات کیونکر وضع کی گئی ہیں اس موضوع پر پروفیسر وحید الدین صاحب سلیم نے اپنے خیالات ظاہر کیے ہیں، قیمت ۔۔ ہے

نفح الطیب، اندلس کی سب سے جامع عربی تاریخ کا ملخص ترجمہ ۔۔ قیمت ۔۔ سے

محاسن کلام غالب، ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری مرحوم نے غالب کی شاعری پر یہ تبصرہ لکھا تھا، قیمت ۔۔ عہ

موسیقی قدیم، ربابی، کلانی، وغیرہ قدیم قوموں کی تاریخ عہ

۔۔ بجلی کے خواص و کیفیات پر ابتدائی تصنیف زبان

سہل اور سلجھی ہوئی، قیمت ۔۔ عہ

تذکرۃ الشعراء میر حسن، امیر حسن دہلوی کا تذکرہ شعرائے اردو ہے

سرگذشت حیات، جس میں نباتات اور حیوانات وغیرہ کے حالات و مؤثرات زندگی سے بحث کی گئی ہے، صفحات ۲۴۰ صفحات عہ

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق، جس میں جاپان کے تعلیمی نظم و نسق سے بہ تفصیل بحث کی گئی ہے، ۱۸۴ صفحات ۔ سے

سیر المصنفین، اردو کے قدیم نثر نویس مصنفین کے حالات جو غالب سے پہلے گذرے ہیں، از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا قیمت عہ

شرعۃ الحق، مصنف حافظ سید محب الحق صاحب عظیم آبادی جس میں اسلام کے تفصیلی احکام کو قرآن مجید سے مستخرج کیا گیا ہے ۔۔ عا

کلام جوہر ۔۔۔ ۶ر

ہندوستانی سہیلی فائڈر، اردو قواعد اردو زبان سیکھنے کے تمام اصول جس سے اردو نہ جاننے والے بہت جلد اردو سیکھ سکتے ہیں قیمت ۔۔ سے

شرح ہندوستانی سہیلی فائڈر ۔۔ عہ

مضامین جوہر، جامعہ ملیہ کے طلبہ کے قلمی رسالہ جوہر کے دلچسپ مضامین کا مجموعہ ۔۔ عہ

عرض جوہر، مولانا محمد علی صاحب کا تازہ کلام ۔۔ ۱ر

اسلامی ... قیمت ۴ر

ترکی ... ۔۔

از ادب ... ابتدائی عربی خوان طلبہ کے پڑھنے کے لئے ادب کا ایک ابتدائی مجموعہ نظم و نثر مؤلفہ مولانا سورتی ۸ر

المدینۃ والاسلام، علامہ فرید وجدی کی عربی کی مشہور کتاب تمدن اور اسلام کا ترجمہ عہ

الخلافۃ الکبریٰ، سورۂ بقر کی جدید اردو تفسیر مقتضیات حال کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے مصنفہ خواجہ عبد الحی صاحب قیمت مجلد صہ غیر مجلد للعہ

الصراط المستقیم، سورۂ توبہ اور سورۂ انفال کی تفسیر اسی طرز خاص پر ۔۔ عا

بصائر، حضرت موسیٰ کے قصۂ قرآنی کی سیاسی تفسیر قیمت ۔۔ ۶ر

مطبع کادیانی برلن کی مطبوعات

دیوان غالب اردو، تقطیع نہایت خوبصورت ٹائپ سنہری جلد عمدہ ترین پتلا مضبوط کاغذ سرخ جلد (لین) جرمنی کا چھپا ہوا ہے

سفرنامہ حکیم ناصر خسرو فارسی ہے، گلستان سعدی فارسی عہ

تاریخ سنی ملوک الارض، عربی میں حمزہ اصفہانی کی مشہور کتاب جو نہیں ملتی تھی، اب مطبع کادیانی نے چھاپی ہے عہ

زاد المسافرین، حکیم ناصر خسرو کی ایک فارسی فلسفیانہ اور مذہبی تصنیف نادر چیز ہے پہلی بار چھپی ہے

تیاتر، جدید فارسی میں ایک ڈراما مصنفہ مرزا ملکم خان ناظم الدولہ ...

موش و گربہ، باتصویر عبید زاکانی کی نظم ۔۔ ۵ر

مجلد ہژدہم	ماہ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۲۶ء	عدد چہارم

مضامین

مرہٹی انسائیکلوپیڈیا مین ذات پاک نبوی کے متعلق جو ناسزا کلمات لکھے گئے تھے، سب سے پہلے معارف (جلد ۱۰ نمبر ۲) مین ان پر اعتراض کیا گیا تھا، اور مرہٹی بولنے والے مسلمانون کو ادھر متوجہ کیا گیا تھا، الحمدللہ کہ مسلمانون نے ادھر توجہ کی اور بمبئی کے اخبارون اور انجمنون نے اس مین حصہ لیا، روزنامۂ خلافت اور بمبئی کرانیکل نے اس پر مضامین چھاپے، اور نوٹ لکھے، انجمن ضیاء الاسلام نے انسائیکلوپیڈیا کے چیف اڈیٹر سے خط و کتابت کی، بوہرون کے امام ملا طاہر سیف الدین صاحب نے بھی ان سے کچھ گفتگو کی، بمبئی کے بہت سے ممتاز مسلمانون نے ایک معروضہ پر دستخط کر کے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹایا، ہمارے فاضل دوست پروفیسر نواب علی نے انسائیکلوپیڈیا کے غلط اعتراضات کا شائستہ جواب چھپوایا،

* * *

چیف اڈیٹر نے اپنی مدافعت مین یہ قبول کیا کہ یقیناً یہ الفاظ درشت اور سخت ہین، لیکن مین نے انگلینڈ کے بڑے مستشرق پروفیسر مارگولیوتھ کی کتاب محمد سے یہ واقعات نقل کئے ہین، مگر ہمارا اعتراض تو یہی تھا کہ ایک ایسے موضوع پر جسکے جاننے والے اور واقفکار خود اسکے پڑوس مین موجود تھے، سات سمندر پار کے ایک مشکل کشا سے حل مشکل کی کیا ضرورت پیش آئی،

* * *

سنا ہے کہ چیف اڈیٹر نے وعدہ کیا ہے کہ وہ چند مسلمان فضلاء سے مبادلۂ خیال کر کے، انسائیکلوپیڈیا کے اخیر مین ایک تصحیحی ضمیمہ لگا دینگے جس سے اس غلطی کی تلافی ہو جائے گی، ظاہر ہے کہ یہ صورت تلافی مافات کی کچھ زیادہ موزون نہین ہے، انسائیکلوپیڈیا کے ختم کا کب تک انتظار کیا جائے گا آج کے زہر کے لیے سالہا سال کے بعد تریاق کے

کے استعمال کے مشورہ کو کون تسلیم کرے گا، بہتر ہے کہ چیف اڈیٹر صاحب مبادی خیال کرکے اپنے گذشتہ بیانات کی تردید و تصحیح کا ایک ضمیمہ بھی چھپوالین، اور سید مذکور کے جتنے نسخے دفتر مین موجود ہین انہین صفحہ مطلوبہ مین یہ ضمیمہ لگادین اور نسخے خریدارون کے پاس جاچکے ہین، ان کے پاس یہ ضمیمہ بھجوادین، پھر چاہے کتاب کے آخر مین بھی اپنے تصنیفی غلط نامون کے ساتھ یہ ضمیمہ شامل کردین تو نور علی نور،

اسی سلسلہ مین یہ بات بھی بیان مین آئی ہے کہ اڈیٹر صاحب نے ملا طاہر سیف الدین صاحب کی خدمت مین حاضر ہوکر اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لی ہے، اور ملا صاحب نے یہ معافی قبول کرلی ہے۔ انجمن ضیاء الاسلام نے چھاپا ہے کہ اڈیٹر نے معافی نہین مانگی ہے، ہمین معافی سے بحث نہین، یہ ایک فرد کی صلح و جنگ کا مسئلہ نہین ہے، پوری قوم کا مسئلہ ہے، اصل بحث غلطی کی تلافی کی ہے اور وہ کس طرح ہوسکتی ہے اور کب ہوگی،

یا تو ہندوستان مین انگریزی مین مسلمانون کا کوئی اخبار و رسالہ نہ تھا یا اب ہر صوبہ سے ایک اسلامی انگریزی اخبار کی صدا آتی ہے، سندھ سے مسلم ایڈوکیٹ، پنجاب سے مسلم آوٹ لک، مدراس سے محمدن، بنگال سے پرانے مسلمان کے بعد اب مسلم کرانیکل نکلا ہے، یوپی سے علی گڈھ میل نکالا گیا ہے، لکھنؤ اور پٹنہ سے بھی اسی قسم کی بھنک آتی ہے خدا کرے کہ کونسلون کے انتخابات کے بعد بھی یہ نئے اخبارات نکلتے رہین، آجکل قومی معاملات کی ابتری جس نازک حد تک پہنچ گئی ہے، اس کے لیے صحیح خیال اخبار و رسالہ کی ضرورت ہے، دلّی کے کامریڈ کو اپنی نشاۃ ثالثہ کے لیے نہ جانے اب کس قیامت کا انتظار ہے،

اسی سلسلہ مین دو ایک اسلامی علمی رسالے بھی نکلے ہین یا نکلنے والے ہین، کلکتہ سے مسلم ریویو مسلم انسٹیٹیوٹ کلکتہ کی طرف سے مسٹر ہارلے ایم اے (پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ) جناب صلاح الدین

خدا بخش ایم اے، بی سی ال، اور جناب عبد العلی صاحب ایم اے کی اڈیٹری مین نکلا ہے، اور خوبی سے نکلا ہے، تمام مضامین اسلامی علوم و فنون اور تاریخ سے متعلق ہین،

مشہور مسلمان انگریز اہل قلم مسٹر ایم، پکتھال (سابق اڈیٹر مسلم کرانکل، حال پرنسپل حیدر آباد ہائی اسکول) کی ادارت مین انگریزی کا ایک اسلامی علمی تمدنی، تاریخی رسالہ حیدر آباد سے نکلنے والا ہے، موصوف نے اس کے متعلق جو خط لکھا ہے، اس مین لکھتے ہین :-

"اس رسالہ کی اشاعت کا مقصد یہ ہوگا کہ اسلام، اصول سلطنت اسلامی تاریخ و تہذیب اسلام کے متعلق صحیح معلومات کی اقصائے عالم مین اشاعت ہو، خصوصاً مسلمانون کی زندگی کے کارنامے ان کے حقیقی کمالات، علوم و صنعت کے اصلی نمونے دنیا کے سامنے پیش کئے جائین گے، رسالہ کو مذہبی یا سیاسی مباحث سے کوئی تعلق نہ ہوگا، اور اس مین کوئی مضمون یا بحث کبھی ایسی درج نہ ہو گی جو مذہب اسلام کے خلاف ہو یا جسکا اثر عقائد اسلامی پر خلاف پڑے، اور چونکہ اسکی اشاعت کا مقصد عام ہے، اور اسکی اشاعت طالبانِ علم و ماہرین خصوصی تک محدود نہین رہے گی، لہذا اسکی عبارت صاف اور عام پسند ہو گی، اور غیر دلچسپ اور پیچیدہ مضامین سے پرہیز کیا جائیگا، اس کا سائز قریب انگریزی رسالہ "نائینٹینتھ سینچوری" کے سائز کے برابر ہوگا، اور ضخامت ۱۶۰ صفحات،"

ہمین امید ہے کہ دکن اور ہند کے ارباب ذوق اس متوقع رسالہ کی پوری قدر کرینگے،

پچھلے مہینون مین دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن کے مطبوعہ نسخہ مستدرک للحاکم پر جو تنقید دو نمبرون مین چھپی تھی اور ان مین جن بعض فروگذاشتون کا ذکر کیا گیا تھا، ان کے جواب مین دائرۂ مذکور کی طرف سے

ایک مراسلہ موصول ہوا ہے، جس مین ان کا جواب دیا گیا ہے، یا نقائص کے اسباب بتائے گئے ہین، آئندہ کسی نمبر مین یہ مضمون آپ کے سامنے آجائے گا،

متن حدیث کی کل ۲۱ کتابین اس وقت چھپی ملتی ہین جنمین سے مشہور و معروف چھ کتابین ہین جنکو صحاح ستہ کہا جاتا ہے، ان کے علاوہ اس وقت تک موطا، معجم طبرانی صغیر، سنن دارقطنی، مسند ابوداؤد طیالسی، منتقی ابن جارود، مسند ابن حنبل، مسند دارمی چھپی ہین، اور ملتی ہین، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، ابن حبان، ابو یعلی، بزار، طبرانی کبیر، اور بیہقی کی اشاعت کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے، علم حدیث کے شائقین یہ سنکر خوش ہون گے کہ مستدرک حاکم کے بعد دائرۃ المعارف بیہقی کی سنن کبیر کی طبع مین مصروف ہے،

اس سلسلہ مین ایک خوشخبری اور بھی سنانی ہے، احادیث کے ان مجموعون مین بکثرت مکرر حدیثین ہین اور بہت سی ایسی بھی ہین جو ایک مین ہین اور دوسرے مین نہین ہین، اسلیے حدیث کے مطالعہ کرنے والون کو کسی ایک مسئلہ پر کل حدیثون کا ڈھونڈھنا مشکل ہوجاتا ہے، اس کے حل کے لیے محدثین نے ایسی کتابین ترتیب دی ہین جنمین تمام حدیثین صحاح ستہ کی یا کل مجموعون کی مکرر اور متحد حدیثین حذف کرکے یکجا کردی ہین، اس قسم کی کتابون مین ملا علی متقی کی کنز العمال، ابن اثیر کی جامع الاصول اور ہیثمی کی مجمع الزوائد کی ایک جلد چھپ گئی ہے،

علامہ مجدالدین ابن اثیر نے جامع الاصول مین بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد اور موطا امام مالک کی حدیثین یکجا کی تھین، اور ابن ابی بکر ہیثمی نے ابن ماجہ، بزار، ابو یعلی، اور طبرانی صغیر، اوسط، اور کبیر، کی وہ حدیثین یکجا کین جو مذکورہ صحاح ستہ مین نہین، گیارہوین صدی مین محمد بن محمد بن سلیمان مغربی

نے سنن دارمی کا اضافہ کرکے ان بارہون کتابون کی حدیثین جمع کردین، اوراس کا نام جمع الفوائد رکھا،
یعنی اس مین بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی، موطا، ابن ماجہ، بزار، ابویعلی، طبرانی صغیر، طبرانی اوسط
طبرانی کبیر، سنن دارمی، تیرہ کتابون کو یکجا کردیا ہے، اس طرح اس آخری مجموعہ نے کتب احادیث کے ابنا
ست شایقین کو مستغنی کردیا،

اس آخری کتاب جمع الفوائد کا نہایت عمدہ قلمی نسخہ جسپر شام کے ایک عالم علامہ خالد نقشبندی کے
حواشی تھے شام مین امام نووی کے دار الحدیث کے صدر مدرس علامہ بدر الدین کے کتب خانہ مین تھا پچھلی
جنگ عظیم مین یہ کتب خانہ جل کر خاک ہوگیا، خدا جانے احادیث کے کیا کیا انمول جواہر اس خاکستر کے ڈھیر
مین دفن ہوگئے،

میرٹھ کے مشہور عالم مولانا عاشق الہی صاحب (مترجم قرآن مجید) جو عاشق الہی ہونے کے ساتھ عاشق رسول
بھی ہین، ۱۳۴۳ھ (۱۹۲۴ء) مین موصوف نے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا، اور اسی سلسلہ مین دمشق پہنچے، تو اس کتبخانہ
کی بربادی اور اس نسخہ کے تلف ہونے کا حادثہ سنا، اسی کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ اس نسخہ کی کامل نقل علامہ
بدر الدین کے شاگرد محمود بن رشید کے کتب خانہ مین اب بھی موجود ہے، مولانا دمشق سے ،،یس چلکر کفر سوسہ
مین پہنچے، اور محمود صاحب سے ملکر اسکی نقل چاہی، موصوف نے اس شرط سے اجازت دی کہ آپ اسکو چھاپکر
شایع کردین، مولانا نے پورے ایک سال وہان رہ کر نسخہ مذکور کی ایک کامل اور صحیح نقل لی، اور یہ ہدیۂ
گرانمایہ لیکر وطن واپس آئے اور ساتھ ہی اس کے لیے مصر سے عربی ٹائپ بھی لائے، جسکا چھپا ہوا
ایک ورق ہمین لطف فرمایا ہے،

مولانا ممدوح اس کتاب کی اشاعت کی فکر مین ہین، مگر

کریمان را بدست اندر درم نیست
خداوندانِ نعمت را کرم نیست

تاہم مولانا اس شرف مین کسی اور کو شریک کرنا نہین چاہتے، نہ تو کسی سے اس کے لیے چندہ لینا چاہتے ہین، اور نہ اعانت قبول کرنا چاہتے ہین، بالآخر اس پر تیار ہوئے ہین کہ ڈھائی سو خریدارون سے کتاب کی پیشگی قیمت لیکر کام کو آگے چلائین، کتاب چار جلدون مین ہوگی پیشگی ادا کرنے والون سے ایک نسخہ کی قیمت ؁ اور یکمشت ۵۰ نسخون کے پیشگی خریدار سے فی نسخہ ؁ (کل ؁) اور پچاس نسخون کے پیشگی خریدار سے فی نسخہ ؁ (کل ؁) لیجائیگی، امید ہے کہ علم حدیث کے شائق کتابون کے تاجر اور ثواب اخروی کے طالب اس کار خیر مین عجلت کرین گے، اگر مولانا کی عمر نے خدانخواستہ وفا نہ کی تو ان کے جانشین اس کام کو جاری رکھینگے یا جاری نہ رکھ سکین گے، تو مولانا کی جائداد سے رسید دیکھکر روپیہ واپس کر دینگے، ہر خریدار کو ساتھ ہی یہ لکھنا چاہیئے کہ خدانخواستہ اسکا رشتہ حیات منقطع ہوگا تو اس کا وارث کون ہوگا یا کس مدرسہ مین ان کا نسخہ وقف کر دیا جائے؟ اس احتیاط شرعی کے بعد امید ہے کہ لوگون کو مستقبل کے متعلق تشفی ہو جائیگی، مولانا کا اندازہ ہے کہ اگر اتنے خریدار مل گئے تو ایک سال مین یہ کام انجام پا جائے گا،

ناظرین کو یاد ہوگا کہ اب سے چند ماہ پیشتر پروفیسر مارگولیتھ سے واقدی کی معتبری و نامعتبری کے متعلق مراسلات ہوئے تھے، اور بالآخر جنوری ۱۹۲۶ء مین واقدی کی نامعتبری کے متعلق ایک بسیط مضمون معارف مین شائع ہوا تھا، اور اسی کی ایک نقل ووکنگ (انگلینڈ) کے اسلامی رسالہ اسلامک ریویو مین بھیجی گئی تھی جسکو رسالہ مذکور نے انگریزی مین ترجمہ کرکے دو نمبرون مین شائع کیا، اسکی اشاعت کے بعد توقع تھی کہ پروفیسر صاحب اس کا جواب لکھین گے. مگر جواب آیا تو یہ کہ اسلامک ریویو کے

اڈیٹر کے نام ان پروفیسر موصوف نے ایک خط لکھا کہ اگر ایک مسلمان (سید سلیمان) دوسرے مسلمان (محمد بن عمر الواقدی) کو کاذب اور دروغگو کہتا ہے تو ایک غیر مسلمان (پروفیسر مارگیولیوتھ) کو بیچ مین پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا یہ وہی غیر مسلمان نہین ہین جنھون نے خواجہ کمال الدین صاحب کو لکھا تھا کہ "اسلام کے ایک سب سے بڑے مورخ واقدی کو آپکے جھوٹے اور نامعتبر کہنے سے میرے دل کو ایسا صدمہ پہنچا ہے جو ایک مدت تک نہین مٹے گا، کیا وہ عظیم الشان صدمہ ایک تحقیقی مضمون کا بھی تحمل نہ ہو سکا؟

اکسفورڈ کے عربی پروفیسر تو خاموش ہو گئے، مگر اسی سرزمین کی ایک اور یونیورسٹی کے عربی پروفیسر نے ان کی جگہ لی، اور وہ واقدی کے ہمدرد و حامی بنکر سامنے آئے ہین، یہ درہم یونیورسٹی کے عربی پروفیسر اے گولیم A. GULLAME ہین، ۱۰ مئی ۱۹۲۶ء کے خط مین وہ اسلامک ریویو کے اڈیٹر کو ایک خط لکھتے ہین جسمین وہ لکھتے ہین کہ سید سلیمان یا کوئی اور عالم انکے سوالات کا جواب دین، یہ سوالات اسماء الرجال کی تاریخ اور واقدی کے متعلق ہین، ساتھ ہی یہ بھی انھون نے لکھا ہے کہ مقصود مناظرہ نہین، بلکہ وہ اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہین، اس کے لئے امداد مطلوب ہے، یہ خط مئی کے آخر مین یہان پہنچ چکا تھا، مگر اپنی ہندوستان سے غیر حاضری کے باعث وقت پر اسکی تعمیل نہ کر سکا، آیندہ موصوف کا خط مع جواب ناظرین کے پیشکش ہوگا،

مصائب اور فتنون نے مسلمانون کو ان کے خواب غفلت سے چونکا دیا ہے، اب مشرق کے مسلمان مغرب کے مسلمانون سے بغلگیر ہو رہے ہین اور مغرب کے مشرق سے مل رہے ہین، مکہ کے موتمر اسلامی اور قاہرہ کے موتمر خلافت کو ملا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کے کسی حصہ کے مسلمان ایسے باقی نہین رہے جو یہان یا وہان شریک نہین ہوئے، لیکن جس ملک کے مسلمان اب تک اس برادری سے باہر ہین، وہ چین ہے،

چین کے مسلمانوں کی نسبت ہمارے معلومات اس قدر کم ہین کہ ہم یہ بھی نہین جانتے کہ ان کی تعداد و مردم شماری کیا ہے، عیسائی مشنری جو کچھ ان کی نسبت کہتے ہین، وہی ہم سنتے ہین، تاہم تین کروڑ سے کم کی آبادی نہین، ۷۰ کروڑ مسلمانون کا باقی ۳ کروڑ مسلمانون سے علحدہ اور بے خبر رہنا کچھ کم قابل افسوس نہین ہے حالانکہ ہمارے دشمن ان کی ایک ایک حرکت اور جنبش سے خبر رکھتے ہین۔

آپ کو کس قدر تعجب ہوگا کہ ۱۹۲۰ء مین جب مین انگلستان مین تھا تو برٹش میوزیم کے پاس کے مشرقی کتب فروشون کے ہان اکثر جایا کرتا تھا، ایک دفعہ گیا تو ایک متوفی مستشرق پروفیسر کی متروکہ کتابین معرض فروخت مین تھین، ان کو الٹا پلٹا تو ایک عربی زبان کا لیتھو پر چھپا ہوا رسالہ چینی ترجمہ کے ساتھ نکل آیا اس کو دوسری کتابون کے ساتھ خرید لیا، اس کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ چین کے انقلاب جمہوریت کے بعد ہی خاص چین سے یہ عربی چینی رسالہ نکلا تھا، جو مشرق اقصے سے انگلستان کے مغرب اقصی مین پہنچ گیا تھا، اور مشرق اوسط کے رہنے والون کو اسکی خبر بھی نہ تھی، یہ یادگار رسالہ اب تک ہمارے پاس ہے،

امید ہوتی ہے کہ اب چین کے نئے انقلاب نے چینی مسلمانون مین بھی نیا انقلاب پیدا کیا ہے، اس وقت شنگھائی چین سے آیا ہوا اسلامی رسالہ ہمارے سامنے ہے، یہ رسالہ تمامتر چینی زبان مین ہے، ٹائٹل پر اوپر عربی مین رسالہ کا نام "الاعلام" لکھا ہے، پھر یہ عبارت ہے: "من جمعیۃ الاسلام العلمیۃ الصینیۃ، الشہری العلمی الادبی الدینی" یعنی چینی علمی انجمن اسلام کی طرف سے ماہوار علمی، ادبی، مذہبی رسالہ، بیچ مین چینی خط مین کچھ لکھا ہے، نیچے انگریزی مین رسالہ کا نام "دی چائنا مسلم" (چینی مسلمان) لکھا ہے، اور اس کے نیچے ہے کہ یہ ماہوار رسالہ چائنا مسلم لٹریری سوسائٹی کی طرف سے شائع کیا گیا، دفتر کا پتہ نمبر ۲ تسن جوگ لی، تونگ پٹین روڈ، شنگھائی، چین ہے، رسالہ کا پہلا نمبر جنوری ۱۹۲۶ء مطابق رجب ۱۳۴۴ھ مین نکلا ہے۔ اللہ تعالی اس انجمن

اور رسالہ کو ترقی اور سعادت نصیب کرے، کہ یہ اس عظیم الشان برادری کا پہلا آرگن ہے،

ایک زمانہ تھا جب ایجوکیشنل کانفرنس کے بعد مذہبی حیثیت سے **ندوۃ العلماء** کے جلسون کی بہار ہوتی تھی، دور دور سے علماء اور مشایخ اور قوم کے اکابر جمع ہوتے تھے، اور مسلمانون کی اصلاح و ترقی کی تجویزین سوچتے تھے، مگر جنگ عظیم نے صرف دنیا کی سیاسی و اقتصادی حالت ہی نہین بدل دی، بلکہ ہر چیز و ہر شے مین اس نے انقلاب پیدا کر دیا، بہت سی نئی آل انڈیا جلسین قائم ہوئیین، قومی ضروریات بھی ایک حد تک بدل گئے ہر شہر مین ہر روز جلسون کی کثرت نے سالانہ مجالس کی رونق کم کر دی، چندون کی بھرمار نے پرانی انجمنون کے خزانون کو خالی کر دیا، یہ سب کچھ ہوا، مگر آندھی کے گذر جانے کے بعد جسم قومی کو اب بھی انھین ہلکی لطیف اور سبک ہواؤن کی ضرورت اسی طرح باقی ہے،

انھین مین ایک ندوۃ العلماء ہے جن کا وجود اور جس کی بقا اب بھی اسی طرح ضروری ہے، امسال نومبر مین ۵-۶-۷ نومبر ۱۹۲۶ء کی تاریخون مین کان پور مین اس کا سالانہ اجلاس ہے، مسیح الملک جناب حکیم اجمل خان صاحب صدارت فرمائین گے، اگر آپ آنہ سکتے ہون تو آپکی مالی اعانت کا ہاتھ ہر جگہ سے وہان تک پہونچ سکتا ہے، کیا ہم اسکی امید رکھین؟

خطبات مدراس،

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوون پر جو خطبے دلکچر، دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، چھپنے سے پہلے اس کے نصف آٹھ ہزار چکے ہین، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کئے جائین ضخامت ... صفحے قیمت عہ منیجر

مقالات

حجاز کے کتبخانے

حجاز اسلام کا مرکز ہے، اس لیے یہ توقع بیجا نہین کہ وہ علوم اسلامیہ کا بھی مرکز ہوگا، اسلام کی دو ابتدائی صدیان اس توقع کے عین مطابق تھین، یہی سرزمین ہے جہان اسلام کی پہلی کتاب (قرآن مجید) وحی کے دست ترتیب سے مرتب ہوئی، یہین احادیث کا پہلا مجموعہ عمر دبن حزم کے ہاتھ سے مرتب ہوا، یہین مدینۃ النبی صلعم کے احکام و قضایا امام مالک نے فراہم کیے، یہین فقہ اور اصول فقہ اور احکام القرآن کی پہلی کتابین امام شافعی نے تالیف کین، یہین حدیث کی پہلی صحیح کتاب امام بخاری نے مدینہ منورہ مین بیٹھکر لکھی، اس عہد مین حجاز کا گوشہ گوشہ قال اللہ و قال الرسول کے ترانون سے گونج رہا تھا،

حجاز نے بنو اُمیہ کے دمشق الشام کا کامیاب مقابلہ کیا، اور اس کے سامنے دمشق کا چراغ نہ جل سکا، مگر عراق کے کوفہ و بصرہ نے آہستہ آہستہ اوسکی مرکزیت کو صدمہ پہنچانا شروع کیا، اور آخرکار تیسری صدی مین بغداد نے اسکی قوت کو سلب کرکے سیاسی اور علمی دونون حیثیتون سے اس کو عجم کا ماتحت بنادیا، اس وقت سے جو اس کے قویٰ مضمحل ہوکر سوئے تو اب تک نہ جاگے،

تاہم اوسکی مذہبی مرکزیت جو خانہ کعبہ اور مسجد و مدفن نبوی کے باعث دنیائے اسلام مین اس کو حاصل تھی چونکہ وہ اسلام کے ارکان مین داخل تھی، اسلئے ملوک و سلاطین اور علماء و فضلاء کے توجہات کو اپنی طرف برابر کھینچتی رہی، صدیان گذرین، دنیا بدل گئی، سلطنتین بنین اور مٹ گئین، قومین ابھرین اور فنا ہوئین، تاہم اسلامی سلطنت نے

جو منصۂ وجود پر آئی، اس کی مذہبی خدمت گذاری اپنا فرض سمجھا۔

ملوک اور سلاطینِ اسلام نے مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ کی جو خدمتین کین جسطرح وہان سونے چاندی کی نہرین بہائین، زر دیئے قائم کئے، مدرسے بنوائے، علما اور ائمہ کو جاگیرین دین، اہل خدمت کو وظیفے دیئے، اس بنجر زمین مین اپنے ملک کی پیداوارین بھیجکر جس طرح اس کو سرسبز و شاداب رکھا، وہان کے سنگستان مین جو یادگارین اور مسجدین بنائین، جو مسافرخانے قائم کئے، جو نہرین کھدوائین، جو شفاخانے تعمیر کئے، اور رفاہِ عام کے جو کام انجام دیے، ان کی کچھ مٹی مٹی یادگارین کھنڈرون اور ویرانون کی صورت مین اب بھی باقی ہین، لیکن تاریخ کے اوراق مین ان کی زندگی اب بھی علی نسبہ محفوظ ہے،

انھین یادگارون کے ضمن مین کتبخانے بھی داخل ہین، ہر عہد مین ملوک و سلاطین اور علماء و فضلا نے اس مین سینکڑون کتب خانے قائم کئے مگر بادِ صرصر کے جھونکے ان کے اوراق کو یکے بادیگرے منتشر و پریشان کرتے رہے اس وقت حجاز کی سرزمین مین جو کچھ یادگارین ہین وہ قسطنطنیہ کی مرحوم ٹرکی کے آثار مشکور ہین، اور خدا جانے اب کس مپرسی کے عالم مین ان کی زندگی کب تک ہے،

ڈر ہے کہین یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مُدت سے اسے دورِ زمان میٹ رہا ہے

اس وقت تاریخ کا پچھلا صفحہ دہرانا مقصود نہین ہے، یہ دکھانا نہین ہے کہ اس سلسلہ مین کیا ہوا، بلکہ یہ دکھانا ہے کہ اس وقت کیا ہے؟

ہندوستان کے مسافر کو عرب کا پہلا ساحل جدہ ملتا ہے، جدہ کی گذشتہ علمی یادگار کا مجھکو علم نہین، سردست اس وقت اس شہر مین علم کے ایک شایق رئیس شیخ محمد حسین نصیف کا وجود ہے، جنکا خاندان ایک مدت سے جدہ مین شرفائے مکہ کا وکیل تھا، مگر پچھلے دنون وہ اس امتیاز سے محروم ہو چکا تھا، شیخ نصیف سلفی العقیدہ ہین، اور اسی سبب سے اس عہدِ حکومت مین ان کو خاص رسوخ اور اعتبار حاصل ہے،

جدّہ کے گذشتہ سفر اور موجودہ سفر مین بھی ان کی عنایات کا مین ممنون رہا، موصوف کی ذات جدّہ
مین ہمارے موضوع بحث کے لحاظ سے تنہا ذات ہے، حجاز کے اس دروازہ مین انھین شیخ نصیف کا پہلا
ذاتی اور شخصی کتبخانہ اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، شیخ محمد نصیف کے کتب خانہ کا بڑا حصہ مطبوعہ کتابون پر مشتمل ہے،
مگر اسی کے ساتھ قلمی یادگارون سے بھی وہ خالی نہین، مجھکو متعدد دفعہ اس کتب خانہ کے دیکھنے کا موقع ملا ہے،
کتب خانہ مین تین چار ہزار کتابین ہونگی جو الماریون مین ترتیب سے رکھی ہین، قلمی نوادر مین اس کتب خانہ کی
چند کتابین ذکر کے قابل ہین جن مین سے علامہ ابن حزم اندلسی کی محلّی ہے جو فقہ اسلامی کی انسائیکلوپیڈیا
سمجھی جاتی ہے اور ہر عہد مین وہ قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے، یہ کتاب فقہی فرقہ آرائیون اور تعصبات سے
بلند ہوکر محض اسلامی فقہ واحکام پر لکھی گئی ہے، نسخہ کے بعض اجزار ناتمام ہین، اس کتبخانہ کی دوسری نادر کتاب
حُمیدی کی الجمع بین الصحیحین کی پہلی جلد ہے، یعنی بخاری اور مسلم مین جو حدیثین مکرر ہین ان کو حذف کرکے صحیحین کی
بقیہ روائتین یکجا کر دیگئی ہین، امام حمیدی نے ان حدیثون کو مسند کی طرز پر یعنی راوی اول کے نامون کی ترتیب
پر ان کو مرتب کیا ہے، مثلاً سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وہ روائتین ہین جو بخاری اور مسلم مین آئی ہین،
اسی طرح عقاید مین حضرت امام احمد بن حنبل کے بعض رسائل ہین،

مکہ معظمہ مین بالفعل دو سرکاری اور تین پرائیوٹ کتب خانے ہین، دونون سرکاری کتب خانے حرم کے
دو مختلف پہلوؤن مین ہین، باب السّلام کے قریب اور باب الزیادۃ کی سمت مین جدھر دار القضا ہے۔
اسی سے لگا ہوا ایک دروازہ ہے جو باب المدرسہ کہلاتا ہے، ایک راستہ اوپر جاتا ہے، آگے زینہ ہے، زینہ کی
دونون سمتون مین دو چھتین ہین، یہ سلطان محمود کی تعمیر ہین، ایک طرف کتب خانہ ہے، اور دوسری طرف مدرسہ
محمودیہ ہے، مدرسہ ٹوٹ کر عمارت شخصی تصرف مین آچکی ہے، اور اس مین حاجی کرایہ سے ٹھہرتے ہین، ہمارے
مخدوم نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی اسی عمارت مین کہ مین امسال فروکش تھے
کتب خانہ قائم ہے، صدر دروازہ مین اوپر ترکی کے چند شعر ہین، جن مین بنا کی تاریخ اور بانی کا نام نامی ہے،

غالباً سلطان عبد الحمید خان کے نام سے، حرم کی متفرق کتابیں اس میں یکجا کر دی گئیں، اور کچھ قسطنطنیہ سے سلطان نے بھجوائیں، بالفعل اس کتب خانہ میں میرے اندازہ کے مطابق پانچ چھ ہزار کتابیں ہونگی، ان میں مطبوعہ اور قلمی کتابیں ہیں، یہ کتابیں مصاحف، تفاسیر، احادیث، فقہ، تصوف، ادب، تاریخ، تجوید و قرات، فلسفہ، منطق، ہیئت، ریاضی، غرض ہر علم و فن کی ہیں، [illegible] زبان میں ہیں،

کتب خانہ کے موجودہ ناظر داغستان کے ایک عالم ہیں جنہون نے مصر مین تعلیم پائی ہے، کتبخانہ کی ایک پرانی فہرست ہے جو ایک ضخیم جلد مین ہے، اور شکستہ ہو رہی ہے، داغستانی صاحب نے نہایت محنت اور جانفشانی سے اس کی ایک نئی فہرست [illegible] لیکن وہ تمام نہین ہوئی، کچھ حصہ زیر ترتیب ہے شاید کہ اب تمام ہو گئی ہو

قلمی کتابون مین سینکڑون کتابین ایسی ہین جو ابھی تک طبع نہین ہوئی ہین، نادر کتابین بھی اس مین متعدد ہین جنمین سے ایک فرقہ ماتریدیہ کے امام ابو منصور **ماتریدی** کی تفسیر تاویلات القرآن ہے، یہ نسخہ نہایت باریک فارسی خط مین بہت بڑی تقطیع پر ایک ضخیم جلد مین ہے، امام موصوف نے متکلمانہ حیثیت سے قرآن پاک کی تفسیر املا کی تھی، اور ایک شاگرد نے اسکو جمع کرکے تاویلات القرآن نام رکھا ہے.

اس کتب خانہ مین ایک اور دوسری تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآی والسور کی متعدد جلدین ہین، اس کے مصنف امام برہان الدین ابراہیم بقاعی ہین، اس تفسیر کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ اس مین آیتون اور سورتون کا باہم ربط اور رشتہ بیان کیا ہے، اس کے ساتھ ایک اور خصوصیت اس مین ایسی پائی جاتی ہے جو کسی اور قدیم تفسیر مین نظر نہین آئی، وہ یہ کہ جہان جہان یہود و نصاریٰ کا تعلق ہے عام مفسرین کی طرح اسرائیلیات اور یہودیون کی بیہودہ روایتین نہین درج کی ہین، بلکہ خود توراۃ اور انجیل کی عربی متعلقہ عبارتین نقل کی ہین، امام بقاعی نے یہ تصنیف ۱۴ برس مین تمام کی ہے، ۸۶۱ھ مین شروع کی اور ۸۷۵ھ مین ختم کی،

[illegible] مین ایک ہندوستانی وہابی عالم صاحب [illegible] سلطان ابن سعود کے مخالف نہین [illegible] اور [illegible] باتون کے بیان کرنے مین نہایت بے احتیاط ہین، انھون نے مجھ سے فرمایا کہ نجدیون نے مکہ معظمہ کے داخلہ کے وقت اس کتب خانہ سے ساٹھ آدمیون پر یا ساٹھ اونٹون پر لاد کر کتابین نجد بھجوا دین، اور فلسفہ و منطق اور امام غزالی کی سب تصنیفات جلا ڈالین، مین اس کتب خانہ کو پہلے دیکھ چکا تھا، تاہم ان کے اس کہنے پر مین نے جا کر دوبارہ کتب خانہ کا جائزہ لیا تو اس مین فلسفہ منطق ہیئت، ریاضیات، تصوف حتی کہ رمل و جفر کی کتابین بھی موجود پائین، امام غزالی کی تصنیفات بھی موجود تھین، اور ساٹھ آدمیون [illegible] یا اونٹون پر اگر کتابین منتقل کیجاتین تو کتبخانہ کی الماریان خالی ہوتین، مین نے اسی پر بس نہین کیا، ناظر صاحب سے دریافت کیا، انھون نے تکذیب کی اور پرانی فہرستین سامنے رکھدین، مین نے اپنی تحقیق یہین ختم نہین کی، قاضی ابن بلیہد صاحب جو قاضی القضاۃ ہین، اور جن سے ان چیزون کا تعلق ہے، ان سے جاکر پوچھا کہ یہ افواہ ہے، اس مین کہان تک صداقت ہے، انھون نے نہایت غصہ سے اسکی تردید کی، اور کہا کہ بحمد اللہ ہم اہل نجد کو کتابون کی حاجت نہین، ہمارے ملک مین سب کتابین موجود ہین،

ہندوستان مین ابھی انڈین مسلم حجاز کانفرنس کی ایک تحریر مین یہ کہا گیا ہے کہ نجدیون نے فقہ و تصوف وغیرہ کی کتابین جلا ڈالین اور وفد خدام الحرمین کی رپورٹ مین اسی سرکاری کتبخانہ کے ذکر مین بیان کیا گیا ہے کہ ان کو عینی شہادت ملی ہے کہ شہداء کے مقام پر جو مکہ معظمہ سے دو یا تین میل ہے اس کتبخانہ کی فقہ و تصوف اور فلسفہ و منطق وغیرہ کی کتابین جلا ڈالی ہین، یہ قطعاً غلط، اور کذب محض ہے اور کتبخانہ مین آج بھی ان کتابون کا وجود وفد مذکور کی سنی ہوئی عینی شہادت کی تکذیب کرنے کو تیار ہے، اور ہندوستان مین بھی سینکڑون اس کے دیکھنے والے موجود ہون گے،

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ [illegible]	[illegible] کسی قوم کی عداوت تمھارے اس جرم کے ارتکاب کی باعث نہ ہو کہ [illegible] مین انصاف کرو کہ یہ پرہیزگاری [illegible]

یہ جملہ معترضہ تھا، جو اس لیے لکھا گیا تاکہ اسلام کا کوئی آیندہ مخالف مورخ اس واقعہ کو دوسرا کتب خانۂ اسکندریہ نہ بنالے،

حرم کا دوسرا عمومی کتبخانہ شروانیہ کے نام سے موسوم ہے، یہ کتبخانہ محمد رشدی پاشا شروانی زادہ جو کسی زمانہ میں حجاز کے والی تھے، ان کا وقف کیا ہوا ہے، باب ام ہانی کے پاس سڑک کے رخ ایک چھوٹا سا کمرہ حرم سے ملا کر بنایا گیا ہے، اوسکی کھڑکیان حرم کی سمت مین کھلتی ہین، یہ نہایت چھوٹا کتبخانہ ہے، چند سو کتابین ہونگی، جو زیادہ تر مطبوعہ ہین، کچھ قلمی بھی ہین، عربی کے علاوہ ترکی، فارسی اور اردو کی بھی کچھ کتابین اس مین موجود ہین، فارسی کتابون مین ایک بہاری مہاجر عالم کے قلم سے مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا ایک نسخہ نظر آیا، عربی کتابون کی فہرست پوری دیکھی، حدیث اور علوم القرآن کے متعلق بعض رسائل کے نام اس مین ملے، بالفعل اس کتب خانہ کو ایک ریڈنگ روم بنا دیا گیا ہے، جس مین اخبارات و رسائل آتے ہین، اور لوگ شام کو ان کو پڑھنے جاتے ہین،

مکہ معظمہ کے چار غیر سرکاری کتبخانون مین سے تین ہندوستان کے شرمندۂ احسان ہین، ایک تو مدرسہ صولتیہ کا کتب خانہ ہے، اس کتب خانہ کی صرف فہرست مین نے دیکھی، مطبوعہ اور قلمی کتابون کا خاصہ مجموعہ ہے، زیادہ تر ہندوستان اور مصر کی مطبوعہ کتابین ہین، کچھ یورپ کے مطبوعات ہین، درسی کتابین زیادہ ہین، جو ایک مدرسہ کے مناسب حال ہین، اس فہرست مین کوئی نادر کتاب نظر سے نہین گذری،

دوسرے کتب خانہ کا فیضیہ نام ہے، یہ ایک ہندوستانی عالم کی ذاتی ملکیت ہے، کتب خانہ جاکر نہین دیکھا، موصوف نے کتب خانہ کی فہرست میرے پاس بھجوادی تھی جس کو مین نے شروع سے اخیر تک مطالعہ کیا، مطبوعات کا مجموعہ ہے، کچھ قلمی کتابین بھی ہین، جنمین مکہ معظمہ کی تاریخین قابلِ تذکرہ ہین،

العقد الثمین فی تاریخ علماء البلد الامین جو علامۂ فاسی المتوفی ۸۳۲ھ کی تصنیف ہے، اور جس مین مکہ معظمہ کے علما، حکام، قضاۃ اور رجال کے حالات ہین، دوسری کتاب شفاء الغرام فی اخبار البلد الحرام ہے،

اسی مصنف کی ہے، اور جس مین شہر مکہ معظمہ کی تاریخ ہے،

تیسرا کتبخانہ بیت دہلوی کی ملکیت ہے اور جسکو ہمارے دوست اور کرمفرما مولانا عبدالوہاب صاحب نے اپنے شوق سے جمع کیا ہے، یہ علم کے شائق، اور نوادر کتب کے عاشق ہین اور خود بھی علم و آگاہی رکھتے ہین، اور مجھے مسرت ہے کہ میرے اور موصوف کے درمیان پہلے ہی سے تعلقات غائبانہ خط وکتابت سے قائم تھے، اب یہ "شنیدہ" "دیدہ" ہوکر اور بھی زیادہ مستحکم ہو گئے، یہ کتبخانہ ابھی اپنے نوجوان اور فاضل مالک کے زیر سایہ نشوونما پا رہا ہے، اس کتبخانہ مین متعدد و نادر کتابین ہین ازانجملہ امام حمیدی کی الجمع بین الصحیحین کی جسکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، دوسری جلد ہے، میری نگاہ مین شیخ نصیف کے کتبخانہ مین اسکی پہلی جلد اور اس مین دوسری جلد ایک ہی نسخہ کی دو متفرق جلدین ہین، عجب نہین کہ دونون صاحب ایک ایک جلد دوسرے سے نقل کراکر اپنا اپنا نسخہ مکمل کرا لین ، اسی موضوع پر امام اشبیلی کی اسی نام الجمع بین الصحیحین کی پہلی جلد ہے، حمیدی نے مسند کے طریق پر جمع کیا ہے، اور اشبیلی نے فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے،

امام ابن جوزی نے جامع المسانید کے نام سے تمام مسند حدیثین یکجا کی تھین، حاجی خلیفہ نے اس کا نام جامع المسانید والالقاب لکھا ہے اور لکھا ہے کہ "یہ بہت بڑی کتاب ہے" اس کتب خانہ مین اس کتاب کی چوتھی جلد ہے،

فن سیرت مین زرقانی کے بعد حافظ سیوطی کے شاگرد شیخ محمد بن یوسف دمشقی صالحی شامی کی تصنیف سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد سب سے مبسوط کتاب ہے، مصنف نے مقدمہ مین لکھا ہے کہ تین سو کتابون سے اس نے یہ کتاب تالیف کی ہے، سات سو کے قریب اس مین باب ہین، شروع مین مصنف نے پوری فہرست دیدی ہے، غالباً یہ ۲ جلدون مین تمام ہوئی ہے، اس کتب خانہ مین یہ کتاب تمام و کمال موجود ہے، حاجی خلیفہ نے اس کے ذکر مین لکھا ہے کہ "متاخرین کی تصنیفات مین یہ کتاب سب سے بہتر اور سب سے مبسوط ہے" مولانا شبلی مرحوم، سیرت کی تصنیف کے زمانہ مین اس کے جویان تھے، اور خیال

آتا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ اس کے بعض اجزار حیدر آباد کے کسی کتبخانہ مین ہین، مین نے یہ کتاب جابجا سے دیکھی، شاگردین اپنے استاد کا پورا پیرو پایا، یعنی شامی بھی اپنے استاد سیوطی کی طرح حاطب اللیل ہین اور ہر قسم کی روایتین اس مین جمع کردی ہین، سیرۃ شامی کے نام سے یہ کتاب مشہور ہے، حلبی کی سیرۃ جو چھپکر متداول ہو چکی ہے، وہ عیون الاثر ابن سید الناس اور اسی کتاب کی تلخیص ہے،

چوتھا ذاتی کتب خانہ قازان کے عالم ملا مراد کا ہے مجھے رات کے وقت اس کے سیر کرنے کا موقع ملا،

مدینہ منورہ کو اللہ تعالی نے جو فضیلتین عطا کی ہین، ان مین ایک یہ بھی ہے کہ یہان اب تک نوادر کتب کا انبار پڑا ہے، اور یہ سب کے سب ترکون کے علمی فیض وجود کی یادگارین ہین، جنگ عظیم کے زمانہ مین ترکون نے عرب مین اپنا جنگی مرکز مدینہ منورہ کو بنایا تھا، شریف حسین نے جب بغاوت کی اور عرب کی حالت متزلزل نظر آئی تو ترکون نے حجرۂ مطہرہ مین جو یادگار تحفے اور شہر کے کتب خانون مین جو نادر کتابین تھین، وہ شام منتقل کردین، اتفاق سے شام بھی ہاتھ سے نکلنے لگا تو حجرۂ مطہرہ کی یادگارین اور ان نادر کتابون مین سے بھی نادر تر کتابین چھانٹ کر قسطنطنیہ بھجوا دی گئین، باقی کتابین دہین پڑی رہین، سوء اتفاق سے اسی اثنا مین سیلاب آیا، جسکا اثر اس مکان مین بھی پہنچا جسمین یہ کتابین پڑی تھین، چنانچہ مدینہ کے کتبخانون مین سے سیدنا عثمان کے کتبخانہ کو اس سے زیادہ نقصان پہنچا، عرب اور شام کے تسلط کے بعد جب فیصل شام کے بادشاہ تھے اور امیر علی مدینہ کے حاکم مقرر ہوئے تو کتبخانہ والون نے امیر علی سے کہہ سنکر شام سے کتابین واپس منگائین، اس خرابیِ بصرہ کے بعد جو کتابین بچ گئی ہین، وہی اب مدینہ منورہ کی علمی بزم کی رونق اور زینت ہین،

گذشتہ لڑائی مین امیر علی نے حفاظت کی غرض سے شہر کے کتب خانون کی کل کتابین، عارف حکمت بے شیخ الاسلام کے کتب خانہ مین وہین کے ناظر ابراہیم حمدی بے کی نگرانی مین یکجا کر دی

تھین، حمدی بے ایک نہایت بیدار محتاط اور کام کرنے والے ترکی النسل عالم ہین، انھون نے ہر کتب خانہ کی کتابین گن گن کر علحدہ رکھوائین، اور ہر ایک کی علحدہ فہرست بنائی، اور امن وامان کے بعد ہر ایک سے واپسی کے دستخط لیکر ہر کتب خانہ کے متولی کو کتابین فہرست کے مطابق واپس کر دین، اسی محنت اور دلچسپی کو دیکھ کر اس عہد حکومت مین ان کو مدینہ کے تمام کتب خانون کا نگران مقرر کر دیا گیا ہے، اس کتب شماری اور فہرست سے ہم کو بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مدینہ منورہ کے ان کتب خانون کی کتابون کا بھی حال معلوم ہو گیا جنکو ہم نے جا کر خود نہین دیکھا، حمدی بے کی تحقیق اور شمار کے مطابق اس وقت چھوٹے بڑے ذاتی اور موقوفہ ملا کر مین چودہ کتب خانے ہین، اور ہر ایک کی کتابون کی تعداد حسب ذیل ہے،

نام	تعداد کتب	نام	تعداد کتب
۱- کتبخانۂ روضۂ مطہرہ	۱۳۳۲	۸- کتبخانۂ عرفانیہ	۱۲۶۴
کتبخانۂ امین پاشا	۱۱۴۵	۹- کتبخانہ سیدنا عثمان	۱۴۵۷
۳- کتبخانۂ مدرسۃ الشفا	۱۴۷۲	۱۰- کتبخانہ شیخ وزیر تونسی (دار الفیا)	تقریباً ۳۰۰۰
۴- کتبخانۂ شیخ محمد معصوم	۳۷۵۰	۱۱- کتب خانۂ شیخ الاسلام عارف حکمت بے	۱۰۰۰
۵- کتبخانۂ حسین آغا (قریب بقیع)	نامعلوم	۱۲- کتب خانہ ساکزلی	۸۳۲
۶- کتبخانۂ مدرسہ قرہ باش	۱۵۵۹	۱۳- کتب خانۂ مدرسہ ازبک	۷۳۲
۷- کتبخانۂ محمودیہ (سلطان محمود)	۵۲۱۰	۱۴- کتب خانۂ ثروت	۵۱۳

بعض اور مقامات بھی ہین جہان موقوفہ کتابین ہین، لیکن ان کی تعداد ۵۰۰ یا ۵۰۰ سے کم ہے، مثلاً

۱۵- کتبخانۂ کیلی ناظر، تقریباً ۵۰۰

۱۶- کتبخانۂ کہربا (متعلقۂ محکمۂ برقیات یادگار سلطان عبد الحمید) ۱۱۱

۱۷- کتبخانۂ عبد الحمید بخاری ۱۳۲

۱۸- کتبخانۂ بہائیہ (بہاؤ الدین قازانی) ۱۲۴

یہ سب موقوفہ کتب خانے ہیں، ان کے علاوہ چند شخصی کتب خانے بھی ہیں جو لوگون کی ذاتی ملکیت ہیں،

۱- کتب خانۂ نیاطی (نیاطا مصر کے ایک گاؤن کا نام ہے) ۲۵۰۰

۲- کتب خانۂ سادات مدینہ بخاری، تقریبًا ۱۰۰۰

۳- کتب خانۂ جمال الدین ۱۰۰۰

۴- کتب خانۂ صافیہ، ۱۰۰۰

۵- کتب خانۂ حمدیہ (حمدی بے) ۱۰۰۰

۶- کتب خانۂ سید یوسف معصوم ۱۰۰۰
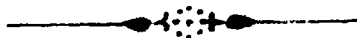
مغار ایلورا،

از

جناب تمکین صاحب کاظمی

قدیم ہندومت جو ویدک دہرم بھی کہلاتا ہے، اور جسے ہم رگ وید کے بھجنون کی مدد سے سمجھ سکتے ہین، محیر العقول اور عظیم الشان فطرتی پرستش سے معمور تھا، ان لوگون کا عقیدہ تھا کہ یہ ایسی قوتین ہین جن پر انسان قابو نہین پا سکتا، البتہ دعاؤن اور تعریفون کے ذریعہ انھین حاصل کیا جا سکتا ہے، یونانیون اور رومیون کی طرح یہان ایسے مندر نہین جنمین مختلف اقسام کے دیوتا ہون بلکہ یہان ایک حد تک فطرت پرستی موجود ہے، مگر ایک خالق سے دوسرے خالق کی طرف نگران نظر آتے ہین، آریا جب کسی خاص دیوتا کی پرستش کرتے تو اسے نہایت ہی برتر، قابلِ ستائش اعلیٰ، سزاوار پرستش اور لائقِ دعا و ثنا تصور کرتے تھے، اسی طرح رگ وید کے آخری حصے (اتھروید) مین بھی خدائے واحد کے تصور کی موہوم جھلک موجود ہے،

ویدک طریقۂ پرستش مین دعا اور قربانی اہم ترین چیزین ہین، دیوتا کلمات حمد و دعا سنتا ہے، قربانی اور نذر و نیاز قبول کرتا ہے، اور ان کو دشمنون پر غلبہ دیتا ہے، رفتہ رفتہ دعا گوئی ایک فن اور پیشہ بنگیا اور برہمن پنڈت، مہنت، پروہت، پیدا ہوگئے، ان برہمنون نے خوش اعتقادی سے یہ فائدہ اٹھایا کہ دنیوی سرداری سے دینوی پیشوائی کی طرف قدم بڑھایا اور ذات پات کی قید لگا دی،

اسی زمانے مین چھتری خاندان ساکیہ کے ایک راجکمار نے اٹھکر برہمنون کے جبر و تشدد کے خلاف زبردست احتجاج کیا، اس نے پاکبازی اور مساوات، خیرات و مبرات کو مقصدِ زندگی قرار دیا اور ایک نئے مذہب "بدھ مت" کی بنا ڈالی، اس نے ۴۸۳ ق م مین انتقال کیا اور اس کے انتقال کے سو برس

بعد بودھ مت ہندوستان کا شاہی مذہب قرار پایا، بودھ کے دو سو سال بعد تک، بودھ مت ترقی کرتا رہا مگر اس کے بعد سے زوال شروع ہو گیا اور آٹھوین صدی کے آخر مین اس مذہب کے نام لیوا صرف نیپال مین باقی رہ گئے، اور اب تک ہین،

گو بدھ مت نے برہمنون پر فتح پائی اور چند ہی صدیون کے بعد ہار مان لی مگر اس نے چند نشانات ایسے چھوڑے ہین جو قیامت تک اسکی فتح کی یاد دلاتے رہین گے، انھین کو دیکھکر براہمنون نے بھی مٹھ وغیرہ قائم کئے اور اب تک چند عظیم الشان مٹھ باقی ہین بعض بعض جگہ تو براہمنون نے بودھی غارون کے پہلو بہ پہلو منادر بنا دیئے ہین، آخر مین بدھ کے پیرو دو شاخون مین منقسم ہو گئے تھے ایک "نہایانا" (چھوٹی گاڑی والے) اور دوسرے "مہایانا" (بڑی گاڑی والے) "نہایانا" کے اصول و عقائد قدیم اور سادہ تھے مگر "مہایانا" کے بانی "ناگارجونا" نے جو بودّیت کا چودھوان گرو تھا اور بودھ کی وفات کے پانچسو سال بعد عروج حاصل کیا قدیم پاکیزہ طریقۂ پرستش کو چھوڑکر اوہام پرستی مین مبتلا ہو گیا اور فرضی عورتون کو مذہب مین جگہ دی، یہ بات ان غارون کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتی ہے جو پانچوین صدی کے بعد کے ہین گو نامکمل ہین مگر ان سے مندرون کی تاریخ کا پتہ لگتا ہے،

ملک کے آثار قدیمہ کے اہم جزو وہ چٹانون کو تراش کر بنائی ہوئی خانقاہین اور منادر ہین جو تمام ہندوستان مین جابجا موجود ہین، یہ اپنے بانیون یا استعمال کرنے والون کے لحاظ سے تین صنفون (۱) بودھی، (۲) برہمنی (۳) جینی مین تقسیم ہو سکتی ہین، پہلے غار بودھیون سے متعلق ہین جو تیسری صدی قبل مسیح سے ساتوین صدی عیسوی تک تقریباً ایکہزار سال مین تیار ہوئے ہین، ان کی بھی دو قسمین ہین، پہلے نہایانا فرقے کے جنھین اولیت کا شرف حاصل ہے اور جو ۲۵۰ ق م سے ۵۰ ق م تک کے ہین، دوسرے مہایانا، یہ بعد کے ہین اور ۵۰ء سے ۶۰۰ء تک کے ہین، نہایانا بھدی وضع کے گرانڈیل ہین، اور جنھین صرف "داگوبا" کی پرستش کیجاتی ہے، نقش و نگار بالکل سادہ ہین، اسلیے مہایانی مندر

کم تعداد مین ہین، ان مین پجاریون کے لیے تہ خانے نہین ہین کیونکہ ان منادر کے تراشنے کے زمانہ مین پجاریون نے تاریک تہ خانون کی رہائش ترک کردی تھی اور کشادہ پرفضا خانقاہون مین رہنے لگے تھے، یہ دہارے آرام دہ اور سامانِ راحت سے پر تھے، داگوبا جو قدیم منادر کے لیے ضروری ہے کسی دہارے مین نہین ہے بلکہ اسکی جگہ بودھ کی مورتین قائم ہین، چتائی غارون مین بھی داگوبا کے سامنے بودھ کی مورت موجود ہے، مہایانی مندرون کے امتیازی نشان بودھی پیشواؤن اور عورتون کی تصاویر ہین، قدیم تراش کے بجائے ایوان اور دالان بنانے کے علاوہ منقش ستون بھی کثیر التعداد ہین، یہ یادگارین بھی چھ قسم کی ہین،

(۱) استوپے، یہ پشتے بودھ کے تبرکات پر بنائے جاتے تھے، ایک عرصہ کے بعد جب تبرکات کی پرستش اور زیارت کی جانے لگی تو ایک گول گنبد مربع چوٹی کی بنائی جانے لگی جسکا نام داگوبا رکھا گیا،

(۲) آرائشی منڈیر، یہ منڈیر ستون، درختون، پشتون، گنبدون کے اطراف مین نصب ہوتی تھی اور اس زمانہ کے فنِ تعمیرات کی لازمہ تصور کیجاتی تھی،

(۳) مینار، یہ مینار مندر کے سامنے بنائی جاتی تھی اور اس پر مذہبی نشانات قائم کئے جاتے تھے، یہ مینار بودھی، جینی، برہمنی، وغیرہ منادر مین بھی موجود ہین،

(۴) چتائے، یہ قربان گاہ ہے اور استوپے، داگوبا کی طرح متبرک، مگر یہ غار پوجاپاٹ اور پجاریون کے قیام کا کام دیتے تھے،

(۵) دہارے، یہ تہ خانے مسلسل ہوتے تھے جنکے سامنے برآمدہ بھی ہوتا تھا، یہ صرف بدھی مرتاضون اور عابدون کے لیے بنائے گئے تھے،

(۶) پندہی، یہ پانی کے چشمے یا حوض ہین جو ہر دہارے مین ہوا کرتے ہین،

اگر ترتیب تاریخی مدنظر رکھی جائے تو ان کے بعد ان مندرون کا نمبر ہے جو ہردو، شیوا دشنو برہمنون کے ہین، ان کی تعمیر کا اندازہ چوتھی صدی عیسوی کے بعد سے آٹھوین صدی عیسوی تک ہے،

یہ اٹھارہ ہین مگر بہت بڑے بڑے ہین، ان کے بعد جینی مندرون کا شمار ہوگا جو تعداد مین بھی کم ہین، ان کا زمانہ تعیر بھی مختلف ہی بعض پانچوین اور چھٹی صدی عیسوی کے درمیان کے ہین اور بعض بارھوین صدی عیسوی کے، یہ چار فیصدی تصور کئے جاتے ہین اور ڈاکٹر سید علی بلگرامی نے انھین اس طرح تقسیم کیا ہے،

(۱) بودھی غار، ۲۰۷ - (۲) برہمنی غار، ۱۶۰، (۳) جینی غار ۳۵ - اور اگر ان مین شرقی غار بھی ملائے جائین تو یہ پہاڑی مندر ایک ہزار کے قریب شمار ہو سکتے ہین،

ایلورہ کے چٹانی منادر ہندوستان کے تمام مندرون سے عظیم الشان اور بہترین ہین، جن مین بودھی، برہمنی، جینی تینون قسم کے منادر ہین،

ایلورہ، (دیرول) ایک چھوٹا سا حصار دار موضع تعلقہ اورنگ آباد کا ہی جو خط عرض بلد شمالی ۲۰° ۲ اور خط طول بلد شرقی ۵° ۷۰ کے تقاطع پر اورنگ آباد سے ۱۵ میل جانب شمال غرب واقع ہے، جی آئی پی، ریلوے اسٹیشن نند گاؤن ۴۴ میل ہے، سڑک پختہ ہے مگر سواری کا معقول انتظام نہین، البتہ اورنگ آباد سے موٹر مل سکتی ہے، اور ادھر سے جانے مین سہولت بھی ہے، غارون کے اوپر بھی ایک عظیم الشان فرحت انگیز پہاڑ پر سرکار عالی کا نہایت ہی پر تکلف فرودگاہ (ریسٹ ہاؤس) بنا ہوا ہے اور اس کے پاس ڈاک بنگلہ بھی ہے جسکا انتظام نہایت ہی عمدہ اور آرام دہ ہے، فرودگاہ مین شاہی مہمان اور وہ سیاح ٹھہرتے ہین جو یورپ سے آتے ہین، ان کی رہائش کا شاہانہ انتظام کیا جاتا ہی اور سربراہی کیلئے ایک خاص عملہ مقرر ہے، فرگسن کی لکھی ہوئی ایک گائڈ سیاحون کے معلومات کے لیے بنگلہ مین رکھی رہتی ہے، یہ جگہ نہایت ہی دلکش اور پر فضا ہے، اطراف مین دس دس بارہ بارہ میل تک کا منظر پیش نظر رہتا ہے، سامنے ہی ایک عمدہ مندر سرخ پتھر کا ہے جو رانی اہلیا بائی نے ۹۵-۱۷۶۵ء مین تعمیر کرایا تھا، یہ مندر زمانہ حال کی ہند وطرز تعمیر کا بہترین نمونہ خیال کیا جاتا ہے، ایلورا کی شہرت ان کوہی مندرا ور غارون کی وجہ سے ہے جو ایک پہاڑ کے دامن مین سوا میل تک چلے گئے ہین اور تین علحدہ علحدہ سلسلون بودھ، برہمن، جین، سے متعلق ہین، یہ ایک مرتفع میدان کے نیچے پہاڑ کے دامن مین کھودے گئے ہین،

اور پہاڑ کے دونون گوشے منتہائے غرب کی جانب بطور شاخ منتہی ہوتے ہین، سب سے قدیم تو دیہ غار جنوبی گوشہ
مین اس مقام پر واقع ہوئے ہین جہان سے چٹانی شاخ مغرب کو مڑتی ہی، دوسرے گوشے پر شمالی شاخ مین جینی
مندر ہین، برہمنی سلسلہ ان دونون کے بیچ مین ہے، کیلاش کو مرکز قرار دین تو ۱۲ غار جنوب مین ہین جنمین سے ۱۴
بو دہ ہین اور تقریباً اسی قدر شمال مین ہین جو برہمنی یا جینی ہین، یہ مندر مہایانا فرقے کی یادگار ہین جنکا سن تعمیر ۳۵۰ء
اور ۵۵۰ء کے درمیان ہے، نہین،

ان کی حفاظت کا کافی انتظام ہے سررشتۂ آثار قدیمہ سرکار عالی کی طرف سے خاص نگرانی ہے اکثر غار جو
مٹی وغیرہ سے اٹ گئے تھے صاف کر دیئے گئے ہین بعضون کو دروازے لگا کر محفوظ کر دیا گیا ہے، ستون وغیرہ جو
ٹوٹ گئے تھے درست کرا دیئے گئے ہین، بہرحال پوری حفاظتی تدبیرین اختیار کی گئی ہین جنھین دیکھکر ایک ماہر
فن مسرور ہوتا ہے،

غارون کا معائنہ جنوب کی طرف سے شروع کیا جاتا ہی کیونکہ تعمیری لحاظ سے بھی یہی مقدم ہے اور
سررشتۂ آثار قدیمہ نے اسی طرف سے نمبر ڈالنا شروع کیا ہے،

غار نمبر (۱)

یہ غار جنوبی گوشہ کے سلسلہ مین پہلا ہے، یہ ایک چھوٹی سی خانقاہ ہی اور غالباً سب سے پہلے تیار کیگئی ہے،
اس مین راہبون کے رہنے کے لیے تہ خانے بھی بنائے گئے ہین، شاید یہ ابتدا مین ملحقہ غار مین شامل تھا مگر اب
الگ ہی، یہ دہارہ (۱۰۰) فٹ لنبا ہی جسمین ایک برآمدہ چارکھم کا ہے جو ۵، فٹ طویل ہی اور ۹ فٹ عریض
اس مین آٹھ ستون اور عقبی دیوار مین تین دروازے ہین اور تین کھڑکیان، وسطی دروازہ پر کام کیا گیا ہے، چوکھٹ پر
چند مجسمے ہین، کھڑکیون پر بھی نقش و نگار ہے، آٹھ حجرے ہین جنکے چوکھٹون پر مجسمے ہین، مغرب کی طرف ایک
جانب کنول کے پھول پر "بودھ" بیٹھا ہوا ہے، دو طرف دو آدمی مورچھل لیے کھڑے ہین، کنول کو سانپ کے
پانچ پھن اپنے سر پر لیے ہوئے ہین، اور برآمدہ مین سات برہمن ایک ہی قطار مین بیٹھے ہین، باہر کی چار

کمانین جدید ہین، جو سررشتۂ آثار قدیمہ نے ترمیم کرائی ہین، اسمین سادگی زیادہ ہے اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مشق کوہ کنی کا ابتدائی نمونہ ہے،

غار نمبر ۲

یہ غار بڑا ہے، اس مین داخل ہونے کے لیے سیڑھیان بنی ہوئی ہین، جو ہم کو ایک وسیع برآمدے مین پہنچاتی ہین، یہ برآمدہ ۱۲ فٹ ۱۰×۱۲ فٹ ہے، اور اندر کا حصّہ ۲۱×۹ فٹ ہے، اطراف کا حصہ چار فٹ چوڑا ہے، یہ عبادت کا کمرہ ہے، اسکی چھت ستونون پر قایم ہے، جن کے پیل پائے ایلیفنٹا کے ستونون کے نمونے کے ہین، ارد کا رمندر کی بلندی ۱۴ فٹ ہے، یہ بودھ کی مورت ایک تخت پلنگ پر بیٹھی ہے، پاؤن نیچے لٹکے ہوئے ہین، بائین ہاتھ کی کن انگلی کو دہنے ہاتھ کے انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے پکڑے ہوئے ہین، یہ وہ مخصوص آسن ہے جو اپدیش کے لیے عموماً استعمل تھا، اور ان غارون مین اکثر جگہ موجود ہے، اس کے دونون طرف دو قدآور دروار پال کنول کے پھول پر کھڑے ہین، جنکے ساتھ دو دیا دھرا اور پانچ پھن کے ناگ بھی ہین، بائین طرف پدمنی کی مورت ہے جسکی پیشانی پر بودھ اور ہاتھ مین کنول کی چھڑی ہے، دوسری مورت اندر کی ہے، یہ لوگ بودھ کے مریدانِ خاص ہین، ان غارون کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرید اپنے اپنے مریدون کے ساتھ دیوتاؤن کے مرتبے پر فائز ہوتے ہین، مگر بدھ سے نہین بڑھتے، کنول کی ڈنڈی والی شکل ترقی کرتے کرتے اس دیوتا کے نام سے مشہور ہو تی ہے جو بودیہ علم لادہام مین پدماپانی یا پدمنی کے نام سے مشہور ہے، جہان کہین دیکھیے یہی پھول اس کے ہاتھ مین نظر آئیگا، مورچھل یا چوری والے خدمت گار بھی غائب ہوجاتے ہین اور ان کے ہاتھ مین سمرن آجاتی ہے، جنمین سے ایک وجراپانی یا موکل برق بنجاتا ہے،

بودھ کی ایک اور مورت داہنا ہاتھ نیچے لٹکائے اور بائین ہاتھ سے عبا کا دامن اُٹھائے کھڑی ہے، سر کے بال کترے ہوئے گھونگروالے ہین اور ایک ہالہ جو اس کا نشان امتیازی ہے سر کو حلقہ کیے ہوئے ہے، یہ بودھ کے بھیک مانگنے کا خاص انداز ہے، عبادت گاہ کے کونون مین بودھ کے پجاریون کی چھوٹی

چھوٹی مورتین ہین جو ہاتھ جوڑے اسکی پرستش کر رہی ہین، دروازے پر دو قوی الجثہ دربان کھڑے ہین، سیدھی طرف والے دربان کے بائین ہاتھ مین کنول کا پھول ہے اور دہنے ہاتھ مین مالا ہے، اس کے دونون بازؤن مین دو عورتین کھڑی ہین، بائین طرف والا دربان زیور پہنے ہوئے ہے اور بالون مین واگو باگا ہوا ہے، دو ملازم گندھرب ہمراہ ہین، تھوڑی دور آگے چھوٹی چھوٹی مورتین ہین جنکے بال گھونگر والے ہین، اور ہاتون مین ہار ہین، اس عبادتگاہ کے دونون بازؤن پر ایک ایک تہ خانہ ہے، دہنے بازو کے تہ خانہ مین بودھ کی مورت ہے جو ایک کنول کے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے، اسے بھی ناگ اُٹھائے ہوئے ہین، دروازہ پر پہرہ دار کنول کا پھول لئے کھڑے ہین، ان کے سامنے ایک عورت بائین ہاتھ مین کنول لیے اور سیدھا ہاتھ اوپر اٹھائے ہوئے کھڑی ہے اس ہاتھ کی مٹھی کھلی ہوئی ہے، اس کے پیچھے دو عورتین ہاتھون مین کنول کے پھول لیے کھڑی ہوئی ہین بقول مسٹر برجس یہ بتانا مشکل ہے کہ بڑی مورت کس کی ہے ممکن ہے کہ بودھ کی مان یا بیوی بسدھرا ہو یا پدما پانی ہو، البتہ شیو اور بھوانی اچھی طرح پہچانے جاتے ہین، ایک کتبہ ۱۲۳۴-۱۲۵۱ء کا ہے، جو نشست پر لگا ہوا ہے، پہاڑی کے اس حصہ مین چند اور غار بھی ہین جو بالکل مسمار ہوگئے ہین اور ان مین کسی قسم کی نقاشی وغیرہ بھی نہین ہے، غار کی غلام گردشون مین جو بغلی جانب ہین بودھ کی بڑی مورتین کھڑی ہوئی ہین، عبادتگاہ کی مورت کی تاریخ کے بارے مین مسٹر برجس کا خیال ہے کہ اس کا کوئی زمانہ معین کرنا دشوار ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسکی تعمیر تیسری یا چوتھی صدی مین ہوئی ہے اور چھٹی یا ساتوین صدی کے آخر مین ختم ہوئی ہے،

غار نمبر ۳

دوسرے اور تیسرے غار کے بیچ مین پانی کا ایک حوض ہے جیساکہ تمام دہارون کے ساتھ ہوا کرتا ہے، یہ غار دہارا کی قسم کا ۳۰ فٹ - ۶ × ۸ فٹ - ۹ برآمدہ والا ہے، برآمدہ مین صرف چار کھم اور اندر حجرے ہین، پچھلے حصے مین دو دریچے ہین، ہال ۴۱ - ۶ × ۴۶ فٹ - ۶ ہے، اس مین بارہ ستون ہین جو تمام منقش اور رنگین ہین، حجرے ۱۸-۴ × ۸-۴ فٹ کے ہین، داہنے حجرے سادے اور بائین کام کئے ہوئے ہین، چارون

کونون مین چار حجرے ہین، اندرونی حصّے بہت ہی آراستہ ہین اور اندر جانے کے لیے سیڑھیان بھی نہایت ہی عمدہ ترشی ہوئی ہین، اندر دو حسین عورتین درختون کے سامنے مین کھڑی ہوئی ہین، اندر کی طرف بھی دونو جانب دو مورتین ہین جنکے سر پر سانپ کا پھن سایہ فگن ہے، عبادت گاہ مین بودھ مع خدم وحشم کے موجود ہے اور خدا او پر گندھرپ استادہ ہے جس تخت پر وہ بیٹھا ہے اسکی پشت پر سار دولا اور مکارا نامی ہاتھیون کی شکلین ہین، جانب راست دو شکلین ہین جو بودھ کا حلقۂ عبادت کہلاتی ہے، ان کی تفصیل یہ ہے کہ ایک قطار عورتون اور ایک مردون کی پوجا کے لئے کھڑی ہوئی ہے عورتین ہاتھون مین ہار لئے کھڑی ہے، یہ غار برآمدے سے دیوار تک ۲۰ فٹ لمبا ۴۳ فٹ چوڑا ہے ہال سادے ہین صرف ستون منقش ہین، ایک طرف یہ "مرقع رزم" ہے اور ایک طرف بدھ کوچ پر سوار ہا ہے یہ غار سب سے عمدہ ہے،

غار نمبر ۴

یہ غار چتیا کی قسم کا ہے اور اس کا اکثر حصہ مسمار ہو گیا ہے، عرض و طول ۳۰ × ۲۲-۶ فٹ ہے چھت ۱۷ ستونون پر قائم ہے، مندر کا حجرہ ۲۳ × ۱۲-۶ فٹ ہی سامنے کا حصہ گرا ہوا ہے، اس مین ایک بغلی دروازے سے داخل ہونے کے بعد جسکا رخ جنوب کی طرف ہے ایک چھوٹے حجرے مین پہنچتے ہین جسے ایک بڑے پتھر نے بند کر دیا ہے جو گرتا ہوا بودھ کا ایک ہاتھ اور پاؤن بھی شہید کر چکا ہے، عبادت گاہ مین بودھ کی ایک مورت بیٹھی ہے جو اپدیش کر رہی ہے سر کے گرد ہالہ ہے اور عقب مین مقدس درخت بو سایہ فگن ہے، مرید تخت کے پہلو کے بجائے عقب مین کھڑے ہین، اندر شمالی گوشے مین پدمارانی کی مورت ہے جسکی بیٹھک کا وہی انداز ہے، جو بودھ کا ہوا کرتا ہے، بائین شانے پر مرگ چھالا لٹکا ہوا ہے دہنے ہاتھ مین سمرن ہے، اور بائین مین کنول کا پھول سر کے بالون پر سامنے بودھ کی مورت ہے،

غار نمبر ۵

یہ ایک کشادہ اور وسیع دہارہ ہے، دونون پہلوؤن پر ایک ایک خلوت گاہ ہے چھت کے ستون

۲۴ ہین جو چوپہلو تراشے گئے ہین، مسٹر فرگوسن کا خیال ہے کہ یہ ایک معمولی دہارے کے مقابلہ مین زیادہ کم تین بازوٗن کا سقف چتایئہ ہے، اس مین متعدد تہ خانے راہبون کے رہنے کے لیے ہین درمیانی حصے مین پتھر کی دو پست اور طویل کوچین بچھی ہوئی ہین، اس کے متعلق مسٹر فرگوسن کا بیان ہے کہ یہ کھانے کے کمرے کی میزین، یا مکتب کی بنچین ہین جو طلبہ کے لیے ڈیسک کا کام دیتی ہین، یا دونو اغراض کیلیے مستعمل ہون

عبادتگاہ مین بودھ کی مورت اپنے رفیقون کے ساتھ بیٹھی اپدیش دے رہی ہے، دروازے پر دربان کھڑے ہین جنکو دروازے کے طرف محراب دار دریچون مین جگہ دیگئی ہے، اور دونون کے ساتھ خدمتگار بھی ہین، اس کے بیشتر حصے کی ترمیم سررشتۂ آثار قدیمہ سرکار عالی کی طرف سے ہوئی ہے،

غار نمبر ۶

یہ غار ایک زینے کے ذریعہ سے پانچوین غار سے ملا ہوا ہے، مشرقی گوشے مین چند تہ خانے ہین اور غربی پہلو بالکل منہدمہ ہے، پچھلے حجرے مین چند مورتین ہین جنمین سے ایک عورت کے پاس مور کھڑا ہوا ہے اور نیچے ایک پروہت بیٹھا ہوا منتر پڑھ رہا ہے، عورت سرسوتی (علم کی دیوی) ہے، عبادتگاہ مین ایک بڑا بودھ اپنے اصحاب کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے،

غار نمبر ۷

یہ ایک ناتمام دہارا ہے جسمین ۸ تہ خانے چار ستون پر ہین اور کسی قسم کی مورت نہین ہے،

غار نمبر ۸

اس مین داخل ہونے کے لیے نمبر ۶ سے راستہ ہے، اس کے ستون منقش ہین، بودھ اپدیش دیتا ہوا بیٹھا ہے، مصاحب بھی موجود ہین، پدماپانی بھی ایک کنول پر ایستادہ ہے جس کے چار ہاتھ ہین، دو پجاری ڈنڈوت کرکے پاؤن چوم رہے ہین جن کے پیچھے ایک عورت اور مصاحب کھڑے ہوئے ہین، سر دن پر گندھرپ سایہ فگن ہے،

غار نمبر ۹

نمبر ۸ سے نمبر ۹ مین واپس جاکر اس غار مین آنا پڑتا ہے جو راستہ چھٹے غار مین سے ہوتا ہوا یہان نکلتا ہے، بہت ہی معمولی اور سادہ غار ہے، ایک پیش دالان ستونون پر قائم ہے، عبادت گاہ مین بودھ کی مورت بیٹھی ہوئی ہے جس کے ساتھ چند مصاحبین اور گندھربون کی مورتین بھی ہین،

غار نمبر ۱۰

یہ جیانیہ غار ہے، مسٹر برگس کہتے ہین کہ "یہ غار نہ تو وسعت مین کارلی کے بڑے غار کی طرح شاندار ہے اور نہ پر تکلف ہی ہے مگر ایک عظیم الشان چیز ہے" اس مین داخل ہوتے ہی ایک کھلا ہوا صحن ایک احاطہ سے محصور ملتا ہے، ستونون پر کثیر التعداد تصاویر کندہ ہین، اندرونی حصہ مین ایک عبادتگاہ ہے اور کئی ایک بغلی راستے جنکو ۲۸ ہشت پہلو ستونون نے وسطی حصے سے الگ کر دیا ہے، اندرونی حصہ داگوبے سے گھرا ہوا ہے، جو قطر مین ۱۵ ۱/۲ فٹ اور عمق مین ۲۰ فٹ ہے، اس سے ایک ڈیوڑھی ملتی ہے جو اجنٹا کے غارون کی ڈیوڑھیون سے بڑی ہے، اسکی چوٹی پر بودھ کی ایک عظیم الشان مورت ہے جو گیارہ فٹ اونچی ہے، مصاحبین ہمراہ ہین اور درخت بودھ سر سایہ فگن ہے، اس غار کی چھت محراب دار ہے، مصنوعی کڑیان بھی بنی ہوئی ہین، مسٹر فرگسن کہتے ہین کہ اس غار مین سب سے بڑی خصوصیت رو کار ہے، یہان نعل نما طاقچے نہین ہین، سامنے احاطہ ہے جسمین دو تہ خانے اور دو عبادت خانے ہین، شمالی احاطہ مین زینہ لگا ہوا ہے جس پر گیلری مین جا سکتے ہین، اس کا نام "ستار کی جھونپڑی" مشہور ہے؛ اور ستار یعنی بڑھئی ہی اسکی زیارت کو بہت آتے ہین، اور بودھ کو وشواکرما تصور کرکے پرستش کرتے ہین، بودھ کی مورت رنگین ہے، سبز، زرد، اور نیلے رنگ کی جھلک اب تک موجود ہے، ایک ستون پر سنہ ۱۳۲۸ شاکا کا کتبہ ہے، (یہ سنہ ۱۳۰۶ء کے مطابق ہے)

غار نمبر ۱۱

چونکہ یہ غار دو منزلہ ہے اس لیے یہان کے لوگ اسے "دو تال" کہتے ہین، بعض اسے "دکھیا گھر"

یعنی دکھ در دکی جگہ کہتے ہین، دکھیا گھر نام کی وجہ تسمیہ یہ سنی جاتی ہے کہ میر عمارت وشواکرما، نے تین تال ختم کرنے کے بعد یہان پر ایک عظیم الشان غار کھودنے کا ارادہ کیا مگر ابتدائے تعمیر ہی مین اسکی انگلیون مین زخم لگا اور اپنا ارادہ پورا نہ کر سکا، چونکہ اسے دکھ پہنچا تھا اسلیے دکھیا گھر نام رکھا گیا، یہ غار غالباً ؁۶۰۰ء مین مکمل ہوا ہے

نچلے حصے مین دو تہ خانے ہین جنمین بودھ اصحاب کے ساتھ براجمان ہے، دوسری منزل مین ایک برآمدہ ہے، جسکے پچھلے حصے مین ۵ دروازے ہین دوسرے دروازے سے عبادت گاہ کو راستہ جاتا ہے، جس کے اندر بودھ کی عظیم الشان مورت اس طرح پالتھی مارے بیٹھی ہے کہ تلوے نمایان ہین، بودھ کے تخت کے نیچے ایک عورت کی مورت ہے جو ہاتھ مین کٹورا لیے ہے، تخت کے داہنے بائین بازو وجرا پانی اور پدما پانی کی مورت ہے وجرا پانی کے ہاتھ مین بجلی کا کوڑا ہے دونون کے سر پر اڑتی ہے جو بہترین نقش و نگار سے مزین ہے، اور اسی طرح تخت بھی، اور چند تصویرین بودھ کی ہین جنکے سر پر درخت بوہے، برآمدے کے اور دروازون سے ملحق بھی چھوٹے چھوٹے مندر ہین، جنمین بودھ اور اس کے اصحاب کی تصاویر ہین، اسکی بعض مورتین رنگین ہین گو رنگ اڑ گیا ہے مگر علامات اور بعض بعض جگہ لکیرین ابھی باقی ہین، بعض مورتون کی صورتین قصداً خراب کیگئی ہین، معلوم ہوتا ہے کہ بے درد دیکھنے والون نے دست درازی کی ہے،

غار نمبر ۱۲

یہ غار تین تال (سہ منزلہ) ہے، اور اسی نام سے مشہور بھی ہے، اس مین داخل ہوتے ہی ایک وسیع اور کشادہ صحن ملتا ہے غربی پہلو مین ایک وسیع حوض ہے صحن مین سے ایک زینہ اوپر کی منزل مین پہنچاتا ہے جسکے سامنے والے ستونون کی قطار مین دو مربع ستون ایسے نظر آتے ہین جو نقاشی کے عمدہ ترین اور مکمل نمونے ہین، ان کے علاوہ اور آٹھ آٹھ ستون ہین، بائین جانب ایک حصہ مین بودھ بیٹھا ہوا ہے اور آٹھ مورتین دوسری بھی ہین، پدما پانی اور وجرا پانی داہنے بائین طرف کھڑے ہین، ان کے اوپر نیچے چھ مورتین ہاتھون مین مختلف چیزین لیے کھڑی ہین، بودھ کی مورت بیٹھی ہوئی ہے جو ۱۱ فٹ اونچی ہے،

اطراف اور چھوٹی چھوٹی مورتین بدھ کی ہین، جنکے بازون پر پدماپانی اور وجراپانی وغیرہ ہاتھون مین پھول، پھل لیے ہوئے ہین، جنوب مین ایک زینہ دوسری منزل کو جانے کے لیے ہے جسمین داخل ہوتے ہی ایک عبادت خانہ ملتا ہے، جسمین ایک تخت کے اوپر بودھ بیٹھا ہوا ہے، دروازون پر چھوٹی بڑی، مردانی، زنانی، چارون ہاتھون والی تصاویر ہین، پہلے درجے مین ایک دیوان ہے جسمین تین کرے ہین یہ دیوان ۱۷ استون پر استادہ ہے، عبادت گاہ مین ایک بودھ کی مورت ہے جو بالکل نچلے حصے کی مورت کی سی ہے، جس کے پہلو مین پدماپانی اور وجراپانی بھی ہین اور دیوارون پر متفرق مورتین زنانی مردانی ہین، جنکے ہاتھون مین پھول، کلیان، جھنڈیان وغیرہ ہین، انکی نسبت مسٹر برگس کا خیال ہے کہ یہ بانی غار کی بیوی وغیرہ ہین،

اوپر کے حصے مین ۴۸ ستون ہین اور کئی جگہ بودھ مع رنقا تخت پر بیٹھا ہوا ہے، جن کے قدمون کے پاس ہرن کھڑے ہوئے ہین، مسٹر برگس کا خیال ہے کہ "یہ منظر بنارس کے مرگ بن کا ہے جو بودھ کو بہت پسند تھا اور جہان وہ اپدیش اور دہرم پرچار مین مصروف رہا کرتا تھا"

اسی کے پہلو مین بودھ کی ایک تنہا تصویر ہے جو تخت پر بیٹھا ہوا ہے، اور اس کے پہلو مین بودھ کی ایک چھوٹی سی مورت مراقبہ مین ہے اس کے اوپر بودھ کی ایک تصویر ہے جو بقول ڈاکٹر سید علی آسمان پر دیوتاؤن کو اپنے اصول سمجھانے کے لیے جارہا ہے، اسی کے ساتھ ایک اور تصویر بودھ کی ہے جو ڈاکٹر سید علی کے خیال مین دنیا سے کنارہ کش ہو کر سکونِ کامل کی طرف بڑھ رہا ہے،

غار نمبر ۱۳

تین تال سے تھوڑی دور آگے بڑھنے کے بعد برہمنی غارون کا سلسلہ ملتا ہے جس کا یہ پہلا غار ہے یہ ایک شکستہ کمرہ ہے جو ڈاکٹر سید علی کے خیال مین مسافرون کی قیام گاہ تھا،

غار نمبر ۱۴

اس کا نام "راون کی گھاٹی" ہے، اس مین سولہ ستون ہین اور ایک ہال ایک کٹہرہ، سب منبت ہین،

جنوبی دیوار پر بہت ساری تصاویر کندہ ہین، اس کے متعلق مسٹر برگس لکھتے ہین کہ درگا بھینسے کی شکل کے دیو کو ہلاک کر رہی ہے اور شیوجی اور پاروتی ایک بلند شہ نشین پر بیٹھے چوسر کھیل رہے ہین شیو دنیا کی بربادی تادو نہا کا ناچ، ناچ رہا ہی، راون لنکا کا راجہ بھیرو، (شیو کی قاتلہ) گنپتی وغیرہ مین جنکے قریب ہی ہڈیون کے تین ڈھانچے ہین، کالی کے چار ہاتھ ہین اور اسکی چھاتیون سے بچھو چمٹے ہوئے ہین، کالی، گنپت، سات دیویان بھوانی، لکشمی (وشنو کی بیوی) رادہا، وشنو کے خوک پیکر اوتار لکشمی وغیرہ کی تصاویر دیوار دن پر ہین؛

بائین طرف ایک حجرہ کھلا ہوا ہے جس کے اندر ایک بڑا تہ خانہ دور تک چلا گیا ہے جس مین ایک آدمی جھک کر جاسکتا ہے. سامنے تین ستون ترمیم شدہ ہین،

غار نمبر ۱۵

اس کا نام "دسا اوتاری" ہے اس مین پہنچنے کے لیے ایک ایسی چٹان پر سے گذرنا پڑتا ہے، جس کے اوپر بجائے سیڑھیون کے پاؤن کے نشانات کہدے ہوئے ہین، صحن مین متعدد مندر اور ایک حوض ہے غرب رویہ دیوار پر ایک سنسکرت کتبہ ہے جو مٹ گیا ہے، یہ غار دو منزلہ ہے پہلے درجے مین شیو، وشنو، پاروتی بھوانی، اور گنپتی کی مورتین ہین، دوسرے درجہ مین شیو کی بہت ساری تصاویر ہین جنمین سب سے دلچسپ تصویر وہ ہے جو دروازہ کے قریب ہے اس کا حال مسٹر برگس کے الفاظ مین بہت بھلا معلوم ہوتا ہے،

دیو ہیکل مہا دیو آگے جھپٹ رہا ہے، ہاتھ مین ہاتھی کی ایک کھال ہے جسے اوپر اٹھائے ہوئے ہے، گلے مین کھوپریون کا مالا ہے، جو پنڈلیون تک لٹک رہا ہے، کمر سے کالا ناگ لپٹا ہے، منہ کھلا ہوا ہے اندر سے بڑے بڑے تیز دانت دکھائی دیتے ہین، ترسول مار کر ایک سنگار کو گرا یا ہے اور دوسرے کو بائین ہاتھ سے دبوچ رہا ہے، ایک ہاتھ مین ڈمرو ہے جو خون پی کر خوشی سے بجاتا ہے، کالی، دبلی، لمبی، ترنگی خوفناک صورت بنائے تیوری چڑھائے بصد شوق و ذوق سنگار کا خون پینے کے لیے جھک رہا ہے؛

دوسرے عبادت خانون مین شیو اور پاروتی کی تصاویر ہین، ایک تصویر مین ان کی شادی

منظر دکھلایا ہے، برہماجی ادائی رسوم مین مصروف ہین، برآمدے ین گنپتی کی ایک بڑی مورت اور لکشمن شیو، برہما وغیرہ کی مورتین ہین، خوب رد یہ دیوار پر بھی بہت سی مورتین ہین،

اس مین بخارات اور غار دن کے مورتون پر استر کاری کیگئی تھی جواب جھڑ گئی ہے،

اوپر کے حصے مین بیچون بیچ مین ایک بڑا بیل پتھر کا ترشا ہوا رکھا ہے جو علیحدہ ہے، کسی نے اس کی گردن اُڑا دی ہے جس سے وہ بدنما ہوگیا ہے،

(باقی)

امرائے اسلام کے حالاتِ حج،

ازطالب العلم مقیم مکہ معظمہ،

(۱)

حج؛ اسلام کا ایک ضروری اور اہم رکن ہے اور صاحبِ استطاعت اشخاص پر فرض ہوا ہے، سلاطین و والیانِ ملک سے زیادہ کون صاحبِ استطاعت ہوسکتا ہے؟ اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ اس فریضہ کی ادائیگی سے کوئی مسلمان والیِ ملک محروم نہ رہتا مگر افسوس کہ بیشمار امرائے اسلام مین سے چند ہی خوش نصیبون کو حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل ہوا ہے، باقی اپنی مصروفیت ملکی یا غفلت و تساہل کیوجہ سے اس سے محروم ہی رہے ہین،

اس مضمون مین انھی خوش نصیب سلاطین و رؤسائے اسلام کے حالات حج بڑی جستجو سے فراہم کئے گئے ہین، علامہ مقریزی (المتوفی ۸۴۵ھ) نے ایک رسالہ (الذہب المسبوک فی ذکر من حج من الملوک) لکھا تھا جس مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر اپنے زمانہ تک کے چھبیس بادشاہون کے حج کے حالات جمع کئے تھے[1]، افسوس کہ یہ رسالہ مجھکو دستیاب نہ ہوسکا[2] ورنہ یہ مضمون اور زیادہ مکمل ہوجاتا، تاہم فی الحال جو کچھ میسر ہوسکا وہ ہدیۂ ناظرین ہے،

حج نبوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اس سے بالاتر ہے کہ آپ کا ذکرِ مبارک ملوک و سلاطین کیساتھ کیا جائے مگر صرف تبرکاً واحتساباً آپ کے حجۃ الوداع کے مختصر حالات کا درج کرنا مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے،

---

[1] کشف الظنون، [2] یہ رسالہ کیمبرج کے کتبخانہ مین موجود ہے حسب روایت جرجی زیدان مؤلف تاریخ آداب اللغۃ العربیہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت سے قبل جو حج کئے ہین ان کے حالات بلکہ صحیح تعداد بھی غیر معلوم ہے، البتہ ہجرت کے بعد بالاتفاق آپنے ایک ہی حج کیا ہی جسکو حجۃ الوداع کہا جاتا ہی کیونکہ آپنے اس مین امت سے کلمات وداع فرمائے تھے، یہ سنہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے، ماہ ذیقعدہ مین آپکے ارادۂ حج کا اعلان ہوا شرف ہمرکابی کے لئے تمام عرب اُمنڈ آیا، ۲۶ ذیقعدہ کو آپنے غسل فرماکر چادر اور تہ بند باندھا اور ظہر کی نماز پڑھکر مدینہ سے روانہ ہوئے، تمام ازواج مطہرات بھی ساتھ تھین، ذوالحلیفہ مین منزل کی، اور شب بھر اقامت فرمائی، دوسرے دن پھر غسل فرمایا اور جسم مبارک مین عطر ملا، نماز ظہر پڑھکر قران کا احرام باندھا اور بآواز بلند لبیک کہی اور صحابہ کو بھی حکم فرمایا کہ بآواز بلند لبیک پکارین، صحابہ مین سے بعض نے قِران کا اور بعض نے افراد کا اور بعض نے تمتع کا احرام باندھا، اسکے بعد آپ قصواء نامی سانڈنی پر سوار ہوئے جب وہ کھڑی ہوئی تو آپنے پھر بآواز بلند لبیک کہی، راستہ مین بھی اکثر خصوصًا جب کسی ٹیلہ یا نشیب سے گذر ہوتا تھا یا کوئی قافلہ ملتا تھا تلبیہ فرماتے جاتے تھے، اس مقدس کاروان کیساتھ ہر جگہ سے فوج در فوج حاجی شریک ہوتے جاتے تھے، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ جہان تک نظر کام کرتی تھی آدمیون کا جنگل نظر آتا تھا، ۴ ذی الحجہ کو مکہ پہنچے، رات کو چاہ ذی طویٰ کے پاس رہے صبح کو اسمین سے غسل فرماکر براہ حجون شہر مین داخل ہوئے اور حرم شریف تشریف لیگئے اور طواف القدوم کیا، طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد حجر اسود کا بوسہ لیا اور صفا کی طرف روانہ ہوگئے، سعی سے فارغ ہوکر آپنے حکم دیا کہ جو لوگ اپنے ساتھ ہدی کے جانور لائے ہون وہ تو بدستور حالت احرام ہی مین رہین باقی لوگ احرام کھول ڈالین اور پھر ۸ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ لین، آنحضرتؐ مقام ابطح مین اترے تھے، آٹھوین تک وہین رہے آٹھوین کو تمام صحابہ کو لیکر منیٰ تشریف لے گئے، ظہر و عصر و مغرب و عشا و صبح کی نمازین وہین پڑھین ۹ کو سورج نکلنے کے بعد منیٰ سے عرفات روانہ ہوئے، وہان پہنچکر وادی عرنہ مین کمل کے خیمہ مین

قیام فرمایا، زوال کے بعد ناقہ پر سوار ہو کر اس جگہ تشریف لے گئے، جہان اب مسجد نمرہ بنی ہوئی ہے اور ناقہ کے اوپر ہی سے ایک بلیغ اور پر اثر خطبہ دیا جسمین وعظ و نصیحت اور احکام شرعیہ کا بیان تھا، آخر خطبہ مین آپ نے تمام مجمع سے (جسکی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی) مخاطب ہو کر فرمایا کہ "لوگو! تم سے قیامت مین میری بابت پوچھا جائے گا تم کیا جواب دوگے؟ صحابہ نے عرض کی ہم گواہی دینگے کہ آپ نے سب احکام پہنچا دیئے اور اپنا فرض ادا کر دیا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا" آپ نے آسمان کی طرف انگلی اوٹھائی اور تین بار فرمایا، اللّٰھم اشھد (اے خدا گواہ رہنا) پھر آپ نے فرمایا کہ جو لوگ موجود ہین وہ غیر حاضر لوگون کو تبلیغ کر دین، نبی کریم جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو یہ آیت اتری:-

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (سورہ مائدہ)	آج مینے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتِ ہدایت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام پسند فرمایا،

خطبہ کے بعد ظہر کی نمازین (جمع و قصر کرکے) پڑھائین، پھر ناقہ پر سوار ہو کر جبلِ رحمت کے پاس گئے، اور (صخرات) کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ مین یہان کھڑا ہو گیا ہون مگر سارا میدانِ عرفات موقف ہے، پھر قبلہ رو ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور غروبِ آفتاب تک دعا، و ذکر الٰہی مین مصروف رہے، اس اثنا مین بہت سے لوگ مسائلِ حج پوچھنے آتے تھے، اور آپ تعلیم فرماتے تھے، جب آفتاب غروب ہو گیا تو آپنے مزدلفہ کی طرف روانگی کا حکم دیا، اور فرمایا کہ آہستہ آہستہ چلو، سواریون کو دوڑانا کچھ ثواب کی بات نہین ہے، راستہ مین آپنے ایک جگہ اتر کر طہارت کی اور آب زمزم سے (جو ساتھ تھا) وضو کیا اور پھر سوار ہو گئے، مزدلفہ پہنچکر پھر وضو کیا اور مغرب و عشا کی نمازین (بالجمع و القصر) پڑھائین، اور وہین شب بسر کی

نمازِ صبح کے بعد ناقہ پر سوار ہو کر قبلہ رو دعاء و ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے، جب خوب اجالا ہو گیا تو وہاں سے منیٰ کو روانہ ہوئے، راستہ میں سے آپنے سات کنکریاں چن لیں، اور منیٰ میں پہنچکر جمرۃ العقبہ کی رمی کی، پھر اپنی قیامگاہ پر تشریف لائے، اور سواری ہی کی حالت میں ایک بلیغ و مؤثر خطبہ دیا، خطبہ کے اختتام پر آپنے تمام مسلمانوں کو الوداع کہا، پھر قربان گاہ تشریف لے گئے اور سو اونٹوں کی قربانی کی، پھر سر منڈوایا اور موئے مبارک صحابہؓ کو عنایت فرمائے، اس کے بعد مکہ گئے اور طواف الاضافہ کیا اور زمزم نوشجان کیا، پھر منیٰ کو واپس ہوئے اور ۱۳ ذی الحجہ تک وہیں رہے اور ہر روز رمیِ جمرات کرتے رہے، اور ۱۲ کو ایک خطبہ بھی دیا تھا۔ ۱۳ کو زوال کے بعد مکہ روانہ ہوئے اور محصب میں قیام فرمایا،[1]

خلفائے راشدین:۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو پہلے سال (یعنی سنہ ۱۱ھ میں) حج کو نہ جا سکے بلکہ اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کو امیر الحج مقرر کر کے بھیجدیا تھا، دوسرے برس (سنہ ۱۲ھ میں) خود تشریف لائے اور عمرہ و حج سے بہرہ اندوز ہوئے، ان کے بعد جب حضرت عمرؓ امیر المومنین ہوئے تو پہلے سال تو اپنی طرف سے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کو امیر الحج کر دیا تھا، مگر اس کے بعد ہر سال خود ہی امیر الحج بنکر حج کو آتے رہے۔ سنہ ۱۷ھ میں رمضان میں عمرہ کے لیے بھی تشریف لائے تھے جس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ مکہ میں بہت زور کا سیلاب آیا تھا اور مقامِ ابراہیم کو بہا کر پایانِ شہر "مسفلہ" میں لے گیا تھا، اہل شہر نے وہاں سے اٹھا کر کعبہ سے باندھ دیا اور حضرت عمرؓ کو اطلاع دی، وہ گھبرا گئے، اور فوراً رمضان میں عمرہ کا احرام باندھکر مکہ آئے اور جگہ کی تحقیق کر کے مقامِ ابراہیم کو موجودہ مقام پر رکھدیا، اور شہر کے بالائی جانب (مصلیٰ کی طرف) ایک ردم بنوا دی، جس سے آیندہ سیلابوں کے بہنے کا رخ بدل گیا، ان کے سفرِ حج کی سادگی کی یہ حالت تھی کہ ایک سال سارے

[1] آخر شب میں حرم تشریف گئے اور طواف الوداع کیا، پھر ۱۴ کو مدینہ کو مراجعت فرما ہوئے اور (غالباً ۲۲ ذی الحجہ کو) بوقت اشراق مدینہ منورہ میں موکبِ نبوی داخل ہوا، (سیرۃ النبی وغیرہ)

خرچ سفر کی مقدار کل دس درہم ہوئی تھی، حج کے بعد یہ عام حکم دیدیتے تھے کہ سب حاجی اپنے اپنے شہر کو چلے جائین، مکہ مین کوئی آفاقی نہ رہے،

حضرت عمرؓ کے انتقال (۲۳ھ) کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے، اور اپنے بارہ برس کے عہد خلافت مین دس حج کئے، یعنی پہلے سال اور آخری سال کے علاوہ ہر برس خود ہی امارتِ حج کے فرائض ادا کرتے رہے،

۳۶ھ مین حضرت علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے اور پانچ سال تک رہے مگر جہادِ خوارج وغیرہ کی وجہ سے حج کو نہ آسکے، اپنی طرف سے ۳۶ھ و ۳۷ھ مین حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو اور ۳۸ھ مین ان کے بھائی قثم بن عباس کو اور ۳۹ھ مین شیبۃ بن عثمانؓ، کو امیر الحج مقرر کر دیا تھا، ۴۰ھ مین تو حضرت مرتضیٰؓ شہید ہی ہوگئے[1]

معاویہؓ | خلفائے راشدین کے بعد حضرت معاویہؓ خلیفہ ہوئے، انھون نے اپنی حکومت کے زمانہ مین دو حج کیے، پہلا ۴۴ھ مین اور دوسرا ۵۰ھ مین، ۴۴ھ مین جب آئے تھے تو دارالندوۃ (جو جاہلیت مین قریش کا دارالحکومت تھا،) ابورہین العبدری سے ایک لاکھ درہم مین خرید کر وقف کر گئے تھے، جو امرائے مکہ کی سکونت اور خلفا کے قیام (بزمانۂ حج) کے کام آتا رہا،

حضرت معاویہؓ نے صحابہؓ و اہل حرمین کو گرانقدر عطیہ جات مرحمت کئے، اور حرم شریف کی روشنی کا انتظام کیا اور خطبہ کے لیے ایک منبر بنوا کر حرم مین رکھوایا اس سے قبل یہان منبر کا دستور نہ تھا، مکہ مین پانی کی بہت قلت تھی، حضرت معاویہؓ نے نہرین بنوائین جس سے وہ تکلیف رفع ہوگئی، مکہ مین نہر کا یہ سب سے پہلا انتظام تھا اس سے قبل صرف کنوؤن پر گذارہ تھا، یہ نہرین بہت عرصہ تک رہین پھر مندرس

---

[1] یہ بات تو سبکو معلوم ہی ہی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ زمانۂ باسعادت نبوی ہی مین دو حج کر چکے تھے (یعنی ۹ھ کا حج جسکو اول حج فی الاسلام کا فخر حاصل ہی اور ۱۰ھ کا حج جسکو حج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونیکا شرف و فخر ہی) اور اسکے بعد بھی کئی حج کئے تھے (ازرقی وغیرہ)

ہوگئین، علامہ ازرقی (المتوفی ۲۲۵ھ) کے زمانہ تک ان کے آثار باقی تھے، پہلے حج مین؛ والی مکہ نے دو ہزار دُنبے حضرت معاویہؓ کی خدمت مین (بطور ضیافت) پیش کئے تھے، (ابن فہد وازرقی)

عبدالملک بن مروان | ۷۵ھ مین عبدالملک بن مروان خلیفۂ اموی نے حج کیا، حدّ حرم کے اعلام (علامت حرم کے منارے) مندرس ہو چلے تھے، اونکی تجدید کی، اس وقت حجاز کا گورنر مشہور ظالم حجاج بن یوسف تھا، اسے یہان سے معزول کرکے عراق کا حاکم بنا دیا، (ابن فہد وازرقی)

ولید بن عبدالملک | ۹۱ھ مین ولید بن عبدالملک خلیفۂ اموی نے حج کیا، اس کے حج کا کوئی قابل ذکر واقعہ منقول نہین ہے،

سلیمان بن عبدالملک | ۹۷ھ مین سلیمان بن عبدالملک خلیفہ اموی نے حج کیا، بیحد سامان ہمراہ تھا، سات سو اونٹ تو صرف خلیفہ کے پہننے کے کپڑون سے لدے ہوئے تھے، حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز بھی ساتھ تھے، حاجیون کی کثرت دیکھکر، سلیمان نے ان سے کہا کہ دیکھتے ہو کس قدر خلقت ہے جسکی تعداد خدا ہی جانتا ہی، انھون نے جواب دیا کہ اے امیرالمومنین آج یہ سب آپ کی رعیت ہین، اور فردائے قیامت کو آپ کے دشمن ہونگے، یہ سنکر سلیمان خوب رویا اور کہا: اللہ المستعان، سلیمان بن عبدالملک بہت پر خور شخص تھا، مدینہ شریف پہنچکر اہل شہر کی دعوت کی؛ چورّاسی دنبے پکوائے تھے، مدعوین کے آنے سے پہلے ان چوراسی دنبونکی سریان اور گردے نوشجان کرلئے تھے، پھر لوگون کے ساتھ بھی خوب کھانا کھایا، طائف مین بھی اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، ابن ابی زہیر ثقفی نے خلیفہ کی دعوت کی اس مین سلیمان نے جو خوراک کھائی وہ یہ تھی:-

ایک دنبہ، چھ مرغیان، بیس چپاتیان، (رقاق) ایک سو ستر انار؟

ہشام بن عبدالملک | ۱۰۶ھ مین ہشام بن عبدالملک خلیفۂ اموی نے حج کیا، علامۂ ابوالزناد سے مناسک حج لکھوا لیے تھے، ہشام ایک بار کعبہ کے اندر گیا، وہان حضرت عمرؓ کے پوتے سالمؒ بھی

موجود تھے ہشام نے ان سے کہا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو ارشاد فرمائیے، حضرت سالم نے فرمایا کہ اللہ کے گھر مین اللہ کے سوا اور کسی سے مانگنا شرم کی بات ہے، جب دونون کعبہ سے نکل آئے تو پھر ہشام نے ان سے دریافت کیا اور کہا کہ اب تو باہر آگئے ہو جو درکار ہو طلب کرو، سالمؒ نے فرمایا کہ مین تجھ سے کیا طلب کرون؟ آخرت کی چیز یا دنیا کی؟ ہشام نے کہا دنیا کی، سالمؒ نے جواب دیا کہ دنیا تو مین نے اس کے مالک حقیقی سے بھی کبھی طلب نہین کی، پھر بھلا تم سے (جو اس کے مالک بھی نہین ہو) کیون طلب کرون؟ ۔

استطراد، یہی ہشام اپنی حکومت کے زمانہ سے پہلے شہزادگی کے عالم مین بھی ایک بار حج کو آیا تھا، جب طواف کیا تو بھیڑ کی وجہ سے حجر اسود کا بوسہ نہ لے سکا، طواف کے بعد ایک منبر پر بیٹھکر تماشا دیکھنے لگا، شامی افسرانِ فوج وغیرہ بھی پاس کھڑے ہوئے تھے، اتنے مین سیدانام حضرت امام حسینؓ کے صاحبزادے (حضرت علی زین العابدینؒ) تشریف لائے اور طواف شروع کیا، جب حجر اسود کے پاس پہنچے تو سب مجمع خود بخود پرے ہٹ گیا اور آپ نے حجر اسود کو بوسہ دیا، شامیون کو بہت تعجب ہوا کہ ہمارے شہزادہ کو تو کسی نے پاس پھٹکنے بھی نہ دیا اور انکی اس قدر تعظیم ہوئی، آخر یہ کون ہین؟ ایک شامی نے ہشام سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہین جنکا لوگ اس قدر ادب کرتے ہین، ہشام نے کہا مین نہین جانتا یہ کون ہین، (غالبًا اس خیال سے یہ کہا ہوگا کہ یہ شامی بھی کہین ان کے گرویدہ نہ ہوجائین) مشہور شاعر فرزدق بھی اس وقت ہشام کے قریب کھڑا تھا، وہ بول اٹھا کہ مین ان کو خوب جانتا ہون، شامیون نے کہا یہ کون ہین آخر ہم کو بھی تو بتاؤ، اس پر فرزدق نے فی البدیہہ (امام موصوف کی تعریف مین) ایک قصیدہ کہکر سنایا جس کے چند شعر یہ ہین،

هذا الذی تعرف البطحاء وطأته ۔۔۔ والبیت یعرفه والحل والحرم

یہ وہ ہین جنکی منزلت سرزمین مکہ خوب جانتی ہے، ۔۔۔ اور کعبہ اور سارا حل و حرم ان سے واقف ہے،

ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم	ھذا التقی النقی الطاھر العلم
یہ خیر الخلائق کی اولاد ہین،	یہ متقی، پاک، صاف، مشہور شخص ہین'
من معشر حبھم دین، وبغضھم	کفر و قربھم منجی و معتصم
یہ ان مین سے ہین جنکی محبت جزو ایمان ہے	اور ان سے بغض رکھنا کفر ہے اور انکا تقرب نجات دینے والا ہے

ہشام یہ تعریف سنکر بہت برہم ہوا اور فرزدق کو مکہ سے نکلوا کر مقام (عسفان) مین قید کر دیا، امام زین العابدین کو جب یہ خبر ہوئی تو انھون نے بطور انعام بارہ ہزار درہم فرزدق کو بھجوائے اور یہ فرمایا کہ اس وقت میرے پاس یہی موجود ہین ورنہ اور زیادہ کر دیتا، فرزدق نے پہلے تو یہ کہکر یہ رقم واپس کر دی کہ "یا ابن رسول اللہ! مینے کسی لالچ سے آپ کی تعریف نہین کی تھی بلکہ محض خدا و رسول کی خوشنودی اور حق کی حمایت مدنظر تھی" مگر جب امام نے اصرار کیا اور فرمایا کہ "خدائے تعالیٰ تمھین جزائے خیر دے، ہم اہل بیت مین کسی کو دیکر پھر واپس لینا ہمارا شیوہ نہین ہے" تو فرزدق کو وہ انعام قبول کرنا پڑا، اس کے بعد فرزدق نے قیدخانہ ہی مین ہشام کی پُرزور ہجو لکھی (تاریخ مکہ لابن فہد)

ولید بن یزید | ۱۲۶ھ مین ولید بن یزید بن عبدالملک اموی حج کو آیا، مگر کمبخت سے سامان عیش و عشرت اس سفر مبارک مین بھی نہ چھٹ سکا، شراب، چنگ و رباب وغیرہ آلات لہو و لعب ساتھ تھے، کتے بھی لایا تھا، اُسے ایک نیا خبط بھی سوجھا تھا، وہ یہ کہ لکڑی اور لوہے کا ایک سایبان اس غرض سے بنوا کر لایا تھا کہ کعبہ مین اسے لگا کر مطاف مین سایہ کرکے اس کے نیچے طواف کرے گا، اور عام لوگ اس کے باہر طواف کیا کرین گے، یہ سایبان جب مدینہ پہنچا اور وہان مسجد مین نصب کیا گیا (دکھانے کے لیے یا اور کسی وجہ سے) تو اس سے اہل مدینہ مین بہت سخت برہمی پیدا ہوئی اور انھون نے قاضیِ مدینہ (سعید بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف) کی سرگردہی مین

جمع ہو کر اس سائبان کو نذرِ آتش کر دیا، اور اس مین جو لوہا تھا وہ لوٹ لیا،

ابوجعفر منصور عباسی | سنہ ۱۴۱ھ مین ابوجعفر منصور خلیفۂ عباسی نے حج کیا، حیرہ سے احرام باندھا تھا، حرمین شریفین مین بیشمار خیرات کی، سادات و اشراف کو گرانقدر عطیات دیے، ہر شریف کو ایک ایک ہزار غلوری دینار دیے تھے، قریش کی عورتون کو سونے چاندی کے ظروف اور قیمتی پوشاکین مرحمت کین، مدینہ مین تو کوئی متنفس ایسا نہ بچا تھا کہ جسے کچھ ملا نہ ہو، اہلِ مدینہ کو اس قدر انعامات ایک کسی نے نہین دیئے تھے، حج سے فارغ ہو کر بیت المقدس گیا اور وہان سے اپنے دار السلطنت (عراق) کو پہنچ گیا،

سنہ ۱۴۵ھ مین پھر دوبارہ حج کو آیا، اس دفعہ کا ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے، منصور کی عادت تھی کہ آخرِ شب کو دار الندوہ (اپنے گھر) سے نکلکر حرم مین نماز پڑھتا، اور طواف کیا کرتا تھا، جب صبح قریب ہوتی تو گھر مین چلا جاتا اور اذان کے بعد پھر حرم مین آکر نماز پڑھایا کرتا، ایک رات کو طواف کر رہا تھا دیکھا کہ ایک شخص کعبہ کے پاس ملتزم مین کھڑا ہوا یہ دعا مانگ رہا ہے۔

اللّٰھم انی اشکو الیک ظھور البغی والفساد فی الارض وما یحول بین الحق واھلہ من الظلم والطمع،	الٰہی! مین تجھ سے فریاد کرتا ہون فتنہ و فساد عالم کی اور ظلم و طمع کی جس سے حقدارون کی حق تلفی ہو رہی ہے،

طواف سے فارغ ہو کر ابوجعفر مسجد کے ایک گوشہ مین جا بیٹھا اور اس شخص کو بلوایا، جب وہ آیا تو دونون مین حسب ذیل گفتگو ہوئی،

خلیفہ۔ یہ تم کیا دعا مانگ رہے تھے، فتنہ و فساد، ظلم و طمع کون کرتا ہے؟

شخص، اگر آپ جان بخشی کا وعدہ کرین تو مین بتاؤن ورنہ مجھکو اپنے ہی گناہون کی فکر کیا کم ہے؟

خلیفہ، تم بالکل نہ ڈرو، جو بات سچ ہو وہ کہو،

شخص، جناب وہ آپ ہی ہین آپ ہی نے ظلم و فساد برپا کر رکھا ہے اور آپ ہی کی حرص و طمع نے سب کو تباہ کر رکھا ہے، کسی حقدار کو اوسکا حق نہین پہنچتا،

خلیفہ، کیا کہتے ہو؟ بھلا مجھکو کس چیز کی حرص و طمع ہوگی؟ سارا خزانہ میرے قبضہ مین ہے ہر طرح کے آرام کا سامان میرے پاس موجود ہے، پھر ظلم و طمع کا کیا کام؟

شخص اے امیرالمومنین! آپ سے زیادہ ظالم کون ہوگا، خدا تعالیٰ نے آپ کو مسلمانون کی حفاظت و خدمت کے لیے مقرر کیا ہے مگر آپ رات دن اپنے عیش و آرام مین مصروف ہین، اور مسلمانون سے چھین چھین کر مال جمع کر رہے ہین، دروازہ پر پہرہ دار مقرر ہین جو کسی حاجتمند کو آپ تلک پہنچنے نہین دیتے، کسی مظلوم کی آپ تک رسائی نہین ہوتی، اور آپ خود غریبون اور بےکسون کی خبرگیری نہین کرتے حالانکہ بیت المال مین ان سب کا حصہ ہے، آپ کے وزرار اور مصاحبین نے جب یہ حال دیکھا کہ آپ کو اپنے آقائے حقیقی کی تعمیل حکم کا خیال نہین ہے، تو انھون نے بھی آپ کی خیانت کی اور ہر طرح سے رعیت کو ستانا شروع کیا، رشوت و ظلم کا بازار ہر جگہ گرم ہے، اول تو کوئی مظلوم آپ تک پہنچ ہی نہین سکتا اور بالفرض پہنچے بھی تو آپ کے مصاحبین آپ کو اوسکی طرف سے پہلے ہی سے ایسا بدظن کر چکے ہوتے ہین کہ دادرسی کے بجائے اس کو سخت سزا ملتی ہے، جس سے آیندہ کسی کو شکوہ شکایت کی جرأت ہی نہین ہوتی، افسوس کہ آپ کے زمانہ مین مسلمانون کی یہ حالت ہوگئی ہے ورنہ پہلے بنو امیہ کے زمانہ مین یہ حالت نہ تھی، دور دراز سے لوگ آتے تھے اور خلفار انکی فریادرسی اور حاجت برآری فوراً کیا کرتے تھے، اے امیرالمومنین! مین چین کا سفر کیا کرتا تھا ایک بار جو گیا تو یہ سنا کہ وہان کا بادشاہ بہرا ہوگیا ہے اور اس نے اس خیال سے کہ بہرہ پن کی وجہ سے مظلومون کی آہ و زاری سے مین بےخبر نہ رہون یہ حکم دیا ہے کہ جو شخص مظلوم ہو وہ سرخ لباس پہنا کرے اور کوئی شخص سرخ لباس نہ پہنے، بادشاہ صبح و شام ہاتھی پر سوار ہوکر نکلتا تھا اور جسکو سرخ پوشاک پہنے دیکھتا اوسکو

بلاکر حال دریافت کرتا اور اسکی دادرسی کیا کرتا تھا، اے امیرالمومنین! ایک مشرک کو تو عدل کا اتنا خیال ہو اور آپ امیرالمومنین اور سلالۂ خاندانِ نبوت ہوکر مسلمانون پر ظلم ہونے دین اور بیت المال کا خزانہ رفاہِ عام مین خرچ کرنے کے بجائے اپنے لیے جمع کرتے رہین؟ آخرت مین آپ کیا جواب دین گے؟ یہ دولت و ثروت وہان آپکے کس کام آئے گی؟-

خلیفہ منصور یہ سنکر بہت رویا اور کہا کہ آخر کیا کرون؟ اچھے آدمی کہان سے لاؤن؟

شخص - علماء و صلحائے امت سے کام لیجئے،

خلیفہ، وہ تو سب مجھ سے گریزان رہتے ہین،

شخص، وہ آپ سے اسلیے گریزان رہتے ہین کہ مبادا کہین آپ ان کو بھی شریکِ ظلم نہ بنالین اگر آپ یہ باتین چھوڑ دین اور شریعت کے موجب عمل فرمائین اور عدل و انصاف سے کام لین تو مین اس بات کا ذمہ لیتا ہون کہ علماء و صلحائے امت آپ کے شریکِ کار اور ممد و معاون ہوجائینگے

خلیفہ نے یہ سنکر دعا کی کہ خداوندا مجھکو اسکی نصیحت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما،

اتنے مین نماز کا وقت آگیا اور سب نماز مین مشغول ہوگئے نماز کے بعد دیکھا تو وہ شخص غائب ہوگیا تھا، خلیفہ نے اپنے قواص (چوبدار) کو حکم دیا کہ اوسکو تلاش کرکے لاؤ ورنہ تمھاری خیر نہین ہے، تلاش کرنے سے وہ شخص طواف کرتا ہوا ملا، چوبدار نے خلیفہ کا حکم سنایا، اس نے آنے سے انکار کیا، اور چوبدار سے کہا کہ تم ڈرو نہین تمہارا وہ کچھ نہ کرسکے گا، لو یہ دعا کا پرچہ اپنی جیب مین رکھ لو، چوبدار ڈرتا ہوا خلیفہ کے پاس آیا، خلیفہ نے مسکراکر کہا کہ کیا تجھکو جادو آتا ہے، اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا، خلیفہ نے وہ پرچہ لیکر اُسکی نقل کرالی اور اس چوبدار کو دس ہزار درہم عطا کئے اور کہا کہ وہ شخص حضرت خضر معلوم ہوتے ہین، (ابن فہد و مرآۃ الحرمین)

۱۵۸ھ مین منصور نے تیسرا حج کیا جو آخری تھا، چونکہ طبیعت پہلے ہی سے کچھ ناساز تھی اسلیے

اپنے بیٹے محمد المہدی کو جانشین بناکر اور وصیت کرکے روانہ ہوا تھا، جب آخری منزل (بیرمیمون) پر پہنچے تو مرض کو شدت ہوگئی اور ۶ ذی الحجہ کو صبح کے وقت خلیفہ کا انتقال ہوگیا رحمۃ اللہ علیہ، خلیفہ کا غلام خاص "ربیع" تھا اس نے اس واقعہ کی عام خبر نہ ہونے دی، جب سب وزراء و افسران فوج حسب عادت روزانہ منصور سے ملنے آئے تو ان کو اس واقعہ کی خبر کی اور ان سب سے "المہدی" کے لیے بیعت خلافت کرائی، اس کے بعد دو آدمیون کو بھیجکر حرم شریف مین کعبہ کے سامنے عام بیعت لیگئی، منصور کا جنازہ مکہ لایا گیا اور معلیٰ مین دفن کیا گیا مگر دشمنون کی ایذارسانی کے خوف سے ایک ہی شکل کی سو قبرین بنائی گئین اور کسی کو یہ نہ معلوم ہوا کہ منصور کو کس قبر مین دفن کیا گیا ہے،

خلیفہ کی موت کی خبر بغداد بھیجی گئی اور خلیفہ کے ہمراہ جو تبرکات نبویہ (عصائے مبارک، بردہ شریفہ، خاتم) تھے وہ بھی بغداد بھیجدیئے گئے، بغداد مین یہ خبر ۱۵ ذی الحجہ کو پہنچی اور دہان بھی المہدی سے سب نے بیعت کرلی، خلیفہ منصور کی وفات کا واقعہ اس طرح بھی مروی ہے کہ بیرمیمون سے روانہ ہونے کے بعد جب مکے کے قریب پہنچے تو گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور منصور سر کے بل گرکر راہی عالم بقا ہوگئے واللہ اعلم بالصواب،

منصور کی اس اچانک موت کا سبب امام سفیان ثوریؒ کی بددعا ہوئی ہے، کیونکہ انھون نے ایک بار مجمع عام مین منیٰ مین منصور کو بہت کچھ نصیحت و ملامت کی تھی اور اس کو ظلم و طمع و بخل کے انجام کا و عذاب سے ڈرایا تھا اور ویسے بھی ہمیشہ اسکی برائیان بیان کرتے رہتے تھے، منصور کو اس حقگوئی کی وجہ سے ان سے عداوت ہوگئی تھی اور ان کے قتل کا حکم صادر کرچکا تھا اور بیرمیمون سے چند آدمی بھی اسلیے بھیج دیئے تھے کہ حضرت سفیان ثوری کو پکڑکر سولی پر لٹکا دین، سولی بھی مکہ مین نصب کرادی تھی، سفیان ثوریؒ، حرم شریف مین لیٹے ہوئے تھے اور ان کا سر حضرت فضیل بن عیاض کی گود مین تھا، اور پیر امام سفیان بن عیینہؒ کے زانو پر رکھے ہوئے تھے، لوگون نے آکر عرض کی کہ خلیفہ شہر کے قریب آگیا ہے،

اور آپ کے لیے سولی کا حکم ہوگیا ہے، اٹھیے اور کہین چھپ جایئے اور دشمنون کو ہم پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے، امام سفیان ثوریؒ اٹھے اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر کچھ دعا مانگی اور پھر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد یہ خبر آئی کہ منصور کا انتقال ہوگیا، (اتحاف الوری و اعلام و مرأۃ) سچ ہے،

تبرس از آہِ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

المہدی العباسی — ۱۶۰ھ مین سوم خلیفۂ عباسی (ابو عبد اللہ المہدی) نے حج کیا، حرمین مین بیشمار خیرات کی اور انعامات عطا کئے، جسکی مجموعی تعداد پانچ لاکھ دینار سرخ، تین کرور درہم نقرہ، ایک لاکھ پچاس ہزار پارچۂ پوشاک تھی، بغداد سے برف کا ذخیرہ بھی ہمراہ لایا تھا جو مکہ تک باقی رہا،

اسی سال مہدی نے حرم شریف مکہ کی توسیع کرائی، حرم کے ارد گرد جو گھر تھے وان کے مالکون کو خاطر خواہ قیمت ادا کرکے لے لیے اور انھین گرا کر شامل مسجد کر دیا، اور ان مین جو مکان وقف تھے، ان کے بدلے حرم سے دور دوسرے گھر خرید کر وقف کر دیئے، فقط زمین کی قیمت بحساب پچیس دینار اور پندرہ دینار فی گز مربع (حسب موقع) ادا کیگئی تھی، مکانات کی قیمت اس کے علاوہ تھی، مکانات کی قیمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ایک مکان (دار خیرۃ الخزاعیہ) کی قیمت اڑتالیس ہزار دینار دی گئی تھی،

۱۶۴ھ مین خلیفہ مہدی نے دوسرا حج کیا، حرم شریف کی جو توسیع و تعمیر ہوئی تھی، اسے ملاحظہ کیا، دیکھا کہ تین طرف سے تو حرم وسیع ہوگیا ہے مگر جنوبی جانب (صفا کے رخ) بہت تنگ ہے اور اس وجہ سے کعبۂ معظمہ وسطِ حرم مین نہین ہے، خلیفہ مہدی کو یہ بات پسند نہ آئی، حکم دیا کہ اس طرف بھی توسیع کیجائے، معمارون نے عرض کی کہ ادھر سیلاب آیا کرتے ہین، عمارت دیرپا نہین بنے گی اور خرچ بہت ہوگا، مہدی نے کہا کچھ پروا نہین ہے، چاہے سارا خزانۂ سلطنت خرچ ہو جائے، اسے بنوا کر رہونگا، چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی، اور جنوبی رخ بھی توسیع کرکے موجودہ نقشہ کے مطابق حرم بنا دیا گیا،

مگر اس تعمیر کے ختم ہونے سے پہلے ہی مہدی کا انتقال ہوگیا اور تکمیلِ عمارت موسیٰ الہادی کے زمانہ مین ہوئی[1]
(تاریخ قطبی و اتحاف الوری)

ہارون الرشید خلفائے اسلام مین سب سے زیادہ حج خلیفہ ہارون رشید عباسی نے کئے ہین جسکی وجہ یہ تھی کہ خلافت ملنے سے قبل ایک دفعہ ہارون رشید کو خواب مین سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت نصیب ہوئی، حکم ہوا کہ تمھین خلافت ملنے والی ہے، جہاد کرنا اور حج کیا کرنا اور اہل حرمین کی امداد و دستگیری کرنا، خلیفہ ہونے کے بعد ہارون نے اسکی تعمیل کی، اور پہلے ہی سال یعنی سنہ ۱۷۰ھ مین رومیون سے جہاد بھی کیا اور حج بھی ادا کیا، اور حرمین شریفین مین بیشمار خیرات کی، ہارون نے یہ حج بغداد سے پیادہ پا کیا تھا، راستہ مین ایک منزل سے دوسری منزل تک لبادہ کا نرم فرش بچھا دیا جاتا تھا، اسکے بعد ہارون نے آٹھ حج اور کئے، سنہ ۱۷۳ھ، سنہ ۱۷۴ھ، سنہ ۱۷۵ھ، سنہ ۱۷۷ھ، سنہ ۱۷۹ھ، سنہ ۱۸۱ھ، سنہ ۱۸۶ھ، سنہ ۱۸۸ھ، سنہ ۱۸۹ھ مین بغداد سے عمرہ کا احرام باندھکر آیا تھا، اور عمرۂ رمضان کا ثواب حاصل کیا تھا، عمرہ کرکے مدینہ طیبہ چلا گیا، حج تک وہان قیام کیا پھر وہان سے حج کو آیا، حرمین مین خیرات و انعامات کی یہ کیفیت تھی کہ صرف سنہ ۱۸۶ھ کے حج مین اس مد مین دس لاکھ پچاس ہزار دینار خرچ کئے تھے، ہارون رشید کو طواف کا بھی بہت شوق تھا اور اس سرعت سے طواف کرتا تھا کہ کوئی ساتھ نہ دیسکتا تھا، مغرب اور عشا کے درمیان روزانہ تیرہ طواف کرلیا کرتا تھا، ہارون کے بعد خلفائے عباسیہ مین سے کسی کو حج نصیب نہ ہوا، سنہ ۱۸۶ھ مین حج مین خلیفہ ہارون رشید نے لوگون سے اپنے دونون ولیعہدون (امین اور مامون) کے لیے بیعتِ عہد لی تھی، جسکی کیفیت اگرچہ طویل ہے مگر دلچسپ و عبرت انگیز ہے لہذا ہدیۂ ناظرین ہے:-

اس سال خلیفہ اپنے دونون ولیعہدون (امین و مامون) کو اپنے ساتھ لایا تھا اور تمام رشتہ دار اور وزرا و امرائے سلطنت اور علمائے عراق بھی ہمراہ تھے، مدینہ شریف پہنچکر دو دن تک قیام کیا اور

---

[1] تعمیر مہدی کے بعد صرف باب الزیادہ اور باب ابراہیم کی طرف ایک ایک قطعہ کا اضافہ ہوا ہے،

اہل مدینہ کو انعامات عطا کئے، پہلے خود اپنا حصّہ لیا پھر لڑکون کو دیا اس کے بعد سادات و اعیان مدینہ کو، تیسرے روز مکہ روانہ ہوگیا، ۷ ذی الحجہ کو حرم شریف مین منبر پر چڑھکر خطبہ پڑھا اور اس کے بعد کعبہ معظمہ کی داخلی کی اور بہت دیر تک دعا مانگی، پھر اپنے دونون ولیعہدون کو کعبہ کے اندر یکے بعد دیگرے بلا کر دیر تک کچھ نصیحت کی، اس کے بعد اپنے وزرار وغیرہ کو، (جنمین یحیی برمکی اور جعفر برمکی بھی تھے) بھی وہین بلالیا اور ان کے سامنے کعبہ کے اندر ہی دونون لڑکون سے دو اقرار نامے لکھوائے جس مین یہ مسطور تھا کہ ہارون کے بعد خلافت امین کو ملیگی اس کے بعد مامون کو، مگر خراسان کی حکومت پہلے ہی سے مامون کے قبضہ مین ہوگی، دونون بھائی باہم اتفاق و محبت سے رہین گے اور ایک دوسرے کے حقوق مین دست اندازی نہ کرے گا، اس عہد کے خلاف نہ کرنے کے لیے تمام مغلظ قسمین (مثلاً طلاق کل زوجات) اور سزائین (مثلاً یہ کہ اپنا سارا مال خیرات کرنا ہوگا، اور پیادہ پا حج کرنا وغیرہ درج تھین، یہ اقرار نامے تمام حاضرین کو سنائے گئے اور ان پر قاضی مکہ، کلید برداران کعبۂ وزرار و سادات ہاشمیین کی گواہیان ثبت ہوئین اور ان کو کعبہ کے اندر دروازہ کے سامنے لٹکوا دیا گیا، خلیفہ نے شیبی سے ان عہد نامون کی حفاظت کا اقرار لیا اور یہ حکم دیا کہ حج کے زمانہ مین تو یہ کھولکر لٹکائے جائین تاکہ ہر شخص پڑھ لے، اور باقی ایام مین مرصع کار طلائی نلون مین محفوظ کرکے معلقات کعبہ کے ساتھ آویزان رہا کرین، یہ اقرار نامجات خلیفہ ہارون رشید کی زندگی مین تو کعبہ مین معلق رہے، ان کے انتقال کے بعد جب بھائیون مین ناچاقی اور خونریزی ہوئی، تو امین نے خلیفہ ہونے کے دو برس بعد مکہ سے ان عہد نامون کو منگوا کر نذر آتش کر دیا، اور وہ سب مغلظ قسمین اور کفارے بالائے طاق ہوگئے، (ازرقی و ابن فہد وغیرہ)

(باقی)

ارتقاے ادب فارسی

عہد اکبری مین

(۳)

از مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی،

ہندوستان کے فارسی ادب کے خصائص

اس منزل پر پہونچکر ہمین تھوڑی دیر ٹھہرنا چاہئے اور دریافت کرنا چاہئے کہ ہندوستان کے فارسی ادب کی خصوصیات کیا تھین؟ اور سولھوین صدی عیسوی کا لٹریچر کن امور مین ایرانی لٹریچر سے ممتاز تھا؟ یہان بھی ہم پہلے نظم پر بحث کرین گے،

یہ امر بدیہی ہے کہ اس دور کے شعراے ہند متاخرین عجم (خصوصاً مقلدینِ فغانی) کی تمام خصوصی اسالیب مین شریک غالب تھے، لیکن کچھ اپنی جودتِ طبع اور کچھ ملکی فضا کے اثر سے انھون نے چند مخصوص انداز بھی قائم کر لئے تھے جنکی تفصیل آگے آتی ہے،

ہندوستان مین جن لوگون نے فارسی شاعری کی اُن مین سب سے پہلے مسعود بن سعد بن سلمان گورگانی کا نام آتا ہے، یہ ابراہیم شاہ غزنوی کے عہد مین حاکم پنجاب مقرر ہوا، مگر آخر مین بدگمانیون کا شکار ہو کر قید اور بعدۂ عزلت نشینی کی زندگی بسر کرتا رہا، اور ۵۱۵ھ مین رحلت کر گیا، یہ بہت نامور شاعر تھا، اور ہمہ گیری کا یہ حال تھا کہ عربی، فارسی، ہندی تینون زبانون مین دیوان تصنیف کئے تھے، مؤرخین نے مسعود کے ساتھ ابو عبد اللہ، ابو الفرج رونی اور حمید الدین مسعود کا بھی تذکرہ

کیا ہے، یہ سب فارسی کے مشہور شاعر تھے، جنمین سے مسعود بن سعد اور ابو عبد اللہ ہندی مین بھی صاحب دیوان تھے، یہ باکمال لاہور مین پیدا ہوئے، اور اپنے عصر کے نامور استاد تسلیم کئے گئے، مشہور ادیب ابو النصر بھی لاہور مین رہتا تھا، اور اس نے ایک مدرسہ جاری کیا تھا جس کے چشمۂ فیض سے دور دور کے تشنگان علم آآکر سیراب ہوتے تھے، یہ سب کچھ تھا، لیکن ابھی مسلمانون کی فاتحانہ اسپرٹ باقی تھی، علاوہ برین فطرت خود ایک جوہر قابل کا انتظار کر رہی تھی، یہی سبب تھا کہ یہ لے زیادہ بلند نہ ہو سکی، آخر وہ زمانہ آیا کہ طوطیِ ہند (خسرو) کے نغمون نے شرق سے لیکر غرب تک تمام فضائے کائنات کو گھیر لیا، ان کا دلکش انداز، موسیقی آفرین اسلوب، بلند تخیل اور پاکیزہ زبان تعارف کی محتاج نہین، اور انکا کلام ہر زمانہ مین متعصب سے متعصب ایرانی اور مغرور سے مغرور مستشرق سے خراجِ تحسین وصول کرتا رہا ہے، مگر انصاف کا مقتضا یہ کہنے پر آمادہ کرتا ہے کہ خسرو نے سعدیؒ کے نمونہ کو پیش نظر رکھکر اسکی تقلید کی ہے گو وہ تقلید بجائے خود اجتہادی شان رکھتی ہے،

خسروِ سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت ‌‌ ‌ بادہ از خمخانۂ سعدی کہ در شیراز بود

ظلم ہوگا اگر خسرو کے ساتھ حسن دہلوی کا نام نہ لیا جائے، حسن کا کلام لطافت اور سوز و گداز مین اپنا نظیر نہین رکھتا اور اس امر مین علامہ شبلیؒ انکو خسرو پر ترجیح دینا جائز رکھتے ہین،

ان کے بعد جمال الدین دہلوی (کمبوہ)، بن حسام الدین، مداح محمد بن تغلق، بدر الدین بدر چاچی (مشہور مشکل گو مداح محمد تغلق) اور مظہر گجراتی اور چند اور اہلِ فضل جنمین سے بعض ہندی اور بعض عجمی تھے، ہندوستان مین فارسی شاعری کے رکن رکین مانے جاتے رہے،

آخر عہد مغلیہ کا آغاز ہوا اور مغلون کے زمانہ مین شعر و سخن کو وہ عروج نصیب ہوا کہ اس سے پیشتر ہند مین کبھی نہ ہوا تھا، اس دور کی اصل تاریخ عہد اکبری سے شروع ہوتی ہے، جو ہمارا موضوع بحث ہے، اس سے پیشتر بابر اور ہمایون کا زمانہ اس نقطۂ خیال سے چندان اہمیت نہین رکھتا،

اس دور کی خصوصیات شعر

تازہ گوئی پروفیسر براؤن نے لکھا ہی کہ "عہد مغلیہ کے شعراء کے کلام مین نقادان فن کے نزدیک ایک قسم کی جدت پائی جاتی ہے جو ان کو دوسرون سے ممتاز کرتی ہے"

اس جدت کے متعلق عبد الباقی نہاوندی کا بیان زیادہ مستند معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتا ہے:-

در مستعدان و شعر سنجان این زمان را اعتقاد آنست کہ تازہ گوئی کہ درین زمان درمیانہ شعرا مستحسن است وشیخ فیضی و مولانا عرفی شیرازی وغیرہ بہ آن روش حرف زدہ اند بہ اشارۂ تعلیم ایشان بو۔" (یعنی ابو الفتح)

جیسا کہ اوپر کہین ذکر آچکا ہے حکیم ابو الفتح اور اس کا دوست عبد الرحیم خانخانان دونون بڑے ادیب اور نکتہ شناس تھے اور انھون نے علما اور شعرا کا ایک اچھا خاصہ بیت العلم (اکاڈیمی) قائم کر رکھا تھا، ان نکتہ سنج امیرون کی سرپرستی اور نقادی شعرا کی اصلاح و تربیت مین اُستاد سے بڑھکر کام کر رہی تھی، اور فن کی ترقی سب کا نصب العین ہو گئی تھی،

اس تازہ گوئی کو مختلف اہل قلم نے مختلف طریقون سے تعبیر کیا ہے، پروفیسر براؤن "ایک قسم کی جدت" پر اکتفا کرتے ہین، اور شمس العلماء شبلی مغفور جنکی رائے نقد شعر کے بارے مین زیادہ وقیع ہے، اس سے لطافت ادا اور باریک خیالی مراد لیتے ہین،

میری ناچیز رائے مین لطافت ادا بہت زیادہ قرین صواب ہے، زیادہ مناسب ہوگا اگر اس کو جدت اسلوب کے نام سے موسوم کیا جائے، یہ مبحث کسی قدر تفصیل چاہتا ہے، جس کو ہم ذیل مین پیش کرین گے،

شعر کی بنیاد دو چیزون پر ہے خیالات، اور زبان، نادر خیال ایک غیر شاعر کے ذہن

مین بھی پیدا ہو سکتا ہے، مگر اس کو ادا کرنے کے لئے شاعر کی زبان درکار ہوتی ہو، اختصار کے لحاظ سے صرف دو ایک مثالین دینا کافی ہونگی،

دو دوستون مین بول چال ترک ہوئی ہے، اور جنگ کی حالت قائم ہے، اب ان مین سے ایک (معشوق) دوسرے (عاشق) کے پاس آتا ہے اور سلسلۂ گفتگو آغاز کرتا ہے، پاس محبت سے نہین بلکہ اس غرض سے کہ عارضی صلح کے بہانہ بڑی شکایتون کے دفتر کھولنے کا موقع ملے گا، اور لڑائی کی مستقل صورت پیدا ہو جائیگی، یہ واردات بہت مرتبہ مجازی محبتون مین پیش آئی ہوگی، مگر اسکو بیان کرنا ہر کسی کا کام نہین، دیکھو نظیری لکھتا ہے،

آمد برائے صلح و در جنگ باز کرد　　　　صلحے زمصلحت پے جنگ دراز کرد

اسی طرح بعض لوگ اپنے آپکو علائق دنیوی مین اسقدر گھرا ہوا سمجھتے ہین کہ انکا اٹھتے ہین اور انسے پیچھا چھڑانا چاہتے ہین مگر بن نہین پڑتا، ایسے برخود غلط افراد بعد کو محسوس کرتے ہین کہ ہماری مشکلات اس قدر نہین تھین جتنی ہم سمجھتے تھے، اور دنیا ہمارے وجود کی اتنی ضرورت مند نہ تھی، جتنا ہمین گمان تھا، یہ فلسفیانہ خیال دیکھو اور عرفی کا انداز بیان کہ دو مصرعون مین کیا کچھ کہہ گیا،

ہزار رخنہ بہ دام و مرا ز سادہ دلی　　　　تمام عمر بہ اندیشۂ رہائی رفت

آمدم بر سر مطلب، اس تمہید کے بعد یہ دکھانا باقی ہے کہ مغلیہ دور کے شعراء نے خیالات کے ادا کرنے کے لئے زبان مین کیا کیا نادر اسلوب (جسے تازہ گوئی کہا جاتا ہے) ایجاد کئے، یہ واضح رہے کہ بعض موقعون پر خیال مین کوئی ندرت نہین، البتہ اندازِ بیان اس قدر نیا اور دلکش ہو گیا ہے کہ تعریف نہین ہو سکتی، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، یہ طرز ہندوستان کی پیداوار اور ہندوستان کی فارسی شاعری کی مخصوص ملکیت ہے، یہ بات صفوی شعراء مین مشکل سے ملے گی،

ضرورت ہے کہ اس جدتِ اسلوب کو چند مثالون کے ذریعہ سے واضح کیا جائے، غور کرو،

یہ مسئلہ کہ صبر آخر مین فتحمند ہوتا ہے کس قدر فرسودہ ہے، مگر جس پیرایہ مین عرفی نے یہ مضمون بیان کیا ہے وہ کتنا اچھوتا اور دلکش ہے،

زخمہا بر داشتیم و فتحہا کردیم لیک ہرگز از خون کسے رنگین نہ شد دامان ما

یا کسی کی دل آزاری نہ کرنے کی حکمت کو نظیری نے کس عجیب طریقے سے ادا کیا ہی، لکھتا ہی،

نیازارم زخود ہرگز دلے را کہ می ترسم درو جاے تو باشد

یا مثلاً یہ بیان کرنا تھا کہ بہت سے مسلمان ریاکاری کے ہاتھون شرک کے مرض مین مبتلا ہین اسکو عرفی نے یون لکھا (اور قیامت یہ کی کہ برہمن سے خطاب کیا)،

اے برہمن چہ زنی طعنہ کہ در معبد ما سبحۂ نیست کہ آن غیرتِ زنار تو نیست

عرفی ریاکاری کے مقابلہ مین رندی کو یون ترجیح دیتا ہے،

ہمان ننگے کہ آنجا در دل اسلامیان بینی مغازا نیز بود اما صفا ہے می زود اینجا

ایک موقع پر عرفی لاف یکتائی کی مذمت کرتا ہے مگر حیرت انگیز انداز سے،

مگو کہ نیست گنہ گار تر ز من عرفی کہ این حدیث گرانمایہ لاف یکتائی ست

علی ہذا نظیری کے کلام مین بھی اس قسم کے نشتر ملتے ہین مثلاً کہنا یہ ہے کہ محبوب کے حسن کی لطافت اس پایہ پر پہونچی ہوئی ہے کہ ہماری مادی نظر کثافت کے باعث اسکے نگاہ سوز جمال کا نظارہ نہین کر سکتی، اس کو نظیری اس طرح لکھتا ہے،

مشاطہ را بگو کہ بر اسبابِ حسن یار چیزے فزون کند کہ تماشا بما رسید

شعر ذیل کی جدت ملاحظہ ہو،

گرچہ می دانم قسم خوردن بجانت خوب نیست ہم بجان تو کہ یادم نیست سوگندے دگر

فیضی کے یہان بھی یہ جواہرات دوسرون سے کم نہین، اگرچہ جیسا کہ اوپر ہم لکھ آئے ہین

عرفی اس صنف مین بڑھا ہوا ہے، ایک موقع پر فیضی فقرا کی عزلت نشینی کی توجیہ کرتا ہے،

خاک بیزان رہ فقر بجائے نہ روند — گوئی این طائفہ این جا گہرے یافتہ اند

یہان ہم عرفی اور اس کے معاصرین کے چند شعر جن سے جدتِ اسلوب کا مفہوم زیادہ واضح ہو جائیگا، نقل کرتے ہین، ہر شعر کی علٰحدہ توضیح کی ضرورت نہین،

عرفی

عنایت[1] صمدی رو کفر ما نہ کند — اگر کمال پذیرد صنم پرستیِ ما

آن[2] رہروے کہ شاد بہ ترک تعلق است — بت سنگ راہ و بت شکنی سنگ راہ اوست

عمرم[3] بہ گریہ ہای ہوس صرف شد کنون — عمرے بتازہ بایدم دو اگریستن

ساقی توی و سادہ دلی بین کہ شیخ شہر — باور نمی کند کہ ملک میگسار شد

اے برہمن بنگر معبد صوفی و ریا — کین طرف نیز بت و برہمنے ساختہ اند

نظیری

از کف نمی دہد دل آسان ربودہ را — دیدیم زور بازوے ناآزمودہ را

تا منفعل ز رنجش بیجانہ بینمش، — می آرم اعتراف گناہِ نبودہ را

خون تراچہ قدر نظیری خموش باش — این بس کہ دعوی از طرف قاتل تونیست

مرا بہ سادہ دلیہای من توآن بخشید — خطا نمودہ ام وچشم آفرین دارم

کسے بہ قلب شبم ترکتاز می آرد — کہ بر فراش قصب پای درحنا خفتست

---

[1] دیکھو غالب:- وفاداری بشرط استواری عین ایمان ہی ؎ مرے بتخانہ مین تو کعبہ مین گاڑو برہمن کو

[2] غالب لکھتے ہین:- ہر چند سبک دست ہوئے بت شکنی مین ؎ ہم ہین تو ابھی راہ مین ہے سنگ گران اور

[3] مرزا غالب:- ابر اشکبار و ما خجل از نا گریستن ؎ دارد تفاوت آب شدن تا گریستن

غزالی

شورے شد و از خوابِ عدم چشم کشودیم
دیدیم کہ باقیست شبِ فتنہ غنودیم

صبوحی

ہیچ جائے نشستی کہ رقیبت نہ نشست
جز دلِ من کہ تو جا کردی و او بیرون ماند

میلی

صد بار رنجہ گشتہ ام و صلح کردہ ام
کان مہ خبر نداشتہ از صلح و جنگِ من

امثلۂ بالا سے قارئین کرام کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ تازہ گوئی کا مفہوم کیا ہے؟ ابوالفتح اور خانخان کی فیاضانہ سرپرستی اور مناسب نکتہ چینی کا یہ اثر ہوا کہ شعرا نئے نئے اسالیبِ بیان تلاش کرنے میں اپنے ہمسروں پر سبقت لیجانیکی کوشش کرتے تھے، اور نادر خیالات کے ساتھ ساتھ جدید انداز اختراع کرتے تھے،

متانت — عہدِ مغلیہ (خصوصًا دورِ اکبری) کے شعرا کا ایک طرۂ امتیاز یہ بھی تھا، کہ وہ اپنی زبانِ قلم کو فحش مضامین سے ہرگز آلودہ نہین کرتے، اس کے برخلاف ایران مین شفائی جیسے نامور شعرا جنکی بادشاہِ وقت نہایت توقیر کرتے تھے اور جنکی تصانیف تصوف و اخلاق پر آج تک مشہور ہین جب فحش گوئی پر اترتے تھے تو جعفر زٹلی کو مات کرتے تھے،

یہی حال وحشی وغیرہ کا تھا، مگر خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان کے مذاقِ صحیح نے اس قسم کے لٹریچر کو اپنے حدود مین داخل نہ ہونے دیا، ہندوستان کے فارسی شاعروں مین بھی باہمی منافست و مسابقت کی بنا پر نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی، لیکن کبھی سنجیدگی کے دائرہ سے باہر نہونے پاتی تھی، فیضی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مذاقِ سلیم[1] کے خلاف بعید سے بعید کنایہ بھی لکھنا پسند نہین

---

[1] مثنوی نلدمن مین ضرور ایک موقع آتا ہے جہان فیضی نے بے اعتدالی برتی ہے (چون از دم بادِ نوبہاری الخ) مگر مثنوی کا نظام اس نوع کے مضامین کا مقتضی تھا اور یہ وہ موقع ہے جہان مولانا نظامی و جامی بھی باین تقدس بے باک ہو جاتے ہین،

کرتا[1] ، عرفی نے اپنے مخالف کو جل کر سخت سے سخت دشنام جو استعمال کی ہے وہ نامنفعلے دبے غیرت) ، یا مناقفک ہے' بامن از جہل معارض شدہ نامنفعلے یا کہ این مناقفکان راچہ آدرم بر سر' البتہ ایک موقع پر ضرور معاندین کی یورش سے تنگ آکر چند ایسے شعر اسکے قلم سے نکل گئے ہیں کہ عرفی جیسے مہذب شخص سے تعجب ہوتا ہے، (قطعہ جسکا قافیہ و ردیف منعدم گردد منتقم گردد ہے) اکبر کے عہد میں صرف ایک ہجوگو شاعر کا پتہ چلتا ہے، یہ پنجاب کا رہنے والا تھا اور شیری تخلص کرتا تھا، گو عامی تھا مگر مرد طباع تھا ملا صاحب اس کی تعریف لکھکر آخر میں فرماتے ہیں :- شکوبات راہیچ شاعرے بہتر از و نگفتہ ، اور چند شعر نقل کرتے ہیں شیری کی ہجویات مشہور ہیں مگر کہیں بدمذاقی اور بے اعتدالی نہیں پائی جاتی، دیکھو ایک شعر میں کس ظرافت کے ساتھ بادشاہ کی بوالعجبیوں پر چوٹ کی ہے،

شاہ ما امسال دعوای نبوت کردہ است گر خدا خواہد پس از سالے خدا خواہد شدن

ظریف شعرا میں شیدا ہمعصر جہانگیر بھی خاصی شہرت رکھتا ہے مگر فحش کی حد تک نہیں پہونچتا، تقریباً ایک صدی کے بعد عالمگیری دور میں نعمتخان عالی بیشک ایک ایسا شخص گذرا جسکی فحش گوئی اور ہرزہ سرائی نے وہ گندہ لٹریچر پیدا کیا کہ قابل بیان نہیں لیکن یہ دور ہمارے موضوع سے خارج ہے،

عشق کا بلند معیار ایک اور خاص امتیاز جس پر ہم زور دینا چاہتے ہیں، یہ تھا کہ اس عہد کی شاعری میں محبت کا معیار بہت بلند قرار دیا گیا، بیشتر آپ پڑھ چکے ہیں کہ صفوی شعرا نے معاملہ بندی (یا وقوعہ گوئی) کو اپنا شعار بنا لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجازی اور وہ بھی ہوس آمیز محبت شعرا کی ذہانت کی جولانگاہ بن کر رہگئی اور وہ مادی وصل و ہجر کی واردات ادا کرنا اپنا کمال تصور کرنے لگے، اس کے برعکس ہند کے شاعروں نے تصوف (عشق حقیقی) کو اپنا مطمح نظر ٹھہرایا اور وصل و ہجر کے عوض بسط و قبض کی

---

[1] فیضی خود لکھتا ہے:- بجلد شعر من از پوست تا مغز ہجاے مردم ناپاک رنگ نیست
بدان ماند این پاکیزہ گفتار کہ در دیوان حافظ نام سگ نیست

کیفیات کو عجیب عجیب پیرایون سے بیان کیا، عرفی کے کلام کو پڑھو تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک درویش جذب کی حالت مین وجد کر رہا ہے اور اسی عالم مین اسرارِ تصوف بے اختیار اسکی زبان پر آرہے ہین، للہ انصاف! کہان یہ مضمون کہ،

دمِ آخر ست و دشمن بہ پیش گذار یکدم که بصد ہزار حسرت بہ تو می گذارم او را

اور کہان یہ خیال،

نے مہر دوست بینم نے کین دشمنان را یک طور دوست دارم بے مہر مہربان را

ہندوستان کی صوفیانہ شاعری پر ہم شاید آگے چل کر بحث کر سکین، سر دست اتنا کہنا کافی ہے کہ اور تو اور ہندوستان کی مجازی محبت کا معیار بھی عموماً صفوی شعرا کی معاملہ بندی سے کہین ارفع ہے، اور اس مین بوالہوسی کے بجائے پاکبازی کا عنصر زیادہ نمایان ہے، ملاحظہ ہو:-

عرفی

میروی با غیر و میگوئی بیا عرفی تو ہم لطف فرمودی برو کین پائے رفتار نیست

نظیری نے بھی اسی زمین مین اس مضمون تک پہونچنے کی کوشش کی ہے مگر وہ بات کہان،

نظیری

مردم از شرمندگی تا چند با ہر ناکسے مردمت از دور بنمایند و گویم یار نیست

عرفی

از صید بخون گشتہ مپرہیز کہ صیاد آرایشِ فتراک و رکابش ہمہ خون ست

گر شرط دوستی نہ شناسی بحسن شمع اول محبت تو بہ پروانہ خوش تر است

کسے بہ زمرۂ ارباب دل نہ دارد راہ کہ تحفۂ ز نسیم بلا نمی آرد

نظیری

عشق عصیانست اگر مستور نیست کشتۂ جرم زبان مغفور نیست

شرم بادا کہ مشہور جہانیم بہ عشق نشدیم آتش و برقے بہ دیائے نسویم

مرثیہ کی کمی | پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ معاملہ بندی اور وا سوخت ایران کی پیداوار ہین، اور وہین تک محدود، ان کے بدلے ہندوستان میں تخیل اور تازہ گوئی کا سکہ چلتا رہا، البتہ یہ افسوس کیساتھ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ مرثیہ کی صنف نے ہندوستان مین کچھ ترقی نہین کی، ایران مین صفوی سلاطین کی مذہبی سرگرمی اور فیاضانہ سرپرستی نے مرثیہ کو کافی ترویج دی اور محتشم[1] اور مقبل جیسے باکمال مرثیہ نویسون نے اپنے زور طبع اور دینی جوش سے جگر گوشۂ رسول کے مناقب اور مصائب لکھکر زمین و آسمان مین زلزلہ ڈالدیا، تورانی سلاطین کے دربارون مین ایسے سامان میسر نہ تھے اور انھین اسباب کے ماتحت یہ صنف ترقی نہ کر سکی، سلاطین دکن کے ایما سے ظہوری وغیرہ نے کچھ لکھا مگر عام مقبولیت نہ ہوئی، الغرض ہندوستان کی شاعری گو کسب فیض مین ابتداءً ایران کی رہین منت ہو تاہم کسی امر مین اس سے پیچھے نہین، ان حقائق پر نظر کرتے ہوئے کس قدر حیرت ہوتی ہے جب ہم ونسنٹ اسمتھ جیسے کوتاہ نظر اہل قلم کی رائے پڑھتے ہین جو انھون نے اکبری لٹریچر کے بارہ مین ظاہر کی ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ اسمتھ نے براہ راست اس دور کی ادبیات کا مطالعہ نہین کیا ہے، ورنہ وہ ایسا سطحی فیصلہ صادر نہ کرتے، ان کی رائے غالباً تراجم پر مبنی ہے یا محض سماعی ہے، اسمتھ صاحب اپنی بہم ذمہ داری تاریخ اکبر کے باب (عہد اکبر کے فنون و ادبیات) مین فرماتے ہین، کہ اس زمانہ کی شاعری اگرچہ بہت فراوان ہے، تاہم جذبہ و ولولہ سے خالی ہے، اور یہ کہ شعرائے اکبری حتی کہ فیضی بھی عشق و ہوس مین امتیاز نہین کرتے، ان کا مبلغ کمال یہ ہے کہ الفاظ کو توڑ مروڑ کر صنائع و بدائع

[1] محتشم سے پہلے اور بعد بھی ایران مین کوئی مرثیہ گو محتشم کا ہمپایہ پیدا نہین ہوا، اگر یہ صنف اعتدال کیساتھ شاہانہ سرپرستی مین ترقی کرتی رہتی تو فارسی ادب مین گران قدر اضافہ ہو جاتا، ہندوستان مین اردو کے شاعرون مین انیس و دبیر ضرور مرثیہ کو اس عروج پر پہونچا گئے، کہ عرب و عجم کا کمال فراموش ہو گیا،

کی بھول بھلیان مین گم کر دیتے ہین، اور یہی وجہ ہے کہ ہند کی فارسی شاعری ادبیات کے اختراع فائقہ کے درجہ کو نہین پہونچ سکتی،

اس فیصلہ کی لغویت اس قدر ظاہر ہے کہ مزید تردید کی ضرورت نہین، اس کے برخلاف ملا کُتّین[1] کا خیال ہے کہ امیر خسرو کے بعد اسلامی ہند فیضی سے بہتر کوئی شاعر پیدا نہ کر سکا، اور نیز یہ کہ نثر مین ابو الفضل کا انداز اپنی آپ نظیر ہے،

(باقی)

اُردو کا ماہانہ رسالہ شمع آگرہ،

بادشاہانِ اودھ اور ان کے مشہور امراء اور لکھنؤ کے مایہ ناز قدیم شعراء کی قلمی تصاویر عہد مغلیہ و عہد جدید کی مصوری کے بہترین نمونے جو آجتک کبھی شایع نہین ہوئے ہین، رسالہ شمع مین مسلسل شایع ہو رہے ہین، شمع تاریخی، علمی، ادبی اور سیاسی مضامین اور افسانون کا ہندوستان مین سب سے زیادہ ضخیم ۱۱۲ صفحات کا رسالہ ہے، اور جنوری ۱۹۲۵ء سے محمد حبیب الرحمان صاحب (آکسن) پروفیسر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور حسن عابد صاحب جعفری (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا، آگرہ کی ادارت مین نہایت آب و تاب کے ساتھ جاری ہے، شذرات اور تبصرے قابل دید ہوتے ہین، لکھائی چھپائی نہایت دیدہ زیب کاغذ چکنا اور قیمتی، سالانہ حجم ۱۴۰۰ صفحات اور کم از کم ۳۰ تصاویر، سالانہ چندہ صرف چھ روپئے (عہ)

چندہ سالانہ (عہ) ششماہی (عہ) نمونہ کا پرچہ (۱۰) ماہواری حجم ۱۱۲ صفحہ مع تصاویر،

نمونہ کا پرچہ کسی حالت مین مفت نہین روانہ ہوگا،

منیجر شمع، شاہ گنج، آگرہ،

[1] دیکھو البدایونی کی رائے،

تلخیص وتبصرہ

افلاطون کی جمہوریت

افلاطون نے سیاست اور نظام حکومت پر ایک کتاب لکھی ہے جسکا نام ری پبلک ہے اس کتاب میں اس نے یونان کو پیش نظر رکھکر ایک منظم اور خوشحال شہر کا نظام قائم کیا ہے جسکی تلخیص ایک مصری اہل قلم سلامہ موسی نے ایک مضمون میں کی ہے اور اس پر تبصرہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں ۔

افلاطون کے زمانہ میں حکومت صرف شہر کی صورت میں قائم تھی، اس لیے اس نے رقبۂ سلطنت کو چھوڑکر اپنا تخیل صرف شہر کے متعلق قائم کیا اور اس نے اپنے قائم کردہ شہر کو اس قدر مختصر بنانا چاہا کہ اس کے باشندے سب کے سب ایک کھیل میں شریک ہو سکیں اور ان میں تعارف و دوستی کا ایک ایسا سلسلہ قائم ہو سکے کہ ایک کو دوسرے سے بیگانگی نہ ہو، اسلیے افلاطون کی جمہوریت کی شکل اب یہ قائم ہوئی کہ ایک متمدن گاؤن کے گرد خاص اسکی کھیتی باڑی کے لیے کچھ کھیت ہون اور اس کے باشندے ایک متوسط الحال زندگی بسر کرین،

اس جمہوریت مین سوسائٹی قدرتی طور پر افراد سے مرکب ہی،

لیکن ان افراد کا اجتماع ریگ اور ٹیلے کی طرح غیر منظم اور غیر مرتب طور پر نہین پایا جاتا بلکہ جسم انسانی کے اعضار کی طرح ان مین ربط و تناسب پایا جاتا ہے اور اسلئے ہر طبقہ کے لیے ایک خاص نظام قائم کر دیا گیا ہے، مثلاً ایک طبقہ ادھیار کا ہے جو حکمت کی تعلیم اور سیاست وسلطنت کی جمہوریت کی تدبیر

و انتظام کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے، شہر کی حفاظت فوجی گروہ سے متعلق کر دیگئی ہے، مزدوروں کے طبقہ کو زراعت اور صنعت و حرفت کے کامون مین لگا دیا گیا ہے،

جن ذرائع سے یہ نظام دائمی طور پر قائم رہ سکتا ہے، وہ یہ ہین، (۱) تولید (۲) تربیت (۳) روزانہ ورزش، مزدورون کے طبقہ کے درمیان تولید کا سلسلہ قائم نہین ہوسکتا بلکہ وہ لوگ نکاح کرکے اولاد پیدا کرتے ہین، اور انکی اولاد کی تربیت کاشتکارون اور کاریگرون کے معمولی مروجہ طریقون پر ہوتی ہے، لیکن فوجی طبقہ کو حقِ نکاح سے محروم کر دیا گیا ہے، وہ ایک خاص مرکز مین زندگی بسر کرتا ہے اور عورتون سے صرف دوستانہ تعلقات قائم کرسکتا ہے، اسلیے اولاد ہوتی ہے تو وہ کسی معین شخص کی طرف منسوب نہین ہوتی بلکہ اوسکی نشو و نما بالکل فوجی طریقہ پر ہوتی ہے، وہ ایک سپاہی بنایا جاتا ہے، جو صرف اپنے وطن کی محبت کرتا ہے،

طبقۂ اوصیار کی بھی یہی حالت ہے،

ان طبقات مین ایک طبقہ کے مرد اور عورت دوسرے طبقہ کے مرد اور عورت سے تعلقات نہین قائم کرسکتے، جسکا مقصد غالبًا یہ ہے کہ ہر طبقہ کا ایک مخصوص خاندان ہو جو مخصوص اوصاف کا مالک ہو،

طبقۂ اوصیار کی تربیت خالص یونانی طرز پر کیجاتی تھی اور زمانۂ طفولیت مین ورزش، جمناسٹک اور موسیقی کے ذریعہ سے ان کے جسم و دماغ کی اصلاح و تربیت کیجاتی تھی، اور اس کے ساتھ کھیل کود کے طریقہ پر لڑکون کو مختلف قسم کے علوم کی تعلیم دیجاتی تھی اور یہ ایک ایسا طریقہ تھا کہ بچے پر تعلیم کا بوجھ نہین پڑتا تھا، جوان ہونے پر متعدد بار ان کا امتحان لیا جاتا تھا، اسلیے طبقۂ اوصیار مین صرف وہی لوگ شامل ہوسکتے تھے جنکے متعلق امتحان سے یہ ثابت ہوجاتا تھا کہ وہ شہر کی حکومت کے چلانے کے قابل ہین، یہ لوگ کسی چیز کے مالک نہین ہوسکتے تھے، انکو صرف بقدرِ ضرورت معاوضہ ملتا تھا، جسکا مقصد یہ تھا کہ ایک وصی کی زندگی بے لوث ہو، اس کے مخصوص مشاغل اوسکو شہر کے معاملات پر غور و فکر کرنے سے روک نہ سکین،

اور وہ کسی فیصلہ مین مخصوص مصالح کی بنا پر کجروی اختیار نہ کرسکے،

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ افلاطون نے فوج و وصی کے لیے حق نکاح و حق ملکیت کو ناجائز قرار دیکر محض اپنے وہم وخیال کے سامنے سر جھکا دیا ہے، اور یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عیسائی رہبانیت بالخصوص اوسکا نظام عیسوی اسی طریقہ پر قائم تھا، کیونکہ راہب نہ نکاح کرسکتا تھا نہ کسی چیز کا مالک ہوسکتا تھا، لیکن باوجود اس کے یہ نظام کامیاب ہوا، جب انسان قومیت پر آسانی کے ساتھ اپنے ذاتی اغراض کو قربان کرسکتا ہے، اور ملکیت کے فطری جذبہ کو مذہبی خدمات کی نذر کرسکتا ہے تو بنی نوع انسان کی خدمت کے لیے اسکو آسان کیون نہین سمجھ سکتا؟ جبکہ انسانون کے درمیان ایسی جماعتین موجود ہین، جو خداوند تعالیٰ کی خدمت کے لیے اپنی زندگیون کو وقف کر دیتی ہین، تو ان لوگون کے درمیان ایسے لوگ کیون نہین پیدا ہوسکتے جو حکمت کی تعلیم و مطالعہ، حکومت کی تنظیم و تربیت، اور افراد کی آزادی و حریت کے لیے ایسا کرسکین؟

اسلام مین جاگیرین

اسلام مین جاگیرون کا رواج نہایت قدیم زمانہ سے ہوا، چنانچہ خود رسول اللہ صلعم نے حضرت زبیرؓ اور حضرت ابو ثعلبہ الخشنی کو زمین کا ایک ایک قطعہ جاگیر مین عنایت فرمایا، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم نے بھی جزیرۂ عرب اور دوسرے مفتوحہ ممالک مین جاگیرین عطا کین یہانتک کہ اس قسم کی جاگیرون کا خراج حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت مین سات ملین درہم اور حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت مین پچاس ملین درہم وصول ہوا، اس کے بعد بنو امیہ کے زمانہ مین فتوحات کے ساتھ ساتھ جاگیرون کو بھی وسعت حاصل ہوئی لیکن عباسیہ کے دور اوّل مین اسکی نشو و نما مین کسی قدر رکاوٹ پیدا ہوگئی، کیونکہ اس دور مین خلفائے عباسیہ نے زمین کی آبادی، اسکی آب پاشی، نہرون کی کھدائی وغیرہ کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی تھی، اور کاشتکارون کے مال و جائداد کو زیادہ مامون و محفوظ

اور ان کے سر سے ٹکس کے بوجھ کو زیادہ ہلکا کر دیا تھا، لیکن خلافت عباسیہ کے دوسرے دور میں خلفاء کے ضعف کی وجہ سے یہ نظام دوبارہ نہایت عام اور وسیع شکل میں قائم ہو گیا اور جب شاہان سلجوقیہ اور ان کے بعد دوسرے بادشاہون کا دور حکومت آیا تو فوج اور امراء کے درمیان اکثر ملک جاگیرون کی صورت مین تقسیم ہو کر رہ گئے، یہان تک کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اکثر ملکون کو فوج اور امرائے سلطنت کی جاگیر بنا دیا، ان جاگیرون کے منافع مختلف تھے، چنانچہ ممالیک کے عہد مین مصر مین بعض امراء کی جاگیرون کا منافع ۲۰۰۰۰۰ دینار سالانہ تھا۔

اسلام مین جاگیرون کے اس سسٹم نے مختلف اسباب کے ذریعہ سے ترقی کی، اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ حضرت عمرؓ نے جب عربی فوجون کو شام و عراق کی طرف روانہ کیا اور رومی اور ایرانی سلطنتین مفتوح ہو گئین تو انھون نے ان دونون ملکون کی جن زمینون کو ان دونون سلطنتون کے امراء اور سپہ سالارون کے درمیان منقسم پایا، ان کو سلطنت کا خالصہ قرار دیا اور جن زمینون کے مالک مقتول و مفرور ہو گئے وہ بھی اس سلسلے مین داخل ہو گئین، لیکن چونکہ حضرت عمرؓ کا ایک نہایت اہم مقصد یہ تھا کہ تمام مسلح لوگ ہمیشہ سپاہی بنکر جنگ کے لیے تیار رہین اور کوئی چیز ان کی اس سپاہیانہ مستعدی مین رکاوٹ نہ پیدا کر سکے، اسلیے بیت المال سے تمام لوگون کے وظائف مقرر کر کے ان کے لیے کاشتکاری کے پیشے کو ممنوع قرار دیا، اس حالت مین ناگزیر طور پر یہ قطعات اراضی لوگون کو بطور جاگیر کے دیدیئے گئے، اور بیت المال نے ان کے خراج سے اور لوگون نے ان کی پیداوار سے فائدے اوٹھائے،

اس وقت اہل عرب کی نظری حالت نے بھی حضرت عمرؓ کے اس خیال کی تائید کی کیونکہ وہ لوگ خود بھی کاشتکاری کے پیشے کو برا سمجھتے تھے، اسلیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نہایت آسانی کے ساتھ ان کو اس پیشے سے روک دیا،

خلفائے بنو امیہ کے زمانے مین جاگیرون نے ایک دوسرا طرز اختیار کیا، کیونکہ اس زمانے مین استحکام سلطنت کے لیے خلفار کو بہ کثرت مال و دولت کے جمع کرنے کی ضرورت ہوئی، اور اس حالت مین اصلی ملک کے باشندون یعنی اہل خراج نے ناگزیر طور پر خلفار و عمال سلطنت کے بعض اعزہ و اقارب کے دامن مین پناہ لی اور اس غرض سے اپنی زمینین اور اپنے باغات ان کے نام لکھدیئے اور خلفار نے ان عزیز دارانہ تعلقات کے بنا پر ان کے خراج کے معاملے مین آسانیان کردین، اس زمانے مین جاگیرون کی جو کثرت تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ امرا، وزرار ان جاگیرون کو کبھی ہدیۃً اور کبھی قصائد کے صلے مین دیدیا کرتے تھے۔

خلافت عباسیہ کے دور ثانی اور دور اوّل کے بڑے حصے مین جاگیرون کے سسٹم کو اسلیے اور بھی زیادہ وسعت حاصل ہوئی کہ خلفائے بنو امیہ نے مغلوب ہوکر جو زمینین نہایت کثرت سے چھوڑ دی تھین، ان پر خلفائے عباسیہ نے قبضہ کرکے اپنے حامیون کو بطور جاگیر کے دیدیا،

(المقتطف)

مشرق کا پیام اتحاد مغرب کو،

حال مین سونیوا دتانی نے جو ایک جاپانی بودھسٹ فرقہ ہونغوانجی کے پیشوا ہین، ولایات متحدہ کا سفر کیا ہے، اور نیویارک کے رسالہ "عل مسیحی" مین مشرق کی طرف سے مغرب کے نام ایک پیام اتحاد شایع کیا ہے، جس مین ابتدا ہندوستان کا ذکر نہایت شاندار الفاظ مین کیا ہے، لیکن چونکہ وہ موجودہ حالت مین اس خدمت جلیلہ کے انجام دینے کے قابل نہین ہے، اسلیے اخیر مین حسرت ناک طریقہ پر اسکی معذوری ظاہر کی ہے، تاہم یہ امر مسرت خیز ہے کہ مشرق کی ایک ترقی یافتہ اور باقتدار سلطنت نے بغیر کسی مجبوری کے مغرب سے مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ امر بھی افسوسناک ہے کہ امریکہ کے اخبارات نے اس پیغام کو نہایت بے پروائی کی نگاہ سے دیکھا ہے،

کیونکہ ان اخبارات کے مطالعہ کرنے والے پیغام محبت اور دعوتِ امن سے، زیادہ جرائم اور مجرمین کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہین، اور اس سے مغرب کی ذہنیت کا اندازہ ہوسکتا ہے، بہرحال سو نیو اوثانی لکھتے ہین،

"مشرقی تمدن ہندوستان مین پیدا ہوا اور وہان سے بہ ترتیب ایشیائے وسطی، چین اور کوریا کا سفر کرتا ہوا جاپان مین پہنچا، لیکن جاپان کے راستے مین وہ مختلف تمدنون سے ممزوج و مخلوط ہوگیا، اس کے بعد اس نے آہستہ آہستہ ترقی کی، اور جاپان مین اپنے اوجِ کمال کو پہنچکر اپنا رخ دریائے پیسوک کی طرف کر دیا،

اسی طرح مغربی تمدن نے یونان مین جنم لیا اور بحر متوسط کے کنارون پر نشوونما پائی، وہان سے وہ روما مین پہنچکر یورپ کے مختلف تمدنون سے مل جل گیا، اس کے بعد وہ بحر اٹلانٹک کو عبور کرکے ولایات متحدہ مین پہنچا اور وہان پہنچکر انتہائی عظمت حاصل کی اور اب اس نے بھی اپنا رخ دریائے پیسوک کی طرف کر دیا ہے،

اس طریقہ پر یہ دونون مشرقی اور مغربی تمدن بالکل آمنے سامنے ہوگئے ہین، اسلیے ہمارا یہ فرض ہے، کہ انسانیت کی فوز و فلاح کے لیے ان دونون کو ایک شہر مین متحد کرکے دونون کے فوائد سے متمتع ہون،

لیکن مشرق مین چین اندرونی بےچینی مین مبتلا ہے اور ہندوستان کے پانون مین جہالت اور غلامی کی بیڑیان پڑی ہوئی ہین، صرف ایک جاپان ہے جس پر اس اتحاد کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اور مشرق مین جاپان کے سوا اس وقت کوئی ایسا ملک موجود نہین ہے جو اس قسم کی خدمت انجام دیسکے،

اسی طرح امریکہ مغرب بلکہ دنیا کی تمام سلطنتون مین سب سے زیادہ دولت مند سلطنت ہے،

اس لیے ان دونون تمدنون کے درمیان ربط و اتحاد اور اس معاملہ مین جاپان کی تائید کرنے کی ذمہ داری سب سے پہلے اوسی پر عائد ہوتی ہے ''

یہ ایک شریفانہ اور پاکیزہ خیال ہے، اور مشرق و مغرب دونون کے ارباب فکر کو چاہیے کہ وہ اس کو عملی صورت مین لائین ،

(المقتطف بابت ماہ جولائی ۱۹۲۶ء)

حجاز مین علمی انقلاب ،

حجاز سے ترکی اقتدار کے اوٹھ جانے کے بعد جو سیاسی انقلابات ہوتے رہے ہین ان سے تو ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے، لیکن اس مقدس سرزمین مین جو علمی انقلاب ہوا ہے اس سے بہت کم لوگون کو واقفیت حاصل ہے ،

یہ ایک عام تاریخی شکایت ہے کہ خلفاء عباسیہ نے اہل عرب کو پولیٹکل مصالح کی بنا پر دولت علم سے محروم رکھا، اور ترکون نے بھی اپنے عہد حکومت مین اسکی کچھ تلافی نہین کی، یہانتک کہ اون کے زمانے مین اس سرے سے اس سرے تک ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جسکا املا تک صحیح ہو، لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب وہان اہل علم کی ایک نوخیز جماعت تیار ہو گئی ہے، جو شعر و نظم کا بہترین مذاق رکھتی ہے، چنانچہ حال مین سید محمد سرور الصبان کی نے ,, ادب الحجاز '' کے نام سے اس جماعت کی قلمی پیداوار کا ایک انتخاب ۹۰ صفحے مین جمع کر کے شائع کیا ہے، اور اس مین کوئی شبہہ نہین کہ یہ آزادی اور خود مختاری کا نتیجہ ہے ،

(الزہرا محرم ۱۳۴۵ھ)

ہندوستان مین قدیم تاریخی آثار، سرادرل اسٹن نے ہندوستان کے ان مقامات مین جہان بکثرت قلعے اور فوجی عمارات قائم تہین، قلعۂ ارنوس کا اکتشاف کریا ہے، جسکی نسبت یونان کے مشہور مورخ اور فلسفی اریانوس کا بیان ہو کہ سکندر اعظم نے ۳۲۶ء قبل میلاد مین اسکو فتح کیا تھا اور ہندوستان مین یہ اس کا عظیم الشان فوجی کارنامہ خیال کیا جاتا تھا،

انھون نے دو بودھیون کے ان دو مزارون کا سراغ بھی لگا لیا ہو جنکا ذکر چینی سیاحون نے کیا ہے اور کہا جاتا ہو کہ مہاتما بودھ کے پاؤن کے نشانات اب تک ان کے پتھرون مین موجود ہین، نیز خشک کرنے کے لیے مہاتما بودھ جو کپڑے پھیلایا کرتے تھے اُنکے نشانات بھی موجود ہین،

زرعی کامون مین برقی قوت کا استعمال، جو آلات برقی قوت سے حرکت کرتے ہین، اُنکا استعمال زرعی کامون مین بکثرت ہونے لگا ہو، چنانچہ زیلنڈ احدیدہ مین دس ہزار کارخانے ایسے ہین جنمین دودھ برقی آلات سے دوہا جاتا ہے، اور اس قسم کے اسی قدر کارخانے آسٹریلیا مین بھی ہین، جاپان مین حریر برقی آلات کے ذریعہ سے بنا جاتا ہے، اور کلیفورنیا مین آبپاشی کے لیے بکثرت برقی آلات استعمال کیے جاتے ہین، انگریزی ممالک مین شب کے وقت باغات مین برقی روشنی کیگئی تو بعض پھولدار درختون کی کلیان جلد جلد نکلنے لگین، مرغیون کے دربے برقی روشنی سے روشن کیے گئے تو بکثرت انڈے دینے لگین، اور انڈے سینے مین بھی برقی حرارت سے کام لیا گیا،

دیمک اور اس کے مددگار، دیمک ایک مشہور کیڑا ہی جسکی غذا لکڑی، چمڑا اور کاغذ وغیرہ ہی، عام نقصانات کے علاوہ محکمۂ تار کو بھی اس سے سخت نقصانات پہنچتے ہین کیونکہ وہ تار کے ستونون کو کھاجاتا ہے، اسکی جو قسم مصر مین موجود ہے وہ صرف پرانی لکڑیون کو کھاتی ہے، اور اسی کو ہضم کرسکتی ہے، نئی لکڑیون کو وہ ہضم نہین کرسکتی، لیکن اسکی جو قسم سوڈان مین ہے وہ نئی لکڑی کو بھی کھاکر ہضم کرسکتی ہے، کیونکہ اس کے معدے مین بعض قسم کے کیڑے ہوتے ہین جو نئی لکڑی کے ہضم کرنے مین اس کو مدد دیتے ہین،

سرو کی ایک قسم چین مین، ہمارے شعراء عموماً سرو لب جو کا تذکرہ کرتے ہین، لیکن چین مین ایک قسم کا سرو تالابون کے اندر پیدا ہوتا ہے جسکی نشو و نما کی صورت یہ ہوتی ہے کہ پانی اوسکی جڑون کو ڈھانک لیتا ہی، اور اس طرح اس کو ہوا سے محروم کردیتا ہے، اسلیے یہ جڑین ادھر ادھر کراولاً زانو کی طرح خمیدہ ہوجاتی ہین پھر پانی مین ڈوب کر مٹی تک پہنچ جاتی ہین، اور اپنے نیچے کے کنارون سے اس کو غذا بناتی ہین، لیکن اس کا ایک حصہ جو زانو کی شکل کا ہوتا ہے پانی کے اوپر کھلا ہوا رہتا ہی، تاکہ ہوا کے ساتھ ملا ہوا رہے،

بلوریت ایک عام وصف ہی، عام مشاہدہ کے رو سے یہ رائے قائم کرلیگئی ہی کہ بعض مواد مین بلوریت پائی جاتی ہی اور بعض مین نہین پائی جاتی یعنی اس کی کوئی خاص شکل نہین ہوتی، مثلاً نمک، شکر، الماس، یاقوت، زمرد اور زبرجد مین بلوریت پائی جاتی ہی، کیونکہ ان کی سطح مستوی ہوتی ہی اور ان مین زاویے پائے جاتے ہین، لیکن اب دو علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہر مادہ گو وہ پسا ہوا اور نرم ہی کیون نہ ہو بلور سے مرکب ہے،

(ع)

اُسوۂ حسینی

از

جناب مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے ضیاء بدایونی،

ایک دن خانۂ اطہر مین تھے مصروفِ طعام
خامس پنجتن پاک، امامِ جمہور

زینتِ بزمِ ہدا، قائدِ خیلِ شہدا
فدیۂ راہِ خدا، شیفتۂ ربِّ غفور

مظہرِ حجتِ حق، داعیِ حریتِ حق،
حامیِ ملتِ حق، ناصرِ دینِ منصور

عزم سے جنکے مٹا قوتِ باطل کا جلال
ذات سے جنکی ہوا شانِ صداقت کا ظہور

آئے کچھ اہلِ عرب خوانِ کرم پر مہمان
میزبانی مین ہوئے شوق سے مشغول حضور

رکھدیئے سامنے خدام نے الوانِ طعام
بسکہ تھی خاطرِ مہمان شہِ دین کو منظور

آشِ گرم ایک پیالہ مین کنیزک لیکر
مطبخِ خاص سے آئی شہِ والا کے حضور

فرطِ عجلت مین ٹھکانے نہ رہے ہوش و حواس
رعبِ محفل سے مساعد نہ رہی عقل و شعور

ہاتھ کو لرزہ ہوا پاؤن مین لغزش آئی
دفعتہً چھوڑ دیا ظرف کو ہوکر مجبور

فرش پر گرکے پیالہ ہوا ٹکڑے ٹکڑے
جس سے آلودہ ہوا سب تن و ملبوسِ حضور

نگہِ خشم سے دیکھا شہِ عالی نے اسے
ڈر گئی وہم سیاست سے کنیزِ مقہور

پڑھی بیساختہ قرآن کی وہ آیۂ پاک
جس مین کرتا ہے یہ ارشاد خداوند غفور

متقی وہ ہین جو غصہ کو فرو کرتے ہین | حد سے بڑھتے نہین ہر چند کرے کوئی قصور
اس کو سنکر یہ دیا سبط پیمبر نے جواب | ضبط غصہ کو کیا مین نے بھی حق المقدور
پھر وہ بولی کہ یہ ہے شیوۂ اہل تقویٰ | درگزر کرتے ہین لوگون کی خطاؤن سے ضرور
بولے سرکار نہ ہو اپنی خطا پر نادم | غایت عفو سے مین نے تجھے رکھا معذور
پھر کہا اس نے کہ جن لوگون کا احسان ہے شعار | دوست کونین مین رکھتا ہے انھین رب غفور
شہ نے ارشاد کیا جا تجھے آزاد کیا | آج کے دن سے مین آقا ہون تو ہے مامور
جب غم دہر سے عاجز ہو تو آنا مرے پاس | جب زر و مال کی حاجت ہو تو کرنا مذکور
حق تعالیٰ نے کیا محسن عالم ہم کو | ایک مین کیا مرے گھر بھر کا یہی ہے دستور
ہین سبھی چشمۂ احسان چہ صغیر و چہ کبیر | ہین سبھی آیۂ رحمت چہ اناث و چہ ذکور
آپ بھوکے رہین غیر ونکو کھلائین نعمت | اس گھرانے کا یہ شیوہ ہے جہان مین مشہور

مناظر قدرت،

برسات کی راتین،

از

جناب محمد یسین صاحب تسکین قریشی،

پھر در دبھری ہر سو، کوئل کی صدا آئی | پھر کالی گھٹا اٹھی، پھر ٹھنڈی ہوا آئی
بادل کے گرجنے سے پھر ہوک اٹھی دل مین | برسات کی رت آئی، پھر مجھ پہ بلا آئی

دعوت ہے جوانی کی، ہنگامہ مستی ہے | تاثیر کا عالم ہے، تاثیر برستی ہے

چھایا ہی اندھیرا سا، تابش ہی نہ تاریکی   یہ خلد نما منظر، سرمایۂ ہستی ہے

ہر باغ ہے میخانہ، ہر نخل ہے مستانہ   ہر بوند مئے صافی، ہر پھول ہی پیمانہ
موروں کی ہم آہنگی، سبزہ کی یہ خوش رنگی   جمگھٹ سے حسینوں کے گلشن ہی پریخانہ
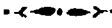
صحرا ہو کہ آبادی، معمورِ تکلم ہے   کانٹوں مین ہے شادابی، غنچون مین تبسم ہے
چڑھتے ہوئے دریا مین، ہی شانِ دلآویزی   پانی پہ جوانی ہی، موجون مین ترنم ہی!

یہ جنتِ نظارہ، یہ جلوۂ بستانی!   موسم کی یہ رنگینی، فطرت کی یہ عریانی
اس رُت مین بھلا کیونکر احساس نہ جاگ اُٹھے   حاصل ہے مجھے اس سے اک نسبت پنہانی
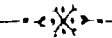
بجلی کی ہی بیتابی، اس دل کے دھڑکنے مین   بادل کی تراوش ہی، اشکون کے ٹپکنے مین
ان ٹھنڈی ہواؤن مین شامل ہین مری آہین   ہے سوز جگر پنہان، کوندے کے لپکنے مین
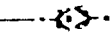
ہو جاتا ہون سودائی، جب آتی ہین برساتین   یاد آتی ہین رہ رہ کر کچھ گذری ہوئی باتین
اس بھولنے والے سے اے کاش کوئی کہدے   کاٹے سے نہین کٹتین برسات کی یہ راتین

باب التقریظ والانتقاد

مراۃ الشعر

مؤلفہ
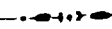
مولوی عبدالرحمن صاحب افسر شعبہ ادبیات اردو، فارسی، عربی دہلی یونیورسٹی،

شعراور شاعری پر اردو مین بہت کچھ لکھا گیا ہے، اور لکھا جا رہا ہی، مگر مراۃ الشعر اس فن مین ایک قیمتی اضافہ ہے، یہ درحقیقت ان خطبات کا مجموعہ ہی، جو ۱۹۲۳ء مین دہلی یونیورسٹی کے شعبہ ادبیات اردو، عربی، اور فارسی کے افسر شعبہ جناب مولوی عبدالرحمن صاحب کو عربی شاعری پر دینے پڑے تھے، حال مین انھین خطبات کو کچھ اردو فارسی شاعرون کے اضافہ کے ساتھ کتابی صورت مین ۲۰×۲۶ کی تقطیع پر ۸۰۴ صفحون مین شائع کردیا گیا ہی، یہ اگرچہ فی نفسہ محض خطبات کا مجموعہ ہے مگر فن کی مستقل کتاب معلوم ہوتی ہے، لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا، قیمت ۵ خود مصنف سے سینٹ اسٹفن کالج دہلی سے مل سکتی ہے،

مصنف نے اس کے مباحث کو الفاظ، مجاز، معانی، جذبات، خیال، تخییل، تمثیل، توجیہ، جدت ادا، فکر، وصف، حسن ادا، ۱۳ عنوانون کے ماتحت ۷۰۰ سرخیون مین پھیلا کر واضح کیا ہے،

معانی وبیان کے مباحث کو صرف شعروشاعری تک محدود کردیا جائے تو یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کو "اردو معانی وبیان" کی ترتیب کے لیے اہم اور مطلوب سرمایون کی فہرست مین داخل کردیا جائے،

کتاب کا طرز بیان بالکل اس انداز مین ڈوبا ہوا ہے، جو یورپ مین طرز استدلال سے متاثر ہوتا ہے،

گرمصنف نے اس نئی بولی مین عموماً پرانے بول دہرائے ہین، اور انھین کی تائید کی ہے،

سب سے پہلے عنوان "شعر کو" ہ "مباحث مین پھیلا کر سمجھایا گیا ہے، شعر کی تعریفین مختلف زمانون مین مختلف ہوتی رہی ہین، ان تمام تعریفون کا ذکر کرنے اور اختلاف کے اسباب بیان کرنے کے بعد انھون نے شعر کی اسی تعریف کو ترجیح دی ہے جو عربی، فارسی اور اردو شعراکے درمیان عموماً مسلم ہے، یعنی شعر وہ موثر، موزون اور مقفی کلام ہے جو بالارادہ کہا گیا ہو، آج کل وزن اور قافیہ کو شعر کی ماہیت کا جزو نہین سمجھا جاتا، بلکہ کچھ لوگ تو ان چیزون کو شعر کے لازمی اوصاف مین بھی داخل کرنا پسند نہین کرتے،

لیکن مولوی عبدالرحمن صاحب اس کے قائل نہین، ان کے نزدیک، شعر اور چیز ہے، اور شعریت اور چیز نظم اور چیز ہے اور نثر اور چیز، شعریت نثر مین بھی پائی جا سکتی ہے، جس عبارت مین شعریت ہو اور وہ موزون نہ ہو وہ ان کی بولی مین شاعرانہ نثر ہے، تم اس کو استعارۃً شعر منثور کہہ لو، ان کو کوئی اختلاف نہین، اسی طرح جو عبارت موزون اور مقفی تو ہو مگر اس مین شعریت نہ ہو وہ نظم تو ہے مگر شعر نہین، اس موقع پر اپنی طرف سے ہم یہ بتا دینا چاہتے ہین کہ عرب کے ظرایف ادیب اس قسم کے اشعار کو "شعر فقیہ" کہا کرتے تھے اردو مین اس قسم کے فقیہ یا فلسفی اشعار کا ایک ذخیرہ جمع ہو رہا ہے، شعر ان کی بولی مین صرف وہ عبارت ہے جو شعریت اور موزونیت دونون کی جامع ہے، قافیہ کو شعر کے ساتھ وہی نسبت ہے جو موسیقی کے ساتھ ٹھیکے کو ہے قافیہ شعر مین حسن اور موسیقیت پیدا کرتا ہے، لیکن حسن ایک اضافی چیز ہے، عربی، فارسی اور اردو زبانون کی ساخت اس قسم کی ہے کہ ان زبانون مین قافیہ اور زبانون سے زیادہ ضروری ہے،

جو لوگ وزن کو ضروری نہین سمجھتے، انکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ قدیم فارسی مین یا تو سرے سے شعر تھا ہی نہین اور تھا تو اس مین وزن نہین ہوتا تھا، اسی طرح سریانی اشعار بھی بے وزن ہوتے تھے، مصنف کو یہ تسلیم نہین، سریانی کے متعلق بہت صحیح ارشاد ہوتا ہے کہ جب عبرانی مین،

"اناشید و مزامیر داؤد وغیرہ کا اب بھی دفتر کا دفتر موجود ہے"

تو:-

"سریانی شعر مین بھی وزن نہ ہونے کا دعوی کون کہسکتا ہے کہ کہان تک مبنی بر تحقیق ہے"

فارسی کے متعلق یہ جو روایت ہے کہ عرب کی آمد سے پہلے اس مین شعر یا اس کے شعرون مین وزن نہ تھا فرماتے ہین اور صحیح فرماتے ہین کہ جس قوم کی :-

کوئی بزم کوئی محفل، نغمہ و سرود سے خالی نہ ہوتی تھی . . . . جسکی مٹی ہوئی زبان نے بھی

چامہ، چگامہ، ترانہ جیسے متعدد الفاظ انواع شعر کیلئے باقی چھوڑے"

اس کے متعلق کیسے گمان کیا جائے کہ وہ شعر سے محروم تھی، بلکہ اسحاق موصلی کی شہادت ہے کہ فارسی مین بھی شعر موجود تھا،

فرماتے ہین کہ اصل غلط فہمی کا باعث یہ ہے کہ ہر زبان کے مناسب کچھ اوزان ہوتے ہین جو دوسرے زبان مین وزن سمجھے نہین جا سکتے، اسلیے "کسی قدیم و مجہور زبان کے شعر کی موزونیت و ناموزونیت کا آج صحیح صحیح سراغ لگانا آسان نہین، تمام اقوام و السنہ کے اوزان مشترک نہین، . . . . . . بعض اوزان ایسے بھی ہوتے ہین کہ غیرون کے مذاق کے موافق نہین پڑتے، اہل زبان ان کی موزونیت پر سر دھنتے ہین مگر غیر زبان والون کو وہ بالکل ناموزون معلوم ہوتے ہین، مرزا جان کا ہندی بحر مین فارسی شعر ہے، مجھ سے پورا وزن نہین پڑھا جاتا. زبان جھٹکا کھاتی ہے اور ناموزون کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے

منم آنکہ جدا شدہ بے سرو باشد بارخ چون برکا ہے

نہ قرار و توانم ماندہ بجانم روے نما از پس ما ہے،

اس بنا پر انھون نے قیاس کیا ہے کہ

"فارسی مین شعر تھا مگر اس مین عربی کی طرح وزن حقیقی لازمی نہ تھا، بیشتر وزن غیر حقیقی تھا اور عرب تھے وزن حقیقی کے عادی، جب سننے والون نے سنا اپنے شعر کے مقابلہ ناموزون پایا،

اسیلیے۔

" سمجھے کہ فارسی شعر مین وزن نہین ہے اور چونکہ ان کے نزدیک شعر مین وزن ضروری تھا اسیلیے بعض نے کہدیا کہ فارسی مین شعر ہی نہین"

جہان تک میرا خیال ہے اردو مین وزن حقیقی اور غیر حقیقی کی علمی تشریح سب سے پہلے اسی کتاب مرآۃ الشعر مین کیگئی ہے، وزن حقیقی سے سب واقف ہین، غیر حقیقی وزن کی تشریح مین اندلسی صنعت توشیح عربی کے مجزا اشعار اور زحافات سے مدد لی ہے، ہمارے خیال مین مصنف کو غیر حقیقی اوزان پر ابھی اور لکھنا چاہئے بحث کسی قدر تشنہ رہجاتی ہے،

مصنف نے ایک موقع پر فرمایا ہے کہ " یہ ناممکن ہے کہ بالکل ناموزون کلام لحن موزون پر گایا جاسکے"۔ بات تو درست ہے، مگر ہر شخص اس کو بآسانی تسلیم نہین کرسکتا، عبری کی توریت نثر مین ہے، یہود یون کو پڑھتے سنئے، چاہے ہمارے اشعار کے ساتھ مشابہ نہ ہو مگر آواز ون کا اُتار چڑھاؤ اور کسی حرف کو اختلاس کے ساتھ، کسی کو مد کے ساتھ، کسی کو مقصور حرکت کے ساتھ، کسی حرف کے مخرج پر دیر تک آواز کو ریجاتے ہوئے، وہ ایک خاص لحن پیدا کر دیتے ہین، قرآن شعر نہین مگر باقاعدہ قاری کو الگ چھوڑیئے معمولی نیم خوان اشخاص بھی اس مین خاص لے پیدا کر دیتے ہین، بچے گلستان کا سبق یاد کرتے ہین جب بار بار ایک جملہ کو دہرانا پڑتا ہے تو بسا اوقات بعض فقرون مین ایک خاص قسم کا اتار چڑھاؤ پیدا ہوجاتا ہے، مولود شریف شہیدی پڑھنے والون کی ایک خاص دھن ہوجاتی ہے، اصل یہ ہے کہ انسان کے تمام الفاظ اپنے اندر ایک ترنم اور موسیقی رکھتے ہین، جب یہ الفاظ باہم ملتے ہین تب عبارت مین ایک جدید ترنم پیدا ہوجاتا ہے، یہ جدید ترنم دو قسم کا ہوسکتا ہے، بعض عبارتون کا ترنم تو اس انداز کا ہوسکتا ہو کہ عبارت کو چند اجزا پر تقسیم کیا جاسکتا ہو جنمین سے ہر جزو دوسرے کا ہم وزن ہوگا، اس طرح کہ اس جز کا پہلا لفظ اگر ایک سبب اور دو وتد سے بنا ہے تو دوسرے جز کا پہلا لفظ بھی اسی قسم کا

ہوگا، پہلا جزاگر چار جگہون پر منقطع ہوگا، تو دوسرا جزبھی چار ہی جگہون سے منقطع ہوگا، اس قسم کا ترنم جس عبارت مین پایا جائے وہ "نظم" ہے، اور جس مین یہ ترنم نہ ہو وہ "نثر" ہے لیکن اس کے معنی یہ نہین کہ جن عبارتون مین "نظم والا وزن" نہ ہو ان کو موزون لحن پر کبھی پڑھا نہین جاسکتا، روزمرہ کی مثلین، روز دہرائے جانے والے دعائیہ فقرے چاہے وہ نثر ہی کیون نہ ہون، بار باران کو پڑھنے سے ان مین ایک لحن پیدا ہو جاتا ہے اور اسکی صدہا مثالین ہین،

اس بنا پر غالباً ہم کو یہ کہنے کا حق بھی حاصل ہوگیا ہے کہ جاحظ کے قول سے اس کی سند لانا کہ قدیم فارسی مین "غیر حقیقی وزن تھا" ابھی اور دلائل کا محتاج ہے، ہم کو اقرار ہے کہ مصنف نے ان کے اقوال سے جو فیصلہ کیا ہے غلط نہین ہے لیکن جاحظ نے تو یہی کہا ہے کہ

"عجم الفاظ کو اٹھاتے اور انھین پھیلاتے سمیٹتے جاتے ہین تاکہ لحن مین داخل ہو جائین"

اس کے متعلق تو یہ بھی کہا جاسکتا ہی کہ خالص نثر مین بھی ایسا ممکن ہی۔

لہذا ہمارے خیال مین مصنف کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ "غیر حقیقی اوزان" کی تعریف مین اتنے مباحث اور بڑھا دین، جنکے ماتحت توریت اور قرآن غیر حقیقی اوزان کے شعر باقی نہ رہین،

مرآۃ الشعر مین ہمارے نزدیک بہت زیادہ خوبیان ہین، اس نے اردو کے کتب خانہ مین ایک نئی چیز کا اضافہ کیا ہی، کاش جناب مصنف نے کوشش کر کے اس کتاب کی زبان تصنیفی اختیار کی ہوتی، اب تک یہ کتاب خطبہ ہی معلوم ہوتی ہے، بعض باتین اس قسم کی ہوتی ہین کہ ان کی تفصیلی تشریح صرف خطیب کے لیے موزون ہوتی ہے، مصنف کو کوشش کرنی چاہیئے، کہ وہ اپنے مفہوم کو کم سے کم لفظ مین واضح کرے،

(ج)

مطبوعات جدیدہ

مذاکرات، حیدرآباد دکن کے روشن دماغ فرمانروا نے ہندوستان بھر کے دل و دماغ کو یکجا کر لیا ہے، اس نئے بغداد میں ایک نئی مجلس "اخوان الصفا" قائم ہے، جو ہر ماہ منعقد ہوا کرتی ہے، اور اس میں علمی خطبے پڑھے جاتے ہیں، مذاکرات اس مجلس مذاکرہ کے خطبوں کا مجموعہ ہے، جس میں بترتیب ذیل کے مضامین ہیں،

۱- تاج المآثر سید ہاشمی، تاریخ دہلی کی سب سے پہلی کتاب تاج المآثر پر ریویو

۱- جاویدان خرد نواب صدر یار جنگ ابن مسکویہ کی آداب النفس والعرب کے فارسی ترجمہ پر ریویو

۳- جغرافیہ اندلس مولوی عنایت اللہ صاحب

۴- غزل، نواب صدر یار جنگ،

۵- نظریۂ اضافیت ڈاکٹر مظفر الدین قریشی،

۶- تحفۂ سامی صدر یار جنگ، شہزادہ سام مرزا صفوی کے تحفۂ سامی پر ریویو، یہ کتاب شعرائے فارس کا تذکرہ ہے،

۷- جاپان، ترجمہ نثر انگریزی، نواب مسعود جنگ بہادر

آخر میں معتمد مجلس کا ایک مختصر مضمون ہے جس میں اس مجلس مذاکرہ کا حال درج ہے، قیمت ۶/ ارباب ذوق معتمد مجلس مذاکرہ دار الترجمہ حیدرآباد سے طلب فرمائیں،

حیات صلاح الدین، یہ پچھلے عہد دن کی بات ہے کہ سرحد قریب کے پرانے اہل قلم مرحوم جناب مولوی سراج الدین احمد بیرسٹرایٹ لا اڈیٹر چودھویں صدی نے (خدا ان کی مغفرت کرے) حیات

صلاح الدین لکھکر شائع کی تھی، یہ کتاب اچھی یا بری جیسی بھی ہو جدید اردو کی ابتدائی فہرست کتب مین داخل ہے، قاضی محمد رفیق مالک اخبار نجات نے حال مین اس کو دوبارہ شائع کیا ہے، مصنف نے اس کتاب کو مشرقی اور مغربی دونون طرح کے مورخون کی مدد سے تیار کیا ہے، دونون کے نقطہائے نظر کے اختلاف کے باعث منصفانہ فیصلون مین جو دقت پیش آئی ہوگی وہ ظاہر ہے، کتاب ابھی حوالون کی تشنہ ہے کہین کہین سیاق کلام مین حوالہ کے موقع پر مچاڈ، آرچر، اور کنگسفورڈ وغیرہ دو ایک مغربی مورخون کے نام ملتے ہین، مشرقی یا مسلمان مورخون کا شاید اس مین کوئی حوالہ نہین ہے، اصل مصنف زندہ ہوتے تو شاید یہ اس سے زیادہ مستند شکل مین پیش ہوتی، اس کے شروع مین ۵ صفحہ کی ایک تمہید بھی ہے جسمین اختصار کے ساتھ پہلی اور دوسری جنگ صلیبی کی تاریخ ہے، اس کے بعد صلاح الدین ایوبی کی سیرت ہے، حجم ۲۱۹ صفحے قیمت عہ/ پتہ نجات بک ایجنسی بجنور،

خصائص مرتضوی، مشہور محدث، امام نسائیؒ کی خصائص سیدنا علیؓ بن ابی طالب مدت ہوئی کہ حیدرآباد مین چھپ چکی ہے، یہ کتاب اسی کا ترجمہ ہے، جناب مولوی سید اولاد علی صاحب ساغر لکھنوی نے اس کو اردو مین منتقل کیا ہے، جناب مترجم رئیس رام پور کے خاص مصاحب اور درباری واعظ ہین، ترجمہ سے پہلے انھون نے ۸ صفحون کا ایک مقدمہ بھی لکھا ہے، شروع ہی مین انھون نے دعویٰ کیا ہے کہ " اولاد رسول و اصحاب کی افضلیت کا مسئلہ شیعہ و سنی کی نزاع کی طرح ایک پرانا مسئلہ ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ فتح شیعون کے ہاتھ مین رہی " حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی فضیلت سے کس سنی کو انکار ہے؟ لیکن اس فتح و شکست کی بحث کا یہ موقع نہ تھا، اس کو کسی مناظرانہ کتاب کے لیے اٹھا رکھنا چاہیئے تھا،

اصل ترجمہ ۷۶ صفحون پر ختم ہوتا ہے، ایک ایک حدیث نقل کرکے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے، جناب مترجم کو غالبا معلوم ہے کہ خصائص کی حدیثین سب کی سب صحت کے پایہ تک نہین پہنچتین، اس مین حدیث طیر تک موجود ہے، جسکو مستدرک سے نکال دینے کے باوجود حاکم پر اعتراضات کئے گئے ہین، اس بنا پر

جناب مترجم کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ اس قسم کی مشکوک روایتون کے مجروح رواۃ پر بھی حاشیہ مین کچھ بحث کرتے

بہرحال ترجمہ صاف اور سلیس ہی، کتابت، طباعت، اور کاغذ معمولی ہے۔ بہتر یہ تھا کہ عربی کی عبارتین

صفحہ کے اوپر حصہ مین ہوتین اور ترجمہ نیچے الگ ہوتا، بیچ بیچ مین بڑی بڑی عربی عبارتین دیکھکر معمولی اردو دان

گھبرا جائین گے، قیمت فی جلد ۸ر پتہ:- سید ابن الحسین بازار ملاظریف۔ رامپور اسٹیٹ،

تفسیر سورۂ اخلاص؛ محمد شریف عبدالغنی تاجران کتب کشمیری بازار لاہور علامہ ابن تیمیہ کی کتابون

کو برابر اردو مین منتقل کراتے رہتے ہین، حال ہین انھون نے انکی تفسیر سورۂ اخلاص کا ترجمہ شائع کیا، اسکو

اردو مین جناب مولوی غلام ربانی صاحب بی اے نائب مدیر زمیندار لاہور نے منتقل کیا ہے، ترجمہ صاف

اور روان ہے حجم ۳۰۸ صفحے قیمت عہ

حقیقت التناسخ، یہان تک تو تمام مذاہب مانتے ہین کہ اس زندگی کے بعد موت ہے

اور اس موت کے بعد زندگی ہے، اور اسی دوسری زندگی مین ہم کو پہلی زندگی کے پھل ملین گے، لیکن اسکے

بعد سامی مذاہب اور آرین مذاہب مین اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، سامی مذاہب کہتے ہین کہ اس موت

کے بعد جو زندگی تم کو ملے گی وہ دنیائے عمل سے کوئی تعلق نہ رکھیگی بلکہ تم محض عالم جزا و سزا مین بسر کروگے،

اس کے بعد یا تو ہمیشہ کا آرام ہے یا ہمیشہ کی تکلیف، لیکن آرین مذاہب اس کے قائل ہین کہ موت کے بعد

پھر ہمین اسی دنیا مین آنا ہے اور پھر تکلیف و آرام بھگتنا ہے، اسی خیال کا نام تناسخ یا آواگون ہے،

تناسخ یا آواگون وہ بنیادی عقیدہ ہی جو ابراہیمی مذاہب کو غیر ابراہیمی مذاہب سے ممتاز کرتا ہی، لیکن افسوس کہ

مسلمانون مین ایسے فرقے گذر چکے ہین جنھون نے دعوائے اسلام کے باوجود تناسخ کو تسلیم کیا ہی، اب بحمدہ یہ فرقے نہین،

لیکن شاید دکن مین اس فرقہ نے دوبارہ جنم لینا چاہا ہی، چنانچہ حال مین نظامی پریس بدایون سے محمد عبدالوہاب بن محمد

عبدالعلی نائطی نے یہ کتاب شائع کرکے قرآن سے تناسخ کا ذریعہ طریقہ پر ثبوت دینا چاہا ہی، حجم ۱۲۸ قیمت عار، پتہ نمبر ۱۵

مکان آرائش بلدہ باغ مسلم جنگ ملک پیٹھ حیدرآباد دکن،

(ج)

دوسرے دارالاشاعتون

کی

کتابین

مکاتیب، نواب وقار الملک اور نواب محسن الملک کے خطوط کا مجموعہ عہ

الاستدلال، اس مین علم منطق کے اصول نہایت خوبی و عمدگی کے ساتھ سلیس زبان اور سہل طریقہ سے بیان کیے گئے ہین ۸ر

الفہرست، اردو زبان کی ہر علم کی تصنیفات کی مکمل فہرست مع اسمائے مصنفین و مطبع قیمت و ضخامت . . . . عہ

الانسان، اس مین انسان کے تمام قوائے نفسانی و جسمانی خصوصیات طبعی کی علمی تشریح کیگئی ہے، صفحہ ۲۱۳، قیمت ۸ر

تسہیل البلاغت، اردو زبان مین فن فصاحت و بلاغت اور بدیع پر دلنشین اور سہل اور آسان کتاب ہے، ۸ر

حکمت عملی، فن اخلاق پر جدید و قدیم معلومات کی جامع کتاب ہے قیمت ۸ر

مولدین، مسٹر ہنری چارلس لی کی کتاب مورس کو ز کا ترجمہ جس مین اندلس سے مسلمانون کی بربادی کے بعد مسلمانون اور عیسائیون کے باہمی ربط کی تفصیل کیگئی ہے، مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب، قیمت ۸ر

تاریخ مغرب، البیان المغرب فی اخبار المغرب جلد اول مصنفہ علامہ ابن العذاری المراکشی کا ترجمہ جس مین شمالی افریقہ کے مسلمانون کی مفصل تاریخ مذکور ہے، ضخامت ۴۹۶ صفحات، قیمت ۸ر

خلافت موحدین، علامہ عبدالواحد مراکشی کی کتاب المعجب کا ترجمہ جس مین اندلس مین موحدین کی خلافت کی تاریخ مذکور ہے ضخامت ۳۰۰ صفحات، قیمت ۸ر

مختصر تاریخ اسلامی، تاریخ اسلام کے طالب علمون کے لیے مفید سلسلۂ اسباق جس کو مصر کے فاضل مورخ محی الدین خیاط کی کتاب سے ضروری اضافون کے ساتھ منشی خلیل الرحمن صاحب نے لکھا ہے،

حصہ اول، (ذکر رحمۃ للعلمین) ۸ر حصہ دوم (خلافت راشدہ) ۹ر حصہ سوم (خلافت بنو امیہ) ۱۰ر حصہ چہارم (خلافت بنو عباس) عہ

اخبار الاندلس، اسلامی اندلس کی مستند ترین تاریخ ہسٹری آف مورس ان یورپ کا ترجمہ جس سے بہتر اس وقت تک کوئی کتاب نہین لکھی گئی، اس پی اسکاٹ مترجمہ منشی خلیل الرحمن صاحب،

حصہ اول، ابتدا سے ۱۰۱۲ء تک قیمت . . عہ

حصہ دوم، جنگ بازیافت تک، ۸ر

حصہ سوم، جنگ بازیافت کے بعد . . . قیمت عمر

مکاتیب امیر مینائی، مؤلفہ احسن اللہ خان صاحب ثاقب جس مین علاوہ ان کے خطوط کے ان کے حالات زندگی ان کے مشاہیر تلامذہ کے سوانح، طرز اصلاح سخن، داغ و امیر کا موازنہ وغیرہ بھی شامل ہین، قیمت . . . . . عہ

گوہرین نامہ، مولوی احسن اللہ خان صاحب ثاقب جس مین جناب موصوف نے اپنی بلند پایہ نثر و نظم فارسی عربی اور اردو کے انتخابات جمع کئے ہین، حجم ۲۱۴ صفحے قیمت . . . ۸ر

مآثر صدیقی، نواب صدیق حسن خان کی سیرت ہے، پہلا حصہ ان کے خاندانی حالات اور اس کے عہد کے دیگر علما کے حالات، حصہ دوم ذاتی حالات، حصہ سوم بھوپال کی تاریخ، حصہ چہارم ان کے عقائد و تالیفات کے ذکر پر مشتمل ہے، مؤلفہ نواب علی حسن خان بہادر، قیمت ہر حصہ کی عمر ہے،

تاریخ ہند، مؤلفہ سید ہاشمی صاحب فریدآبادی، جس مین ابتدا سے لیکر عہد سلطنت برطانیہ تک ہندوستان کی تاریخ ہے، جو بالخصوص طلبا کے لیے ازبس مفید ہے، ضخامت ۴۸۰ صفحے قیمت عہ

حقیقت اسلام، نواب سر امین جنگ احمد حسین خان بہادر چیف سکریٹری گورنمنٹ نظام، کی نوٹس آن اسلام کا ترجمہ ہے، جس مین نہایت سادگی سے اسلام کی حقانیت اور اس کا سائنس کے ساتھ تطابق دکھایا گیا ہے، کتاب قابل دید ہے قیمت . . . ۸ر

مسلمانان اندلس، یعنی مسٹر اسٹینلی لین پول کی مشہور کتاب مورس ان اسپین کا ترجمہ از سید عبدالغنی وارثی علیگ مرحوم عمر

شعر و شاعری، یعنی مولانا حالی کے اردو دیوان کا لاجواب مقدمہ . . . قیمت . . . عمر

تاریخ عرب، موسیو سدیو فرانسیسی کی مشہور کتاب کا ترجمہ جس مین مسلمانون کے علوم و فنون، تمدن، اور فتوحات کی تاریخ ہے، قسم خاص جلد چرمی عمر قسم عام جلد پارچہ صہ

اساس التعلیم، یورپ امریکہ کے ماہرین تعلیم و پرورش کے تجربات مؤلفہ جناب عبدالحق صاحب بی اے . . . . عہ

کشاف الہدیٰ، جس مین نزول قرآن، وحی الہام اور قرآن مجید کے متعلق تمام علمی مباحث پر بحث کیگئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحات ۸ر

تاریخ تمدن، مسٹر ٹامس بکلس کی مشہور کتاب کا انگریزی ترجمہ جس مین مصنف نے نہایت فلسفیانہ غور و فکر سے تمدن کی تاریخ مرتب کی ہے اور اس کے اسباب و علل کی تحقیق کی ہے، قیمت جلد اول عمر، جلد دوم عہ

مقدمات الطبیعات، طبعیات (سائنس) کے ضروری ابتدائی مسائل پر محققانہ تالیف . . . عہ

القمر، چاند کے فلکی حالات، اس کے طلوع و غروب گھٹنے اور

پڑھنے کے اسباب کی تشریح، قیمت ۱ر

اردو کا قاعدہ، بچون کو سہل طریقہ سے اردو پڑھانے کا قاعدہ ۲ر

کلید قاعدہ، قاعدہ مذکور کو پڑھانے کے لیے ہدایات ہم

فلسفۂ تعلیم، ہربرٹ اسپنسر کی تصنیف جس مین مصنف نے تعلیم کے فلسفہ کی خوبی سے تشریح کی ہے اور اس کے متعلق اپنے فلسفیانہ اصول کی تفصیل کی ہے اردو مین اس موضوع پر یہ بہترین کتاب ہے . . . . . سے

دریائے لطافت، اردو علم ادب، لغت، اور قواعد پر اس زبان کی پہلی کتاب ہے، سید انشا اس کے مصنف ہین، قیمت . . . . . عہ

طبقات الارض، علم طبقات الارض پر اردو مین بھی ایک کتاب موجود ہے، قیمت . . . . . عہ

مشاہیر یونان و روما، یونانی اور رومی مشاہیر کے حالات و سوانح پر پلوٹارک کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ قیمت جلد اول سے، جلد دوم ۸ر

علم المعیشت، فن معاشیات یا اقتصادیات (پولیٹیکل اکانومی) پر اردو مین سب سے مبسوط اور جامع تصنیف، صفحات ۶۶۰ قیمت . . . . . صہ

تاریخ اخلاق یورپ، لیکی کی ہسٹری آف یورپین مارلز کا ترجمہ جس مین فلسفۂ اخلاق پر ضمنی مباحث کے علاوہ یورپ کی تدریجی اخلاقی رفتار کی تشریح کی ہے، قیمت جلد اول سے جلد دوم عہ

تاریخ یونان قدیم، اردو مین اس موضوع پر تنہا تصنیف قیمت . . . . . عہ

انتخاب کلام میر، میر صاحب کے کلام کا یہ انتخاب سب سے بہتر ہے، قیمت . . . . . عہ

رسالۂ نباتات، علم نباتات کے مسائل کی تشریح مع تصاویر عہ

دیباچۂ صحت، علم حفظان صحت پر اردو مین سب سے مبسوط تصنیف، قیمت . . . . . للعہ

نکات الشعراء، میر تقی مرحوم دہلوی نے شعرائے اردو کا تذکرہ لکھا ہے قیمت . . . . . عہ

وضع اصطلاحات، اردو مین اصطلاحات کیونکر وضع کیے جائین اس موضوع پر پروفیسر وحید الدین صاحب سلیم نے اپنے خیالات لکھے ہین، قیمت . . . . . سے

نفح الطیب، اندلس کی سب سے جامع عربی تاریخ کا ملخص ترجمہ قیمت . . . . . سے

محاسن کلام غالب، ڈاکٹر عبد الرحمن بجنوری مرحوم نے غالب کی شاعری پر یہ تبصرہ لکھا تھا، قیمت . . . . . عہ

تاریخ بابل قدیم، بابلی، کلدانی، وغیرہ قدیم قومون کی تاریخ عہ

مقدمۂ برقیات، بجلی کے خواص و کیفیات پر ابتدائی تصنیف زبان سہل اور سلجھی ہوئی، قیمت . . . . . عہ

تذکرۃ الشعراء میر حسن، میر حسن دہلوی کا تذکرہ شعرائے اردو عہ

سرگذشت حیات، جس مین نباتات اور حیوانات وغیرہ کے حالات و مؤثرات زندگی سے بحث کی گئی ہے، صفحات ۲۰۰ . . . . . عہ

جاپان اور اس کا تعلیمی نظم و نسق، جس مین جاپان کے تعلیمی نظم و نسق سے بہ تفصیل بحث کی گئی ہے، ۴۰۸ صفحات، سے

سیر المصنفین، اردو کے قدیم نثر نویس مصنفین کے حالات جو غالب سے پہلے گذرے ہین، از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا قیمت عہ

شریعۃ الحق، مصنفہ حافظ سید محب الحق صاحب عظیم آبادی جس مین اسلام کے تفصیلی احکام کو قرآن مجید سے مستخرج کیا گیا ہے . . . عہ

کلام جوہر . . . ۶ر

ہندوستانی سہیلی فائدہ، اردو قواعد اردو زبان سیکھنے کے تمام اصول جن سے اردو نہ جاننے والے بہت جلد اردو سیکھ سکتے ہین قیمت . . . . . سے

شرح ہندوستانی سہیلی فائدہ . . . . . عہ

مضامین جوہر، جامعہ ملیہ کے طلبہ کے قلمی رسالہ جوہر کے دلچسپ مضامین کا مجموعہ . . . . . عہ

عرض جوہر، مولانا محمد علی صاحب کا تازہ کلام ۸۰۰ر

اسلامی تہذیب، قیمت ۴ر

ترکون کی زبان دانیان ۴ر

از ہار العرب، ابتدائی عربی خوان طلبہ کے پڑھنے کے لیے عربی کا ایک ابتدائی مجموعہ نظم و نثر مؤلفہ مولانا اسورتی، ۸ر

المدنیۃ والاسلام، علامہ فرید وجدی کی عربی کی مشہور کتاب تمدن اور اسلام کا ترجمہ . . . . . عہ

الخلافۃ الکبریٰ، سورۂ بقر کی ابتدا اور تفسیر مقتضیات حال کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے مصنفہ خواجہ عبد الحی صاحب قیمت مجلد صہ غیر مجلد . . . . . للعہ

الصراط المستقیم، سورۂ توبہ اور سورۂ انفال کی تفسیر اسی طرز خاص پر . . . . . عہ

بصائر، حضرت موسیٰ کے قصۂ قرآنی کی سیاسی تفسیر قیمت . . ۶ر

مطبع کاویانی برلن کی مطبوعات،

دیوان غالب اردو، تقطیع نہایت خوبصورت ٹائپ سنہری جلد عمدہ ترین پتلا مضبوط کاغذ سرخ جلد دلین (جرمنی) کا چھپا ہوا، ہے

سفرنامہ حکیم ناصر خسرو فارسی ہے، **گلستان سعدی فارسی** عہ

تاریخ سنی ملوک الارض عربی مین حمزہ اصفہانی کی مشہور کتاب جو نہین ملتی تھی اب مطبع کاویانی نے چھاپی ہے عہ **زاد المسافرین** حکیم ناصر خسرو کی ایک فارسی فلسفیانہ اور مذہبی تصنیف، نادر چیز ہے پہلی بار چھپی ہے

تیاتر، جدید فارسی مین ایک ڈراما مصنفہ مرزا ملکم خان ناظم الدولہ . . . عہ

موش و گربہ، با تصویر عبید زاکانی کی نظم ۶

مجلد ہژدہم	ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۲۶ء	عدد پنجم

مضامین

اس مہینہ مین اسی صوبہ مین قریب قریب کے دو شہرون مین دو آل انڈیا مجلسون کے اجلاس سالانہ منعقد ہوے، کانپور مین ندوۃ العلماء کا جلسہ تھا، اور الہ آباد مین مشرقی کانفرنس کا، اتفاق سے دونون کی تاریخین بھی ایک تھین یعنی ۵، ۶، ۷، نومبر ۱۹۲۶ء ایک گنگا کے ساحل پر اور دوسری گنگا اور جمنا کے سنگم پر، تاریخون کے اس توارد کے سبب سے یہ نقصان پہنچا کہ جو یہان شریک ہوا وہ وہان کی شرکت سے محروم رہا،

ندوۃ العلماء کا یہ اکیسوان سالانہ جلسہ تھا، زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے گو اب پرانی مجلسون کی وہ رونق قائم نہین رکھی، تاہم اُن کے مقاصد اور ضرورتون کا جہان تک تعلق ہے وہ ابھی تک ویسی ہین، ندوۃ العلماء کا مقصد علماء مین اتحاد و اتفاق اور رواداری پیدا کرنا، عربی مدارس مین اصلاحات کا رائج کرنا، نصابِ تعلیم مین ضرورتِ زمانہ کے مطابق اصلاح و ترمیم، علماء کو جدید علوم و مسائل سے آگاہ کرنا، ایک عظیم الشان مشرقی کتبخانہ کی فراہمی، اسلام کی اشاعت و تبلیغ، ایک دار الافتاء کا قیام، مسلمانون کے مذہبی فلاح و بہبود کے کامون کے لیے جد و جہد،

یہ کوئی دعویٰ نہین کر سکتا کہ ندوۃ العلماء نے اپنے تمام مقاصد مین پوری پوری کامیابی حاصل کی، تاہم اسکی دعوت و تبلیغ، اور تحریر و تقریر نے علماء کے مختلف فرقون کو باہم ملایا، اُن کے خیالات کو بلند کیا، اُن کو اصلاحات سے مانوس کیا، اُس نے اپنا ایک مدرسہ بنایا اور تقریباً تیس برس سے وہ اسکو چلا رہا ہے، اُس نے اپنی تعلیم کے نمونے بھی پیش کیے، کتبخانہ بھی فراہم کیا، اور دار الافتاء بھی قائم ہوا، مسلمانون کے مذہبی فلاح و بہبود کے متعدد کام کیے، جن مین ایک وقف علی الاولاد

کارروائی ہے، اشاعت و تبلیغ کے کاروبار کو اُس نے دو تین دفعہ کھولا اور بند کیا کہ مسلمانوں نے ہمت نہ بندھائی؛

بہرحال وہ اپنے مقاصد کی تکمیل و اتمام کے لیے ہر وقت آمادہ ہے، مگر ہر قدم پر سوال سرمایہ کا اٹھتا ہے، اس وقت چندے اسی انجمن کو مل سکتے ہیں جو اپنی تبلیغ سب سے زیادہ کرے، مگر علما اب تک اس مغربی طرز تبلیغ سے محروم ہیں، اور اس لیے سرمایہ کی طرف سے اُن کی تمام مذہبی انجمنیں اور درسگاہیں غیر مطمئن ہیں، اب یا تو علما اپنے طرز و طریقہ میں تبدیلی کریں اور یا مسلمان اپنے مذہبی احساس کی تیزی اور شدت کا ثبوت دیں، ورنہ خطرہ سامنے ہے،

اب اس وقت ملک میں تین خالص قومی درسگاہیں ہیں، خالص مذہبی **دیوبند**، دینوی مذہب آمیز **جامعہ ملیہ**، مذہبی دنیا آمیز **دار العلوم** ندوہ، قوم کو ان میں سے کسی نہ کسی سے تو دلچسپی ہونی چاہیے، مگر جا کر دیکھو ہر جگہ تمھاری غفلت کا ماتم، اور تمھاری بے حسی کا رونا ہے، فوری اور عارضی مذہبی باتوں پر تمھارا جوش ضرب المثل ہے، مگر مستقل اور پایدار کام جن سے تمھاری اصلی اصلاح و ترقی ہوسکتی ہے، اُن کی طرف سے بیگانگی بھی تمھاری سرشت بن رہی ہے، کیا اُدھر توجہ ہے؟ محمد رسول اللہ صلعم کے نام پر تم جان قربان کرسکتے ہو، مگر ان کے کام اور پیغام کے لیے روپے کی ایک تھیلی دے سکتے ہو؟ گرز طلبی . . . .

ندوۃ العلماء کا اجلاس کانپور تین دن تک قائم رہا، اطراف سے علماء، روساء، معززین، اور عام مسلمانوں کا اچھا خاصہ مجمع تھا، جناب حافظ محمد حلیم صاحب استقبالیہ کے صدر تھے، اور جناب مسیح الملک حافظ اجمل خان صاحب اجلاس کے صدر تھے، شرکا میں علمائے کرام، ماہرین تعلیم، مختلف اسلامی اسکولوں اور مدرسوں کے منیجر، مہتمم اور مدرسین، رہنمایان قوم، وکلاء، روساء، اخبارات کے اڈیٹر، کونسلوں کے ممبر، غرض ہر طبقہ اور درجہ اور خیال کے مسلمان شریک تھے، بندیلکھنڈ کے مسلمان کثرت سے آئے تھے،

صدر استقبالیہ نے ندوۃ العلماء کے مقاصد اور نتائج پر دلکش طرز ادا مین بحث کی تھی اور صدر اجلاس نے ہندوستانی سلمانون کے بعض ضروری مذہبی مسائل کو اختصار کے ساتھ علماء اور قوم کے سامنے پیش کیا، اور خواہش ظاہر کی کہ علماء کرام اس بارہ مین عام مسلمانون کو مذہبی احکام سے مطلع کرین اور موجودہ مشکلات پر غور کرین، عنقریب یہ سوالات استفتا کی صورت مین علماء کے سامنے پیش کیے جائین گے، اور ان کے جوابات چھاپکر شایع کئے جائین گے،

جلسہ کے مختلف اجلاسون مین مولانا شاہ سلیمان صاحب پھلواری، مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب پٹیالوی مصنف رحمۃ للعلمین، مولانا محمد علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا ظفر علی خان، مولانا ابو القاسم صاحب بنارسی، مولانا غلام محمد صاحب شملوی، مولانا عبد الرحیم صاحب لیاڑی اور سید سلیمان ندوی نے مختلف عنوانات اور تجویزون پر تقریرین کین، دار العلوم کے دو طالبعلمون نے ایک نے عربی اور ایک نے اردو مین تقریر کی، اور لوگون نے پسند کی، مولوی ابو الجلال صاحب ندوی نے مذہب کے نفسیاتی فلسفہ پر اور جناب تاج دری صاحب ہیڈ مولوی مسلم ہائی اسکول کانپور نے عربی زبان کے فیلالوجی (علم الاشتقاق) اور فضائل پر خطبے دیے، جن کو خواص نے نہایت پسند کیا، منشی واحد علی صاحب اسیر قدوائی (سابق میر منشی رامپور)، جناب وصی بلگرامی اڈیٹر مرقع اور حافظ فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی نے اپنی نظمین سنائین،

ندوہ مین ابھی تجویز دن کی بیماری بہت کم ہے، تعزیت و تہنیت کے علاوہ باقی تین تجویزین تھین، ایک علماء اور مسلمانون مین اتحاد اور باہمی رواداری کے متعلق، دوسری عورتون کے حق وراثت کے متعلق، اور تیسری دار العلوم کی تعمیرات کیلئے دو لاکھ کی اپیل جسکو ڈاکٹر کچلو نے قوم کے سامنے پیش کیا،

اس اپیل کے جواب مین حاضرین کی طرف سے پہلے خود شرکاے کار نے اپنے چندے لکھوائے جن مین بڑی رقمین حسب ذیل تھین، حافظ محمد حلیم صاحب ڈھائی ہزار، مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب ایک ہزار، نواب سید

محمد علی حسن خان صاحب ناظم ندوۃ العلماء.. ۵ منشی محمد احتشام علی صاحب معتمد مال ندوۃ العلماء.. ۵ جناب قاضی محمد خلیل صاحب رئیس بریلی.. ۵، ہم جیسے غریبون کی رقمین جو قابل اظہار نہین وصول ہوگئین کل موعود منذکرہ سات ہزار کی رقم ہوئی..

امسال اورینٹل کانفرنس کا چوتھا سالانہ جلسہ الہ آباد یونیورسٹی کی دعوت پر الہ آباد مین منعقد ہوا، ملک کی مختلف یونیورسٹیون اور علمی مرکزون سے نمایندے آئے تھے، دار المصنفین سے مولانا عبد السلام صاحب ندوی تشریف لے گئے تھے، اور اپنا مضمون "اسلام مین طریقہ انفصال مقدمات" پڑھا جلسہ کے صدر شمس العلما، ڈاکٹر جیون جی جمشید جی مودی تھے، جو بمبئی کے پارسی فاضل ہین،

صدر نے اپنی فاضلانہ تقریر مین مہابھارت کے مطالعہ، ترجمہ اور اسکی جدید ترتیب و اشاعت پر گفتگو کی پھر ہندوؤن کو اس قدیم ایرانی تہذیب و تمدن کے مطالعہ کی طرف متوجہ کیا جو ہندوستان مین قائم تھی، بعد ازین سنس یا اُن یونانیون کی تاریخی تحقیق و تلاش کی طرف ملتفت کیا جو سکندر کے بعد ایران سے آکر ہندوستان پر قابض ہوگئے تھے، آخر مین ہندوؤن کے مذہبی رسوم ستی، بیوہ ون کے نکاح ثانی، مخلوط شادی کے قابل اصلاح مسائل کا ذکر کیا.

کانفرنس مین جو مضامین پڑھے گئے، اور جن کے خلاصے ایک مجموعہ مین چھپ گئے ہین، اُن سے معلوم ہوتا ہے، تقریبا ڈیڑھ سو مضامین اس کانفرنس مین پیش ہوئے، جو نو متفرق صیغون مین بٹے تھے، یعنی ادبیات، فلسفہ، تاریخ، اور لسانیات، علم الانسان، ہندی، عربی اور فارسی، اُردو، متفرقات، ان ڈیڑھ سو مضامین کی اکثریت ہیر پھیر کردہی مہابھارت اور رامائن کے گرد چکر ہے، دو چار مضامین بودھ مت کے متعلق بھی تھے، عربی فارسی اور اُردو مضامین کی نوعیت افسوس کہ نہایت پست ہے، اُردو کو تو گویا اس کانفرنس کی مجلس عزا بنا دیا گیا تھا.

ان کثیر مضمون نگارون مین مسلمانون کی تعداد صرف ۱۰ تھی، مسٹر عبد اللہ یوسف علی، حمید اللہ خان سعید یوزئی، ڈاکٹر صدیقی، سید سبط الحسن، مولوی زبید احمد (الہ آباد یونیورسٹی) سید اظہر علی (دہلی) سید ضامن علی ایم اے (الہ آباد) جناب حامد اللہ صاحب افسر بی اے، سید مقبول احمد صاحب (الہ آباد) مولوی عبد السلام صاحب ندوی، ہندوستان مین ہم مسلمان عدالتون، اور محکمون مین اپنی مردم شماری کے مطابق، بلکہ "اپنی عالمگیر سیاسی اہمیت" کے باعث اس سے بھی زیادہ کے طلبگار ہین، مگر کیا اس قسم کی علمی مجلسون مین ہماری نمایندگی بھی اسی شان سے نہ ہونی چاہیے؟ غور کرنیکی بات ہے۔

دار المصنفین کی جدید مطبوعات مین **نفسیاتِ ترغیب** نام ایک نئی کتاب کا اضافہ ہوا جسمین انسان کے جذباتِ ترغیب و میلان کے اصول و وسائل پر نہایت دلچسپ و دلکش بحث کی گئی ہے، اس کے مولف مولوی دہاج الدین صاحب پروفیسر نفسیات اورنگ آباد کالج دکن ہین، یہ دار المصنفین کے سلسلۂ مطبوعات کا شائقون حلقہ سے

سیر الصحابہ کے سلسلہ مین انصار کرام رضی اللہ عنہم کے حالات و سوانح مین دو جلدین، صحابیات رض کی ایک جلد، عام صحابہ رض کی علمی زندگی کی تفسیر مین اسوۂ صحابہ کی دو جلدین شایع ہو چکی ہین، اب حضرات مہاجرین رضی اللہ عنہم کے حالات و سوانح کی جلدین بھی مرتب ہو گئی ہین، ان جلدون کا کام مولوی حاجی معین الدین صاحب ندوی نے شروع کیا تھا، وہ اُن کو تمام نہ کر سکے تھے کہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی مین چلے گئے اور اب بانکی پور اورینٹل لائبریری مین کٹیلاگر ہین، عجب اتفاق کہ بقیہ اجزا کی ترتیب و تالیف کیلیے بھی دار العلوم **ندوة العلما** نے انھین کا ایک ہمنام مولوی شاہ معین الدین صاحب ندوی کو پیدا کر دیا، وہ ایک سال سے برابر اُن کی تدوین و تکمیل مین مصروف تھے، اب عشرۂ مبشرہ کے نام سے مہاجرین کی پہلی جلد طبع مین جاے گی،

سسلی جسکو اہل عرب صقلیہ کہتے ہین، اٹلی کا وہ حصہ ہے، جہان مسلمانون نے مدتون فرمان روائی کی،

جہان اسلامی تمدن نے عروج حاصل کیا، جہان بیسیون مسلمان علما، شعرا، ادیب، فاضل پیدا ہوئے اب جبکہ یہ ملک اسلام سے اس طرح خالی ہے کہ گویا یہان کبھی اسلام کا سایہ بھی نہ پڑا تھا لیکن تاریخ کے منتشر اوراق مین اس کا وجود اب بھی باقی ہے، ضرورت تھی کہ اس ملک کی اسلامی تاریخ کا عبرتناک مرقع مسلمانون کے سامنے پیش کر دیا جائے، اسی بناپر دار المصنفین اسکی ایک مستند تاریخ کی ترتیب مین مصروف ہے، مولوی ریاست علی صاحب ندوی رفیق دار المصنفین یہ کام انجام دے رہے ہین،

دار المصنفین جیسی اہم علمی مجلس کیلئے کتبخانہ کی اہمیت جسقدر ہے وہ ظاہر ہے، خود دار المصنفین کتابون کی خریداری پر تقریباً ایک ہزار روپے سال خرچ کرتا ہے، تاہم ان اوسون یہ پیاس نہین بجھ سکتی، ہمارے ناظرین مین شاید متعدد صاحب ایسے ہون گے، جن کے پاس اُن کے بزرگون کا علمی اندوختہ بیکار پڑا ہوگا، کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ وہ اس علمی مجلس کے خزانہ مین منتقل کر دیا جائے، تاکہ ملک و قوم اُس کے حقیقی فائدہ سے متمتع ہو سکے،

مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے قصہ کو معارف ہی نے سب سے پہلے اُٹھایا، یہان تک کہ وہ ایک اسلامی تحریک بن گیا، مگر یہ دیکھ کر کس قدر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارا کوئی کام بھی اختلاف و تفریق سے خالی نہین رہتا، بمبئی کے مسلمانون مین اسکے متعلق بھی دو جماعتین بن گئی ہین، اور باہم رسالہ بازی تک نوبت پہنچ گئی ہے، یہان یہ ہو اور اُدھر انسائیکلوپیڈیا کی آخر جلد چھپکر ضمیمہ کا آخری سامان ہو رہا ہو، اور اُسی کے ساتھ گجراتی مین تمام و کمال اُسکے ترجمہ کی فکرین ہو رہی ہین،

خطباتِ مدراس

سیرۂ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جامع سیرۃ النبی کے آٹھ خطبے، جو مدراس مین پچھلے سال دیے گئے تھے، اہلِ نظر ان خطبون کو بیحد پسند کر رہے ہین، اُن کو پڑھکر پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصلی عظمت آنکھون کے سامنے آجاتی ہے، طرز ادا نہایت آسان، دلچسپ اور مؤثر، قیمت عہ

منیجر

مقالات

حجاز کے کتبخانے

(۲)

مکہ معظمہ کے کتبخانہ حرم کی نایاب کتابون کی کوئی فہرست منتخب کرنے کی فرصت نہ مل سکی، کہ صبح سے شام تک موتمر کے جلسون مین رہنا پڑتا تھا، ہرروز ارادہ کرتا تھا کہ آج نہین تو کل یہ کام کرون گا، مگر ہر روز بر وزِ دگر افتاد، آخر روانگی کا دن آگیا، اور یہ کام نہ ہوسکا، مجھے افسوس ہے، لیکن الحمد للہ، کہ مدینہ منورہ جا کر اسکی پوری تلافی ہوگئی۔

مدینہ منورہ مین وسعت، انتظام، صفائی، باقاعدگی، حفاظت اور مختلف فنون کی کتابون کی حیثیت سے شیخ الاسلام عارف حکمت بے کا کتبخانہ بے نظیر ہے، یہ کتبخانہ مسجد نبوی سے متصل باب جبریل کے قریب قبلہ کی سمت مین واقع ہے، کتبخانہ کی عمارت جس زمین پر بنائی گئی ہے، وہ مکان حضرت جعفر صادق رضی کا ہے، اسی سے متصل یعنی اسکے اور مسجد نبوی کے بیچ مین ایک مکان ہے، جو اب سبیل ہے، اُس پر دیار عشرہ مبشرہ لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات عشرہ مبشرہ کے گھر تھے، مگر یہ صحیح نہین، یہ درحقیقت وہ مجلس تھی جہان حضرت عمر رضی صحابہ کو بلا کر مشورے کیا کرتے تھے، اسی کتبخانہ کے بالمقابل حضرت ابوایوب انصاری رضی کا وہ گھر ہے جسمین آنحضرت صلعم ہجرت کے موقع پر مہمان اُترے تھے۔

کتبخانہ کی عمارت دومنزلہ ہے، مسجد نبوی کی سمت ایک وسیع کمرہ جو کتبخانہ کا اصل مقام ہے، اسی ایک کمرے مین تمام کتابین ہین، کتابین لکڑی کی الماریون مین ہین، الماریون مین شیشے لگے ہین، زمین پر قالین کا فرش ہے، بیچ مین ایک میز ہے، جس پر زمین کا ایک کرہ رکھا ہوا ہے، اسی کمرہ کی دوسری سمت مین دو کمرے ایک دوسرے کے بازو مین ہین، ان مین کتبخانہ کے ایک دو ملازم رہتے ہین،

کتبخانہ کے کمرہ کی باہر والی دیوار پر عربی فارسی ترکی کے مختلف قطعات اور رباعیان نہایت خوشخط وصلیون پر لکھی ہوئی آویزان ہین، قدیم ترکی سلطنت حجاز ریلوے اور مسجد نبوی کے نقشے بھی آویزان ہین قطعات مین بعض قطعے خود شیخ الاسلام عارف حکمت بے کے طبع زاد ہین منجملہ ان عربی فارسی اور ترکی منظومات کے یہ دیکھکر کسقدر تعجب ہوا کہ ان مین ایک اُردو کی نعتیہ غزل بھی کاغذ پر خوشخط لکھی ہوئی شیشہ مین جڑی ہوئی آویزان تھی نیچے اُردو کے اس خوش نصیب شاعر کا نام دیکھکر اور بھی تعجب ہوا کہ یہ دکن کا ہندو نام اور اسلام دل صوفی شاعر مہاراجہ کشن پرشاد شاد (سابق مدار المہام دولت آصفیہ) تھے مطلع اور مقطع یہ ہے،

یہی کہتے ہین مدح خوانِ محمدؐ ۔۔۔ جو شانِ خدا ہے وہ شانِ محمدؐ

شفاعت تری شاد کیونکر نہو گی ۔۔۔ کہ دل سے ہے تو مدح خوانِ محمدؐ

یہ پوری غزل میرے روزنامہ مین لکھی ہوئی ہے،

کتبخانہ کے واقف عارف حکمت بے تیرہوین صدی کے مشہور ترک علما مین تھے، مدینہ منورہ مین یہ قاضی ہوکر آئے تھے، ۱۲۷۰ھ مین اسکی بنیاد ڈالی، اُنھون نے یہ زمین خریدی اُسپر یہ مختصر سی گر نہایت صاف اور نکھری ہوئی عمارت بنوائی، کتابون کے بڑے شائق اور عاشق تھے، اپنی جائداد اور دولت کا بڑا حصہ اُنھون نے اُن پر صرف کیا اور معقول ذخیرہ فراہم کیا تھا، یہ کتابین اسی عمارت مین رکھین پھر مقدونیہ اور ایشیائے کوچک مین اپنی جائداد اس کتبخانہ کی بقا و ترقی کے لئے وقف کی، اسی جائداد کی آمدنی اس کتبخانہ پر صرف ہوتی تھی بلقان کی لڑائی کے بعد مقدونیہ وغیرہ کی جائداد ملیت سے نکل گئی پھر بھی ایشیائے کوچک کے منافع سے اب تک کام چل رہا تھا عرب کی علیحدگی کے بعد بھی ٹرکی کے صیغہ اوقاف سے اسکی آمدنی برابر وصول ہوتی تھی مگر اب دو سال سے جب سے انگورہ کی حکومت نے صیغہ اوقاف کو صیغہ مال مین داخل کر دیا ہے، یہ آمدنی موقوف ہے، کتبخانہ مین اس وقت ایک ناظر اعلیٰ شیخ عبد القادر حوار ہین وہ اس وقت مدینہ منورہ مین نہ تھے کہین سیر و سیاحت مین ہین اُن کے نیچے شیخ ابراہیم حمدی خربوطلی ہین یہی اس وقت اس کتبخانہ مین عملاً سب کام کر رہے ہین ان کے نیچے عمر آفندی

ہین، یہ سب کے سب ترک ہین یا ترکی النسل ہین، مکان کی صفائی، الماریون کی ترتیب، فہرست کی خوشخطی،
ہر چیز سے ترکی خوش سلیقگی ظاہر ہوتی ہے،

اس کتبخانہ کا عربی حکومت سے نہ پہلے کوئی تعلق تھا اور نہ اب ہے، دو سال سے ترکی سے اسکی آمدنی
بند ہے، سمجھ مین نہین آتا کہ یہ غیور ترک کس طرح فقر و فاقہ کے ساتھ شب و روز اپنے فرائض مین مشغول ہین، یہ
کتبخانہ اس مرکزِ اسلام مین ترکون کی علمی قدر دانی کی ایک زندہ یادگار ہے، انگورہ کی حکومت کو زیبا نہین کہ
وہ اس یادگار کو اپنے تغافل سے مٹنے دے، ہم نے ترکی کے سفیرِ سفارت محمود ندیم بے سے جدہ مین یہ تحریک
کی تھی کہ وہ حکومت کو متوجہ کرین کہ کتبخانہ کی آمدنی صیغۂ مال سے اس کو بدستور ملتی رہے،

کتبخانہ مین عربی، فارسی، ترکی کی کتابین ہین، زیادہ تر حصہ عربی کتابون کا ہے، جلدون کی تعداد مجھے
سترہ ہزار بتائی گئی، ہر کتاب عمدہ جلد بندھی ہوئی، صاف ستھری اور خوشخط ہے، اکثر کتابین غیر مطبوعہ اور قلمی ہین، اور
مختلف علوم و فنون سے متعلق ہین، اکثر کتابون کی زیارت کی، اور پوری فہرست استیعاب کے ساتھ دیکھی، ہر علم و فن مین
مجکو جو نایاب کتابین معلوم ہوئین، اُن کے نام لکھ لیے،

علوم القرآن

۱- برہان القرآن لما فیہ من الحجۃ والبرہان للامام محمود بن حمزۃ الکرمانی،

۲- البرہان الکاشف عن اعجاز القرآن للامام عبد الواحد بن الخطیب الزملکانی،

۳- تاویلات القرآن فی بیان اصول اہل السنۃ واصول التوحید للامام ابی منصور الماتریدی جمع الشیخ علاء الدین
محمد بن احمد السمرقندی،

۴- التعریف والاعلام فیما ابہم فی القرآن من الاسماء والاعلام للشیخ عبد الرحمن بن الخطیب عبد اللہ الخثعمی السہیلی،

۵- الجامع لاحکام القرآن للامام قرطبی (قرآن پاک کی جمع و ترتیب کی تاریخ، اور اُس کے فضائل اور وجوہِ اعجاز
اور احکام فقہی پر مختصر بحث)

۶- الدر المصون فی علوم الکتاب المکنون للشیخ شہاب الدین احمد بن یوسف المعروف بالسمین (کشاف کی طرز کی ایک بینظیر ادبی ونحوی لغوی تفسیر جو میرے نزدیک بعض وجوہ سے زمخشری کی کشاف سے بہتر ہے)

۷- رسالۃ فی اعجاز القرآن للعلامہ قاسم بن فیرۃ الشاطبی،

۸- رسالہ فی اعجاز القرآن للامام المطرزی،

۹- قید الاوابد من الفوائد والعوائد والزوائد مما یتعلق بالقرآن المجید للعلامہ عبد الملک بن حسین العصامی (مصنف کے ہاتھ کا)

۱۰- القول الصحیح فی تعیین الذبیح لتقی الدین السبکی،

۱۱- مشکل اعراب القرآن وذکر علله وصعبه ونادره للشیخ محمد مکی بن ابی طالب حموش الاندلسی النحوی (۵۳۳ھ کا لکھا ہوا نسخہ)

۱۲- مشکلات القرآن لمحمد بن حمید التوقانی (مصنف کے ہاتھ کا ۶۶۰ھ کا لکھا ہوا نسخہ)

۱۳- معانی الآیات المتشابہات الی الآیات المحکمات للشیخ ابی عبد اللہ محمد شمس الدین المعروف بابن البنا (ابن اللبان المصری کی ایک کتاب حافظ وہبہ نے اس موضوع پر قسطنطنیہ سے شائع کی تھی)

۱۴- ملاک التاویل بذوی الالحاد والتعطیل

۱۵- الناسخ والمنسوخ للشیخ ہبۃ اللہ بن سلامۃ بن علی المقری النحوی،

۱۶ نفائس المرجان فی جمع قصص القرآن للعلامہ صفی الدین الموصلی،

۱۷ مجموعۂ کلام الشافعی فی احکام القرآن للامام ابی بکر البیہقی،

۱۸ مختصر من کلام المقعد المقیم فی علوم القرآن للامام ابن الجوزی،

۲- کتب حدیث

۱۹- تسہیل السبیل الی کشف الالباس عما دار من الاحادیث بین الناس للعلامہ محمد غرس الدین الخلیلی المدنی،

۲۰ ـ تصحیح عمدۃ الاحکام عن سید الانام للامام تقی الدین عبد الغنی المقدسی الحنبلی للشیخ بدر الدین محمد الزرکشی،

۲۱ ـ تصحیفات المحدثین للحافظ ابی احمد الحسن بن عبد اللہ العسکری،

۲۲ ـ تنزیہ الشریعۃ المرفوعہ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعہ للشیخ علی بن محمد بن عراف الکنانی،

۲۳ ـ تنویر الحوالک علی موطا امام مالک للسیوطی،

۲۴ ـ الجمع بین الصحیحین للحمیدی،

۲۵ ـ جمع الفوائد مجمع الزوائد من جامع الاصول للامام محمد بن سلیمان المغربی (جزء الاول الی المغزوات)

۲۶ ـ الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج للسیوطی،

۲۷ ـ فتح المتعال فی مدح النعال للحافظ احمد بن محمد المقری التلمسانی،

۲۸ ـ فضل الخیل للامام شرف الدین عبد المومن الدمیاطی،

۲۹ ـ کتاب الزہد الکبیر للامام ابی بکر احمد بن الحسین البیہقی (۶۲۲ھ کا نسخہ)

۳۰ ـ کتاب الیقین لابی بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی الدنیا القرشی،

۳۱ ـ الکواکب الدراری فی شرح صحیح البخاری للکرمانی،

۳۲ ـ مسند الفردوس للحافظ زین الدین شہردار بن شیرویہ الدیلمی،

۳۳ ـ مصباح الزجاجہ علی سنن ابن ماجہ للسیوطی،

۳۴ ـ معجم حافظ احمد بن محمد الاصبہانی السلفی،

۳۵ ـ ملخص موطا الامام مالک للعلامہ ابی الحسن علی بن محمد بن خلف القابسی المعافری،

۳۶ ـ ماورد فی حیوۃ الانبیاء وبعد وفاتہم علیہم السلام لابی بکر البیہقی،

۳۷ ـ نجاح القاری فی شرح صحیح البخاری لمحمد یوسف زادہ،

۳۸ ـ وسیلۃ الطالب الی نیل المطالب للعلامہ یحیی بن ابی بکر الحنفی،

۳ - توحید و عقائد

۳۹ - الارشاد فی عقائد اہل السنۃ من العباد للامام الحرمین،

۴۰ - اسرار التنزیل و انوار التاویل للرازی،

۴۱ - انوار القوامیہ فی الاسرار الکلامیہ للرازی،

۴۲ - اثبات عذاب القبر لابی بکر البیہقی،

۴۳ - التنبیہ علی الاسباب التی اوجبت الاختلاف بین المسلمین فی آرائہم و مذاہبہم لابی محمد عبد اللہ بن السید البطلیوسی

۴۴ - الفریدۃ الشمسیۃ للعلامۃ الآمدی،

۴۵ - التجرید فی کلمۃ التوحید للامام احمد الغزالی،

۴۶ - رسالۃ فی علم اللہ تعالیٰ للآمدی (۴ ورق)

۴۷ - رسالہ فی علم التوحید للامام محمد بن حسن بن فورک (۲۱ ورق)

۴۸ - شرح عقیدۃ الامام الطحاوی للعلامہ عمر بن اسحاق الہندی (۷۴۲ھ کا نسخہ) ہندوستان کے لیے یہ قابلِ فخر اور قدیم یادگار چیز ہوگی،

۴۹ - شرح عقیدۃ الامام ابی منصور الماتریدی للسبکی (۲۱ ورق)

۴ - کتبِ مغازی و سیر

۵۰ - الفیۃ السیر النبویہ للحافظ عبد الرحیم العراقی،

۵۱ - خیر البشر بخیر البشر للشیخ محمد بن ظفر الصقلی، (مصنف سسلی کا باشندہ تھا)

۵۲ - سبل الہدی و الرشاد فی سیر خیر العباد و اعلام نبوتہ و احوالہ فی المبدء و المعاد للعلامہ یوسف الدمشقی الصالحی جزء دوم

۵۳ - عیون الاثر فی فنون المغازی و السیر لابن سید الناس،

۵۴ - نور النبراس علی سیرۃ ابن سید الناس للعلامۃ برہان الدین ابراہیم بن محمد بن خلیل سبط ابن العجمی،

۵۔ اصولِ حدیث و رجال و متعلقات حدیث

۵۵۔ معرفۃ علوم الحدیث للامام محمد بن عبد اللہ الحاکم النیسابوری،

۵۶۔ التقصی فی معرفۃ شیوخ الامام مالک لابن عبد البر،

۵۷۔ اختصار علوم الحدیث للحافظ عماد الدین ابن کثیر،

۵۸۔ ذکر اسماء من اتفق البخاری و مسلم علی تصحیح الروایۃ عنہ من الصحابہ للحافظ ابی الفتح محمد بن ابی الفوارس،

۵۹۔ شواہد التوضیح و التصحیح لمشکلات الجامع الصحیح للبخاری للحافظ ابی عبد اللہ بن مالک الطائی،

۶۰۔ منتخب الاسماء و الانساب و الکنی و الالقاب للحافظ الذہبی،

۶۱۔ مقدمۃ الکاشف المصطلح عن حقائق السنن للامام الطیبی،

۶۲۔ النکت علی ابن الصلاح لبدر الدین الزرکشی،

۶۳۔ الہدایۃ و الارشاد فی معرفۃ الثقۃ و السداد الذین اخرج لہم البخاری فی جامعہ للشیخ احمد الکلاباذی،

۶۴۔ معجم شیوخ البخاری و مسلم و ابی داؤد و الترمذی و النسائی و القزوینی،

۶۵۔ التقریب و التیسیر لمعرفۃ سنن البشیر النذیر للامام النووی،

۶۔ تاریخ و اخبار

۶۶۔ انباء الغمر بابناء العمر للحافظ ابن حجر العسقلانی۔

۶۷۔ انباء نجباء الابناء لمحمد بن ظفر الصقلی (مصنف سسلی کا باشندہ عالم تھا)

۶۸۔ اخبار المستفید باخبار خالد بن الولید شیخ الاسلام رضی الدین بن محمد حنبلی،

۶۹۔ البدر الطالع من الضوء اللامع لاہل القرآن التاسع احمد بن محمد بن عبد السلام تلمیذ امام سخاوی،

۷۰۔ تاریخ ابی الحارث ایبک من ملوک الہند لحسن نظامی نیشاپوری (اسمیں ابوالمظفر محمد بن سام کا ذکر ہے)،

۷۱۔ تاریخ مدینۃ اصفہان للحافظ احمد بن عبد اللہ الاصبہانی،

۷۲۔ تاریخ جزری لشمس الدین محمد الجزری،

۷۳۔ تاریخ امام بقاعی (۸۵۰ھ سے ۸۷۰ھ تک کے واقعات پر مشتمل)

۷۴۔ تاریخ سلاطین گجرات از سلطنت ظفرخان تا سلطنت محمود خان،

۷۵۔ تحفۃ الکبار فی اسفار البحار حاجی خلیفہ چلپی (ترکون کے بحری فتوحات کی تاریخ)

۷۶۔ تفریج الہموم و تفریق الغموم فی الرحلۃ الی بلاد الروم لمصطفےٰ بن کمال الدین البکیری الخلوتی (۱۱۳۵ھ کا سفرنامہ ہے)

۷۷۔ التعریف بما انست الہجرۃ من معالم دار الہجرۃ للمطری (مدینہ منورہ کی مستند تاریخ)،

۷۸۔ تاریخ دولۃ الاکراد الایوبیہ

۷۹۔ تیمورنامہ ہاتفی،

۸۰۔ رحلۃ العلامہ عیاشی لابی سالم عبداللہ بن ابی بکر العیاشی المغربی (۱۰۵۹ھ کا سفرنامہ مراکش سے عرب تک)

۸۱۔ رسالہ فی من نسب الی امہ من الشعرا لمحمد بن حبیب بروایۃ عثمان بن جنی،

۸۲۔ کتاب الاصنام لابی المنذر ہشام بن محمد الکلبی (طبع کے بعد بھی نہین ملتی)

۸۳۔ الزہر والضرب فی تاریخ حلب لمحمد بن ابراہیم بن الحنبلی الحنفی،

۸۴۔ رسالۃ ایمان العرب لابی اسحاق ابراہیم بن عبداللہ السنجری (یہ رسالہ اب مطبعہ سلفیہ مصر مین چھپ گیا ہے)

۸۵۔ سفارت نامہ چین (سلطان سلیم بن بایزید کے عہد حکومت مین فارسی مین لکھی گئی)

۸۶۔ سکردان السلطان لابی العباس احمد بن یحییٰ التلسانی الشہیر بابن ابی عجلۃ الدمشقی،

۸۷۔ سیاحت نامہ للعلامہ محمد خلیل بن محمد السرہندی الاحمدی الفاروقی (فارسی مین اس ہندوستانی عالم نے بانی کتبخانہ احمد عارف بے کے لیے لکھی اس مین لاہور اور کل پنجاب کا مختصر حال ہے)،

۸۸۔ سیر البلاد لخادم التعلیم آبادی (پٹنہ کے ایک عالم امام بخش خادم نے ۱۲۳۵ھ مین ایران عراق جزائر رد

عرب کا سفرنامہ لکھا، اس میں مؤلف کے اُردو کلام کا نمونہ بھی ہے،

۸۹- سیر الملوک، منسوب بہ نظام الملک وزیر سلجوق،

۹۰- سنی الوفاۃ من بدء الہجرۃ الی آخر القرن العاشر لابی الفلاح عبدالحیٔ بن احمد بن محمد العکبری الصالحی المعروف بابن العماد الحنبلی،

۹۱- شذرات الذہب فی اخبار من ذہب فی التراجم،

۹۲- شفاء الغرام باخبار البلد الحرام لتقی الدین محمد بن احمد بن احمد بن علی الحسینی الفاسی المکی،

۹۳- صفوۃ الزمان فی من تولی علی مصر من امیر و سلطان للعلامہ مصطفی الصفدی القلعاری الشافعی،

۹۴- ضوء القبس فی مناقب ابی حنیفۃ والشافعی واحمد ومالک بن انس،

۹۵- الطالع السعید الجامع لاسماء نجباء الصعید لابی الفضل جعفر بن ثعلب الادفوی،

۹۶- طبقات الحکماء لمحمد بن الخطیب الزوزنی،

۹۷- طبقات الشافعیۃ الصغری للسبکی،

۹۸- طبقات الشافعیہ لابن قاضی شہبۃ الاسدی

۹۹- طبقات الشافعیہ لابی الحسن الاسنوی،

۱۰۰- طبقات الشعراء لمحمد بن سلام الجمحی (شعرائے عرب کے حال میں سب سے پہلی کتاب یورپ میں چھپ چکی ہے اور اب مصر میں بھی چھپ گئی ہے، مگر یہ نسخہ بہت پرانا اور لائق اعتماد ہے)

۱۰۱- طبقات القراء للقاسم بن فیرۃ الشاطبی،

۱۰۲- طبقات المفسرین لہ،

۱۰۳- طبقات المحدثین وطبقات علماء الوضع وطبقات المؤرخین وطبقات علماء الاصول (چند اوراق میں مختصر سا رسالہ)

۱۰۴ - ظفر نامہ فی وقائع امیر تیمور (فارسی)

۱۰۵ - عجائب المخلوقات وغرائب الموجودات و اخبار الامم الماضیۃ القرون الخالیہ عمر بن احمد الشہیر والدہ با صفدی نقلہ من الکتب،

۱۰۶ - العقد المذہب فی طبقات حملۃ المذہب لابی حفص عمر بن علی الاندلسی الشہیر با بن الملقن المصری،

۱۰۷ - عقود الجمان و تذییل وفیات الاعیان لابن خلکان للامام الزرکشی،

۱۰۸ - فتوح مصر لمحمد بن اسحاق الاموی،

۱۰۹ - الفہرست لابن الندیم (یورپ میں چھپ چکی ہے، مگر رجوع و اعتماد کیلئے اس کا ذکر کر دیا ہے)،

۱۱۰ - القبس الحاوی لغرر ضوء السخاوی (مختصر الضوء اللامع) لزین الدین عمر بن احمد الاثری الحلبی،

۱۱۱ - قرۃ العیون فی اخبار الیمن المیمون لعبد الرحمن بن علی الشیبانی الشہیر بالزبیع الزبیدی،

۱۱۲ - قلائد عقود الدرر العقیان فی مناقب الامام ابی حنیفۃ النعمان لابی القاسم بن عبد العلیم الحنفی الیمنی،

۱۱۳ - کفایۃ المحتاج لمعرفۃ من لیس فی الدیباج لاحمد بابن احمد التنکبتی،

۱۱۴ - الکواکب السائرہ بمناقب اعیان المأۃ العاشرہ لنجم الدین محمد بن بدر الدین الغزی العامری القرشی الدمشقی،

۱۱۵ - الکواکب الدریۃ فی السیرۃ النوریۃ (سلطان نور الدین شہید کی سوانحعمری)،

۱۱۶ - کتاب اسماء الصحابہ لابی حاتم محمد بن حبان،

۱۱۷ - کتاب الزیارات لابی بکر بن علی الہروی (مصنف نے جن مقامات کی زیارت کی اُن کا حال)،

۱۱۸ - اللباب فی معرفۃ الانساب لابن الاثیر الشیبانی (سمعانی کا خلاصہ)

۱۱۹ - لالہ استان فی تراجم المشائخ للعلامۃ البہاری (؟)

۱۲۰ - لب التواریخ (فارسی) للامیر یحیی بن عبد اللطیف القزوینی،

۱۲۱ - مجموعۂ تواریخ ملوک الفرس لابی شجاع بن ملک شاہ،

۱۲۲- مطلع السعدین ومجمع البحرین فی وقائع وحوادث سنہ ۸۷۵ کمال الدین عبدالرزاق بن جلال الدین السمرقندی (جزآن)

۱۲۳- مختصر ریاض النفوس فی طبقات فقہاء مدینۃ القیروان وافریقیۃ وما یلیہا للشیخ ابی بکر عبداللہ بن محمد المالکی، للعلامہ یحییٰ بن ابراہیم المالکی،

۱۲۴- مخدرات القصور فی تاریخ اہل العصور لابن القطری البحری المصری،

۱۲۵- المعجم فی آثار ملوک العجم لفضل اللہ بن عبداللہ،

۱۲۶- الذیل علی الروضتین فی اخبار الدولتین لابی محمد عبدالرحمن بن اسماعیل الشہیر بابی شام المقدسی،

۱۲۷- مرآۃ الممالک للسید علی کاتبی رومی (سفرنامہ)

۱۲۸- المرقاۃ الوفیۃ فی طبقات الحنفیۃ للمجد الفیروزآبادی،

۱۲۹- المستجاد من فعالات الاجواد لابی محسن بن علی التنوخی،

۱۳۰- معجم المشائخ للسید مرتضیٰ زبیدی (بلگرامی) بخط مؤلف،

۱۳۱- مناقب الامام الاعظم لمحمد بن محمد الکردری،

۱۳۲- منتخب الدرر الکامنۃ للحافظ السیوطی،

۱۳۳- منتخب طبقات الشافعیۃ لابن الصلاح لابی زکریا یحییٰ ابن شرف النحوی،

۱۳۴- المنتخب من المؤتلف والمختلف فی اسماء الشعراء والقابہم للشیخ الآمدی لابراہیم احمدی،

۱۳۵- نزہۃ المشتاق فی علماء العراق لابی البرکات محمد الرجبی،

۱۳۶- ہفت اقلیم امین رازی،

۱۳۷- ہفت کشور فخر الدین بن الیسری الہروی

۱۳۸- وصایائے نظام الملک الوزیر

۶- کتب ادب و دواوین

۱۳۹- اجوبۃ عن الاعتراضات فی شرح شعر المعری لابی محمد عبداللہ بن السید البطلیوسی،

۱۴۰- الایضاح شرح مقامات الحریری لابی الفتح ناصر بن ابی المکارم عبداللہ المخازری،

۱۴۱- الاحتیال بما فی شعر ابی العتاہیۃ من الامثال للشیخ یوسف بن عبداللہ النمیری القرطبی ابن عبدالبر،

۱۴۲- تسلیۃ الفواد فی قصائد آزاد بلگرامی،

۱۴۳- التشبیہات لابی اسحاق البغدادی الملکی (کس چیز کو کس چیز سے تشبیہ دی جاتی ہے) ۶۲ھ کا نسخہ،

۱۴۴- ترجمۃ المتنبی لابی منصور الثعالبی،

۱۴۵- التذلل فی التسلی "

۱۴۶- التحسین والتقبیح "

۱۴۷- جزء فیہ ما وجد من کلام ابن الخشاب استدراکا علی الحریری فی مقاماتہ للشیخ عبداللہ احمد بن الخشاب البغدادی

۱۴۸- جملۃ من شرح المفضلیات،

۱۴۹- حدائق السحر فی دقائق الشعر لرشید الدین الوطواط (فارسی)،

۱۵۰- دمیۃ القصر وعصرۃ اہل العصر لعلی بن الحسن الباخرزی،

۱۵۱- الدیوان الثامن لآزاد البلگرامی (سات دیوان ہندوستان میں ہیں)،

۱۵۲- دیباجہ شرح الحماسہ لاحمد المرزوقی الاصبہانی،

۱۵۳- رسالۃ الصاحب بن عباد فی مساوی شعر المتنبی،

۱۵۴- رسالۃ وقصائد لابی عثمان الجاحظ،

۱۵۵- شرح ارجوزۃ ابی نواس لابی الفتح عثمان بن جنی،

۱۵۶- شرح دیوان ابی تمام لابی بکر محمد بن یحییٰ الصولی،

۱۵۷ - شرح دیوان ابی فراس الحمدانی،

۱۵۸ - الشرح المختصر علی الحماسہ للخطیب التبریزی،

۱۵۹ - شرح دیوان رؤبۃ بن العجاج،

۱۶۰ - شرح دیوان زہیر لاحمد بن یحییٰ بن زید ثعلب النحوی،

۱۶۱ - شرح دیوان المتنبی لابی العباس احمد بن علی بن یعقوب الازدی المہلبی،

۱۶۲ - شرح مختارات المتنبی کلاہما للمعری المسمی باعجاز احمد

۱۶۳ - شرح المعلقات السبع لابی جعفر احمد بن محمد بن اسماعیل المعروف بابن النحاس،

۱۶۴ - شرح المعلقات السبع للخطیب التبریزی،

۱۶۵ - شرح مقامات الحریری لابی البقاء العکبری،

۱۶۶ - شرح مقصورۃ ابن درید لمحمد بن احمد السبتی المعروف بابن ہشام اللخمی،

۱۶۷ - شرح بعض دیوان ابی فراس الحمدانی لابن خالویہ،

۱۶۸ - ضرام السقط فی شرح سقط الزند للقاسم بن الحسین الخوارزمی صدر الافاضل،

۱۶۹ - عنوان المرقصات والمطربات لنور الدین علی بن موسی الوزیر المغربی الاندلسی،

۱۷۰ - فرائد الخرائد فی الامثال والحکم لابی یعقوب یوسف بن طاہر النحوی تلمیذ المیدانی فی مذہب کتاب استاذہ،

۱۷۱ - الفلک الدائر علی المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر لابی المعالی القاسم بن ہبۃ اللہ المعروف بابی حدید المدائنی،

۱۷۲ - کتاب الخیل لابی عبیدۃ معمر بن المثنی التیمی، نہایت عتیق نسخہ،

۱۷۳ - کتاب المبہج فی اسماء شعراء الحماسہ لابی الفتح عثمان بن جنی (اسمیں شعراء کے حالات نہیں بلکہ شعرائے حماسہ کے ناموں کے اشتقاقات اور معانی لکھے ہیں)

۱۷۴ - الملتقط من شرح شعر المتنبی لابی الحسن الواحدی للامام محمود بن عمر الزمخشری'

۱۷۵ - شرح لامیۃ العجم لابن الانباری'

۱۷۶ - مناظرات الوطواط مع الزمخشری (ایک ورق)

۱۷۷ - مختارات الحماسہ للشیخ محمد الحلبی'

۱۷۸ - مختارات المتنبی لہ'

۱۷۹ - النجدیات الف بیت فی النسیب لمحمد بن ابی العباس احمد الابیوردی'

۱۸۰ - نزول الغیث وہو اعتراضات ومناقشات مع الصفدی فی شرحہ علی لامیۃ العجم للعلامہ بدرالدین محمد بن ابی بکر المخزومی الدمیاطی'

۱۸۱ - نصرۃ الثائر علی المثل السائر للعلامہ صلاح الدین الصفدی'

۱۸۲ - امالی ہبۃ اللہ السنجری (جزء آن)

کتبخانہ مین قدامت کے اعتبار سے جسکی تاریخ معلوم ہے سب سے پرانی کتاب غالباً حضرت ابن عباسؓ کی روایات تفسیر جو تفسیر ابن عباس کے نام سے چھپی ہوئی ملتی ہے' اُنکے آخری چند اوراق ہین یہ سورۂ فلق اور الناس وغیرہ آخری سورتین ہین' اختتم [illegible] کی کتابت کی تاریخ سہ شنبہ ۱۲ رجب ۱۹۰ھ مرقوم ہے' یہ ہرن کی کھال کے کاغذ پر لکھی ہوئی ہے' ہرن کی کھال کو اسقدر پتلا اور چکنا کیا گیا ہے کہ ٹاٹ کا [illegible] معلوم ہوتا ہے' قرآن مجید کا ایک چھوٹی تقطیع کا نسخہ ہے جو پورا شترمرغ کی کھال کے کاغذ پر ہے' ابتدائی اوراق ضائع ہو گئے ہین تو دوسرے کاغذ پر لکھ کر لگا دیے گئے ہین' شترمرغ کی کھال کا کاغذ نہایت باریک ہے' اُس کا خط کوفی ہے' اور اعراب شاید نقطون سے بھی خالی ہے کسی نے [illegible] اسپر اعراب اور نقطے لگا کر اسکی خوبی کو برباد کیا ہے' سال تاریخ اسپر نہین ہے مگر کسی نے پہلے صفحہ پر لکھدیا ہے کہ بخط عثمانؓ ہے یہ صحیح ہو یا نہو مگر اعراب نقطون کے نہونے کے سبب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعراب اور نقطون کی ایجاد کے پہلے لکھا گیا ہوگا اعراب اور نقطے حجاج کے زمانہ سے [illegible] مین لگائے گئے ہین

ابوہلال عسکری کی کتاب الاوائل کا نسخہ ۴۹۵ھ کا لکھا ہوا ہے' ابن ابی عون اسحاق بغدادی کی کتاب التشبیہات ۶۲۶ھ کی ہے اسی طرح محمد بن سلام الجمحی المتوفی ۲۳۱ھ کی طبقات الشعراء کا نسخہ بھی نہایت پرانا ہے'

(باقی)

تنقیدِ مستدرک پر ایک نظر

از

مولانا سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن

مستدرک کے مطبوعہ نسخہ پر جو تنقید پہلے شائع کی گئی تھی، اس کے جواب میں یہ تحریر آئی ہے، یہ خوشی کی بات ہے کہ ناقد اور مجیب دونوں ایک ہی درسگاہ کے تعلیم یافتہ اور شاید اکثر ایک ہی اساتذہ کے فیض یافتہ اور یقیناً باہم دوست بھی ہیں، اس لیے یہ سوال و جواب محض علم کی خاطر ہے، کوئی اور چیز اسکی محرک نہیں۔

علوم عربیہ کے متعلق بحث و تحقیق کا سلسلہ تو انقلابِ زمانہ نے بند کر دیا ہے، حالانکہ ابھی کچھ ہی عرصہ گذرا ہے کہ نواب صدیق حسن خان مرحوم اور مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محلی کی دادِ بحث و تحقیق سے ہندوستان پر شور تھا،

آن قدح بشکست و آن ساقی نماند

اُردو کا کوئی اور رسالہ تو شاید ان مباحث کے بارگران کا تحمل بھی ہوتا، اور کہدیتا کہ ان مولویانہ جھگڑون کے لیے ہمارے اوراق میں جگہ نہیں، مگر گران جان معارف کیا عذر کر سکتا ہے کہ یہ تو مولویون ہی کا پرچہ ہے اور آئے دن اس کے لیے اپنے ہمعصرون کا طعنہ سنا کرتا ہے، اور خوش ہوتا ہے،

اس تنقید اور اس جواب کے متعلق محاکمہ اربابِ نظر کا فرض ہے، ناقدِ مضمون اسکا جواب الجواب لکھ رہے ہیں لیکن مناسب یہ ہے کہ اس سلسلہ کو اب بند کر دیا جائے، اور یہ جواب الجواب نجی کے طور پر مجیب کی خدمت میں بھیجدیا جائے کہ مقصود اصلاح و تحقیق ہے، جدال و مکابرہ نہیں،

(معارف)

جولائی ۱۹۲۶ء کے رسالہ معارف میں "مستدرک حاکم کا مطبوعہ نسخہ" کے عنوان سے مولانا ابو الجلال صاحب ندوی کا ایک بسیط مضمون شایع ہوا ہے، جسمین مولانا موصوف نے تصحیح پر تنقید کرتے ہوے کارکنانِ دائرۃ المعارف کو

چند مشورے دیے ہین۔

اس سے قبل کہ ان مشورون پر کسی قسم کی راے زنی کی جائے، یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تنقید کے ان مسامحات کو بیان کر دیا جائے، جن سے طبقۂ علما رمین ایک مغالطہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے کیونکہ ناقد نے تمام علما رکو اس کا مشورہ دیا ہے کہ وہ اس تنقید سے مطبوعہ مستدرک کی تصحیح کر لین، اس مضمون سے میرا اس تنقید کا جواب دینا مقصود نہین بلکہ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ آیندہ سے جو اصحاب کسی کتاب پر تنقید کرین وہ اپنی ذمہ داری کا پورا احساس کر لینے کے بعد قلم اُٹھایا کرین تاکہ دوسرون کو اس کے جواب لکھنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑے،

(۱) ناقد صاحب ضروری حواشی کے عنوان سے تحریر فرماتے ہین :۔

"حاکم کی بعض حدیثون کی بعینہ حاکم کے رجال اور حاکم کی اسناد سے بعض دیگر ائمۂ حدیث نے بھی تخریج کی ہے جن مین بعض بعض الفاظ کا فرق پایا جاتا ہے، ضروری تھا کہ ان احادیث پر حاشیہ دیکر فروق ظاہر کر دیے جاتے، کیونکہ ممکن ہے کہ یہ فروق محض ناسخین مستدرک کے تساہل کا نتیجہ ہون، ذیل مین ہم اس قسم کی کی صرف دو مثالین پیش کرتے ہین۔

(۱) ص ۷، جلد اول مین زید بن ارقم والی حدیث کو شعبہ اور اعمش کی سند سے جن دو اسطون سے حاکم نے نقل کیا ہے بعینہ انھین دو اسطون سے مسند احمد مین بھی منقول ہے مگر فرق ہے۔

مستدرک	مسند
من مائۃ الف جزء	من مائۃ الف او من سبعین الفاً
ثمان مائۃ او تسع مائۃ	ثمانمائۃ او سبع مائۃ"

ناقد کی یہ مثال اس موقع پر صحیح نہین، شعبہ اور اعمش کی حدیث مین مستدرک اور مسند مین جو فرق ہے وہ ناسخین کے تساہل سے نہین ہے بلکہ دراصل روایت کا اختلاف ہے، چنانچہ حاکم نے اسی مقام پر شیخین کی

عدم تخریج کی علت بیان کی ہے

لکنہما ترکاہ للخلاف الذی فی متنہ بن العلاء شیخین نے اس حدیث کو اختلاف علاء کی وجہ سے چھوڑ دیا،

امام ذہبی نے بھی اس جملہ کو تلخیص مین نقل کیا ہے اب یہ کہنا کہ الفاظ کا یہ فرق ناسخین کے تساہل کی بنا پر ہے ناقد کی غلط فہمی ہے اور کیا جب حدیث کے الفاظ مین روایت کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو تو اختلافات کا درج کرنا مصحح کے فرائض مین ہے؟ اور خصوصاً اس وقت جبکہ الفاظ کا اختلاف اس حدیث کی خصوصیت مین داخل ہو مثلاً سواک کی حدیث مین شیخین "لامرتھم" کا لفظ لائے ہین اور بیہقی اور مستدرک مین "لفرضت علیھم" کا لفظ ہے کیا اس فرق کو حاشیہ مین بتانا ضروری ہے؟

مثال ثانی مین ناقد نے صلوۃ الحاجۃ کی دعا کو ترمذی سے نقل کر کے بتایا ہے کہ مستدرک اور ترمذی کی سند ایک ہے اس لیے حاشیہ مین ترمذی کی زیادہ عبارت کو ڈالدینا چاہیے،

حالانکہ دونون کی سند ایک نہین ہے ترمذی مین فائد سے عبداللہ بن بکر روایت کرتے ہین اور مستدرک مین مسلم بن ابراہیم روایت کرتے ہین

(۲) ناقد صاحب فرماتے ہین:۔

"مستدرک مین بعض ایسے رواۃ بھی نظر آتے ہین جن کے متعلق مستدرک مین توتوثیق کے الفاظ ملتے ہین مگر انھین کے متعلق خود حاکم کا قول کتب رجال مین کچھ اور ہے مثلاً جلد اول صفحہ، مین ایک حدیث یونس بن ابی اسحاق سے مروی ہے، یونس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اس حدیث کی حاکم نے تصحیح کی ہے، یونس کے متعلق لکھا ہے کہ شیخین نے حجاج بن محمد اور یونس دونون سے احتجاج کیا ہے اس کے معنی یہ ہین کہ ان دو رواۃ کے علاوہ اسناد کے اور ارکان پر کسی قسم کی بحث کی گنجایش نہین ہے یونس بن ابی اسحاق کے باپ کا نام عبداللہ بن مسرہ تھا ان کی ایک کنیت ابو احمد تھی تہذیب التہذیب مین اُن کے متعلق خود حاکم کا قول منقول ہے کہ ان کی حدیث ٹھیک نہین ہوتی ایسے مواقع پر حاشیہ دینا ضروری تھا"

اس مثال مین ناقد صاحب سے چند لغزشین ہوگئی ہین :-

(ا) ناقد صاحب کا یہ دعویٰ کہ حاکم نے یونس کے متعلق لکھا ہے کہ شیخین نے ان سے احتجاج کیا ہے صحیح نہین ہے

حاکم نے صرف مسلم کے احتجاج کا ذکر کیا ہے صفحہ، جلد اول کی عبارت یہ ہے۔

قد احتجا جمیعا بابی جحیفۃ واتفقا علی ابی اسحاق واحتجا جمیعا بالحجاج بن محمد

واحتج مسلم بیونس بن ابی اسحاق ،

(ب) ناقد صاحب کا یہ لکھنا کہ یونس بن ابی اسحاق کے باپ کا نام عبد اللہ بن میسرہ ہے صحیح نہین ہے تہذیب

جلد ۱۱ ص ۴۳۳ مین یونس بن ابی اسحاق کے باپ کا نام عمرو بن عبد اللہ الہمدانی لکھا ہوا ہے جن کی کنیت ابو اسحاق

ہے، یہ ابو اسحاق سبیعی ہین جو حضرت علیؓ اور ابو جحیفہ سے روایت کرتے ہین (دیکھو تہذیب عمرو بن عبد اللہ الہمدانی)

(ج) عبد اللہ بن میسرہ جس کے متعلق ناقد صاحب نے لکھا ہے کہ یونس کے باپ ہین ایک دوسرے

شخص ہین جن کی کنیت بھی ابو اسحاق ہے اور اُن کی دوسری کنیت ابو عبد الجلیل ہے ان سے ہشیم روایت کرتے ہین

دیکھو تہذیب عبد اللہ بن میسرہ،

(د) ناقد صاحب کو نہ معلوم کس کتاب سے یہ پتہ چلا کہ عبد اللہ بن میسرہ کی کنیت ابو احمد بھی تھی رجال

کی کتابون مین اس کنیت کا وجود نہین ہے۔

(ہ) ناقد صاحب نے تہذیب سے عبد اللہ بن میسرہ کے متعلق جن سے اس سند سے کوئی تعلق نہین ہے"

حاکم صاحب مستدرک کا یہ قول "کہ ان کی حدیث ٹھیک نہین ہوتی" نقل کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک جگہ

پر حاکم نے اُن پر جرح کی ہے اور مستدرک مین اُن کی توثیق کی ہے؛

حیرت معلوم ہوتی ہے کہ مستدرک کا ناقد ابو احمد الحاکم اور ابو عبد اللہ الحاکم کے فرق کو نہین جانتا ہے

حاکم کے لقب سے دو شخص مشہور ہین، ایک ابو احمد محمد بن محمد الحافظ ہین اور دوسرے محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ الحافظ

ہین اول الذکر کو الحاکم الکبیر کے لقب سے یاد کرتے ہین جیسا کہ تذکرۃ الحفاظ جلد سوم مین لکھا ہے اُن کی مشہور کتاب

کتاب الکنی ہے، ان کی وفات ۳۰۸ھ مین ہوئی اور صاحب مستدرک نے اُن سے روایت بھی کی ہے اور

ثانی الذکر محمد بن عبد اللہ الحاکم کی مشہور تصنیف مستدرک ہے، اُن کی وفات ۴۰۵ھ مین ہوئی۔ عبد اللہ بن میسرہ

کے متعلق حاکم کا جو قول تہذیب سے ناقد نے نقل کیا ہے، وہ یہ ہے:-

قال الحاکم ابو احمد لیس حدیثه بمستقیم

ناقد نے اس جگہ یہ حاکم اور ابو احمد کو دو شخص بتایا ہے، یہ ابو احمد الحاکم کا قول ہے، عبد اللہ بن میسرہ

کی تضعیف کے متعلق اس قسم کی عبارت کتاب الکنی مین بھی ہے، دیکھو کتاب الکنی جلد ۲ صفحہ ۹۲،

(۲) معلوم ہوتا ہے کہ ناقد صاحب نے مستدرک کا مطالعہ غور سے نہین کیا ہے، اگر مستدرک کی

ذیل کی عبارت اُن کے پیش نظر ہوتی تو نہ ابو اسحاق کو عبد اللہ بن میسرہ بتانے کی ضرورت ہوتی اور نہ

حاکم اور ابو احمد کو دو مستقل شخص بتانے کی حاجت ہوتی اور نہ حاکم کے قول مین اختلاف بیان کرنے کا دعوی کرتے

"قد احتجا جمیعا بابی جحیفه واتفقا علی ابی اسحٰق"

جس ابو اسحٰق کے متعلق حاکم یہ کہتے ہون کہ شیخین نے اُن پر اتفاق کیا ہے کس طرح یقین کیا جا سکتا

ہے کہ اسی کے متعلق حاکم کا یہ قول ہے کہ "حدیثه لیس بمستقیم"، صرف اسی اختلاف پر اگر غور فرماتے تو متعدد

لغزشین نہ ہوتین۔

(۳) ناقد صاحب تحریر فرماتے ہین:-

"حاکم نے بعض حدیثین ایسی بھی نقل کی ہین جن کو وہ شیخین مین کسی ایک کی شرط پر بتاتے ہین حالانکہ

حاکم کے بنائے ہوئے اصول کے ماتحت شیخین کیا خود مستدرک کی شرط کے خلاف ہوتی ہین مثلاً ص ۵ جلد اول مین

حاکم نے حبیب بن الشہید کی حدیث کو شیخین کی شرط پر قرار دیا ہے، (حاکم) فرماتے ہین کہ شیخین نے اس حدیث

کی تخریج صرف اس لیے نہین کی کہ اُنکے خیال مین ہصان سے صرف حمید بن ہلال نے روایت کی ہے

حالانکہ ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کیا ہے کہ ہصان سے قرہ بن خالد نے بھی روایت کی ہے"

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"حالانکہ ان کے (شیخین) کے اصول بموجب ھصان کو معروف تابعی ہونا چاہیئے، حمید بن ہلال کو ثقہ اور مامون ہونا چاہیئے، اسنا د ھصان تک صحیح ہونی چاہیئے"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ ھصان تابعی معروف نہیں ہیں، حمید بن ہلال صرف ابن سیرین کے قول کی بنا پر ثقہ نہیں ہیں، اور حبیب بن الشہید شرط صحیح سے کمتر ہیں تعجب ہے کہ مستدرک کا ناقد ائمۂ رجال کے تمام اقوال کو چھوڑکر صرف ایک شخص کی رائے پر فیصلہ کر دیتا ہے اور دوسرون کو اس قسم کے فیصلے کرنے کی ہدایت کرتا ہے،

(۱) سب سے پہلے ھصان بن کاہن کے مجہول ہونے کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ ھصان حضرت عبد الرحمن بن سمرہؓ، حضرت ابو موسیٰؓ اور حضرت عائشہؓ تین جلیل القدر صحابیون سے روایت کرتے ہیں اور اُن سے اسود بن عبد الرحمن، حمید بن ہلال اور بقول حاکم قرۃ بن خالد روایت کرتے ہیں (دیکھو تہذیب جلد ۱۱۔ اصابہ جلد ۳)

اگر ابن مدینی نے اُن کو کسی سبب سے رجل مجہول لکھا ہے تو اسی کے ساتھ ابن حبان نے ان کی توثیق کی ہے اور اپنی صحیح مین اُن کی حدیث کو اسود بن عبد الرحمن کی روایت سے لیا ہے، امام ذہبی نے اس مقام پر تلخیص مین یہ لکھا ہے،

"قلت ھصان وثقہ ابن حبان"

اس سے ظاہر ہے کہ ھصان کی توثیق ابن حبان کے علاوہ امام ذہبی نے بھی کی ہے،

(ب) دوسرا دعویٰ حمید بن ہلال کے غیر ثقہ اور غیر مامون ہونیکا ہے، یہ بھی یک طرفہ فیصلہ ہے، ان کی ابن معین ابن عدی، ابن حبان، نسائی، عجلی، ابن سعد اور ابو ہلال الراسبی سب کے سب توثیق کرتے ہین، قطان کا ایک قول اُن کے متعلق یہ ہے :۔

قال القطان کان ابن سیرین لا یرضاہ قال ابن ابی حاتم لانہ دخل فی عمل السلطان وکان فی الحدیث ثقۃ (تہذیب جلد ۳)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ ابن سیرین کا جو قول تہذیب سے ناقد نے نقل کیا ہے وہ دیگر ائمہ کے نزدیک قابلِ حجت نہین ہے، "لانہ دخل فی عمل السلطان" کا فقرہ بتا رہا ہے کہ ابن سیرین کی ناراضگی کی وجہ کیا ہے،

(ج) ہصان کے شاگردون مین حمید کے علاوہ اسود بن عبدالرحمن اور قرہ بن خالد بھی ہین، اسود بن عبدالرحمن کے متعلق ابن حبان نے تاریخ مین توثیق کی ہے اور اسی کی روایت اپنی صحیح مین درج کی ہے، اور قرہ بن خالد کی ثقاہت پر تمام ائمۂ فن کا اتفاق ہے۔ (دیکھو تہذیب جلد ۸)

چونکہ ہصان سے حمید بن ہلال، اسود بن عبدالرحمن اور قرہ بن خالد کی روایت ثابت ہے اور تینون ثقہ ہین۔ اس لیے حاکم کا علیٰ شرط الشیخین کا دعویٰ بالکل صحیح ہے۔ اور ہصان کی مجہولیت دفع ہو جاتی ہے،

(د) تیسرا دعویٰ یہ ہے کہ اسناد ہصان تک صحیح نہین ہے، ناقد نے اُس کا کوئی ثبوت پیش نہین کیا، امام ذہبی کی توثیق کے بعد اسناد کے غیر صحیح ہونے پر بلا دلیل کیونکر یقین کر لیا جائے۔

(۴) اسکے بعد ناقد صاحب فرماتے ہین:-

"اور جن ضعیف رواۃ سے حاکم نے دو ایک جگہ روایت کی ہے اُنپر حاشیہ دینے سے ایسے رواۃ کا درجہ ظاہر کرنا ضروری تھا جن پر کچھ الزام ہے، اور حاکم نے بکثرت اُنکی روایتین قبول کی ہین"

اگر یہ اعتراض اسی حد تک رہتا تو بہت اچھا تھا، لیکن آگے چلکر ناقد صاحب نے جو مثال دی ہے اس سے اس اعتراض کا اہمال ثابت ہوتا ہے، فرماتے ہین:-

"مثلاً حماد بن سلمہ عن ثابت کی روایتون کو اکثر حاکم نے شرط مسلم پر بتایا ہے، لیکن حماد وہی بزرگ ہین جن کی حدیث "رأیت ربی فی احسن صورۃ" کی دارقطنی نے تخریج کی ہے، اور لکھا ہے کہ یہ حماد کی منکر ترین روایت ہے، امام بخاری اُن کو قابلِ احتجاج نہین سمجھتے اس پر ابن حبان کو سخت اعتراض ہے"

"اس مقام پر بھی ناقد نے ایک قول سے حماد کی تمام فضیلت کا خاتمہ کر دیا ہے، حماد بن سلمہ کو علامہ

ابن قیسرانی نے کتاب الجمع بین رجال الصحیحین میں داخل کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ امام بخاری اُن کی حدیث کو شاہد کے ساتھ قبول کرتے ہیں استشہاد کے متعلق علامہ بیہقی نے جو توجیہ کی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔

قال البیہقی ھو احد ائمۃ المسلمین الا انہ لما کبر ساء حفظہ ولذا ترکہ البخاری واما مسلم فاجتھد واخرج من حدیثہ عن ثابت ما سمع منہ قبل تغیرہ وما سوی حدیثہ عن ثابت لا یبلغ اثنی عشر حدیثاً اخرجھا فی الشواھد (تہذیب جلد ۳)

حماد بن سلمہ کی ابن معین ابن مدینی، عجلی، حاکم، اور بیہقی نے توثیق کی ہے، اُن کے لیے ابن حجر کا یہ جملہ کافی ہے،

واجماع ائمۃ اھل النقل علی ثقتہ وامانتہ

ایک روایت یہ بھی ہے کہ امام بخاری نے ان کی ایک حدیث ثابت کی روایت سے لی ہے تغیر اور سوء حفظ کی علت تو بہت سے محدثین میں پیدا ہو گئی تھی پھر بھی شیخین نے اُن کی حدیث لی ہے مثلاً سفیان اور شعبہ کی حدیثیں بخاری اور مسلم میں موجود ہیں، ان دونوں کے تغیر حفظ کے متعلق ابن حبان کا یہ قول کافی ہے،

ولم ینصف من جانب حدیثہ واحتج فی کتابہ بابی بکر بن عیاش فان کان ایاہ لما کان یخطی فغیرہ من اقرانہ مثل الثوری وشعبۃ کانوا یخطون

امام بخاری کی تخریج کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے جسکو ابن حجر نے نقل کیا ہے۔

ان بعض الکذبۃ ادخل فی حدیثہ ما لیس منہ لم یخرج عنہ البخاری معتمداً علیہ بل استشھد بہ فی مواضع لیبین انہ ثقۃ

الحاصل جب مسلم نے حماد عن ثابت کی روایت کی تخریج کی ہے تو پھر یہ اعتراض ناقد کا کیونکر صحیح ہے کہ حاکم کا دعویٰ علیٰ شرط (م) غلط ہے، مثلاً تحویلِ قبلہ کی حدیث کو مسلم نے حماد عن ثابت سے لیا ہے، دیکھو

مسلم جلد اول صفحہ ۳

مذکورہ بالا بیان سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حاکم کا دعوی علی شرط (م) صحیح ہے اور دارقطنی کی یہ روایت ممکن ہے کہ سوء حفظ کے بعد کی ہو یا ان احادیث میں سے ہو جن کو لوگوں نے حماد کی طرف منسوب کر دیا ہے،

(د) ایک جگہ پر تلخیص اور مستدرک کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے ناقد صاحب لکھتے ہیں:-

"کہ ذہبی نے محمد بن سابق کی حدیث کے بعد لکھا ہے کہ حدثنا محمد بن اسحق الفقیہ انا محمد بن غالب ثنا محمد بن اسحاق تفرد بہ اسرائیل، یہ عبارت ہم کو مستدرک میں نہیں ملتی حالانکہ یہ قول ذہبی کا اپنا قول نہیں ہو سکتا، کیونکہ محمد بن اسحاق حاکم کے شیخ تھے بعض مقدر عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حدیث شیخین کی شرط پر نہیں ہے، یہ مستدرک کے خلاف ہے، قیاس یہ چاہتا تھا کہ اکثر ممکن ہے کہ پہلے مستدرک کے پیش نظر نسخوں سے ذہبی کی نقل کی ہوئی عبارت اور تلخیص سے تفرد بہ اسرائیل کے بعد مستدرک کی موجودہ عبارت کا لحض ساقط ہو گیا ہے"،

اس جگہ پر بھی ناقد صاحب سے کئی غلطیاں ہوئی ہیں۔

(۱) حاکم کی اسناد اس جگہ پر محمد بن اسحاق نہیں ہے بلکہ ابوبکر احمد بن اسحاق ہے، دیکھو مستدرک صفحہ ۱۲ جلد اول،

(ب) یہ دعوی کہ دونوں کتابوں سے عبارت ساقط ہے غلط فہمی ہے، اصل شکل اسکی یہ ہے کہ حاکم کی روایت کا ذہبی نے خلاصہ کیا ہے کبھی کبھی محدثین ایسا کرتے ہیں کہ حدیث کی اسناد کا آخری حصہ پہلے بیان کر دیتے ہیں اور ابتدائی حصہ بعد کو بیان کرتے ہیں یہاں پر مستدرک کی عبارت یہ ہے:-

حدثنا ابوبکر احمد بن اسحاق بن ایوب الفقیہ ثنا محمد بن غالب حدثنا محمد بن سابق ثنا اسرائیل ثنا الاعمش عن ابراہیم عن علقمۃ عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی فلا میکر لہ التفرد عنہ

(عن اسرائیل) بھذا الحدیث'

اس حدیث کو تلخیص مین امام ذہبی نے اس طرح لیا ہے :-

محمد بن سابق ثنا اسرائیل عن الاعمش عن ابراھیم عن علقمہ عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی (حدثنا ہ) احمد بن اسحاق الفقیہ انا محمد بن غالب ثنا محمد بن سابق نحوہ عن اسرائیل

تلخیص کی طباعت مین صرف غلطی یہ ہو گئی ہے کہ (حدثناہ) کی سطر کو علحدہ کر دیا ہے' جس سے یہ غلط فہمی پیدا ہوئی ہے کہ یہ حدیث ہی دوسری ہے،

جس طریقہ پر ذہبی نے اس حدیث کو لیا ہے' بعینہ اسی طرح امام بیہقی اکثر بیان کرتے ہین مثلاً ایک حدیث کی تخریج اس طرح کی ہے' اس مثال سے یہ معلوم ہوگا کہ سند کی تقدیم و تاخیر محدثین کا ایک تفنن طبع ہے

"وقال سعید بن بشیر عن قتادۃ الا ولی بالتراب (اخرناہ) ابو بکر بن الحارث انا علی بن عمر الحافظ ثنا ابو بکر النیسابوری ثنا ابراھیم بن ھانی ثنا محمد بن بکار ثنا سعید بن بشیر الخ"

(ج) یہان پر یہ غلط فہمی ایک اور سبب سے بھی ہوئی ہے' ناقد صاحب کا خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ حدیث شرط شیخین پر نہین ہے' اس لیے تلخیص مین اس قسم کی عبارت ہونی چاہیے' جو شرط شیخین کے نہ ہونے پر دال ہو، حالانکہ امام ذہبی کا طریقہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کے متعلق امام حاکم علی شرط الشیخین لکھ دیتے ہین اور اس کے بعد وہ خود شیخین کی عدم تخریج کی وجہ بیان کرتے ہین تو بعینہ اسی وجہ کو اسی عبارت امام ذہبی کو نقل کر دیتے ہین اور کبھی اس کا خلاصہ اور کبھی مطلب کے مطابق صرف ایک جملہ نقل کر دیتے ہین' اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو توجیہ حاکم نے کی ہے وہ صحیح ہے۔ اس مقام پر حاکم کے محاکمہ کی عبارت یہ ہے :-

"هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد احتجا بهؤلاء الرواة عن آخرهم ثم لم يخرجاه واكثر ما يمكن ان يقال فيه انه لا يوجد عند اصحاب الاعمش واسرائيل بن يونس السبيعي كبيرهم ومسندهم وقد شارك الاعمش في جماعة من شيوخه فلا ينكر له التفرد عنه بهذا الحديث"

اس پوری عبارت کی جگہ پر تلخیص میں صرف "تفرد به اسرائیل" نقل کر دیا ہے جس سے مطلب کی طرف اشارہ ہوتا ہے،

اسی کی ایک مثال صفحہ ۶۱ جلد اول پر ہے:-

حاکم نے محاکمہ کی چار سطر کی عبارت لکھی ہے اس پر ذہبی کی عبارت صرف اتنی ہے"

"قلت الی آخرها قال لم یخرجا الاسامی لتفرد الولید بها ولیس ذا بعلة فالولید اوثق واحفظ من ابی الیمان وعلی بن عیاش"

پس ناقد کے اصول کے مطابق جہاں جہاں تلخیص میں مستدرک سے عبارت کم ہے وہاں بیاض چھوڑ کر پر کر دینا چاہیے، بلا کسی دلیل کے دعوی کرنا کہ یہ عبارت اس کتاب سے ساقط ہو گئی ہے علما کی شان سے بعید ہے،

اسی کے ذیل میں ایک دوسرے اعتراض میں بھی یہی تسامح ہوا ہے۔ فرماتے ہیں:-

"تلخیص صفحہ ۱۲۔ خولف فیه هشیم" حالانکہ مستدرک میں ہے "وقد خولف فیه هشیم بن بشیر فی هذا الاسناد خلافا لا یضر الحدیث بل یزیده تاکیدا" بتانا چاہیے کہ غالباً تلخیص سے خلافا یزیده تاکیدا ساقط ہو گیا ہے"

ناقد صاحب اگر مستدرک کا پورا مطالعہ فرماتے تو یہ اعتراض نہ کرتے تلخیص مستدرک کی تلخیص ہے اور اس میں حاکم کے رواۃ پر نقد و جرح ہے، مستدرک کی پوری عبارتوں کا لینا امام ذہبی کے فرائض میں نہیں ہے اگر کسی جگہ پر پوری عبارت لے لی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ جہاں جہاں چھوڑ دیا ہے، اس کو مستدرک کے حوالہ سے پر کر دیا جائے،

مثلاً صفحہ ۵۴ جلد اول مستدرک مین ہے،

"ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین ولم یخرجاہ بھذا اللفظ وقد ذکرت فیما تقدم

من خطبۃ عمر بالجابیہ وانھما لم یخرجاہ وھذا بغیر ذلک اللفظ ایضا"

اس کے نیچے تلخیص مین حدیث کے بعد صرف "علی شرطھما" ناقد کے نقطۂ نظر سے یہان پر بھی تلخیص سے مستدرک کی عبارت ساقط ہوگئی ہے۔

(۷) ایک جگہ فرماتے ہین:۔

"جن احادیث کو حاکم صحیحین مین سے کسی ایک کی شرط پر بتاتے ہین اور اُس کے اکثر رجال رجال صحیحین ہوتے ہین، ذہبی ان احادیث کو دو تین نام اوپر سے شروع کرتے ہین، جدید متن اور رجال شیخین کے علاوہ دوسرے رجال کی سند سے مروی احادیث کو علامہ ذہبی نے اکثر پوری اسناد کے ساتھ شروع کیا ہے یعنی حاکم کے شیخ کے نام سے ابتدا کرتے ہین"

اس دعوی کی ناقد نے کوئی صحیح دلیل نہین پیش کی البتہ مثال مین یہ پیش کیا کہ تلخیص صفحہ ۴ مین حاکم کے شیخ جعفر بن محمد کا نام چھوٹ گیا ہے، اس سے کوئی کلیہ نہین بنایا جا سکتا کہ امام ذہبی جب پوری سند لاتے ہین تو وہ شرط شیخین پر نہین ہوتی۔ اور جب نصف سند کا ذکر کرتے ہین تو اس سے اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ شرط شیخین پر ہے، مثال کے طور پر صفحہ ۳ ۹ جلد اول کی حدیث پیش ہو اسکی سند بھی پوری ہے اور اسکو علی شرط (م) لکھا ہے،

حدثنا الاصم انبأنا العباس بن الولید اخبرنی ابی سمعت الاوزاعی

حدثنی ابوکثیر الزبیدی عن ابیہ وکان یجالس اباذر الخ

اسکے آخر مین امام ذہبی لکھتے ہین علی شرط (م) ابوکثیر یزید بن عبدالرحمن (م) یہی دعوی امام حاکم کا بھی ہے ناقد کے اصول کے مطابق ذہبی کو پوری سند کے ساتھ یہ حدیث نہ لینی چاہیے کیونکہ یہ شرط مسلم پر صحیح ہے،

(۸) ناقد صاحب فرماتے ہین۔

"حاکم نے جن جن احادیث کو محمد بن جعفر القطیعی عن عبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ کے واسطے سے نقل کیا ہے۔ تلخیص مین عموماً ان کو "و فی مسند احمد" کے لفظون سے شروع کیا گیا ہے' ان مواقع پر بتانا چاہیئے کہ تلخیص کے نسخون مین یہی الفاظ ہین' اور یہ بھی بتانا چاہیئے کہ حاکم نے کہین مسند احمد کا حوالہ بھی دیا ہے۔ یا نہین' کیونکہ مستدرک مین مسند کا ذکر مسند کی اہمیت کو تقویت پہنچاتا ہے"

اس پوری عبارت کا مطلب خود ناقد صاحب سمجھ سکتے ہین' جن مقامات پر تلخیص مین مسند امام احمد کا ذکر ہے وہان پر یہ لکھنے یا حاشیہ دینے کی کیا ضرورت ہے کہ "تلخیص مین یہی الفاظ ہین" اس قسم کے حواشی اس وقت دیے جاتے ہین' جبکہ حوالہ صحیح نہ ہو یا اُس کے حوالہ پر شبہ ہو' اس طرح جن مقامات پر حاکم نے احمد بن حنبل سے روایت کی ہے وہان پر مسند کے حوالہ کی بھی ضرورت نہین ہے'

ناقد صاحب فرماتے ہین کہ مستدرک مین مسند کا ذکر اہمیت مسند پر دال ہے۔ مسند ہی پر کیا موقوف ہے' اور دوسری حدیث کی کتابون کا ذکر کیا اہمیت پر دال نہ ہوگا۔ کیا مستدرک مسند سے زیادہ قابل وثوق کتاب ہے کہ اس کے حوالہ سے مسند کی اہمیت بڑھ جائے گی۔

محدثین اکثر اسناد کا نام لے لیتے ہین اور اسکی کتاب کا ذکر ضروری نہین سمجھتے'

(۹) ناقد صاحب لکھتے ہین' ص ۴۸ جلد اول مین "ان اللہ کریم' یحب الکرم" کو حجاج بن القری اور احمد بن یونس دو اسنادون سے بیان کیا ہے۔ حاکم نے احمد بن یونس کی حدیث کو صحیح کہا ہے' اور ان پر کوئی جرح نہین کی ہے۔ اور ابن القری کی توثیق کی ہے۔ برخلاف اس کے تلخیص مین حجاج بن القری کے متعلق کوئی کلام نہین کیا ہے۔ احمد بن یونس کے متعلق تلخیص مین ہے تفرد به یونس[1]'

حدیث مین ناقد نے لسان المیزان کی عبارت نقل کرکے حجاج بن القری کو منکر الحدیث بتایا ہے' اس جگہ پر

---

[1] تلخیص مین تفرد احمد بن یونس ہے' تصحیح فرمایئے'

بھی ناقد نے بلا غور و خوض کے صرف ایک قول پر فیصلہ کر دیا ہے،

اصل یہ ہے کہ حجاج بن سلیمان القمری اور حجاج بن سلیمان الرعینی کے متعلق یہ اختلاف ہے کہ آیا یہ دو آدمی ہیں یا ایک ہی، لسان المیزان میں ابن حجر نے دونوں کو الگ لکھا ہے، گو یہ بھی لکھا ہے کہ ابن عدی نے اُن کو ایک ہی شخص بتایا ہے۔ مگر فیصلہ نہ ہو سکا۔ اگر یہ دو آدمی ہوں تو موردِ الزام رعینی ہیں اور ابن القمری بری الذمہ ہیں۔ اور اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ یہ دونوں ایک ہی ہیں تو ان کے متعلق ابن جوزی نے کتاب الضعفاء میں یہ لکھا ہے،

قال ابن عدی احادیث (ای حجاج بن سلیمان) عن غیر ابن لهیعه

فاحادیثه مستقیمة فلعل المنکر من ابن لهیعه

لسان المیزان سے جو عبارت ناقد نے نقل کی ہے اُسی کے متصل ابن القمری کے متعلق توثیق بھی ہے ابن حبان نے اُن کو ثقات میں داخل کیا ہے اور یہ لکھا ہے،

یعتبر حدیثه اذا روی عن الثقات

دارقطنی نے بھی اُن کی حدیث کو لیا ہے،

اس مقام پر مستدرک میں ابن القمری، ابو غسان المدنی سے روایت کرتے ہیں جن کے متعلق احمد، ابوحاتم، جوزجانی یعقوب بن شیبہ ثقہ کہتے ہیں، اور ابن معین (شیخ ثقة ثبت) کہتے ہیں ابن حبان نے ان کو ثقات میں داخل کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تہذیب جلد ۹)

جب ابن القمری کے استاد ثقہ ثابت ہوئے تو اُن کی یہ روایت ابن عدی اور ابن حبان کے قول کے مطابق یقیناً مقبول ہوگی، اس بنا پر ذہبی نے اس جگہ پر سکوت اختیار کیا ہے، ورنہ جس شخص کی تمام احادیث بقول ابوزرعہ منکر ہیں امام ذہبی ایسا ماہرِ فن اسکی حدیث پر سکوت اختیار کرے خصوصاً ایسی جگہ پر جہاں پر حاکم نے ابن القمری کو ثقہ مامون کہا ہو،

ناقد صاحب نے صرف ایک ہی پہلو نمایان کیا ہے حالانکہ دوسرا پہلو زیادہ قوی ہے کیونکہ ایک ابوزرعہ کے قول کی بنا پر ابن حبان، ابن جوزی، ابن عدی، حاکم اور دارقطنی کے اقوال کو پس پشت ڈالنا دیانت کے خلاف ہے،

اختلاف مستدرک اور تلخیص کے متعلق فرماتے ہین،

(۱۰) "ص ۶۰ عمرو بن یونس کی حدیث کو حاکم نے شرط شیخین پر بنایا ہے تلخیص مین علی شرط (م) ہے۔ اس قسم کے اختلافات کا باقی رکھنا بہت ضروری ہے۔ تاکہ دونون نسخون کے اختلافات کا علم ہر طالبعلم کو ہو۔ یہان پر بہت ممکن ہے کہ حاکم کے دعویٰ کا بطلان مقصود ہو امام ذہبی کے نزدیک علی شرط الشیخین نہ ہو بلکہ علی شرط مسلم ہو۔ اس لحاظ سے یہ تنقید صحیح ہو گی،

(۱۱) پھر لکھتے ہین،" ص ۲۸ کی ایک حدیث کے متعلق تلخیص مین ہے"

ساقه من طريق ضعيف وسقط نصف السند من النسخة"

حاشیہ پر بتانا چاہیے کہ یہ نصف سند ہمارے پیش نظر نسخون سے ساقط نہین"

ناقد صاحب نے کتاب پر اس قدر سرسری نظر ڈالی ہے کہ ان کو عبارتون کے تطابق کا بھی خیال نہین رہا ذہبی کی یہ عبارت جس موقع کے لیے ہے۔ دراصل مستدرک مین اس جگہ پر بیاض ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۸

وله شاهد من حديث اسماعيل بن عياش حدثناه علی بن حمشاد وابو بكر

بن ماسويه قالا حدثنا محمد بن یونس ثنا عبد الله   عن ابی امامة الخ

مستدرک کے حاشیہ پر اس جگہ پر "بیاض فی الاصل" لکھا ہوا ہے۔ پھر بھی ناقد صاحب فرماتے ہین کہ یہ لکھنا چاہیے۔ کہ یہ نصف سند ہمارے پیش نظر نسخون سے ساقط نہین ہے،

(باقی)

اُمرائے اسلام کے حالاتِ حج،

ازطالب العلم مقیم مکہ معظمہ

(۲)

ملکۂ موصل | ۳۶۶ھ مین ملکۂ موصل جمیلہ خاتون بنت ناصرالدولہ نے حج کیا، دس ہزار اونٹون کا قافلہ ہمراہ تھا، ایک ہزار کجھبڑے (عجول) بھی ساتھ تھے، راستہ مین درماندہ غریب مسکینون کو سوار کرنے کے لیے پانچسو اونٹ ساتھ رکھے تھے، ایک وضع اور ایک رنگ کی چار سو محملین ہمراہ تھین، کسی کو یہ پتہ نہین چلتا تھا کہ خود ملکہ کس محمل مین سوار ہین ؟ شاید اس خیال سے کہ مکہ مین سبزی ترکاری نایاب ہو، اپنے ساتھ لکڑی کے گملون مین ترکاریان بوکر لائی تھین۔ یہ خاتون خیرات و رفاہِ عام کے کامون مین شہرۂ آفاق تھین، مکہ پہونچکر جب پہلی بار کعبہ کا مشاہدہ کیا تو کعبہ پر دس ہزار دینار نثار کیے، جب تک مکہ مین قیام رہا حرم شریف مین اُن کی طرف سے شمع عنبری روشن ہوا کرتی تھی، حرمین شریفین مین خاندان علویہ کے جسقدر ناکتخدا مرد و زن تھے سب کی شادیان کرادین، مکہ مین تین سو غلام اور دو سو لونڈیان آزاد کین، حرمین کے کل فقرا و مجاورین کو خیرات و انعامات سے مالامال کردیا، بہت سے لوگون کو خلعت عنایت کیے، عرفات مین ستو اور شربت مین برف ڈال کر عام سبیل کی، برف کا ذخیرہ اپنے ساتھ لائی تھین، اس سفر مبارک مین اُن کے پندرہ لاکھ دینار خرچ ہوے تھے (افادۃ الانام)

شاہِ عدن | ۵۷۹ھ مین شاہِ عدن (الامیر عثمان بن علی الزنجیلی) نے حج کیا، یہ بڑا ظالم بادشاہ تھا، عدن مین جسقدر مال ہندوستان سے آتا تھا سب پر قبضہ کرلیا کرتا تھا، اس طرح اس کے پاس خزانۂ قارون جمع ہوگیا تھا، مگر آخر کار اُسکی سرکوبی کے لیے خدا تعالےٰ نے الامیر سیف الاسلام کو مسلط کیا، جنگ مین اس کو شکست ہوئی اور یہ فرار ہوکر مع اپنے ملازمین کے مکہ کی طرف خشکی سے روانہ ہوگیا، جواہرات کا صندوقچہ اور کچھ قیمتی سامان جو

اُسنے اپنے ہمراہ لے لیا تھا، تو کہ پہونچ گیا باقی سامان (جو بے شمار تھا) دریائی راستہ سے بھیجا تھا اسکو سلیلاسلام کی جنگی کشتیون نے لوٹ لیا، مکہ مین اُس نے چند نیک کام کیے تھے، ممکن ہے کہ وہ کفارۂ گناہ ہوجائین،

(۱) حرم کے قریب باب العمرہ پر ایک مدرسہ تعمیر کرائے احناف پر وقف کیا (۲) مدرسہ کے سامنے ایک رباط بنوائی (۳) اس سال جمعہ کا حج تھا جسکو عام لوگ اکبری حج کہتے ہین حاجی اس کثرت سے آئے تھے کہ بقول علامہ ابن فہد اُس سے قبل کبھی اتنا مجمع عرفات مین نہ ہوا تھا، خراسان سے بہت بڑا قافلہ آیا تھا، جسمین تین بیگمات بھی تھین (۱) دختر امیر سعود (۲) والدۂ حاکم موصل (۳) دختر حاکم اصفہان، اس زمانہ مین مکہ اور عرفات کے مابین راہزن بدوٗن کا بہت زور تھا اُن کے ڈر سے لوگ ۸ ذی الحجہ کو منیٰ مین بھی نہ ٹھہرے اور سیدھے عرفات جانے لگے، امیر موصوف (شاہِ عدن) کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اپنے مسلح غلامون اور ہمراہیون کو لیکر آگے بڑھا اور مزدلفہ و عرفات کے درمیان جو دَرّہ کوہ ہے (جہان لیٹرون کا زور تھا) وہان اپنا خیمہ نصب کردیا اور پہاڑون پر اپنے آدمی چڑھا دیے تاکہ کوئی لیٹرا قریب نہ آسکے اس طرح تمام حاجی بخیریت عرفات پہونچ گئے اور امیر موصوف کو دعائین دینے لگے (اتحاف ابن فہد)

المعظم ملک الشام | ۶۱۱ھ مین الملک المعظم عیسیٰ بن عادل الایوبی حج کو آئے، فقرائے حجاج کو سواری اور زادِ راہ عنایت کیا، حرمین شریفین مین بیشمار خیرات کی، حج مسنون طریقہ پر ادا کیا، اکثر امراء حج سے قبل کی سُنّت شب باشی منیٰ کو ترک کردیا کرتے تھے، مگر ۹ وین شب کو منیٰ مین رہے، دسوین کی صبح کو عرفات گئے، شاہ موصوف نے عرفات کے حوض وغیرہ بھی درست کرائے، شاہ موصوف امیرِ مدینہ سے بہت خوش اور امیرِ مکہ قتادہ سے ناخوش گئے، امیر مدینہ نے بہت خدمت کی تھی اور امیرِ مکہ نے معمولی سی۔ اسی وجہ سے بعد مین جب ان دونون مین خانہ جنگی ہوئی تو معظم نے امیرِ مدینہ کی مدد کی تھی (اتحاف ابن فہد)

المظفر شاہ یمن | ۶۵۰ھ مین شاہِ یمن (ابو المظفر) نے حج کیا، جب یہ مکہ کے قریب پہونچے تو امیرِ مکہ شہر چھوڑ کر باہر چلے گئے کہ اُن کی مظفر سے پہلے سے بگڑی ہوئی تھی، مظفر کی فوج کا قیام گاہ حجون مین تھا، یہ نماز

پنجگانہ حرم میں ادا کیا کرتے تھے، کعبہ شریف کو اندر سے دُھلوایا تو خود بھی اس خدمت میں شریک ہوئے، کعبہ کا نیا دروازہ اور قفل بنوایا، کعبہ پر سونا چاندی نثار کیا، کعبہ کے اندر کا غلاف خلفاء عباسیہ کے بعد سے بدلا نہ گیا تھا، مظفر نے نیا پردہ چڑھایا۔

اہل مکہ کو خیرات و انعامات سے مالامال کردیا، جو لوگ خود نہ مانگتے تھے، ان کے گھروں میں نقد و پارچہ جات بھجوائے، حج کے دس روز بعد تک مکہ میں رہے پھر یمن چلے گئے، ان کے جانے کے چار روز بعد امیر مکہ شہر میں آگئے[1]۔

الملک الظاہر بیبرس شاہ مصر | ۶۶۷ھ میں شاہ مصر ملک ظاہر بیبرس نے حج کیا، اس حج کا سبب یہ ہوا کہ امیر مکہ شریف ابونمی نے بیبرس کو ایک گستاخانہ خط بھیجا تھا جسمیں یہ بھی لکھا تھا کہ "میں تم سے ڈرتا نہیں ہوں اور تم کبھی یہاں آؤگے تو تم کو قدر عافیت معلوم ہوجائیگی لیکن ابلق گھوڑوں پر سوار ہوکر آنا"

سلطان بیبرس نے اسی غرض سے کہ شریف مکہ کو خبر نہ ہو، اپنا ارادہ حج مخفی رکھا تھا کسی کو اتنی جرأت نہ تھی کہ یہ کہہ سکے کہ سلطان کا امسال حج کا ارادہ ہے، ایک شخص نے اس کا چرچا کیا تھا تو اس کی زبان کٹوا دی گئی تھی، سلطان مذکور پانچویں شوال کو قاہرہ سے شکار کے نام سے نکلے، صرف بعض رؤسا اور چند سپاہی اور تین سو غلام ساتھ تھے، یکم ذیقعدہ کو بمقام "الکرک" پہونچے وہاں سے سفر حجاز کا انتظام کیا، منزل بہ منزل پہلے ہی سے خیمے اور سامان، اونٹ گھوڑے بھجدیے تھے، ہر منزل پر سواریاں بدلی جاتی تھیں یعنے جس منزل پر یہ قافلہ پہونچتا وہاں تازہ دم اونٹ اور گھوڑے تیار ملتے تھے، ۲۵/ ذی القعدہ کو مدینہ منورہ پہونچے، اور وہاں چند روز قیام کرکے مکہ کو روانہ ہوئے اور ۸/ ذی الحجہ کو مکہ اس وقت پہونچے جبکہ اکثر حاجی حج کو جاچکے تھے، صرف امیر مکہ باقی تھے ان کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ سلطان بیبرس آرہے ہیں، جب یہ خبر آئی کہ کوئی رئیس شہر کے قریب آگیا ہے تو وہ استقبال کے لیے باہر نکلے دیکھا کہ سب ابلق سوار ہیں اور احرام باندھے

[1] اتحاف طبری۔

ہوئے ہیں، یہ دیکھکر بہت تعجب سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو، ترک ہو یا عراقی یا ایرانی سلطان بیبرس نے کہا کہ تم نے ہمین نہیں پہچانا، ہم وہی لوگ تو ہین جنکو تم نے لکھا تھا کہ آؤ تو ابلق سوار آنا۔ مین شاہ مصر ہون اور یہ سب مصر و شام کے رؤسا ہین اور ہم سب حاجی ہین، احرام باندھے ہوئے ہین، اگر تم سب کو قتل کر سکتے ہو تو تم کو اختیار ہے :۔ یہ سن کر شریف ابو نمی بہت شرمندہ ہوئے اور سلطان سے معافی مانگی پھر اُن کو اپنے ساتھ لیکر شہر مین داخل ہوئے اور حرم شریف لے گئے اور خود ہی سلطان کو طواف وسعی کرائی، اُسکے بعد دونون عرفات کو روانہ ہوگئے اور ایک ساتھ حج کیا، سلطان مذکور بہت اہل خیر بادشاہ تھا، حرمین شریفین مین خود بھی بہت خیرات کی اور اپنے ہمراہیون کو بھی اس کا حکم دیا اور اُن کو اس کام کے لیے رقم دانسر عنایت کی، فقراے حرمین کے لیے سالانہ دس ہزار اردب (بڑے بورے) گیہون کے مقرر کیے،

بیبرس نے ایک بڑا کار خیر یہ کیا تھا کہ امراء مکہ کا وظیفہ النقد و غلہ مقرر کرکے اُن سے یہ عہد لے لیا تھا کہ وہ آئندہ تا قیامت حاجیون سے کچھ ٹیکس یا کسٹم نہ لیا کرین گے کیونکہ اس سے قبل اہل یمن سے فی نفر تیس درہم اور اہل مصر و شام سے پچاس درہم لیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ تجارتی سامان پر بھی علحدہ کسٹم لیا جاتا تھا، اسی قسم کے جور و ستم کی وجہ سے اُس زمانہ مین ایک عرصہ تک مصر و شام سے حاجی آنے موقوف ہوگئے تھے، سلطان مذکور نے اُس ظلم کو موقوف کرادیا اور اس آمدنی کے مقابل، خزانہ مصر سے امیر مکہ وغیرہ کے وظائف مقرر کردیے جسکی وجہ سے اُسکے بعد ایک عرصہ تک حاجیون کو اطمینان سے حج نصیب ہوتا رہا، فجزاہ اللہ خیرا،

حج کے بعد سلطان مذکور مدینہ شریف گئے، وہان بھی بہت خیرات کی، قبر نبوی مبارک کے آس پاس اُس زمانہ مین جالیان نہ تھین، دیکھا کہ لوگ قبر سے چمٹے ہوئے رہتے ہین، سلطان کو یہ بات ناپسند ہوئی، اپنے ہاتھ سے اطراف قبر کی پیمائش کی، اور مصر جاکر دوسرے سال لکڑی کا ایک درابزان (کٹھرہ) بھجوا دیا جو قبر مبارک کے اردگرد لگا دیا گیا (اتحاف فضلا الزمن للطبری)،

شاہ مصر و شام الملک المجاہد	۷۴۲ھ مین شاہ مصر و شام (الملک المجاہد انس بن الملک العادل کتبغا) نے حج کیا، و نسراع

وامرا، ساتھ تھے، امیر مکہ کو ستر ہزار درہم عطا کیے، عام اہل حرمین کو بھی بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا (درر الفوائد)

ایک بیگم اسی سال شاہ ماردین کی پھوپھی بھی بڑی ساز و سامان سے شامی قافلہ کے ساتھ حج کو آئی یقین یہ بہت مخیر خاتون تھیں، حرمین میں بہت صدقہ وخیرات کی، بڑی بڑی سبیلیں لگائیں، مکہ اور مدینہ کے حکام کو انعامات دیے (درر الفوائد)

الامیر بکتمر ابوکندار ۷۰۰ھ میں امیر بکتمر جوکندار نے حج کیا، اہل حرمین شریفین کو بہت فائدہ پہونچایا، بہت سے جہاز غلہ، شہد، شکر، تیل وغیرہ سامان خوردنی کے ساتھ لایا تھا، اُن میں سے تین جہازوں کا سامان ینبع میں اور باقی کا جدہ میں اتارا اور کل اشیاء حجاج ومجاوروں پر تقسیم کردیں، اس حج میں اس کا کُل خرچ پانچ لاکھ اسّی ہزار دینار ہوا تھا (درر الفوائد)

نائب السلطنۃ المصریہ ۷۰۳ھ میں نائب السلطنۃ المصریہ امیر سالار حج کو آیا، تیس امیر کبیر اور بھی ہمراہ تھے، اہل حرمین کے لیے دس ہزار اردب گیہوں ساتھ لایا تھا وہ حرمین میں تقسیم کیے، مکہ مکرمہ کے تمام باشندوں کے نام لکھوائے جس پر جو قرض تھا وہ ادا کردیا اور سب کو سال بھر کا کافی خرچ عنایت کیا، مکہ میں کوئی امیر یا غریب چھوٹا بڑا زن و مرد ایسا نہ تھا جسکو امیر موصوف نے کافی زر نقد اور سال بھر کے خرچ کا غلہ نہ دیا ہو، جدہ میں بھی اس کے کارندوں نے اسی طرح سب کو نقد و غلہ تقسیم کیا، اُس کے بعد سالار مدینہ گیا تو وہاں بھی مکہ کی طرح کل باشندگان شہر کو زر نقد اور غلہ عطا کیا، اس قدر خیرات اس وقت تک کسی نے نہیں کی تھی، سالار کو اہل حرم یہ دعا دیا کرتے تھے "یا سالار کفاک اللہ ھم النار" یعنی خدا تعالیٰ تجھکو آتشِ دوزخ سے بچائے (درر الفوائد)

شاہ مصر الملک الناصر محمد بن قلاوون شاہانِ مصر میں الملک الناصر محمد بن قلاوون عظیم الشان بادشاہ ہوا ہے، اس نے تین حج کیے ہیں، پہلا حج ۷۱۲ھ میں کیا تھا، چالیس رئیس اور چھ ہزار غلام سانڈنی سوار اور ایک سو گھوڑے سوار ہمرکاب تھے۔ اس دفعہ الکرک سے آیا تھا، دوسرا حج ۷۱۹ھ میں بڑی شان وشوکت سے کیا، باون امیر کبیر ہمراہ تھے، قاضی کریم الدین ناظر الخاص (مہتمم توشہ خانہ) کو سامان سفر مہیا کرنے کا حکم ہوا، بڑی بڑی

نقرئی اور مس دیگین بنوائی گئین، بڑے بڑے گملون مین ترکاریان، سبزیان، میوے، خوشبودار پھولون کے درخت لگائے گئے تھے کہ سفرِ حج مین روزانہ بقدر ضرورت یہ چیزین تازہ تازہ ملتی رہین، ان چیزون کے اٹھانے کیلئے بختی اونٹ مہیا کیے گئے تھے، زائد سامان تو دریائی راستہ سے بھیجدیا گیا تھا یعنی دو جہاز ینبع اور جدہ کو، اپنے ساتھ صرف ضروری سامان جو رکھا تھا وہ یہ تھا: ایک لاکھ تیس ہزار اردب جو، میوہ جات اور مٹھائیون کے پانچ سو اونٹ، بادام، پستہ وغیرہ مطبخ کے لوازمات کے ایک سو اسی اونٹ، ایک ہزار قاز و بط، تین ہزار مرغیان شام و حماہ وغیرہ کے صوبہ دارون نے جو نذرانہ جات و ہدایا ساتھ کیے تھے وہ علیحدہ تھے، ابتداے ذیقعدہ مین روانگی ہوئی، الملک المؤید حاکم حماہ اور قاضی بدر الدین بن جماعہ بھی ساتھ تھے، اس شان و شوکت کا بادشاہ جب مکہ پہونچا تو دربار خداوندی کے سامنے اسکو اپنا سب حشمت و جاہ و جلال ہیچ نظر آیا اور کعبہ کو دیکھتے ہی سربسجود ہوگیا اور جب تک مکہ مین رہا نہایت ہی تواضع اور عاجزی سے رہا، طواف کے ہجوم و ازدحام مین اسکی وہی حالت ہوتی تھی جو ایک فقیر کی ہوتی ہے، کعبہ شریف کو اپنے ہاتھ سے دھویا، حرمین مین بہت خیرات کی، امراے مکہ و مدینہ جو ٹکیس لیا کرتے تھے[1] وہ موقوف کرائے اور اس آمدنی کے مقابل مین اُن کو مصر و شام مین جاگیرین عطا کین - ۷۳۲ھ مین پھر تیسرا حج کیا، اس دفعہ ستر امیر ساتھ تھے، ملکِ حماہ (الملک الافضل) بھی ہمرکاب تھا۔ امراے حرمین نے ینبع تک جا کر استقبال کیا، اس دفعہ بھی سلطان مذکور نے اہل حرمین شریفین کو صدقات و انعامات سے مالا مال کر دیا۔ (درر الفرائد)

شاہانِ تکرور ملک تکرور افریقہ کے غرب شمالی حصہ مین واقع ہے، یہان کے باشندے سیاہ فام ہوتے ہین فی الحال مکہ مین اُن کی ایک بڑی تعداد آباد ہے جن کو یہان (تکرونی) کہا جاتا ہے - زمانۂ قدیم مین ان کی زبردست سلطنت تھی جب ان کا بادشاہ (برمندانہ) مسلمان ہوا تو حج کو آیا، اس کے بعد اس کے جانشین بھی آتے رہے،

[1] ناظرین کو یاد ہوگا کہ سلطان بیبرس نے ۶۶۷ھ مین اُن ٹکیسون کو موقوف کرا دیا تھا مگر امراے مکہ نے پھر وہی حرکت شروع کردی تھی جسے قلاوون نے رفع کیا۔ اسیطرح اسکے بعد بھی ہوتا رہا ہے!! ع وعدہ آسان ہے وعدہ کی وفا مشکل ہے۔

اُن کا ایک نامور بادشاہ منسا ولی بھی سلطان مصر الملک الظاہر بیبرس کے زمانہ مین حج کو آیا تھا، مگر اِن سلاطین کے مفصل حالات کسی کتاب مین میری نظر سے نہین گذرے البتہ اُن کے ایک بادشاہ کے کچھ حالات بعض مورخین نے لکھے ہین وہ درج ذیل ہین :-

منسی موسی نامی ان کا ایک عظیم الشان بادشاہ ہوا ہے، یہ بہت نیک اور عادل بادشاہ تھا، اسکے زمانہ مین سلطنت کو بہت ترقی ہوئی اور بہت سے ملک فتح ہوئے، پچیس برس تک حکومت کی، یہ ۷۲۴ھ مین بزمانہ سلطان مصر الملک الناصر محمد بن قلاؤن حج کو آیا تھا، پندرہ ہزار آدمی اور ایکسو بار شتر سونا ساتھ تھا، جب مصر پہونچا تو شاہ مصر نے اپنے مہماندار کو استقبال کے لیے بھیجا اور اُسکی بہت عمدہ طور پر ضیافت کی، شاہ تکرور نے سلطان کی خدمت مین چالیس ہزار مثقال سونا اور نائب السلطان کی خدمت مین دس ہزار مثقال سونا نذرانہ پیش کیا اور دیگر وزرا وامرا کو بھی سونے کے توڑے دیے، جب اُس سے سلطان کی ملاقات کے لیے کہا گیا تو اُس نے پہلے تو کئی دن تک انکار کیا اور کہا کہ مین تو صرف حج کو آیا ہون اِن کامون کے لیے نہین آیا۔ مگر آخر کار راضی ہو گیا، جب دربار سلطانی مین پہونچا تو اُس سے زمین بوسی کے لیے کہا گیا، اُس نے جواب دیا کہ مین خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہین کیا کرتا، یہ ناجائز بات ہے۔ جب لوگون نے بہت سمجھایا تو کہا اچھا مین اپنے خدائے پاک کو سجدہ کرتا ہون یہ کہکر قبلہ رو ہو کر سجدہ کیا پھر سلطان کی طرف قدم بڑھایا، سلطان نے نیم قد کھڑے ہو کر استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا اور بہت دیر تک گفتگو کی، شاہ تکرور خود بھی اچھی عربی جانتا تھا اور ایک ترجمان بھی ساتھ تھا، جب ملاقات سلطانی سے واپسی ہوئی تو سلطان نے اُسکے لیے اور اُس کے ہمراہیون کے لیے نہایت عمدہ عمدہ خلعت بھجوائے، جب حج کا زمانہ آیا تو بہت بڑی رقم عنایت کی اور سواری کے لیے عمدہ سانڈنیان اور سامان خور و نوش مرحمت کیا اور راستہ مین بھی ہر منزل پر سواریون کے دانہ پانی کا بندوبست کر دیا اور قافلہ سالار حجاج مصر کو یہ حکم دیا کہ شاہ مذکور کے ہر طرح کے آرام کا خیال رکھا جائے، شاہ تکرور مکہ مین حج کے چند روز بعد تک مقیم رہا، سردی کا موسم تھا اور یہ لوگ سخت گرم ملک کے باشندے تھے لہذا اسکے

ساتھیون مین سے تقریباً دس ہزار آدمی مر گئے۔ ایک دفعہ اُسکی فوج مین اور ترکون مین کسی بات پر حرم شریف کے اندر تکرار ہوگئی اور تلوار چلنے ہی کو تھی مگر اُس نے اپنی فوج کو سمجھا بجھا کر فتنہ فرو کر دیا، حج کے بعد مصر گیا اور سلطان کی خدمت مین تبرکاتِ حجاز پیش کیے، سلطان بہت خوش ہوا اور بہت سے خلعت عنایت کیے، مصر پہونچکر شاہِ تکرور کے پاس خرچ سفر ہو چکا تھا (اپنے ملک سے جو سو بار شتر زر ہمراہ لایا تھا وہ سب اس سفر مبارک مین خرچ کر دیا تھا) لہذا مصر کے تاجرون سے اس شرط پر قرضہ لینا پڑا کہ تین سو دینار کے بدلے ایک ہزار دینار ادا کرنے ہون گے، چنانچہ اپنے ملک پہونچکر اُس نے کل قرضہ ادا کر دیا[1]،

الملک المجاہد شاہ یمن | سنہ ۷۴۲ھ مین شاہِ یمن (الملک المجاہد) نے حج کیا، بیشمار فوج ساتھ تھی، امیرِ مکہ (شریف رمیثہ) کا فرزند شریف ثقبہ ابھی ہمرکاب تھا، جب یلملم پہونچے تو مجاہد کے حکم سے وہان بڑے بڑے چرمی حوض قائم کیے گئے اور اُن مین ستو اور شربت بھر کر سبیل لگا دی گئی، مجاہد نے حاجیون کو بہت سا زرِ نقد اور پارچہ ہاے احرام تقسیم کیے۔ امیرِ مکہ و دیگر اشراف و اعیانِ مکہ مکرمہ ملک مجاہد کے استقبال کے لیے یلملم تک آئے تھے، ان سب کو شاہ موصوف نے بقدرِ مراتب خلعت و انعامات مرحمت کیے، امیرِ مکہ کو چالیس ہزار درہم مجاہدی نقد عنایت کیے اور پارچہ جات و مشک وغیرہ ہدیہ جات اس قدر دیے کہ اُن کے لیے چار مزدورون کی ضرورت پڑی، بہت سے عمدہ گھوڑے بھی مع ساز و سامان کے عنایت کیے، پھر وہان سے روانہ ہو کر ۲ ذی الحجہ کو مکہ پہونچا، مناسکِ حج ادا کیے اور ۱۴ ذی الحجہ کو یمن کی طرف روانہ ہوگیا، مجاہد نے کعبہ کا پردہ بدلکر اپنی طرف سے نیا غلاف چڑھانا اور کعبہ کا دروازہ بھی بدلنا چاہا تھا مگر اشرافِ مکہ نے اسکی اجازت نہ دی، اس وجہ سے وہ اُن سے کبیدہ خاطر گیا (اتحاف الوری لابن فہد)

سنہ ۷۵۱ھ مین پھر دوبارہ حج کو آیا، اس دفعہ اہل و عیال بھی ساتھ تھے اور سات سو سوار اور آٹھ سو تیر انداز اور بیشمار پیدل فوج جرار ہمراہ تھی، کعبہ کے لیے پردہ بھی بنوا کر لایا تھا مگر اس دفعہ اُمراے مکہ نے خاطر تواضع کی بجائے

---

[1] حاضر العالم الاسلامی بحوالہ مسالک الابصار و درر الفرائد۔

اس سے دشمنون کا برتاؤ کیا جسکی وجہ یہ ہوئی کہ مکہ مین اس وقت شریف عجلان مسندآرائے امارت تھے اور ان کی اپنے بھائیون (یعنی شریف ثقبہ، شریف سند، شریف مغامس) سے بگڑی ہوئی تھی اور یہ لوگ فرار ہوکر ینبع چلے گئے تھے اور جب ملک مجاہد مقام حلی پر پہونچے تو یہ اُس کے پاس آئے اور اُس سے اپنی مظلومیت کی دادرسی چاہی اور مکہ پر اپنا قبضہ کرنے کی ترغیب دلائی، لہذا امیر مکہ کو اُن سے بدگمانی ہوگئی، اور جب شاہ موصوف مکہ کے قریب پہونچے تو امیر مکہ نے اُن کو مکہ مین داخل ہونے کی اجازت نہ دی کہ مبادا یہ مجھکو معزول کرکے میرے بھائیون مین سے کسی کو شریف مکہ نہ بنا دین، مگر مجاہد نے اس ممانعت کی پروانہ کی اور ۴ رذی الحجہ کو بغیر لڑائی کے مکہ مین داخل ہوگیا اور اُس کے ساتھ شریف ثقبہ وغیرہ بھی داخل ہوے، مجاہد نے اس دفعہ نہ تو امیر مکہ کو کچھ انعام دیا، نہ اشراف اعیان کو، نہ اہل مکہ کو خیرات و صدقات تقسیم کیے، اسوجہ سے شہر والے بھی اس سے افسردہ خاطر تھے اور امیر مکہ کی رنجش تو روز افزون ہی تھی اور اسکے دل مین یہ خیال جما ہوا تھا کہ مجاہد اس کو ضرور نکالکر اسکے بھائیون کو مکہ کا امیر بنائیگا مگر فی الحال مصری فوج کے خیال سے خاموش ہے جب محمل چلی جائیگی تو یہ اپنا منصوبہ پورا کرے گا، لہذا اس نے امیر الحج المصری سے (جو خود بھی ملک مجاہد سے اس بات پر ناراض تھا کہ اسکو بھی اُس نے کچھ نہ دیا تھا) ملکر یہ کہا کہ مجاہد کا ارادہ ایسا معلوم ہوتا ہے، بہتر یہی ہے کہ تم اُسکے دفعیہ کی تدبیر کرو ورنہ مکہ میرے ہاتھ سے نکل جائیگا اور مین سلطان مصر سے تمھاری شکایت کرون گا، نیز یہ بھی کہا کہ مجاہد تمھارے سلطان کا غلاف کعبہ اُتار کر اپنا غلاف چڑھانا چاہتا ہے، آخر کار امیر مکہ اور امیر محمل مصری نے باہم یہ قرارداد کی کہ جسدن مجاہد منا سے اور اسکی فوج منتشر ہو اسوقت اُسے قید کرلیا جائے، چنانچہ ۱۱ رذی الحجہ کو منیٰ مین یہ موقع ہاتھ آیا کہ مجاہد کے سپاہی اور رہماہی سامان سفر وہدیہ جات لینے بازار گئے ہوے تھے اور مجاہد چند افسران فوج اور چند غلامون کے ساتھ اپنے خیمہ مین اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا کہ مصری اور شریفی فوج نے اُس کے خیمہ کا محاصرہ کرلیا اور کشت وخون کا بازار گرم کردیا اور اہل یمن کا خصوصًا اور عام حاجیون کا عمومًا سامان لوٹ لیا، مجاہد بھاگ کر ایک پہاڑ پر چڑھ گیا، اور اُس کے ساتھی

کچھ ... [illegible] ... کچھ بھاگ گئے مگر مجاہد نے خود کوئی تدبیر نہین کیا اور نہ کسی کو لڑنے کا حکم دیا بلکہ اُس نے جب دیکھا کہ اُس کی خاطر مسلمانون کی جانین ضائع ہو رہی ہین تو وہ پہلا ... اس شرط پر اُتر آیا کہ اُسکے سوا اور کسی سے کچھ تعرض نہ کیا جائے - مجاہد کو نظربند کر دیا گیا اور اس کا اور اہل یمن کا جو مال لوٹ لیا گیا تھا اس مین سے تھوڑا سا سامان مالکون کو واپس کر دیا گیا، جب حج سے واپسی ہوئی تو اس کے ساتھ امیر مجاہد کو بصورت مجرم مصر بھجوا دیا گیا، جب مصر پہونچا تو سلطان مصر نے پہلے تو اس کی خاطر مدارات کی اور یمن روانہ کر دیا، مگر ابھی ینبع تک ہی پہونچا تھا کہ حکم آیا کہ (الکرک) جاؤ، وہان نظربند کر دیا گیا، پھر کسی اہل خیر کی سفارش سے دوبارہ مصر بلایا گیا اور وہان سے عیذاب کے راستہ سے یمن جانے کی اجازت مرحمت ہوئی، خدا خدا کرکے بیچارہ ایک برس کے بعد (ماہ ذی الحجہ ۷۵۳ھ) یمن مین پہونچا - (تاریخ ابن نہد و سنجاری)

علامہ فاسی نے لکھا ہے کہ مجاہد کا ارادہ فتنہ کا نہ تھا اور اُس نے محض حرم محترم کے احترام کی خاطر یہ ذلت کی قید اختیار کر لی تھی، ورنہ اسکی فوج ،مصری اور شریفی مفسدون کی سرکوبی کیلئے کافی تھی فجزاہ اللہ خیراً۔

شاہ مصر الملک الاشرف ۷۷۸ھ مین شاہ مصر الملک الاشرف شعبان بن حسین بن محمد بن قلاؤن نے حج کا ارادہ کیا، بیشمار ساز و سامان ساتھ تھا، بیس اونٹون پر خزانہ تھا، دیگر ماکولات کے علاوہ صرف مٹھائیان اٹھارہ ہزار رطل تھین، ملبوسات کے اونٹون کی سینتیس قطارین تھین آلات طرب بھی ہمراہ تھے، جب یہ موکب مصر سے نکلا ہے تو اُسکے دیکھنے کے لیے دور دور سے تماشائی آنے تھے، غرض اِدھر تو یہ اسراف تھا اور اُدھر یہ حالت تھی کہ فوج کو ایک عرصہ سے تنخواہین نہین ملی تھین، نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ قافلہ سلطانی عقبہ ایلہ سے روانہ ہوا تو ممالیک نے بغاوت کی اور سلطان (الملک الاشرف) کا گلا گھونٹ کر کام تمام کر دیا، اکثر حاجی عقبہ سے مصر واپس آگئے، (درر الفرائد المنظمہ فی اخبار امرا الحجاج وطریق مکۃ المعظمۃ)

حاکم کلوہ ۷۸۳ھ مین حاکم کلوہ (المنصور حسن بن المؤید) نے حج کیا، اہل حرمین کو عطیات و صدقات بیشمار عنایت کیے، اس سال ایک عجیب بات یہ ہوئی کہ سب حاجیون کو حکومت نے مقام منیٰ مین تجارت کی درخواست

پر دکیونکہ بازار خاطرخواہ ہورہا تھا) ۱۴ تاریخ تک روکے رکھا، (الدرالفرائد)

وزیر عثمانی | ۸۶۳ھ مین سلطان مراد خان ثانی فرمان روائے سلطنت عثمانیہ کا ایک وزیر کبیر حج کو آیا اور اہل حرمین کے لیے بیشمار عطیہ جات و صدقات ساتھ لایا، خود بھی بہت خیر خیرات کی (سقایۃ العباس) مین تین سو ساٹھ شکر کے کوزے اور کئی من شہد ڈالکر شربت کی سبیل جاری کی (اعلام)

(باقی)

ارتقائے ادب فارسی

عہد اکبری مین

(۴)

(از مولوی ضیار احمد صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی)

اس دور کی مختلف اصناف نظم

اب یہ بحث باقی ہے کہ اکبری دور کے شعرا نے کن کن اصناف نظم کو اختیار کیا اور کس حد تک ترقی دی۔ اصناف نظم کی تقسیم دو اعتبار سے ہوسکتی ہے بلحاظ مضمون و بلحاظ صورت مضمون کے اعتبار سے اس عہد کی شاعری مین تغزل، فلسفہ، تصوف، مثالیہ، تخیل شامل ہین اور صورت کے لحاظ سے غزل، قصیدہ، مثنوی وغیرہ،

ہمارا خیال تھا کہ ان مین سے ہر ایک کی ابتدائی تاریخ اور مدارج ارتقا کا بیان کرکے دور اکبری مین ہر صنف کی ترقی پر تفصیلی تبصرہ کرینگے مگر بخوف طوالت مضمون اجمالی تذکرہ پر اکتفا کرنی پڑے گی۔

(۱) تغزل۔ غزل سے ماخوذ ہے جسکے معنے عورتون سے بات چیت کرنے کے ہین، اور حقیقت یہ ہے کہ عرب کی تشبیب یا نسیب بری سہی مگر صحیح معنی مین غزل ہوتی تھی، اگرچہ صورتاً اور لقباً اسکو غزل نہین کہہ سکتے، عرب کے بعد ایران اور ہندوستان کے تمدن نے احساسات کو لطیف تر بنا دیا، اس لیے وہان اسکو اور ترقی ہوئی، عجم مین سب سے پہلے صوفی شعرا نے جو بے ثباتی عالم کا رنگ اپنی آنکھون سے دیکھ چکے تھے اور کیف عشق حقیقی مین سرشار تھے غزل کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا اور غزل کے ذریعہ سے حقیقت کی مے تند مجاز کے ساغرون مین پلانے لگے، یہان تک کہ سب خاص و عام اسی کے متوالے ہوگئے۔ آخر وہ دور آیا

کہ ایران مین سعدی نے اور ہندوستان مین خسرو اور حسن نے ملک کو میخانہ اور خلق کو بیخود بنا دیا اور کچھ عرصے کے بعد حافظ کی شراب شیراز نے مستی اور رندی کو منتہائے کمال پر پہونچا دیا۔ صفوی عہد اور اس کے مقابل مین مغلیہ دور عیش و عشرت اور خوشحالی اور فارغ البالی کا زمانہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس عہد مین عشقیہ شاعری نے بہت ترقی کی، تمدن کی لطافت نے خیالات کو لطیف اور حضارت کی ترقی نے احساسات کو نازک بنا دیا تھا زبان صدیون کی پرداخت سے اسقدر منجھ گئی تھی کہ متنوع اور مختلف اسالیب بیان اد اکرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، اگرچہ اس عہد مین غزل غزل نہ رہی تھی اور ہر موضوع۔ اخلاق۔ فلسفہ۔ تصوف وغیرہ کا اسپر تصرف ہوگیا تھا۔ تاہم نفس تغزل مین بھی یہ دور ممتاز ہے۔ اکبری عہد مین جو ہمارا موضوع ہے بیشمار غزل گو شعرا کے نام ملتے ہین جنمین سب سے اول نظیری اور اُس کے بعد عرفی کا نمبر ہے، وقت نہین کہ ان تمام شعرا کے کلام کا نمونہ اور اُن کے عشقیہ جذبات اور اسالیب بیان کی توضیح کی جائے مختصراً چند اشعار پر اکتفا کرنی مناسب ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جذبات عشق کی یہ فراوانی، گہرائی اور نزاکت اور زبانون مین مشکل سے ملے گی۔ نظیری لکھتا ہے۔

تا منفعل ز رنجش بیجا نہ بینمش | می آرم اعتراف گناہ نبودہ را

معاملہ کا شعر ہے مگر کس قدر بلند!

آمد برائے صلح و در جنگ باز کرد | صلحے بہ مصلحت پے جنگ دراز کرد

محبت کی واردات مین معمولی واقعہ ہے لیکن انداز بیان کتنا اچھوتا ہے معشوق کی دلکشی

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم | کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

معشوق کی عاشق فریبی

من در پے رہائی وا و ہر دم از فریب | از سر گرہ زند گرہ ناکشودہ را

عاشق کی ایذا طلبی،

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر | خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

عشق کی لاابالیانہ مستانہ وشی

ساقی غم دوران مخور، و رطل گران دہ
شادست جہان تا سے حسن تو بجام است

عاشق کی مجبوری،

کجا ز عشوۂ آن چشم نیم باز رہیم
کہ فتنہ خاستہ از خواب ہائے خفتست

امید وصال،

شب امید بہ از روز عید میگذرد
کہ آشنا بہ تماشاے آشنا خفتست

عرفی غم معشوق کی ہمہ گیری کی نسبت لکھتا ہے،

در دل ما غم دنیا غم معشوق شود
بادہ ار خام بود پختہ کند شیشۂ ما

معشوق کی شوخی اور انداز معشوقانہ۔

فغان ز غمزۂ شوخے کہ وقت تنہا ئے
بہانہ بخود آغاز کرد در جنگ است

وحشت کی نیرنگی،

ازان بہ درد دگر ہر زمان گرفتارم
کہ شیوہ ہائے ترا باہم آشنائے نیست

اسی طرح سے فیضی۔ غزالی۔ ثنائی۔ متیلی وغیرہ کے کلام مین تغزل کا رنگ کثرت سے ملے گا مگر نظر بہ اختصار ترک کیا گیا۔ محض تغزل کے رکن رکین نظیری اور اُس کے ہمعصر ہمسر عرفی کے کلام کا مختصر نمونہ کافی سمجھا گیا۔

(۲) و (۳) فلسفہ و تصوف۔ تصوف فارسی شاعری مین عشق کے بھیس مین آیا اور فلسفہ تصوف کی راہ سے داخل ہوا اس لیے تصوف اور فلسفہ کا یکجا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوا۔ سب سے پہلے فلسفہ کے مباحث ناصر خسرو اور پھر نظامی نے نظم کیے مگر خشک اور پھیکے۔ صوفی شعرا مثلاً سنائی، رومی، سعدی وغیرہ نے مضامین فلسفہ کو شعریت کا رنگ دیا۔ انھین متصوفین نے مضامین تصوف ادا کرکے فارسی شعر مین جذبات کی روح پھونکی۔ ایک زمانہ تک تصوف کی لے بلند رہی۔ اور تصوف کے ساتھ فلسفہ کی تان بھی نہ ٹوٹی۔ آخر صفوی اور تیموری دور آیا۔ اس زمانہ مین

یہ رنگ اور تیز ہوگیا، جسکے اسباب حسب ذیل ہین۔

(۱) صفویہ کے عہد مین فلسفہ کی تعلیم عام ہوگئی تھی۔ اور فلسفہ اور تصوف کا علاقہ ظاہر

(۲) تصوف اور متصوفین کی عام نگاہون مین قدر تھی گو حکومت صفویہ کو تصوف کی سرپرستی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔

(۳) اہل کمال شعرا کہ روش ابتذال سے نفور تھے بالطبع عشق (مقابل ہوس) اور درد کو پسند کرتے تھے اور یہی مضامین اُن کے دل سے زبان اور قلم سے قرطاس تک آتے تھے اور یہی تصوف کے شرح داں ہین

(۴) صدیون سے قوم کے خیالات واسالیب پر صوفیانہ رنگ چھار ہا تھا اس لیے قدرتاً ادبی تصانیف اسی سانچے مین ڈھل کر نکلتے ہین اس زمانہ مین ایک کثیر تعداد ایسے شعرا کی ملتی ہے جو تصوف و فلسفہ کے خاص ارکان ہین۔ مثلاً عرفی، فیضی، نظیری، شفائی وغیرہ وغیرہ مگر مخصوص طور پر ایران مین شفائی اور ہندوستان مین عرفی زیادہ نامور ہین۔ ہم یہان بالخصوص عرفی کے تصوف پر کچھ سطور لکھنا چاہتے ہین، بیشتر اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ بعض اساتذۂ فن اس دور کی صوفیانہ شاعری کو نقالی قرار دیتے ہین اور اُن کا خیال ہے کہ یہ تمام طریقت شعرا جو ندہباً تصوف سے کوئی سروکار نہین رکھتے تھے محض سرمایہ آرایش گفتار یا رونق محفل کی غرض سے تصوف کے خیالات شعر مین ادا کرتے تھے، مگر ہم کمال ادب کے ساتھ اس رائے سے اختلاف کرینگے، بیشک چند شعرا ایسے بھی نظر آتے ہین (مثلاً شفائی وغیرہ) جو محض قبول عام کے خیال سے بہ تکلف صوفیانہ مضامین پر طبع آزمائی کرتے تھے، لیکن یہ تعمیم صحیح نہین معلوم ہوتی ہے، اکبری دور مین عرفی زیادہ اور فیضی کم اور نظیری اس سے کمتر مضامین تصوف لکھنے مین شہرت رکھتے ہین۔ اُن کے کلام کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ لکھتے ہین اپنے وجدان اور ذوق سے

لہ فلسفہ کی علحدہ مثالین دینے کی ضرورت نہین سمجھی گئی تصوف خود فلسفہ کی ایک شاخ ہے، اس لئے آگے چلکر جو تصوف کی مثالین دی گئی ہین وہ کم و بیش فلسفہ کی تشریح کے لیے بھی کافی ہین۔ مثلاً عادت عشاق جیست مجلس غم داشتن وغیرہ۔ مزید اشارہ کے لیے دیکھو مثلاً عرفی کا قصیدہ۔ زخود گردیدہ بربندی جگوئیم کام جان بینی، یا فیضی کا قصیدہ۔ اے نقد اصل و فرع ندانم چہ گوہری، جن سے ان کے فلسفہ پر کافی روشنی پڑتی ہے،

مجبور رہو کر لکھتے ہیں۔ کہیں کہیں خیالات بالکل نئے ہیں اور کہیں خیالات فرسودہ گر پیرایہ نیا ہے، نمونہ کے طور پر چند اشعار مثالاً پیش ہیں جن سے واضح ہوگا کہ وہ کس درجہ تاثیر میں ڈوبے ہوئے ہیں - عرفی کا وہ قصیدہ

دل من باغبان عشق و حیرانی گلستانش ازل دروازہ باغ و ابد حد خیابانش

پڑھو اور خاقانی کے

دل من پیر تعلیم است و من طفل زباندانش دم تسلیم سر عشر و سر زانو دبستانش

سے مقابلہ کرو[1] اگرچہ خاقانی کے کلام میں پختگی زیادہ ہے تاہم عرفی کا قصیدہ دلآویزی میں بڑھا ہوا ہے جشن نامرادی کے سیارے کے لیے عرفی کا قصیدہ، عادت عشاق چیست مجلس غم داشتن، اور گر مردہی زمروت نشان مخواہ، پڑھنے کے قابل ہے جس سے اس کا فلسفۂ اخلاق آئینہ ہو جاتا ہے -

عرفی کا تصوف

بدیر آ از حرم صوفی کہ رے بر قع کشود اینجا ازانجا گر بجوی بہ بسیخواران نمود اینجا

ہمان زنگے کہ انجا در دل اسلامیان بینی مغان رانیز بود اما صفائے می زدود اینجا

بہر سوے ردم بوے چراغ کشتہ می آید مگر وقتے مزار کشتگان عشق بود اینجا

نوائے نغمۂ منصور عرفی نغمہ زمیدانی دلے می زن کہ خاموشند ارباب شنود اینجا

العجب ثم العجب کہ عرفی باوجود تشبیع جذبات تصوف میں اسقدر مستغرق ہے کہ رویت جیسے نزاعی مسئلہ میں بھی وہ متصوفین (اہلسنت) کی ترجمانی کرتا ہے

زبان بہ بند و نظر باز کن کہ منع کلیم کنایت از ادب آموزی تقاضا ئیست

طلب بیا رو میاور ستارع منع کلیم بساط عذر میارا کہ نیستی معذور

علیٰ ہذا تقدیر کے بارہ میں بھی اس کا مسلک وہی ہے جو متصوفین کا ہے،

---

[1] مقابلہ کے لیے خاقانی کا قصیدہ سنت عشاق چیست برگ عدم ساختن دیکھو۔

دلخستگان کہ بستۂ تدبیر می شوند　　نارستہ از کمند بہ زنجیر می شوند

اُس کا مذاق وحدت مسلم اور کافر کے امتیاز سے بلند تر ہے،

عالمے در جلوۂ عاشق نہ بیند غیر دوست　　گر ز مجنون پرسی اندر کاروان محمل یکی است

ہم بہ غبار کنشت عطر کفن ساختن　　ہم بہ تراز وے دیر سنگ حرم داشتن

عاشق ہم از اسلام خراب ست وہم از کفر　　پروانہ چراغ حرم و دیر نہ داند

عشق کی پہلی منزل

دو عالم سوختن نیرنگ عشق است　　شہادت ابتدائے جنگ عشق است

اللہ اکبر۔ یہ جسکی ابتدا ہے تو پھر انتہا نہ پوچھ۔

ایک جگہ کہتا ہے

کسے بہ زمرۂ ارباب دل نہ دارد راہ　　کہ تحفۂ ز نسیم بلا نمی آرد

دوسری جگہ کہتا ہے،

راہ ارباب محبت بہ فنا نزدیک است　　سوزنے در کف و در پا دو سہ خارے دارند

ترک وجود

تا تیغ بکف یابی نفس دو دستی زن　　تا سنگ بدست آید بر شیشۂ ہستی زن

استغنائے حسن

طفلیان ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل　　آید جزیر تیغ و شہیدش نمی کنند

المجاز قنطرۃ الحقیقۃ

عنایت صمدی رد کفر ما نہ کند　　اگر کمال پذیرد صنم پرستی ما

قصائد اور غزلیات کے علاوہ عرفی کی مثنویون مین بھی یہی رنگ غالب ہے۔

پیشتر از جلوۂ آثار وجود — کز جگر شمع نمی خاست دود

شمع ازل چہرہ برافروختے — نور فشاندے دل خود سوختے

حسن تماشائے خود بود و بس — بانگ نمی زد بہ تماشائے کس

نغمۂ مستانہ دل ساز کرد — زمزمہ مہر خود آغاز کرد

زان نفس گرم کہ از دل کشاد — نور تعلق بہ آثر نستاد

عرفی کے بعد فیضی اور نظیری کے کلام میں بھی تصوف کا کافی مواد جمع ہے فیضی

عشق تا پائے بفشرد در اندیشۂ ما — ہمہ معشوق ترا دود ز رگ و ریشۂ ما

از تف بادۂ ما بال ملائک بگداخت — وائے آن روز کہ برتے جہد از شیشۂ ما

روے کشادہ باید و پیشانی فراخ — آنجا کہ لطمہ ہائے ید اللہ می زنند

اے عشق رخصت است کہ از دوش آسمان — بردوش خود نہم علم کبریائے تو

کعبہ را ویران مکن اے عشق زانجا یک نفس — گہ گہے پسماندگان راہ منزل می کنند

نظیری

حسن ما کرد جلوہ بر ما — عشق ما دل ز ما ربود اینجا

عشق آمد و بگزیدہ پشمین فروختم — تشریف شاہ اکبر و عباس شاہ را

کفر و ایمان نبود شرط نظیری در عشق — بتو کافر بنایم کہ ولایت دارد

تو پنداری کہ این قصہ ز خود می گویم — گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

غیر از تو نگنجد بسرائے کہ تو باشی — جز تو ہمہ محو ند بجائے کہ تو باشی

از نور دیدہ در نظر ما عیان تری — پنہان نمودہ پدیدار بودہ

(۴) مثالیہ - مثالیہ شاعری عموماً اخلاقی مضامین میں استعمال کی گئی - اخلاق کا تعلق براہ راست فلسفہ سے

ہے مگر ہمنے سہولت کی غرض سے اسکو الگ تحریر کرنا مناسب سمجھا - اخلاقی شاعری کی آغاز کا سہرا ابو المعانی بلخی کے سر ہے - اس کے بعد شعراے متصوفین سنائی وغیرہ نے اس کو ترقی دی - سعدی و خسرو اس رنگ مین خاص طور پر ممتاز ہین - متاخرین مین غزالی عرفی فیضی شفائی وغیرہ کی مثنویان اور دوسرے اصناف سخن مضامین اخلاق سے مالامال ہین - مثالیہ شاعری کا آغاز خسرو سے ہوا مگر نظیری نے اسکو ترقی دی، آخر صائب نے منتہاے کمال کو پہونچا دیا - اشعار ذیل سے معلوم ہوگا کہ اکبری شعرا نے اخلاق و تمثیل کو کس طرح برتا ہے - گذشتہ اشعار سے بھی جو پچھلے نمبر مین دیے گئے اخلاقی مضامین کی نوعیت کا کسی قدر اندازہ ہوا ہوگا۔

عارف ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر — پروانہ چراغ حرم و دیر ندانند

ہیچ اکسیر بہ تاثیرِ محبت نرسد — کفر آوردم و در عشقِ تو ایمان کردم

حرمان تو ز ہمت کوتاہ بین تست — ہرگز در کریم بہ کافر نہ بستہ اند

سر رشتہ شناخت چراغیست داده اند — اماره چراغ ز صرصر نہ بستہ اند

بر تشنگان بہار بخیلی برائے چیست — دریا کریم و ظرف ترا سر نہ بستہ اند

دست طمع کہ پیش کسان کردۂ دراز — پل بستہ کہ بگذری از آبروے خویش

شب سیاہ صباح سفید می آرد — چراغ مطلب از دودمان نومی است

(۵) تخئیل - اس عہد کی شاعری تمامتر تخئیل پر مبنی ہے - متقدمین نے خیالات کے دریا بہا دیے تھے اور اب متاخرین کے لیے اس کے سوا چارہ کار ہی کیا تھا کہ وہ مبالغہ - ایہام یا استعارہ بعیدہ پر شعر کی عمارت قائم کرین - چنانچہ یہی ہوا اور اسطرح کہ شاعر اور کسی مصرف کے نہ رہے - اور تو اور محاکات کے موقع پر بھی تخئیل کا غلط استعمال کرنے لگے - تخئیل کی خصوصیات - نقائص اور تمثیلات اوپر گذر چکی ہین ۔

یہ سب اقسام مضمون کے لحاظ سے تھین - صورت کے اعتبار سے وہ اصناف سخن جن پر دور اکبری مین طبع آزمائی کی گئی تین ہین -

(الف) غزل۔ غزل کے بارہ مین تغزل کے تحت مین لکھا جا چکا ہے۔ نظیری اس صنف کا مکمل نمونہ ہے جو بجا طور پر رئیس المتغزلین کہلاتا ہے، یہ دور غزل ہی کا دور تھا، لوازس زمانہ کی غزلیات ہر نوع کے مضامین حاوی ہین،

(ب) قصیدہ قدما کے قصائد مین سادگی خیالات اور صنائع لفظی بکثرت ہین، کہین کہین مضمون بندی ہے، مگر خال خال۔ متوسطین کے یہان کثرت مرادفات کی بجائے مضمون بندی زیادہ ہے، متاخرین کے کلام مین دقت آفرینی بہت پائی جاتی ہے، ان مین حسین ثنائی اور محتشم کاشی اور فیضی نام آور ہین لیکن عرفی کے قصائد مضمون آفرینی، شوکت اور زور مین جواب نہین رکھتے۔ اس کے بعد قصائد رنگینی کی وجہ سے غزل بن گئے جیسے امیر و داغ کے قصیدے اردو مین شوکت سے خالی ہین،

(ج) مثنوی۔ اُس عہد کی زبان اسقدر رنگین اور شیرین ہو گئی تھی کہ گو اُس زمانہ مین اور بعد کو بھی اکثر رزمیہ مثنویان لکھی گئین مگر ایک بھی مقبول نہو سکی۔ بلکہ تمدن کی لطافت کہو یا خیالات کی افسردگی کہ اس سے پیشتر کی بھی کوئی رزمیہ مثنوی (شاہنامہ اور سکندرنامہ کے بعد) رنگ قبول حاصل نہ کر سکی۔ عشقیہ مثنویان اکثر تصنیف کی گئین اور مشہور بھی ہوئین، ان مین جو پایہ مثنوی نل دمن (فیضی) کو نصیب ہوا وہ کسی کو نہین ہوا عشقیہ مثنویون کے علاوہ اخلاقی، صوفیانہ۔ تاریخی مثنویان بھی (مرکز ادوار، مجمع ابکار۔ اکبرنامہ وغیرہ) خاصی ہین مگر کچھ قابل ذکر نہین ان اصناف سخن کے علاوہ قطعات اور رباعیات بھی کافی تعداد مین موجود ہین۔ عرفی فکری (میر رباعی) محوی نامی رباعی گو شعرا ہین اسی طرح فیضی۔ عرفی۔ شیری صاحب ہزار شعاع (ہزار قطعہ) مقطعات خوب لکھتے ہین لیکن اُنکے اندر کوئی خاص دلکشی نہین،

(باقی)

سلہ قصیدہ کی تفصیل طوالت طلب تھی، اس لیے غایت شہرت کی وجہ سے ترک کی گئی۔ مثنوی کے متعلق ہمنا اپنی تصنیف فارسی مین مثنوی کی ارتقاء مین مفصل بحث کی ہے سلہ فکری کو "خیام زمانہ" کہا گیا ہے۔ بطور نمونہ ان کی ایک رباعی حاضر ہے۔

دارد فکری سرے کہ سامانش نیست — دردیست نہان بدل کہ درمانش نیست

حرفیست کہ پاکردہ ز سر در رہ عشق — سرگرہ رہے کہ ہیچ پایانش نیست

اس عہد مین سحابی استرابادی عرف خیام زمانہ کے خطاب کا مستحق ہے مگر اس کا ہندسے کوئی علاقہ نہیں۔

مغار ایلورا،

(۲)

ازجناب تمکین صاحب کاظمی

غار نمبر (۱۶)

اس کا نام "کیلاس" (رنگ محل) ہے، یہ ہندوستان کے بہترین اور ممتاز چٹانی غارون مین شمار کیا جاتا ہے اور ہندوستان کی صنعت کا عجیب ترین اور دلکش ترین نمونہ ہے۔ اس کے متعلق مسٹر برگس لکھتے ہین کہ یہ مندر ایک ہی پتھر کو تراش کر بنایا گیا ہے جو اعلیٰ ترین نقاشی سے اندر اور باہر بھرا ہوا ہے، اس کے احاطہ کا طول ۲۰۰ فٹ اور عرض ۱۵۰ فٹ ہے، وسطی مندر پر پُرتکلف اور بہترین رنگ چڑھا ہوا تھا جس کے نمونے اب بھی نظر آتے ہین، اسکی کرسی بجائے خود ایک شے ہے، بھاری بھر کم ہاتھیون، شیرون، عقاب سر جیتون کی قطارین ایک دوسرے کو چیرتی پھاڑتی نظر آتی ہین، اوپر ایک بڑا دالان یا دیوان ہے جس مین سولہ عمود اور اُس سے دُگنے دیواری ستون ہین جن پر اقسام کی منبت کاریان کی گئی ہین بغلی طاقچون کے کٹہرے اور اگلی ڈیوڑھی کے آگے دوسرے تبے کے حجرے۔ عبادت خانون کے پیش دالان، چبوترے پر ایک بڑی درگاہ اور اُن کے اطراف پانچ چھوٹی درگاہین اُن کے دونون طرف بڑی بڑی مورتین، یہ چیزین صاف ظاہر کرتی ہین کہ سابقہ تمام مندرون پر سبقت لیجانے کی بہت کوشش کی گئی ہے۔ دروازہ مین داخل ہوتے ہی لکشمی کی بڑی سی مورت ہے جو کنول کے پھول پر بیٹھی ہے، اسپر پندرھوین صدی کے چینی حرفون کا ایک کتبہ ہے دیوارون پر چند ایسے کتبے بھی ہین جو آٹھوین صدی کے خط مین لکھے گئے ہین۔

منڈپ اور مندر کو ایک پُل کے ذریعہ ملا دیا ہے جس کے نیچے شیوا اور اس کے اوتار کالا بھیرا،

مہایوگی وغیرہ اور بیشمار تصاویر ہین، جنوب رویہ شمالی اور جنوبی دیوارون پر رامائن اور مہابھارت کے مرقعے ہین، جس کے پیچھے مندر کی کرسی عظیم الشان قوی ہیکل ہاتھیون اور شیرون کے ساتھ اُٹھی ہوئی ہے، جنوبی رُخ پر غلام گردش ہے جو طول مین (۱۱۸ فٹ) ہے اور بارہ درجون پر تقسیم کی گئی ہے، اسمین سنگ تراشی، مصوری، بت سازی کے بہترین کمالات ظاہر کئے گئے ہین، بقول ڈاکٹر سید علی ذیل کی تصویرین خاص طور پر قابلِ دید ہین - چوتھا شنو - وشنو کا شیر پیکر اوتار اور بیل (نندی) وشنو چھٹا بونا اوتار گردو نیم عقاب نیم انسان وغیرہ، غربی جانب ایک .. فٹ طویل غلام گردش ہے جسمین ۱۹ حجرے ہین، ان مین چھ تصویرین شیو کے اوتارون کی ہین اور برہما اور اُس کا پاک ہنس، پاروتی، شیو، پاروتی کی منگنی وغیرہ فوٹو بھی بہت نمایان ہین، شمالی غلام گردش کا طول ۱۲۰ فٹ ہے جسمین تصویرون کے ۱۲ سلسلے ہین جو زیادہ تر شیو اور پاروتی وغیرہ کے متعلق ہین - آخری غلام گردش سے ایک زینہ کے ذریعہ مندر مین داخل ہونے کا راستہ ہے، دروازہ پر بڑے قوی ہیکل دوار پال لاٹھیان لیے پہرہ دے رہے ہین - اسکے ستون مربع ہین، جن پر شیو، لکشمی، برہما اور مصاحبون کی ان گنت تصاویر ہین - دیوان سے شرق رویہ درگاہ ہے، جسکے عقب مین شہ نشین اور اُس کے اوپر ایک مند. ہے، مندر کا برج .. فٹ بلند ہے اور برج پر نیچے سے اوپر تک بے انتہا نقش و نگار موجود ہین -

اس احاطہ کے جنوبی رُخ پر ایک چھوٹا سا غار ہے جس کے اندر کالی بہتی، وشنو، سرسوتی وغیرہ دیوتاؤن کی مورتین ہین، اسی احاطہ کے شمالی اور غربی رُخ پر تین غار اور ہین - شمالی کو بڑلنکا اور جنوبی کو اڑلنکا کہتے ہین، بڑلنکا کے بیچون بیچ دو منزلہ مکان ہے، اڑلنکا مین چھ دالان، ایک تین منزلہ مکان اور اُس کے پیچھے ایک دالان ہے، تمام دیوارون پر تصاویر ہین، بیرونی حصہ رام، راون، کورو، پانڈون کی لڑائیون کے مرقعون سے بھرا ہوا ہے، اور شیرون ہاتھیون وغیرہ کی بھی وحشت انگیز تصاویر بکثرت ہین، چھت اور ستون نقش و نگار، پھول پتون سے لدے ہوئے ہین - ایک جگہ شہد کی مکھیون کا چھتہ ہے اور اسمین ہزارون مکھیان بھن بھنا رہی ہین، کہین مالا کی جپ ہو رہی ہے تو کہین تخت اُڑ رہا ہے، کبھی گھوڑا، ہاتھی وغیرہ کی صدہا تصاویر ہین،

ستون منقش اور بہترین نمونے کے ہین، چھت پر رنگ ہے اور نہایت ہی عمدہ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حال ہی مین کیا گیا ہے گہرا سُرخ، سبز اور زرد رنگ نہایت ہی عمدہ ہے، تصاویر بھی مختلف رنگون سے بنائی گئی ہین بعض جگہ گچ کا کام بھی کیا گیا ہے، بیل بُوٹے بہترین ہین فرش مین گچ کی گئی ہے جو نہایت ہی عمدہ اور چکنی ہے، اس کے ملاحظہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین ہندوستان مین فن تصویر و نقاشی کس حد تک ترقی کر چکا تھا،

لنکا اور بڑے لنکا کے آگے پتھر کا ۶۰ فٹ لانبا سائبان بغیر کسی ستون کے ٹھیرا ہوا ہے جو نہایت ہی عظیم الشان اور بہت ہی وسیع ہے جو تقریباً ۵ فٹ موٹا ہے،

رنگ محل کے اندرونی حصہ مین فرش پر کانکریٹ کیا گیا ہے اور اس زمانہ کے بہترین کانکریٹ سے عمدہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان مین فن تعمیرات کے ماہر مدت سے کانکریٹ کیا کرتے تھے،

بیرونی دروازہ کے پاس دو جانب دو ہاتھی ہین جو بالکل زندہ ہاتھی سے مشابہ ہین مگر ان مین سے ایک زخمی ہو چکا ہے جسکی سونڈ نہین ہے، دوسرا بھی کسی قدر زخمی ہے۔ یہ ایک ہی پتھر کے ترشے ہوے ہین اور نہایت ہی عمدہ بنائے گئے ہین،

اس کا بانی کرشنا اول ملکھیڑ کا راشٹر کوٹا خیال کیا جاتا ہے اور سنہ تعمیر ۷۶۰ تا ۸۳ء ہے،

غار نمبر (۱۷)

یہ سیوا سے منسوب ہے، اس کی چھت ۲۰ منقش ستونون پر قائم ہے، اندر ایک عبادت گاہ ہے جسکا دروازہ ڈراویڈی وضع کا ہے، غلام گردش مین منقش حجرے در ان مین برہما، وشنو اور دیگر زنانی تصاویر ہین ہندر کی دیوار پر کیاسوری، اور گنپتی کی تصویر ہے۔ یہ ایک معمولی غار ہے،

غار نمبر (۱۸ تا ۲۱)

نمبر ۱۸ بالکل معمولی غار ہے اور نمبر (۱۹) بھی فرق یہ ہے کہ آخرالذکر کے ستون منقش اور کسی قدر اچھے ہین، غار کے

باہر ایک مارواری کی تصویر ہے جو دربان کی جگہ کھڑا ہوا ہے۔ نمبر (۲۰) بھی بالکل معمولی غار ہے البتہ نمبر (۲۱) بہترین غار ہے اس کا نام "رامیشور" ہے، یہ بہت بڑا ہے اور اس کے ہر ایک گوشہ پر ایک درگاہ ہے عبادتگاہ کے اطراف کالی، گنیش، شیو، پاربتی وغیرہ کی تصاویر ہیں بعض جگہ ہڈیون کے ڈھانچے بھی منقش ہین،

غار نمبر (۲۲)

اس کا نام "نیل کنٹھ" ہے اس مین برہما اور اشٹا ماترا (آٹھ ماؤن) اور گنیش کی تصاویر ہین یہ زیادہ عمدہ غار نہین ہے،

غار نمبر (۲۳ تا ۲۶)

نمبر ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ چھوٹے چھوٹے غار ہین معمولی کام کیا گیا ہے غار نمبر ۲۵ بہت ہی خراب حالت مین ہے البتہ اس غار کی ڈیوڑھی کے چھت پر سوریا دسورج کے دیوتا) کی تصویر کندہ ہے جو سات گھوڑون کی رتھ مین سوار ہے جس کے دونون طرف ایک عورت کھڑی ہوئی تیر چلا رہی ہے، نمبر (۲۶) ۱۲۰ فٹ لمبا ہے اسکے ستون الیفنٹا کے مانند ہین اور ہر گوشے پر ایک مندر ہے،

غار نمبر (۲۷)

اس کو "گولن کا مندر" کہتے ہین اس مین وشنو، لکشمی اور برہما کی مورتین قابل ذکر ہین اور بس یہ وشنوی پہلا غار ہے،

غار نمبر (۲۸)

یہ غار دعبادتخانون اور تہ خانون پر مشتمل ہے۔ اس کے دروازے کی دونون طرف درگاہین ہین اور دوارپال کھڑے ہین یہ بھی بالکل معمولی غار ہے،

غار نمبر (۲۹)

یہ غار سیتا کی "نہانی" اور "دومرلینا" کے نام سے مشہور ہے، ۱۵۰ فٹ مربع ہے بہترین نقاشی کی گئی ہے شیو اور

پاروتی کا عقد بھی بڑی دھوم دھام سے دکھایا گیا ہے، آخری حصے مین ایک بڑا چشمہ ہے جو پہاڑون مین سے بہتا ہوا آتا ہے،

غار نمبر (۳۰)

سابقہ غار سے بالکل ملحق ہے، زمانہ تک اسمین کوڑا کرکٹ بھرا پڑا تھا، اب صاف کردیا گیا ہے، یہ ایک چھوٹا سا غار ہے، سامنے ایک سقف دالان چار ستون پر استادہ ہے، اس کے اندر ایک حجرہ ہے جس مین جینیونکا برہنہ بُت بیٹھا ہوا ہے، دیوارون پر بھی برہنہ بُت ہین، جسقدر تصاویر بھی اسمین ہین سب برہنہ ہین،

غار نمبر (۳۱)

یہ بھی سابقہ غار سے ملحق ہے، داخل ہونے کے لیے دروازہ ہے اور اندر جاتے ہی داہنے بازو پر ہاتھی نظر آتا ہے، سامنے ایک بڑا برآمدہ ہے اور اُس کے اندر ایک حجرہ جسمین بہت بڑا برہنہ بُت بیٹھا ہوا ہے، بائین بازو ایک دالان ہے جس کے چھ ستون ہین۔ اسمین بھی ایک حجرہ اور برہنہ بُت ہے،

بیچون بیچ مین ایک چار پہلو مندر ہے جس کے چارون طرف آراستہ ہے، بیچ مین چار برہنہ مورتین بیٹھی ہوئی ہین، اسی کو چھوٹا کیلاس کہتے ہین مسٹر برگس کہتے ہین کہ یہ مندر جینی منادر کے سلسلہ کا پہلا مگر ساخت کے لحاظ سے آخری ہے،

غار نمبر (۳۲)

یہ ایک معمولی جینی غار ہے جسمین کوئی بات قابلِ ذکر نہین، مدتون کچرا بھرا پڑا تھا مگر اب صاف کروادیا گیا ہے،

غار نمبر ۳۳ تا ۳۵)

یہ سلسلہ کے آخری تین جینی منادر ہین جو "اندر سبھا" کہلاتے ہین، دو غار دو منزلہ ہین اور ایک نسبتاً کسیقدر چھوٹا ہے۔ پہلے مندر مین پارس ناتھ (جینیون کا برہنہ بُت) ہے اور سات ناگ پھنی کی شکلین ہین۔ اور ایک مہاویر کی تصویر ہے۔ یہ جین کے ان تیرتھن کارون مین کا آخری اوتار ہے جس نے اپنی ریاضتون سے قالب مین مزید تبدیلیان

پیدا کردی ہین ایک تصویر مین اندرا ہاتھی پر بیٹھا ہوا ہے (ہاتھی) درخت کے نیچے کھڑا ہے اور درخت پر طوطے بیٹھے ہوے ہین،

احاطہ مین ایک ہاتھی چبوترے پر کھڑا ہوا ہے۔ دالان کے متصل چھوٹے کمرون مین اندرا اور اندرانی کی مورتین بنی ہین، ایک کمرے مین بڑی بڑی مورتین پارسناتھ کی ہین۔ ایک مورت کے نیچے دسوین صدی کے خط مین کتبہ ہے۔ دوسری منزل پر چند درخت ہین جنکے نیچے اندرانی اور اندر وغیرہ کی مورتین ہین، بعض جگہ جیناس کی مورتین ہین،

آخری مندر (نمبر ۳۳) جگناتھ سبھا کے نام سے مشہور ہے اسکی مورتین خراب حالت مین ہین، جابجا اندرا اور اندرانی کی تصاویر کندہ ہین برآمدے مین ایک کنڑی کتبہ ہے مگر پڑھا نہین جاتا، مسٹر برگس اور ڈاکٹر سید علی کا خیال ہے کہ یہ غار آٹھوین صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہین،

اسی غار کا ایک منہدم حصہ ذرا علحدہ ہے جسمین اندرا اور اندرانی کی شکستہ مورتین ہین اور بعض اچھی بھی ہین، سامنے تھوڑے فاصلہ پر ایک عمارت مین پارسناتھ کی بہت بڑی مورت ہے جسے پوجاری گھیرے ہوے ہین،[1]

---

[1] اس مضمون کی ترتیب اور تیاری مین حسب ذیل ماخذون سے فائدہ اٹھایا گیا ہے،

ابواب ہاے آثار عتیقہ غربی ہند جلد پنجم مرتبہ مسٹر برگس — بودھی منادر ۱۹۰۶ء مرتبہ مسٹر گرفتن

کوہی بودھ منادر ۱۸۸۱ء مرتبہ مسٹر برگس — دولت کے تاریخی غار کے متعلقہ علاقہ سرکار عالی مرتبہ سید حسین بلگرامی،

جنوبی ہند کے غار ۱۸۸۳ء مرتبہ مسٹر برگس — ایلورا کے غاری منادر مرتبہ ڈاکٹر سید علی بلگرامی،

ایلورا کے پہاڑی منادر، مرتبہ مسٹر برگس — گزیٹر ممالک محروسہ سرکار عالی مرتبہ سر ولیم ہنٹر،

ہندوستان کے غاری منادر، مرتبہ مسٹر فرگسن و مسٹر برگس — ہندوستان کے آثار قدیمہ جلد دوم . . . .

تاریخ تعمیرات ہند ۱۸۷۶ء مرتبہ مسٹر فرگسن، — نیو امپیریل سیریز آف آرکیولاجیکل سروے آف انڈیا ۱۸۹۹ء مرتبہ مسٹر کزنس

مذکورہ بالا کتب و رسائل کے علاوہ چند اور کتابین تاریخ بیجاپور مصنفہ مولوی بشیر الدین احمد محبوب الوطن تذکرہ سلاطین دکن مصنفہ مولوی آصفی ملکاپوری رسالہ معارف بابتہ جنوری ۱۹۲۵ء رسالہ تاج بابت جون و جولائی ۱۹۲۵ء وغیرہ پیش نظر رہے ہین۔

ترتیب مضمون مین مولوی عبد المنعم سعیدی بی اے ایل ایل بی نے بہت مدد دی۔ اکثر ماخذ اپنے کتب خانہ سے دیئے جن کا شکریہ فرض ہے۔ فقط

تلخیص و تبصرہ

مولد نبوی ایک عرب عیسائی کی نظر مین

شام کے شہر حیفا سے الکرمل نام ایک عربی اخبار ایک مشہور عرب عیسائی اہل قلم نجیب آفندی نصار کی ایڈیٹری مین شایع ہوتا ہے آفندی موصوف نے گذشتہ ماہ ربیع الاول مین مولد نبوی کی مناسبت سے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان آیت انک لعلی خلق عظیم (اے پیغمبر! تو بڑے اخلاق سے آراستہ ہے) قرار دیا ہے اسمین وہ لکھتا ہے کہ محمد صلعم تمام عرب کے خواہ وہ مسلمان ہون یا عیسائی سب کے برابر کے ہیرو ہین اگر مسلمان عربون کے وہ مذہبی اور قومی ہیرو ہین تو عیسائی عربون کے وہ قومی ہیرو ہین انھون نے عرب قوم کو ذلت و خواری کی زمین سے اُٹھا کر رفعت و بلندی کے آسمان تک پہنچا دیا، اسکو ایرانیون اور رومیون کی غلامی سے آزاد کر دیا، آگے چلکر لکھتا ہے:-

"ہان! اگر محمد (صلعم) کے اخلاق بڑے نہ تھے، تو اُن کے ملک کے اخلاق و عادات، قومی تعصبات اور گمراہی اور بداخلاقی خود اُن پر مسلّط ہو جاتی"

"اگر محمد (صلعم) کے اخلاق مضبوط نہ ہوتے تو مشکلات کے پہاڑون کے آگے وہ اپنا سر جھکا دیتے، اور اپنی ہار مان لیتے، اور اپنے ماحول کے مقتضی کے مطابق وہ بھی چلنے پر مجبور ہو جاتے، اور وہ عظیم الشان انقلاب پیدا نہ کر سکتے، اُنھون نے گمراہی کو ہدایت سے، جہالت کو علم سے، وحشت کو اُس تمدن سے بدل دیا، جس کی بنیاد اخلاق حسنہ پر تھی"

"ہان! اگر محمد (صلعم) کے اخلاق عظیم نہ ہوتے تو کوئی اُن کے پاس نہ جاتا، کوئی ان کی بات نہ سُنتا، اور عرب قوم ایرانیون اور رومیون کی غلامی سے آزاد نہ ہوتی، نہ عربون کا نظام بندھتا، نہ اُن کی سلطنت قائم ہوتی،

نہ اُن کا تمدن پھیلتا پھولتا، نہ اُن کے ہاتھوں علوم و فنون کو ترقی ہوتی اور نہ اُن کے پیرووں کو جو اُن پر درود و سلام پڑھتے ہیں، ہم اُن کو کروڑوں کی تعداد میں دیکھتے"

"ہمارے نزدیک مسلمانوں پر بیٹھنا حرام ہے، اُن کو شہر شہر گاؤں گاؤں پھر کر لوگوں کو تعلیم اسلام کی بشارت اور قرآن کی تبلیغ میں مصروف ہونا چاہیئے، کہ لوگوں کی آنکھیں کھلیں، اُن کے دماغ روشن ہوں، اور مولد نبوی کی خوشی سمجھ بوجھ کر منائیں اور تمام عربوں کو خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، اُس کو اپنی قومی وطنی عید منانا چاہیئے"

"ہم نے یہ کہا ہے کہ اس خوشی میں تمام مسلمان اور عیسائی عرب شریک ہوں، یہ اس لیے کہ ہمارے نزدیک عرب قوم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس نے محمد (صلعم) کی دینی و دنیاوی دونوں عونوں کو قبول کیا، یہ مسلمان عرب ہیں، دوسرا وہ ہے جس نے گو اُس کے مذہب کو قبول نہیں کیا، لیکن اُس کے دنیاوی قانون کو قبول کر لیا، یہ عیسائی عرب ہیں، دوسرے فریق نے آپ کے اخلاقی اور قانونی اور تمدنی تعلیمات کو قبول کیا، مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک بلند قومی نصب العین میں شرکت کی، اور کیوں ایسا نہ ہوتا جب کہ وہ قومیت، نسل، وطن، اور زبان، اور اخلاق و عادات میں اُن کے بھائی تھے، (محمد صلعم نے بھی اُن کے ساتھ برابری کا برتاؤ کیا اور کہا، جو ہمارا ہے وہ اُن کا ہے، اور جو ہم پر ہے وہ اُن پر ہے) (اہل ذمہ)

"کیا اب عرب اور مسلمانوں کے لیے یہ مناسب ہے، کہ وہ عید مولد کی خوشی محض رسمی طور پر منایا کریں، اور اُن بنیادوں پر غور نہ کریں جن پر محمد (صلعم) کی حقیقی عظمت قائم ہے اور وہ عرب کی سیاسی، اجتماعی، علمی، تمدنی اور قومی ترقی ہے وہ ترقی جسکو اُن کے اُن پیرووں نے جن کی تعداد ہزاروں سے زیادہ نہ تھی قائم کی، اور انحطاط کے ان اسباب پر غور نہ کریں جن کی وجہ سے آج عرب اور مسلمان جو کروڑوں سے زیادہ ہیں آج اس ذلت اور نکبت میں گرفتار ہیں"

"ہماری رائے ہے کہ اس زمانہ میں اُن کو یہ عروج اس لیے ہوا کہ اُن کے اخلاق اچھے تھے، وہ عمدہ تعلیمات پر عامل تھے، وہ اُس عہد میں بہترین قوم تھے جو انسانوں کے لیے پیدا کی گئی تھی، تاکہ وہ اچھی باتوں کا حکم دے، اور بری باتوں سے روکے (قرآن) وہ اُس زمانہ میں اس شاہراہ پر علانیہ گامزن تھے، وہ مکارم اخلاق سے آراستہ تھے،

دار المصنفین کی مدد آپ کیونکر کرسکتے ہین

دار المصنفین گیارہ سال سے قائم ہے، اور اس زمانہ مین اوسنے اپنی خاموش علمی خدمات کی بدولت عام اعتماد، اور خاص امتیاز کے حاصل کرنے مین نمایان کامیابی حاصل کی ہے، اس عرصہ مین سیرت نبوی کی اہم و ضخیم تین جلدون کے علاوہ اس نے مختلف علوم و فنون پر ۲۷ کتابین شائع کی ہین، اور رسالۂ معارف کے ذریعہ ماہوار علمی خدمات ادا کرتا رہا ہے تصنیف و تالیف کیلیے جس سروسامان کی ضرورت ہے، ان مین اسکا ایک خاص پریس ہے، کتبخانہ ہے اور رفقاء و فیلوز کے رہنے کے مکانات ہین، اور ان کے علاوہ ہرسال وہ سلسلۂ تعمیر کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا رہتا ہے، لیکن کبھی قوم نے اس پر بھی غور کیا ہے، کہ آخر وہ عام قومی چندے کے بغیر جسپر اس وقت ہندوستان کی عام تعلیمی، علمی اور مذہبی درسگاہون کی بنیاد ہے کیونکر اپنی ضروریات کو پورا کرتا ہے،

اس وقت دار المصنفین کو اپنے کتبخانہ کیلئے ایک عمارت کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ اب تک اوسکے کتب خانہ کے لیے کوئی مستقل عمارت موجود نہ تھی، بلکہ مولانا شبلی مرحوم کا خاص سکونتی بنگلہ کتب خانے کا کام دیتا رہا ہے، لیکن اب وہ اس ضرورت کے لیے ناکافی اور قابل اصلاح ہے، اسلیے اس مین معتدبہ اضافہ اور مرمت کی سخت ضرورت محسوس ہورہی ہے، ہم نے اب تک دار المصنفین کو عام قومی چندون سے محفوظ رکھا ہے، اور آئندہ بھی اس عہد پر استواری کے ساتھ قائم رہنے کا خیال ہے، اسلیے چندہ کے بجائے ہمارے ہمدرد کرمفرما

جو اپنی زبان کی ترقی کا احساس رکھتے ہین، وہ دار المصنفین کے رکن اوّل بنکر اپنی علمی دلچسپی کے اظہار کیساتھ اسکی اعانت بھی کر سکتے ہین، اس قسم کے بزرگون کو عہ رسالانہ کی رقم ادا کرنی پڑتی ہے، اور اس رقم کے ادا کرنے کے بعد دار المصنفین اپنی سال بھر کی تمام تصنیفات اور رسالہ معارف ہدیۃً ان کی خدمت مین پیش کرتا ہی، بہت سے بزرگون نے ہماری درخواست کے بغیر یہ علمی اعزاز حاصل کیا ہے، اب ہم اس قسم کے پانچسو بزرگون کو اور اس زمرہ مین شامل کرنے کی دعوت دیتے ہین، اور امید کرتے ہین کہ علم دوست اصحاب اسکو قبول فرما کر ایک خاموش کام کرنے والی علمی مجلس کی اس اہم علمی ضرورت کی تکمیل مین شوق کے ساتھ شریک ہو کر اخیر دسمبر یا شروع جنوری مین زرِ رکنیت روانہ فرمائین گے تاکہ ۱۹۲۷ء سے ان کا نام ارکان کے رجسٹر مین درج کر لیا جائے،

امید ہے کہ آپ خود بھی اسکی ممبری قبول فرمائین گے، اور اپنے دوسرے احباب کو بھی اس مین شرکت کی دعوت دین گے، ناظرینِ معارف خود معارف خریدتے ہین، اور نئی کتابین بھی خریدتے رہتے ہین، اگر وہ باقاعدہ ایک ہی دفعہ عہ ادا کردین تو معارف اور سال بھر کی تمام تصنیفات وی پی اور منی آڈر کے خرچ اٹھائے بغیر وہ حاصل کرین گے،

سید سلیمان ندوی و مسعود علی ندوی،
(دار المصنفین، اعظم گڈھ)

مجلد شردہم	ماہ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء	عدد ششم

مضامین

اطلاع

اس ششماہی جلد ۱۸ کی مفصل فہرست آئندہ مہینہ کے رسالہ کے ساتھ شایع کیجائیگی جو اصحاب رسائل کی جلد بندھواتے ہین اوس کا انتظار کریں ،

"منیجر"

گذشتہ ماہ کا اہم تعلیمی واقعہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کا جلسہ تقسیم اسناد ہے، اس جلسہ کی اہمیت متعدد وجوہ سے قابلِ ذکر ہے، ہز ہائنس سرکار عالیہ بھوپال متع اللہ المسلمین بطول بقاءہا کی تشریف آوری، ہز ہائنس نواب افتخار الملک سکندر صولت فرمانروائے بھوپال کی مسند نشینی کے بعد یونیورسٹی میں پہلی آمد، سائنس کالج کے سنگ بنیاد کی رسم، ہز ہائنس فرمانروائے بھوپال کا اسکے لئے تین لاکھ کا شاہانہ عطیہ، ان کامیابیوں پر مسلم یونیورسٹی کے کارکن اصحاب تہنیت اور مبارکباد کے مستحق ہیں،

ہز ہائنس کے صادقانہ اور پرجوش خطبے جو جلسہ عطائے اسناد اور نصر اللہ خان ہوسٹل کے افتتاح کے موقع پر دئے وہ ان تمام محاسن سے لبریز ہیں جنکی ایک حقیقی دیندار، روشن ضمیر، روشن خیال اور باخبر مسلمان سے توقع کیجا سکتی تھی، اگر درحقیقت مسلم یونیورسٹی کی روح وہی ہو جسکی سرکار عالیہ نے تمنا اور آرزو کی ہے، تو مسلمانوں کا یہ دار العلوم یقیناً ان کی تجدید نشأت کا گہوارہ بنجائے،

مسلم یونیورسٹی میں شعبۂ علوم دینیہ کی جو حیثیت ہے وہ کسی باخبر سے مخفی نہیں، اس شعبہ کی ترقی کا جب ذکر آتا ہے تو پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ علوم مشرقیہ کی تجویز کے وقت کا سرسید مرحوم کا دلایا ہوا خوف فوراً اس کے کارکنوں کے دلوں پر چھاجاتا ہے، کہ مبادا یہ فرسودہ علوم، جدید تعلیم کی طرف سے مسلمانوں کو غافل نہ کردیں، حالانکہ اب یہ حال ہوچکا ہے کہ اگر آپ وظائف کی طمع دلاکر ہمت نہ بڑھائیں، تو یونیورسٹی کا کوئی طالب علم بھی "ان بوسیدہ علوم کے مردہ ڈھانچہ" کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہ کرے، لیکن ابھی تک خوف وہی مستولی ہے،

اس لئے ہز ہائنس نے تقسیم اسناد کی تقریر مین بجا طور پر کارکنون کو شعبۂ علوم دینیہ سے غفلت پر تنبیہ فرمائی،

"اس موقع پر مین اپنے اس افسوس کو ظاہر کئے بغیر نہین رہ سکتی کہ جداگانہ قومی یونیورسٹی کا جو مقصد اولین تھا وہ مؤخر ہوتا جاتا ہے، یعنی اس کے شعبۂ علوم اسلامیہ، دینیات، اور اسلامی تاریخ مین کوئی ترقی نہین ہوئی، اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ کوئی خاص کوشش بھی اوسکی ترقی کے لیے عمل مین نہین آئی، آج مین کسی قدر صفائی کے ساتھ یہ کہنا چاہتی ہون کہ اگر اس شعبہ پر فوری توجہ نہ کی گئی تو اسکے یہی معنی ہون گے کہ ہمارے مقدم جانشینون نے جو وعدے قوم سے کئے تھے ہم ان کے ایفار کے لئے تیار نہین ہین، اس کے علاوہ مجھے تعلیم دینیات مین اخلاق اور اسلامی تاریخ وسیر کی اور بے اصولی پر بھی توجہ دلانی ہے"

ہز ہائنس نے اس پر افسوس کیا ہے کہ مسلم یونیورسٹی مین "آغاز اسلام" کے ابتدائی رسالہ کے سوا عہد رسالت اور خلافت راشدہ کی تاریخ نہین پڑھائی جاتی لیکن جہان تک ہمین معلوم ہے، اس عہد کی تاریخ کو اسلیے نظر انداز کیا گیا ہے تاکہ مسلم یونیورسٹی کے مشترکہ اسلامی ہال مین جنگ جمل اور جنگ صفین دوبارہ نہ چھڑ جائے، دوسرا سبب یہ ہے کہ اس عہد کی تاریخ پر تقدس کا رنگ ہے، جس کے چھونے کی ہمارے نئے اساتذہ ہمت نہین کرتے اور آخری گئے اس عہد اقدس کے متعلق "محققین یورپ" نے اپنی دانست مین جو تنقیدی تاریخین لکھی ہین ان کی اگر کورانہ تقلید کیجائے تو پھر مسلمانون مین مخالفت کا طوفان اٹھ جائے، اور اگر ان کی تنقیدی تاریخون کی تنقید کیجائے تو اس کیلئے احادیث وسیر کی اصلی واقفیت کی حاجت ہے، اور یورپ کے معیاری اساتذۂ تاریخ مین یہ جوہر گرانمایہ کمیاب اور اس سے زیادہ اس عہد مقدس کے ساتھ وہ عقیدت، دلآویزی اور تعلق خاطر کمیاب، بلکہ نایاب ہے، جس کے بغیر اس عہد کی تاریخ کو ہاتھ لگانا، مذہبی اور اخلاقی حیثیت سے بیسود ہے،

اسی سلسلہ میں سرکارعالیہ نے اسکی بھی تاکید کی کہ درس میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی باقاعدہ پڑھایا جائے، اور فرمایا کہ

"ہم کو اسلامی تاریخ کے متعلق نہ صرف تعلیم ہی کا انتظام کرنا ہے بلکہ مستقل طور پر تحقیقات جدیدہ کے انتظام کی ضرورت ہے اور میں متمنی ہوں کہ جس طرح کالج کے دور اول نے شبلی جیسا زبردست مورخ پیدا کیا اسی طرح آپکی یونیورسٹی کا دور اولین متعدد شبلی پیدا کرے"،

مگر شاید سرکار عالیہ کو یاد نہیں رہا کہ شبلی سا مورخ کالج نے پیدا نہیں کیا تھا، بلکہ انھیں مدرسوں نے پیدا کیا تھا جنھوں نے سرسید، وقار الملک، محسن الملک، حالی اور نذیر احمد کو پیدا کیا،

ہر ہائنس نے نصراللہ خان ہوسٹل کے افتتاح کے موقعہ پر سب سے پہلے اس طبقہ کو یاد کیا جسکو اس موقع پر کمتر یاد رکھا جاتا ہے اور فرمایا کہ یہ قوم کے غریب افراد کے لئے میں نے بنوایا ہے، اور اس کے بعد فرمایا:۔

"میں اس رقبۂ علمی میں ایسی عمارتیں دیکھنے کی متمنی ہوں جو جمہور مسلمانوں کی اکائیوں اور دہائیوں سے تعمیر ہوں، کیونکہ قومی تعمیر در اصل غریبوں کی مدد سے ہوتی ہے، اور اسی سے قوم کی زندگی اور روح کا اندازہ ہوتا ہے، اسلیے اس وقت ہمیں ان کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے"۔

ہر ہائنس نے نہایت مؤثر لہجہ میں مسلم یونیورسٹی کے متعلق اپنی دلی تمنا کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا،

"حضرات! ہماری قوم نے انتہائی جد وجہد کے بعد یہ یونیورسٹی قائم کی ہے، اور اسکو مسلم یونیورسٹی کے مبارک نام سے موسوم کیا ہے، تو قدرتی طور پر ہم اس دار العلوم میں "مسلم" کی نسبت سے جو برکت حاصل ہونی چاہیئے اس کے آرزومند ہوتے ہیں، . . . . پس اس نسبت سے ہم اس کے طلبہ کو ارکان اسلام کا پابند اور اسلام کی ترقی میں سرگرم کوشش دیکھنا چاہتے ہیں، بلاشبہہ یہ ایک رنجیدہ بات ہوگی کہ اس دار العلوم اسلامی کے مسلمان دنیوی کاروبار میں اس قدر منہمک ہو جائیں کہ نہ تو

ان کو اپنے ہادیِ برحق کی پیروی اور نہ ارکانِ اسلام کی پابندی کا خیال رہے ۔

امسال پٹنہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر سید سلطان احمد صاحب مسلم یونیورسٹی کے کانووکیشن کے خطیب اسناد منتخب ہوئے تھے، سید صاحب نے اس موقع پر جو نہایت سنجیدہ اور پر معلومات خطبہ دیا، اس کا خاص نقطۂ بحث یہ تھا کہ طلبہ کو دماغی تربیت کیساتھ ساتھ جسمانی اور اخلاقی تربیت بھی ضرور دیجائے، اور ہندوستانی یونیورسٹیون مین اسکی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے، خیر جسمانی ترتیبون کی تو کچھ کھیل کود سے تلافی ہوجاتی ہے، مگر جسکا اصلی رونا ہے وہ یہ ہے کہ ان درسگاہون مین اخلاق کی بنا اور تربیت کی طرف ایک ادنیٰ سی توجہ بھی نہین کیجاتی، اگر یہ سرکاری درسگاہین مذاہب اور اقوام کے اختلاف کے باعث غیر مذہبی تعلیم اختیار کرنے پر مجبور ہین، تو کم از کم دنیاوی اخلاق و سیرت یعنی کیرکٹر کی بنا و تربیت ہی کی طرف توجہ کیجاتی، لیکن جب ہندوستان ہی کو بے کیرکٹر کے افراد کا مجموعہ بنانا منظور ہو تو تعلیم کے انتظام سے پہلے سیاست کے بیرونی دباؤ کو کم کرنا ضرور ہے ۔

مقرر نے ثانوی تعلیم کے لئے دیسی زبانون مین تعلیم کی حمایت کی، مگر اعلیٰ تعلیم مین دیسی زبان کو ذریعۂ تعلیم بنانے کو خودکشی کا مرادف بتایا، بہرحال جس حد تک دیسی زبان مین تعلیم پر سب متفق ہون اسی کا تجربہ کر لیا جائے تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ آیندہ کی اعلیٰ تعلیم دیسی زبان مین خودکشی ہے، یا آب حیات ہے، مردہ اور زندہ قومون کی مثالین سب آنکھون کے سامنے ہین، اگر عرب اپنی ترقی کے عہد مین یونانی کو ذریعۂ تعلیم بناتے، اور یورپ کی قومین اپنی اپنی زبانون کو چھوڑ کر لاطینی مین تعلیم دیتین، اور جاپان انگریزی کے ذریعہ اپنے ملک مین اعلیٰ تعلیم کا رواج دیتا تو کیا نتائج وہی ہوتے جو ہم آج دیکھ رہے ہین، غیر زبان مین، غیر ماحول مین، غیر اصطلاحات مین جو تعلیم دیجائے گی وہ بھی غیر ہی ہوگی، اپنی نہین ہوسکتی ۔

کہا جاتا ہو کہ روزافزون علمی ترقی جو یورپین زبانون مین برابر جاری ہے، اگر دیسی زبان مین تعلیم دیگئی تو طلبہ اس سے محروم رہین گے، اس کے متعدد جواب ہین، روزافزون علمی ترقی کے لحاظ سے کیا انگریزی فرنچ اور جرمن کی برابری کرسکتی ہو، اور اگر نہین کرسکتی تو کیا اکسفورڈ اور کیمبرج کی زبان فرنچ اور جرمن کردیجاسکتی ہے دوسرے یہ کہ ہندوستان مین تعلیم کا جو نصاب جاری ہو اس مین ہر سال کی روزافزون علمی ترقی کا کتنا حصہ شامل ہوا کرتا ہو، آرٹ کا شعبہ یون ہی جامد سا ہے، سائنس جو روزافزون ترقی پر ہی، ہندوستان مین اسکی تعلیم بھی غیر متحرک ہے، تیسرے یہ کہ اعتراضات تو جب ہوتے کہ طلبہ ثانوی زبان کے لحاظ سے تمامتر انگریزی سے محروم رکھے جاتے، مگر یہ تو کوئی بھی نہین کہتا، تمام یورپ کی زبانون کی باوجود اس ترقی کے یکسان حالت نہین، کسی شاخ مین انگریزی کو برتری ہے کسی مین فرنچ کو کسی مین جرمنی کو، اسلیے برابر ایک زبان کی چیزین دوسری مین منتقل ہوتی رہتی ہین، اردو کے لیے بھی یہ کوئی عار کی بات نہین، کیا اردو، ترکی اور عربی کا بھی مقابلہ نہین کرسکتی، دارالفنون قسطنطنیہ اور جامعہ مصریہ قاہرہ تو ہر قسم کی اعلیٰ تعلیم اپنی زبانون مین دیتے رہتے ہین

خبر آئی ہے کہ میسور مین ۸۰۰ ہندو، پارسی اور مسلمان خواتین، ایک مسلمان خاتون کے زیر علم جمع ہوئین اور یہ تجویز منظور کی کہ چونکہ ہندوستان مین جو پردہ رائج ہے وہ رسم و رواج پر مبنی ہے اور اس سے مسلمان عورتون کی مادی اور اخلاقی ترقی مین رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اور ان کی صحت اسکی پابندی سے رفتہ رفتہ خراب ہوتی جاتی ہے، اس لئے احکام شرع سے اپیل کیجاتی ہے کہ قرآن و حدیث کے مطابق پردہ کے متعلق فیصلہ کن اعلان فرمائین" اسکے مقابلہ مین احکام شرع کی طرف سے بلانیابت یہ عرض خدمت ہے کہ کیا ہماری شریعت کی فرمانبردار نہین، دیگر رسوم و رواج کے متعلق بھی جو ہماری اقتصادی حالت کو روز بروز تباہ کررہے ہین، اسی طرح ہمارے شرعی فیصلہ سننے کی منتظر ہین، نیز کیا وہ مسلمان نہین جو رسمی پردہ کو توڑ کر شرعی پردہ کے حدود سے بھی آگے نکل گئی ہین، وہ شرعی پردہ پر قناعت

کرنے کو تیار ہیں؟ اور بالآخر کیا اسکی ضمانت دیجا سکتی ہے کہ یہ رسمی پردہ سے نکل کر شرعی پردہ میں آنے والیان "یورپین پردہ" کا آگے چل کر مطالبہ کرینگی، اے کاش ہماری میسور کی مسلمان بہنوں کا یہ جذبہ درحقیقت احکام شرع کی پابندی اور تعمیل پر مبنی ہوتا اور دوسری قوموں کی تقلید اور ریس کی خفیہ خواہش کا زہر اس مین شامل نہ ہوتا،

ڈاکٹر کیتکر مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے چیف اڈیٹر صاحب نے بالآخر معارف (اکتوبر ۲۶ء) کے نصف مشورہ کو قبول کر لیا، اور اخبارات مین یہ اعلان کیا ہے کہ قابلِ اعتراض مضمون کے صفحے انسائیکلوپیڈیا کے ان نسخون سے جو دفتر مین موجود ہین، الگ کر دیئے اور جن خریدارون کے پتے معلوم ہین ان کو اطلاع دیدی گئی ہے کہ وہ بھی ان کو اپنے نسخون سے نکال دین، یہ بالکل صحیح طرزِ عمل ہے، مگر بیچ مین چند صفحون کا خالی رہنا بھی موزون نہین، اس لیے بہتر یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب دوسرا نصف مشورہ بھی قبول فرما لین یعنی کسی مسلمان فاضل کے مشورہ سے وہ چند صفحے کا محمد رسول اللہ صلعم پر دوسرا مضمون چھاپ کر اس مین لگا دین، دکن مین پروفیسر عبد القادر (الفنسٹن کالج) اور پروفیسر نواب علی (بڑودہ کالج) اس کام کو بہترین طریقہ سے کر دین گے، اور وہ تمام مسلمانون کے شکریہ کے مستحق ہونگے،

رسالہ النجم لکھنؤ

یہ مذہبی رسالہ مدت سے جاری ہے، یہ خاص اہل سنت کا رسالہ ہے اور انھین کی امداد کا محتاج ہے، مولانا عبد الشکور صاحب اس کے اڈیٹر ہین اپنے رنگ مین یہ لاجواب ہے، دینِ الٰہی سے اگر محبت ہو تو ضروری ہے کہ دین کے سب سے پہلے خادم سب سے پہلے معلم و مبلغ یعنی صحابۂ کرام سے محبت ہو، اور ناممکن ہے کہ ان حضرات پر نارو ا اتہامات لگائے جائین اور ان کے جواب مین خاموشی اختیار کیجائے النجم تمام مسلمانون کی طرف سے اس فرض کفایہ کو ادا کر رہا ہے، اسکی بقا کا سامان کرنا سب پر فرض ہے؛ قیمت للعمر سالانہ مہینہ مین دو بار شائع ہوتا ہے، پتہ:- دفتر النجم لکھنؤ،

مقالات

حجاز کے کتب خانے

(۳)

یہ اس مضمون کا تیسرا نمبر ہے، شاید ناظرین بعض کتابون کے نامون کو دیکھ دیکھکر گھبرا گئے ہون، مگر انھین معلوم ہونا چاہیئے کہ اون کے بزرگون کا یہی اندوختہ ہے جو ان کے علمی کارنامون کی یادگار ہے، یورپ کے علماے مستشرقین کی نگاہون مین اون کی یہ قیمت ہے کہ وہ اس کا ایک ایک ورق سونے کے تول سے خریدتے ہین، اور ہمارے اسلاف نے بھی ان سفینون کو اپنے سینون سے لگا کر رکھا تھا، اور اب انھین کے اخلاف کو یہ بھی خبر نہین کہ یہ جواہر ریزے اب کہان کہان بکھرے ہین، اور ضرورت ہو تو کہان سے دستیاب ہو سکتے ہین، اسی مضمون مین کتابون کے نامون کی تفصیل سے یہی مقصود ہے کہ ہمارے علما اور شائقینِ علم کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس وقت ہماری مقدس سرزمین کے خزانہ مین کیا کیا نایاب گوہر ہین،

شیخ الاسلام کے کتب خانہ کے بعد دوسرا قابلِ ذکر کتب خانہ کتبخانہ [illegible] یہ ہے، سلطان [illegible] عثمانی نے اپنے زمانۂ حکومت مین جو کارنامے انجام دیئے، ان مین ایک قابلِ ذکر کارنامہ مدرسۂ محمودیہ ہے، یہ مدرسہ مسجد نبوی کے متصل باب السلام کے راستہ مین داہنی طرف واقع ہے، یہ مسجدِ مبارک سے اس قدر ملا ہوا ہے کہ اس کے اوپر کے کمرون کی کھڑکیان مسجد کے صحن مین کھلتی ہین، ان کمرون مین بیٹھئے تو مسجد کا صحن بالکل نگاہ کے سامنے ہو جاتا ہے، اسکی دیوار اس سمت مین جس پر "خوخۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ" (یعنی حضرت ابو بکرؓ کے گھر سے

مسجد نبوی مین آنے کا وہ دروازہ جسکی نسبت آنحضرت صلعم نے اپنے مرض الموت مین فرمایا تھا کہ "ابوبکر کی کھڑکی کے علاوہ سب کھڑکیون کو بند کردو"، مسجد نبوی ہی کی آخری دیوار ہوگئی ہے،

مدرسہ کے صدر دروازہ کے اوپر ایک سپید پتھر مین کھدا ہوا یہ کتبہ لگا ہے،

"مدرسۃ الخلیلیۃ لحضرت سلطان محمود"

سلطان محمود نے اس کے لیے شام مین جائداد وقف کی تھی جسکی آمدنی سالانہ حج کے موقع پر شامی محمل کیساتھ اخیر اخیر تک آیا کرتی تھی، مگر اس بڑی جنگ کے بعد جب سے فرانس نے شام پر قبضہ کیا ہے، دوسرے اوقاف کیساتھ یہ وقف بھی فرنچ دست برد مین ہے، مدرسہ بالکل ویران ہے، دومنزلہ عمارت تھی، طلبہ کے رہنے کے الگ کمرے تھے درس کے الگ، مگر اب ایک طرف کی چھت گرگئی ہے، درس وتدریس کا سلسلہ بند ہے، اس کے موجودہ متولی زین العابدین قندیلی ہین، قندیلی کے معنی یہ ہین کہ ان کا خاندان مسجد نبوی کی قندیلون کی نگرانی اور روشنی کا مہتمم تھا، اس مدرسہ کے پھاٹک مین نے ہمیشہ بند پائے، قندیلی صاحب سے جب مین نے اس کے دیکھنے کا شوق ظاہر کیا، تو دوسرے دن اس کا وقت مقرر کیا، اندر گیا تو دیکھا کہ اس پر ایک ویرانی سی چھائی ہے، متولی صاحب نے اندر چند حاجیون کو غالبًا کرایہ پر جگہ دے رکھی ہے، اوپر کی منزل مین مسجد مبارک کی سمت کے کمرہ مین کتبخانہ تھا، کتبخانہ کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ شاید مدت سے یہان کسی کا گذر بھی نہین ہوا ہے، تمام گرد پڑی تھی، دیوارون سے لگی ہوئی الماریان، اور الماریون مین بہ ترتیب کتابین رکھی ہوئی تھین،

ترکی نے جنگ عظیم مین مدینہ منورہ کے جن کتب خانون کو وہان سے شام منتقل کردیا تھا، ان مین سے ایک یہ بھی تھا، وہان یہ کتابین قشلہ سلیمیہ مین رکھی گئی تھین، ترکون نے جب شام خالی کیا تو نادر کتابین چنکر قسطنطنیہ منتقل کردین، اور بقیہ کتابین وہین پڑی رہین، اسی اثنا مین وہان نہر مین سیلاب آیا جس سے کتابون کو نقصان پہنچا، ملک مین جب تسلط ہوا، اور شریف علی مدینہ کے امیر مقرر ہوئے تو متولیون نے ان سے کہہ سنکر کتابین واپس منگوائین، اسی طرح اس کتب خانہ کی کتابین واپس آئین جنمین ایک صندوق ایسا ہے

جنکی کتابین سیلاب کے پانی سے اس طرح برباد ہوئی ہین کہ ورق سے ورق الگ نہین ہوسکتا،

اس وقت اس کتب خانہ مین پانچ ہزار کے قریب کتابین ہین، جو الماریون مین ترتیب سے فن وار رکھی ہین،
مگر معلوم ہوتا ہے کہ دوبارہ کتب خانہ کو کسی واقف کار نے ترتیب نہین دیا ہے، اسلیے کہین کی کتابین کہین
رکھ گئی ہین، بعض کتابین تو تلاش کرنے پر ملین بھی نہین، قلمی کتابون کے ساتھ مطبوعہ کتابین بھی یہان ہین، کتابون
کی فہرست بھی ہے، جو کتابین قسطنطنیہ چلی گئی ہین، ان پر حرف "غ" یعنی غائب کا اشارہ بنا دیا گیا ہے،

بہرحال یہ تو ظاہری حالت کا نقشہ ہے، کتابون کو جب مین نے ہاتھ لگایا تو خوشی سے اچھل پڑا کہ حدیث و
تفسیر کا اتنا نایاب ذخیرہ اب تک میری نگاہون نے نہین دیکھا تھا، بہت سی کتابین جنکو صرف ایک نظر دیکھنے
کی تمنا تھی، وہ یہان آج پوری ہوگئی، حسرت رہی کہ بہت سی کتابین جنکا ایک ہی نسخہ یہان تھا وہان قسطنطنیہ
چلا گیا، یا اگر دو نسخے تھے، تو کامل چلا گیا، اور ناقص یہان رہ گیا، کاش ترک اتنا ایثار کرتے کہ ان کتابون کو مرکز اسلام
پر دوبارہ جمع کر دیتے، کہ تمام دنیائے اسلام اُن سے متمتع ہوسکتی،

آج پہلا دن تھا کہ میری آنکھون نے دلائل النبوۃ امام بیہقی، معرفۃ اصول الحدیث امام حاکم، شرح سنن
ابی داؤد لابن رسلان، شرح بخاری للکرمانی، شرح بخاری لابن بطال، تمہید شرح موطا لابن عبدالبر، البیان
لاحکام القرآن للموزعی الیمنی، زاد المسیر فی علم التفسیر لابن جوزی، تفسیر ابن ابی حاتم، نزہۃ الحکم شرح صحیح مسلم وغیرہ
کتابین دیکھین، اور خدا کا شکر ادا کیا،

ذیل مین ہم کتب خانۂ محمودیہ کی نادر قلمی کتابون کی منتخب فہرست درج کرتے ہین، ان مین دو چار مطبوعہ
کتابون کے نام بھی ہین، مگر ان کی ندرت اور کمیابی کی وجہ سے ذکر کر دی ہین،

۱- تفسیر

۱- تفسیر خطیب شربینی ۲ جلد ۳- تفسیر ابی الحسن البکری الصوفی۔

۲- تفسیر امام عمر نسفی ۴ " ۴- تفسیر قرطبی

۵- تفسیر البیان لاحکام القرآن لجمال الدین محمد بن علی بن الخطیب المعروف بابن نور الدین الموزعی الیمنی، ۸۲۰ھ میں تالیف ہوئی،

۶- تفسیر البقاعی ۵ جلد

۷- زاد المسیر فی علم التفسیر لابن الجوزی،

۸- تفسیر ابن کثیر (چھپ چکی ہے)

۹- ابن حیان (چھپ چکی ہے)

۱۰- تفسیر الوسیط للواحدی النیساپوری،

۱۱- کشف البیان للامام الثعلبی، ۹ جلد

۱۲- تفسیر احکام القرآن للرازی الحنفی (چھپ گئی)

۱۳- تفسیر ابن ابی حاتم، تیسری جلد

۱۴- تفسیر المنتھیٰ من البیان فی اعراب القرآن، لابن یعیش النحوی، جزء اول،

۱۵- تفسیر معنی القرآن لعلی الطبری،

۱۶- تفسیر الثمرات فی احکام القرآن کامل

۱۷- تفسیر بکر بن سہیل الدمیاطی بنده... [illegible]

۱۸- تفسیر ابن جریر طبری (چھپ چکی ہے)

۱۹- جواہر الدرر فی التفسیر بالخبر والاثر،

۲۰- ذکر آیات القرآن المتشابہات لزکریا الانصاری،

۲۱- تفسیر التبیان فی اعراب القرآن للعکبری

۲۲- البرہان فی علوم القرآن، الزرکشی،

۲۳- تفسیر مشکل القرآن،

۲۴- بدیع القرآن للشیخ زکی الدین ابن ابی صبع

۲۵- نواسخ القرآن لابن الجوزی،

۲۶- غرر البیان فی مبہمات القرآن،

۲۷- اعراب القرآن العظیم،

۲۸- تاویل مشکل القرآن،

۲۹- غریب القرآن للمرزوقی،

۳۰- التبیان فی آداب حملۃ القرآن، نووی

۳۱- طیبۃ النشر بقراء العشر لابن الجوزی، [illegible]

۲- متعلقات تفسیر

۳- احادیث

۳۲- شرح بخاری للکرمانی،

۳۳- التکملۃ شرح ترمذی للعراقی وہو تکملۃ [illegible]

۳۴- حیات المہج علی سنن الترمذی،

۳۵- شرح ترمذی للبغوی جزء ثانی،

۳۶- سنن کبیر للبیہقی،

۳۷- مختصر سنن کبیر للبیہقی بخط تلمیذ مصنف،

۳۸- شرح صحیح بخاری لابن بطال،

۳۹- شرح صحیح مسلم للقاضی عیاض،

۴۰- نزہۃ الحکم وبہجۃ المفہم شرح صحیح مسلم،

۴۱- المطالب العالیہ لزوائد المسانید الثمانیہ للعسقلانی،

۴۲- مسند ابی بکر بن ابی شیبہ،

۴۳- تخریج احادیث الشفا لعبد العزیز الزبیدی

۴۴- شرح الشفا للدلجی،

۴۵- معتمد ذوی العقول من جامع الاصول فی احادیث الرسول لابن بہرلہ،

۴۶- مجمع الزوائد لنور الدین الہیثمی ۵ جلد

۴۷- تمہید شرح موطا لابن عبد البر،

۴۸- تنویر الحوالک شرح موطا مالک للسیوطی

۴۹- فتح الرحمان شرح موطا امام محمد،

۵۰- مصنف ابن ابی شیبہ، ۲ جلدین

۵۱- الافصاح عن معانی الصحاح لابی ہبیرہ

۵۲- مستدرک حاکم ۲ جلد چھپ چکی،

۵۳- الثانی من تلخیص المستدرک للذہبی،

۵۴- دلائل النبوۃ للبیہقی،

۵۵- الاستذکار لابن عبد البر،

۵۶- کتاب العمدۃ للامام القشیری،

۵۷- عمدۃ الاحکام للمقدسی،

۵۸- شرح صحیح البخاری للامام ... للقسطلانی، ۱۲ جلد

۵۹- کتاب التقییدات

۶۰- مختصر امتاع الامۃ باحادیث اتفق علی تخریجہا الائمۃ الستۃ لیحییٰ بن محمد الکرمانی

۶۱- معجم ابن عساکر،

۶۲- کتاب الاباطیل والمناکر والصحاح والمشاہیر،

۶۳- بدر التمام من احادیث سید الانام،

۶۴- الناسخ والمنسوخ من الحدیث،

۶۵- جواہر اللآلی لابی المعالی مع نزہۃ الحفاظ فی ذکر الحفاظ والاکابر

۶۶- تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف،

۶۷- موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان

۶۸- الغریب المصنف لابی عبید،

۶۹- تنقیح المفہوم فی الحدیث

۷۰- دلائل النبوۃ لابی النعیم چھپی ہے مگر جابجا ناقص ہے،

۷۱- التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح لبدر الدین الزرکشی

۷۲- کتاب الام امام شافعی (چھپ چکی ہے)

۷۳- موضوعات ابن جوزی،

۷۴- جزء من اطراف المزی،

۷۵- شرح سنن ابی داؤد لابن رسلان،

۷۶- اصول حدیث ورجال،

۷۶- معرفۃ اصول الحدیث للحاکم،

۷۷ - کتاب النسبۃ الی المواضع والبلدان لجمال الدین

۷۸ - تہذیب الاسماء واللغات نودی،

۷۹ - مختصر اسماء الضعفاء والوضعین للابن الجوزی،

۸۰ - الاکتساب من کتب الانساب مختصر السمعانی،

۸۱ - مغانی الاخیار فی اسامی رجال معانی الآثار اوّل للعینی،

۸۲ - الانساب للسمعانی (عکسی چھپی ہے)

۸۳ - تہذیب الکمال للمزی جلد ۱ و ۳ و ۴ و ۵ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴

۸۴ - اسماء رجال مسند احمد

۸۵ - ثقات ابن حبان،

۸۶ - لب اللباب فی تحریر الانساب للعکبری

۸۷ - المؤتلف والمختلف للدارقطنی،

۸۸ - کشف النقاب عن جرح دفی الصحیحین

۵ - تاریخ وسیر والسیر

۸۹ - عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل

۹۰ - سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد جلد ۱ - ۳ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹

۹۱ - الدرر الکامنۃ فی اعیان المائۃ الثامنۃ للعسقلانی ۲ جلد

۹۲ - کتاب الھدی لابن القیم (شاید زاد المعاد ہو)

۹۳ - السیرۃ لابن ہشام (چھپی ہے مگر پھر بھی نادر ہے)

۹۴ - تاریخ مدینہ للسخاوی، جزء ثالث،

۹۵ - تاریخ الخطیب جزء ۳۳

۹۶ - تاریخ مکہ للازرقی (چھپی ہے)

۹۷ - العسجد المسبوک والزبرجد المحبوک فی تاریخ دولۃ الاسلام والملوک

۹۸ - تاریخ مدینۃ السلام جزء اوّل،

۹۹ - انساب الاشراف جزء،

۱۰۰ - طبقات وسطی للسبکی (کبری چھپی ہے)

۱۰۱ - تلقیح لابن الجوزی،

۱۰۲ - طبقات المفسرین للامام شمس الدین الداؤدی

۱۰۳ - مختصر الطبقات،

۱۰۴ - طبقات ابن سعد کی ۲ جلد اور ایک ٹکڑا (چھپی ہے پھر بھی نادر ہے)

۱۰۵ - طبقات الحنابلہ جزء ۴،

۱۰۶ - اعلام الاخیار من فقہاء مذہب النعمان المختار للکفوی،

۱۰۷ - کتاب الاعلام فیما یجب علی الانام معرفتہ النبی علیہ السلام للامام المفرج المقری طبع

کتب خانہ سیدنا عثمان رض

یہ کتب خانہ حضرت عثمان ذی النورین رض کے نام نامی کے ساتھ اسلئے منسوب ہے کہ یہ آپ کے مسکن مبارک میں قائم ہے، مسجد نبوی میں باب جبرئیل ع کے نام سے جو دروازہ ہے، ادھر سے نکلئے تو قبلہ کی سمت دیار عشرہ

مبشرہؓ کا جو کتبہ لگا ہوا ہے، اسی کے مقابل کے ایک مکان پر "مشہد سیدنا عثمان" یعنی حضرت عثمانؓ کی شہادت گاہ مرقوم ہے، اور یہ معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے گھر ہی کے بالاخانہ مین شہید کئے گئے تھے، اس بنا پر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا تھا، جسکی ایک حد مسجد نبوی کی سمت وہ مقام تھا، جو آپ کا مشہد ہے، اور دوسری طرف گلی مین دور تک چلا گیا ہے، اور جو اب کئی گھرون کی صورت مین بٹ گیا ہے، جس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مختلف زمانون مین مختلف مالکون کے قبضہ اور تصرف مین رہا ہے،

امیر چوپان نے ایک زمانہ مین اس کا ایک حصہ لیکر مسافرخانہ بنا دیا تھا جس کا نام رباط العجم ہے، اسی کے ایک بازو مین کہا جاتا ہے کہ سلطان نورالدین شہید کا مزار ہے جس کا دروازہ آجکل بند کر دیا گیا ہے، سلطان عبدالحمید خان اوّل نے اس مکان کا باقی حصہ خرید کر وقف کر دیا تھا، اس مکان کے دروازہ پر سلطان کے نام کا کتبہ لگا ہے، اوپر کتبہ مین والدۂ سلطانی کا تذکرہ ہے، کتبہ کے اشعار ترکی مین ہین، اسلئے پوری طرح مطلب سمجھ مین نہین آیا، یہ مکان بھی اندر سے بے مرمت پڑا ہے، اس وقت بخاری حجاج یہان ٹھہرے ہوئے تھے، میرے جانے کی خبر متولی صاحب کو پہلے معلوم ہو چکی تھی، ابراہیم حمدی بے خربوطلی نے ان کو مطلع کر دیا تھا، اسلئے کتبخانہ کے سامنے جھاڑو دیکر چھڑکاؤ کر دیا گیا تھا، کتب خانہ مکان کی چھت پر ایک کمرہ مین تھا، کتب خانہ کا دروازہ جب کھولا گیا تو اس کے اندر اس قدر گرد تھی کہ ہم بیٹھ نہین سکتے تھے، برادر عزیز ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ندوی بی ایس سی اس وقت ہمارے ساتھ تھے اور کتابون کی تلاش مین مدد دے رہے تھے، تمام کتابین کچھ الماریون مین، کچھ زمین پر، کچھ طاقون مین اس طرح بے ترتیب پڑی تھین اور اس طرح گرد آلود تھین کہ اہل شہر کی ناقدری اور متولی کی غفلت پر افسوس آتا تھا،

کتابون کی کوئی فہرست بھی نہ تھی، بہزار دقت ایک ایک کتاب کو اٹھا اٹھا کر اور جھاڑ جھاڑ کر دیکھنا شروع کیا، یہ دیکھکر کس قدر تعجب ہوا کہ اس کتب خانہ کا نہایت قدیم تعلق اندلس، مراکش، اور دیار مغرب کے مختلف شہرون سے ثابت ہوا، اکثر نسخے وہین کے تھے، اور انھین اطراف کے مصنفین کے تھے، چونکہ وہان مالکی مذہب کا رواج تھا اور ہے، اسلئے مالکی مذہب کی کتابین بیشتر تھین، قرآن پاک کے اکثر نسخے مغربی خط مین تھے جو کوفی خط کے قریب قریب ہے، سب سے زیادہ جس منظر کو دیکھکر دل

پاش پاش ہوا، وہ ایک الماری کے نیچے ہرن کی کھال پر لکھے ہوئے قرآن کے متعدد نسخون کے منتشر اوراق تھے، ہندوستان کے کسی کتب خانہ مین اگر اس قرآن کا ایک ورق بھی ہوتا تو کتابون کے شائق دور دور سے اس کو دیکھنے کو آتے،

ان کتابون مین جو مجھکو نادر معلوم ہوئین وہ حسب ذیل ہین:-

۱- الاستذکار شرح موطا مالک لابن عبد البر،
۲- المنتقی شرح موطا مالک للباجی،
۳- المسالک علی موطا مالک للشیخ ادریس القابسی،
۴- شرح بخاری للکرمانی،
۵- التنقیح علی الجامع الصحیح للزرکشی،
۶- مسند القضاعی فی الحدیث،
۷- سنن کبری للبیہقی، ناقص،
۸- معجم کبیر للطبرانی،
۹- تفسیر ثعالبی،
۱۰- کتاب الوقف والابتدار لابن الغربی،
۱۱- کتاب الناسخ والمنسوخ،
۱۲- الاکتفار فی السیرۃ للکلاعی،
۱۳- تاریخ فتوح مصر لابن عبد الحکیم
۱۴- مشارع الاشواق الی مصارع العشاق لابن النحاس
۱۵- اجابۃ الداعی الی شرح غریب اکتفاء الکلاعی،
۱۶- جزء من تبصرۃ اللخمی فی الفقہ،
۱۷- کتاب الکافی لابن عبد البر،
۱۸- شرح ابن حاجب علی الزوادی فی الفقہ،
۱۹- شرح مدونۂ امام مالک لابی الحسن الصغیر
۲۰- شرح تلقیح للقاضی ابی محمد بن عبد الوہاب البغدادی،
۲۱- بہجۃ النفوس لابن ابی جمرۃ،

گیارہوین کتاب کتاب الناسخ والمنسوخ ایک خاص حیثیت سے نہایت قابل قدر ہے، مصنف (نام نہین معلوم) نے لکھا ہے کہ مینے یہ کتاب تفسیر کی ۵۰ کتابون سے لیکر جمع کی ہے، ساتھ ہی اسکا سال تصنیف ۵۸۰ھ ہے، اور یہ اس جزیرہ مین بیٹھکر لکھی گئی ہے جسکے نام کو ہر مشرقی حاجی نہایت درد و مصیبت کیساتھ لیتا ہے یعنی جزیرۃ کمران (کامران) کہ یہ جزیرہ کبھی اسلامی علوم کا مرکز بھی رہا ہے، اب تو یہان چند ہزار بدوی مینی، حبشی عربون کے سوا اور کچھ نہین، مصنف نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہ جزیرہ اس وقت یمن کا حصہ ہے،

فسبحان مقلب الایام واللیالی،

تنقید مستدرک پر ایک نظر

از مولانا سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف، حیدر آباد دکن

(۲)

اختلاف مستدرک و تلخیص کے موقعہ پر

(۱۲) ایک جگہ پر فرماتے ہین،

"ص (۱۲۱) تلخیص مین اذا مس رفعہ ہے، حالانکہ مستدرک مین اذا مس ذکرہ ہے"

کیا ان دونون نسخون مین سے کوئی غلط ہے، یا جب اس قسم کے صرف لفظی اختلافات ہون تو حاشیہ دینا ضروری ہے، تلخیص مین رفعہ اور مستدرک مین ذکرہ کا ہونا ہی اس بات پر دال ہے کہ دونون مین اختلاف ہے،

(۱۳) ایک جگہ فرماتے ہین،۔

"ص (۱۵۷) مستدرک مین ہے قال سمعت محمد بن اسحاق، تلخیص مین عن اسحاق ہے، بتانا چاہیے کہ تلخیص سے ابن کا لفظ چھوٹ گیا"

افسوس ہے کہ ناقد کو طباعت اور اصل کتاب کی غلطیون مین فرق نہ ہوسکا، ابن کے لفظ کا چھوٹ جانا یہ طباعت کی غلطی سے ہے، کتاب مین یقیناً یہ لفظ ہوگا،

(۱۴) اختلاف نسخ کے عنوان سے لکھتے ہین -

"دائرہ کے ممبرون نے اختلاف نسخ دکھانے کے لیے صرف مستدرک کے پیش نظر نسخون پر اکتفا کیا، یہ نسخے یقیناً کہین کہین سے ناقص تھے، ان کے نقص کی شہادتین لآلی مصنوعہ وغیرہ کی کتابون کی حدیثین ہین، جن کو ان کے مصنفین نے مستدرک کے حوالہ سے لکھا ہے مگر وہ مستدرک کے مطبوعہ نسخہ مین نہین ملتین،

(الف) یہ دعوی غلط ہے کہ کارکنان دائرۃ المعارف نے صرف مستدرک کے پیش نظر نسخون پر بس کیا ہے، بلکہ انھون نے حتی الوسع حدیث، رجال اور تاریخ کی دوسری کتابون سے بھی مدد لی ہے، لیکن اندرون متن مین کوئی اضافہ احتیاطاً نہین کیا، مثلاً جلد ۴ صفحہ ۵۴۴ نفخ الصور والی حدیث مین مستدرک مین ہے "فلا یسمعہ احد الا اصغی" اس پر حاشیہ دیکر بتایا گیا ہے: فی حدیث کنز العمال اصغی لیتا ورفع لیتا" اس کے علاوہ ترمذی، دارقطنی، مسند ابن حنبل، اسد الغابہ، استیعاب، طبقات ابن سعد، اور سیرت ابن ہشام کے بھی حوالے ملتے ہین،

(ب) یہ دعوی بھی بلا دلیل ہے، کہ جن حدیثون کو مستدرک کی روایت سے دیگر محدثین نے لیا ہے، ان کا پتہ خود مستدرک کے نسخہ مین نہین ملتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ناقد نے لآلی مصنوعہ اور مستدرک کے اختلافات کی ایک طویل فہرست درج کی ہے، اس حد تک یہ امر قابلِ قبول ہے، کہ جہان تک ممکن ہو سکے دوسری کتابون مین حدیثین تلاش کیجائین اور جو مقامات قابلِ اصلاح ہون، ان کو تحقیق کے بعد درست کر دیا جائے لیکن اگر کتابون مین صرف الفاظ کا فرق ہو اور اپنی اپنی جگہ پر دونون صحیح ہون، تو اسکی کیا ضرورت ہے، کہ تمام اختلافات لفظی کو دوسری کتابون سے درج کر دیا جائے محدثین جب کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہین تو اس سے ان کا مقصود یہ نہین ہوتا، کہ دونون عبارتین لفظ بلفظ مطابق ہین، بلکہ صرف یہ مقصود ہوتا ہے کہ اسی راوی سے اس مضمون کی حدیث کو فلان محدث نے لیا ہے، مطابقت لفظی شرط نہین ہوتی،

امام بیہقی اکثر رواہ البخاری و مسلم فرماتے ہین، لیکن دونون کے الفاظ مین فرق ہوتا ہے، مثلاً حضرت انسؓ کی یہ حدیث کہ حضرت ام سلیمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینۂ مبارک شیشہ کے ظرف مین تبرکاً رکھ لیا اس کے متعلق امام بیہقی رواہ مسلم فرماتے ہین، حالانکہ مسلم نے فضائلِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مین اس مضمون کو دوسرے الفاظ سے ادا کیا ہے، اس کو اختلاف نہین کہہ سکتے، اور نہ یہ حوالہ غلط کہا جا سکتا ہے،

اسی طرح امام سیوطی نے لآلی مصنوعہ مین مستدرک کا حوالہ دیا ہے، اس کے معنی یہ نہین ہو سکتے کہ

لفظ بلفظ دونون مطابق ہون، کیونکہ محدثین اکثر روایت بالمعنی کرتے ہین، پس لآلی مصنوعہ کا مستدرک سے مختلف ہونا کوئی نئی بات نہین ہے، یہ ناقد نے طویل فہرست اختلافات کی دی ہے، ان مین بعض مقامات پر لآلی کا مطبوعہ نسخہ غلط ہے، مثلاً

لآلی	مستدرک
حدثنا عبد العزیز بن معاویہ	حدثنا علی بن عبد العزیز بن معاویہ

دیکھو تذکرۃ الحفاظ جلد ۲، دعلج بن احمد السنجری علی بن عبد العزیز سے روایت کرتے ہین،

لآلی	مستدرک
ابراھیم بن الحسین بن زیدیل عن علی بن قتیبۃ	ابراھیم بن الحسین بن دیزیل عن علی بن قتیبۃ

زیدیل عن علی ہی کے لفظ پر غور فرماتے کہ یہ لفظ صحیح ہے یا غلط ہے، تو اس اختلاف کے ذکر کی ضرورت نہ ہوتی،

لآلی	مستدرک
محمد بن کثیر العامری	عبید بن کثیر العامری،

ناقد صاحب کو رجال کی کتابون کا مطالعہ کا موقعہ نہ تھا تو کم سے کم مستدرک اور تلخیص ہی پر عمیق نظر ڈالتے تو صحیح فیصلہ تک پہنچتے، اس مقام پر تلخیص مین پوری سند موجود ہے، جس مین عبید بن کثیر العامری لکھا ہے، اور "عبید متروک" لکھا ہے، در اصل یہان پر عبید بن کثیر العامری مراد ہین، (دیکھو کتاب الضعفار لابن جوزی)

لآلی	مستدرک
عبد اللہ بن داؤد والخریبی	عبد اللہ بن داؤد الخریبی،

یہان بھی لآلی کا نسخہ غلط ہے، الخریبی، عبد اللہ بن داؤد کی نسبت ہے، عبد اللہ بن داؤد اور خریبی دو شخص نہین، (دیکھو تقریب)

اسی سلسلہ مین ناقد صاحب حنش عن عکرمۃ کے متعلق حاشیہ مین لکھتے ہین،

"ابن شاہین عقیلی، دارقطنی بیہقی، سب نے حنش کی بجائے حسین بن قیس لکھا ہے، قیاس یہ ہے کہ حاکم نے بھی حسین بن قیس ہی لکھا ہوگا، البتہ ترمذی نے حنش سے تخریج کی ہے"،

اصل یہ ہے کہ حسین بن قیس کا لقب حنش ہے، اکثر محدثین نے حسین بن قیس کے اسم سے روایت کی ہے اور بعض نے اس کے لقب یعنی حنش سے روایت کی ہے، مستدرک اور تلخیص مین حنش کا ملنا یہ خود ہی دال ہے کہ حاکم نے حنش سے روایت کی ہے، خواہ کسی نے حنش سے روایت کی ہو یا نہ کی ہو، جب امام ترمذی نے بھی حنش سے روایت کی ہے تو پھر یہ لکھنا کس قدر صحیح ہے کہ قیاس یہ ہے کہ حاکم نے بھی حسین بن قیس ہی لکھا ہوگا" اس قیاس کے معنی یہ ہوئے کہ اصل کتاب مین حسین بن قیس تھا اور مصححین نے حنش سے اس کو بدل دیا،

ناقد کا یہ فریضہ تھا کہ وہ اس قسم کے اختلافات کے متعلق صحیح یا غلط ہونے کا نوٹ دیتا تاکہ لوگ غلطی مین مبتلا نہ ہوتے،

مستدرک اور لآلی کے اختلافات مین بعض ایسے بھی ہین جنہین مستدرک کی عبارت لآلی سے زیادہ صحیح ہے، مثال کے طور پر حفظ القرآن کی حدیث کے الفاظ ہین،

لآلی	مستدرک
قول یعقوب	قول اخی یعقوب
حتی تاتی الجمعة	حتی تاتی لیلة الجمعة
فان لم تستطع ففی وسطہا فقم فی وسطہا.	فان لم تستطع فقم فی وسطہا

اس قسم کے اختلافات پر بھی ناقد صاحب کو نوٹ دینا ضروری ہے، بعض مقامات پر طباعت کی غلطیون کو بھی تصحیح کی غلطی مین شمار کرکے دکھلایا ہے، مثلاً

لآلی	مستدرک
خزتان	صدتان

لآلی	مستدرک
عالبس	قالبس
حدثنی ابی عن مینا،	حدثنی ابی حدثنی ابی عن مینا،
فیسلق	فلیق
عمودان	عودان

اس قسم کی اور بہت سی مثالین ہین،

بعض مقامات پر مرادف الفاظ کا اختلاف ہے،

لآلی	مستدرک
احب من احببت	احب من شئت
حسین بن قیس	حنش
نظرۃ یخلق فی کل نظرۃ	نظرۃ او مرۃ ففی کل نظرۃ یخلق

بعض مقامات پر چونکہ صفحات غلط ہین، اسلیے مقابلہ نہ کیا جاسکا، مثلاً ج ۴ صفحہ ۲۹۲، ممکن ہے کہ یہ صفحات کتابت کی غلطی سے غلط رہ گئے ہون،

(۱۴) بیاض متن کے ذیل مین معاذ بن جبل کی حدیث کے متعلق ناقد نے لکھا ہے، "امام احمد نے اسی حدیث کو سفیان تک اسناد پہنچا کر اسی سند سے روایت کیا ہے، اس بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ بیاض کے موقعہ پر ذیل کی عبارت ہونی چاہیئے:-

- "ما یاتی الرجل من امرأۃ غیر انہ لم یجامعہا فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم توضأ"

دوسری کتابون سے بغیر کسی تحقیق کے بیاض کا پر کرنا جس قدر تصحیح کی ذمہ داری کے خلاف ہے، وہ ظاہر ہے، مصحح نے اگر کسی کتاب پر اعتماد کر کے کسی بیاض کو پر کردیا اور اس کے بعد تفحص و تلاش سے یہ

پتہ چلا کہ اس بیاض کے موقع پر کوئی دوسری عبارت ہی تو صحیح کی یہ کس قدر فاش غلطی ثابت ہوگی، اس مقام پر ناقد صاحب نے جس عبارت سے بیاض پر کرنے کا مشورہ دیا ہے اس مین اور صحیح بیاض مین الفاظ کا بہت بڑا فرق ہے، امام بیہقی نے بھی معاذ بن جبل کی حدیث حاکم سے روایت کی ہے، اس بنا پر بیہقی کی حدیث سے بیاض پر کرنا دوسرے ائمہ کی کتابون سے زیادہ اوثق ہے،

بیہقی کی عبارت بیاض کے موقعہ کی یہ ہے،	مسند کی عبارت جس سے بیاض پر کرنے کا مشورہ دیا ہے،
یصیبہ الرجل من امرأتہ الا و قد اصابہ منہا الا انہ لم یجامعہا،	ما یاتی الرجل من امرأتہ غیر انہ لم یجامعہ،

۱۵۔ ناقد صاحب فرماتے ہین :۔

"صفحہ ۱۴۰ جلد اول مین متنِ حدیث کی جگہ پر جو بیاض ہے اس کی تعیین خود اس سے پہلے کی عبارتین کر رہی ہین اس کے بعد لکھتے ہین :۔

"ص ۱۴۲ جلد اول کی بیاض کے متعلق بھی صرف متقدم حدیثون کے قیاس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ یہان پر "قلیل الفتوضا بماء البحر" ہونا چاہیئے"

ص ۱۴۰ کی حدیث حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے اور اس سے قبل کی حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے، دونون کی اسناد اور متن مین فرق ہے، اس اختلاف کے باوجود ناقد صاحب فرماتے ہین کہ ما قبل کی حدیث سے بیاض پر کیجا سکتی ہے،

حضرت انسؓ کی حدیث کے ابتدائی الفاظ یہ ہین،

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یخلع نعلیہ فی الصلاۃ قط الا مرۃ واحدۃ الخ

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے ابتدائی الفاظ یہ ہین،

عن بن مسعود قال خلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم،

دونون کے طرز بیان مین بہت بڑا فرق ہے، ایک نفی سے شروع کرتا ہے اور دوسرا اثبات سے، ان دونون کے اختلاف کے باوجود یہ شبہ کس قدر بیجا ہے، ہم کو ابن مسعود کی روایت دوسری کتابون مین ابھی نہین ملی لیکن حضرت ابو سعید خدریؓ کی ایک روایت ملی ہے جس کے الفاظ غالباً ابن مسعود کی روایت کے مشابہ ہون، اس سے کم سے کم یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت انسؓ اور ابن مسعود کی حدیث مین الفاظ کا کس قدر فرق ہوگا،

حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بینا ھو یصلی یوماً خلع نعلیہ فخلع الناس نعالھم فلما انصرف قال لم خلعتم نعالکم قالوا رأیناک خلعت فخلعنا فقال ان جبرئیل اتانی واخبرنی ان بھما قذراً فاذا جاء احدکم المسجد فلینظر نعلیہ فان کان بھما قذر فلیدلکھما بالارض (کنز العمال)

حضرت انسؓ کی حدیث:-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یخلع نعلیہ فی الصلاۃ قط الا مرۃ واحدۃ خلع فخلع الناس فقال مالکم قالوا خلعت فخلعنا فقال ان جبرئیل اخبرنی ان فیھما قذراً واذی (مستدرک)

حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث جس مین بیاض ہے،

قال خلع النبی صلی اللہ علیہ وسلم نعلہ . . . . -

. . فقال ان جبرئیل اخبرنی . . . . . .

اب کس ذمہ داری پر ابن مسعودؓ کی حدیث مین ماقبل کی حدیث کے الفاظ داخل کر دیئے جائین صفحہ ۲۱ علاوہ ادل کی بیاض کے متعلق جو قیاس ناقد نے کیا ہے وہ بھی صحیح نہین ہے، فرماتے ہین کہ متقدم حدیثون سے قیاس کرکے "قلیل افنتوضأ بماء البحر" بڑھا دینا چاہئے تھا، حالانکہ متقدم حدیثون کی عبارت مین اور اس مین فرق ہے

ایک جگہ یہ ہے،

"معنا القليل من الماء فان توضأنا به عطشنا افنتوضأ بماء البحر"

دوسری جگہ یہ ہے،

"نتزود شيئا من الماء فان توضأنا به عطشنا"

تیسری جگہ یہ ہے،

"فان اغتسل او توضأ بهذا الماء فلعل احدنا يهلكه العطش

اب ان تینون عبارتون مین سے کس سے بیاض پُر کیجائے اور ناقد کی عبارت "قلیل افنتوضأ بماء البحر" کی عبارت کس سے ماخوذ ہے،

(۱۶) صفحہ ۵۵ ا جلد اول کی بیاض کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی مسند احمد کی روایت پر موقوف ہے، ممکن ہو کہ عدیم بن ساعدہ کی حدیث کے الفاظ جس کو حاکم نے روایت کی ہے، دوسرے ہون، مسند سے اس بیاض کے متعلق اس وقت حوالہ دینا صحیح تھا جبکہ حاکم کی سند مین احمد بن حنبل ہوتے،

صفحہ ۲۰۲ جلد اول مین کوئی بیاض نہین ہے،

صفحہ ۸ جلد اول مین کوئی بیاض نہین ہے،

بیاض اسانید کے عنوان سے تحریر فرماتے ہین:-

(۱۷) "ص ۷، مین ابو معاویہ کے بعد مع صحابی کے نام کے پوری اسناد غائب ہے، حاشیہ پر لکھا ہو کہ یہان پر

"الاعمش عن عمرو عن ابی حمزة عن زید بن ارقم"

ہونا چاہیئے جیسا کہ تلخیص سے پتہ چلتا ہے، مگر تلخیص مین صرف الاعمش عن عمرو کا نام ہے، ابو حمزہ اور زید بن ارقم کا نام حدیث ماسبق سے بڑھایا گیا ہے، لیکن اس قسم کے قیاس کی طرف حاشیہ مین اشارہ نہین کیا گیا

اسی حدیث کو امام احمد نے بھی اسی سند سے جلد ۴ صفحہ ۳۶۸ مین روایت کیا ہے، اور ابو معاویہ کے بعد ذیل کی اسناد بیان کی ہے،

"الاعمش عن عمرو بن مرۃ عن طلحۃ مولی قرظۃ عن زید بن ارقم"

طلحہ اور ابو حمزہ دونون ایک ہی شخص کے نام ہین مگر اس موقعہ پر (یعنی مستدرک مین) بجاے لفظ عن ابی حمزہ کے عن طلحۃ مولی قرظۃ ہی ہونا چاہیئے، کیونکہ یہ حدیث حاکم نے نہ بطور احتجاج نقل کیا ہے نہ بطور استشہاد بلکہ صرف اس لیے نقل کی ہے تاکہ ثابت ہو جائے کہ حدیث ماسبق مین جن ابو حمزہ کا نام ہے وہ وہی طلحہ بن یزید ہین جن سے امام بخاری احتجاج کرتے ہین"

اس جگہ پھر بھی ناقد سے چند غلطیان ہوئی ہین،

(الف) مستدرک مین یا حاشی تھی اس لیے مصحح نے تلخیص کی متقدم سند کا حوالہ دیدیا ہے، اگر یہ سند تلخیص پر قیاس کرکے بڑھادی جاتی تو یہ بات قابل اعتراض ہوتی، کہ قیاس سے سند مین اضافہ کردیا ہے، لیکن جب ایسا نہین ہوا بلکہ حاشیہ مین صرف اشارہ کیا ہے تو اس اعتراض سے کیا فائدہ پہنچا،

(ب) فرماتے ہین کہ اس قسم کے قیاس کی طرف اشارہ نہین کیا حالانکہ حاشیہ مین "وہما یدل علیہ التلخیص" لکھا ہے

(ج) ناقد صاحب کا یہ دعوی غلط ہے کہ حاکم نے اس حدیث کو محض ابو حمزہ کے نام طلحہ بن یزید بتانے کے لئے اور بخاری کا اس سے احتجاج ظاہر کرنے کے لیے تخریج کی ہے، کیونکہ اسکی اور حدیث ماسبق کی اسناد اور متن مین فرق ہے، اس فرق سے ظاہر ہے کہ حاکم نے اس کو استشہاداً بیان کیا،

پہلی حدیث کو حاکم نے احمد بن جعفر القطیعی عن عبداللہ بن احمد بن حنبل عن ابیہ سے روایت کیا ہے، دوسری کو ابو علی الحسین بن علی الحافظ عن ابراہیم بن یوسف بن موسی سے روایت کیا ہے، پہلی حدیث مین "فسألوہ کم کنتم قال ثمانمائۃ او تسع مائۃ" ہے، دوسری حدیث مین "فقلنا لزید کم کنتم یومئذ قال ما بین الست مائۃ الی التسع مائۃ" ہے، حاکم کا یہ اصول نہ معلوم ناقد نے کہان سے اخذ کیا، کہ طلحہ سے بخاری کا احتجاج

ظاہر کرنے کے لیے اس حدیث کی تخریج کی ہے، بعینہ اسی طریقہ سے جلد اوّل صفحہ ۴۸ مین حاکم نے ابوصخر کی حدیث کے بعد " فقد احتج مسلم بابی صخر حمید بن زیاد و لم یخرجاہ " لکھا ہے، اس کے بعد ایک دوسری حدیث ہے جس سے ابوصخر سے کوئی تعلق نہین ہے، ناقد کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق حمید بن زیاد کے نام سے حاکم کو مسلم کا احتجاج ظاہر کرنے کے لیے ایک حدیث لانی ضرورتھی،

ناقد صاحب فرماتے ہین:۔

(۱۸) " ص ۴۲۲ کے متعلق خود حدیث ماسبق بتارہی ہے کہ اس موقعہ سے " عن ابی ثعلبۃ الخشنی" چھوٹ گیا ہے اور کچھ حصہ متن چھوٹ گیا ہے "،

ناقد صاحب کا مقصود یہ ہے کہ ماسبق احادیث سے یہ بیاض پر کردیجائے، حالانکہ متقدم احادیث کے متن مین خود اختلاف ہے، کس حدیث سے بیاض پر کیجائے،

ایک جگہ پر فرماتے ہین:۔

(۱۹) " حدیث ابو الشیبانی کے نام سے شروع ہوتی ہے حاکم کے شیوخ دو ہین " حالانکہ حاکم کے شیوخ مین تین شیبانی کہے ہین، دو تو وہ جن کا خود ناقد نے ذکر کیا ہے، بقیہ یہ ہین:

(۱) ابو حامد احمد بن محمد بن الحسین الشیبانی	مستدرک ۳۲ ، جلد ۱
(۲) ابو عبد اللہ محمد بن یعقوب الشیبانی	، ۲۴۱ ،،
(۳) ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن زکریا الشیبانی	تذکرہ جلد ۳ صفحہ ۲

(۲۰) بیاض معلم کے ذیل مین تحریر فرماتے ہین:۔

" صفحہ ۴۲ جلد اول کی بیاض مین یقیناً کوئی ایسی عبارت ہونی چاہیے کہ جس سے ولید بن کثیر کی برات ہو کیونکہ حاکم نے ولید بن کثیر کی حدیث کو شرط شیخین پر قرار دیا ہے، حالانکہ ان کو علم ہے کہ بعض ثقات نے ابواسامہ عن ولید کے بعد محمد بن جعفر بن الزبیر کا نام لیا ہے اور بعض نے محمد بن عباد بن جعفر کا نام لیا ہے،

حاکم کو اس کا بھی خیال ہے کہ شیخین نے اسی اختلاف کے باعث اس حدیث کی تخریج نہ کی چنانچہ فرماتے ہین:۔

"واظنهما لم يخرجاه لخلاف فيه على ابى اسامه (او) على الوليد بن كثير"

(الف) حاشیہ مین ناقد صاحب نے حرف "او" بڑھانے کی شدید ضرورت ظاہر کی ہے، حالانکہ اسی حرف "او" کے بڑھانے سے ناقد صاحب کو خود مغالطہ ہوگیا۔ ورنہ وہ ڈیڑھ صفحہ کا اعتراض نہ تحریر فرماتے،

صفحہ ۱۳۲ کی عبارت مستدرک مین اس طرح ہے۔

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد احتجا بجميع رواته ولم يخرجاه واظنهما والله اعلم لم يخرجاه لخلاف فيه على ابى اسامة على الوليد بن كثير

ہر طالب علم جب اس عبارت پر غور کریگا تو وہ علی الولید بن کثیر کو غلط سمجھکر عن الولید بن کثیر پڑھے گا، اور یہ سمجھے گا کہ طباعت کی غلطی سے عن، علی سے بدل گیا ہے۔ ناقد صاحب بھی غور فرماتے تو "او" بڑھانے کے بجائے عن ہی سے تصحیح فرماتے، حرف عن کے صحیح ہونے کے ثبوت مین نصب الرایہ کی ذیل کی عبارت پیش ہے، نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۵۵۔

رواه الحاكم فى مستدركه وقال صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه واظنه لاختلاف فيه على ابى اسامة عن الوليد بن كثير،

(ب) اسی قیاس پر کہ اس جگہ "او" چھوٹ گیا ہے، دوسرا دعویٰ یہ کیا گیا کہ حاکم کا الزام ابو اسامہ اور ولید بن کثیر دونوں پر ہے، حاکم نے ابو اسامہ کی برأت کی اور ولید کی برأت پر سکوت اختیار کیا۔ اسلئے جو بیاض ہے وہ ولید کی برات کے متعلق ہے چنانچہ ناقد صاحب فرماتے ہین:۔

"غالباً وہی حصۂ عبارت بیاض مین ساقط ہوگیا ہے جو ولید کی برأت کرتا تھا، ممکن ہے کہ اس موقعہ پر ذیل کی عبارت ہو یا ایسی ہی کوئی دوسری عبارت ہو"

"كليهما وليس الخلاف من وهم الوليد وخطائه فانه رواه عن كليهما"

آپ نے خود ہی ابو اسامہ اور ولید دونون پر الزام لگایا اور خود ہی ان دونون کی برأت کے طالب ہین،
حاکم نے نہ اس کا دعویٰ کیا اور نہ اسکی دلیل پیش کی، اور حاکم ایسا دعویٰ کیون کرتا جب کہ تمام محدثین نے متفقہ طور پر یہ الزام ابو اسامہ ہی پر عائد کیا، ابو داؤد، دارقطنی، بیہقی، سبھون نے ابو اسامہ ہی پر یہ الزام رکھا ہے کہ انھون نے کبھی محمد بن جعفر بن الزبیر کہا اور کبھی محمد بن عباد بن جعفر سے روایت کی، یہ الزام ولید بن کثیر پر کسی نے عائد نہین کیا،

اس موقعہ پر نصب الرایہ مین یہ عبارت ہے:۔

واختلف علی ابی اسامۃ فروی عنہ عن الولید بن کثیر عن محمد بن عباد بن جعفر وقال مرۃ عن محمد بن جعفر بن الزبیر،

(ج) اب رہا بیاض کا مسئلہ تو بیاض کے قبل اور مابعد عبارت یہ ہے:۔

فقد احتج الشیخان جمیعا بالولید بن کثیر و محمد بن عباد بن جعفر۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وانما قرنہ ابو اسامۃ الی محمد بن جعفر ثم حدث بہ مرۃ عن ھذا ومرۃ عن ذالک،

اب اس عبارت سے تھوڑی دیر کے لیے بیاض کا خیال ہٹا دیا جائے تو یہ عبارت معنی کے لحاظ سے زیادہ غلط نہین معلوم ہوتی، اس بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس جگہ پر دو چار لفظ کم کے چھوٹ گئے ہین جنکے نہ ہونے سے مطلب خبط نہین ہوتا،

اس طرح اگر ذاتی قیاسات پر بیاض پر کیجائین تو یہ کس قدر غیر ذمہ دارانہ عمل ہوگا،

ناقد صاحب فرماتے ہین:۔

(۲۱) "صفحہ ۱۳۷ مین جو بیاض ہے اس مین ذیل یا اسکی مرادف عبارت ہونی چاہیئے،

" وقد تابع ھشیما فی روایتہ عن عروۃ بن الزبیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ و

عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری،

مندرجۂ بالا عبارت کے قرین قیاس ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حدیث من مس ذکرہ فلیتوضأ کو حاکم نے شرط صحیحین پر قرار دیا ہے، اور یہ دعوی ذیل کی پانچ باتون کے ثبوت پر منحصر ہے،

(۱) ہشام کا عروہ سے اس حدیث کو روایت کرنا مختلف طرق سے ثابت ہو (۲) ہشام عروہ سے اس حدیث کی روایت مین منفرد نہ ہون (۳) عروہ کا بسرہ سے سماع ثابت ہو (۴) بسرہ ایک معروف صحابیہ ہین اسلیے عروہ کا تفرد علت موجبہ نہین ہوسکتا، (۵) بسرہ کے علاوہ اور صحابہ سے بھی یہ حدیث مروی ہو،

حاکم نے مستدرک مین یہ پانچون باتین ثابت کی ہین، نمبر ۲ کے علاوہ بقیہ چار باتون کا ثبوت مستدرک مین بوضاحت موجود ہے مگر نمبر ۲ کے موقعہ پر بیاض ہے"

اس جگہ پر ناقد صاحب نے ایک بیاض پر کرنے کے لیے عبارت پیش کی ہے، اسکی دلیل مین امام حاکم کی طرف پانچ دعوون کو منسوب کیا ہے، اس مقام پر عروہ کا بسرہ سے سماع ثابت کرتے ہوئے حاکم نے صرف یہ لکھا ہے،

فدلنا ذلك على صحة الحديث وثبوته على شرط الشيخين وثبت سماع عروة عن بسرة

اس عبارت سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ ثبوت شرط شیخین کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ عروہ کا بسرہ سے سماع ثابت کر دیا جائے، ناقد کے بقیہ چار دعوون کے متعلق اس کتاب مین کوئی اشارہ نہین ہے، اس کی توثیق نصب الرایہ اور تلخیص الحبیر کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔

نصب الرایہ جلد اول صفحہ ۳۱

قال البيهقي وانما لم يخرجاه في الصحيح حديث بسرة بنت صفوان لاختلاف وقع في سماع عروة من بسرة او هو عن عروة عن مروان عن بسرة ولكنهما احتجا بسائر رواته،

تلخیص الجبیر صفحہ ۴۴ مین ہے:-

وصححه الترمذی ونقل عن البخاری انه اصح شیئ فی هذا الباب،

اس کے بعد یہ لکھا ہے،

واحتج البخاری بمروان بن الحکم فی عدة احادیث فهو علی شرط البخاری

علی کل حال،

یہ دونون عبارتین یہ بتا رہی ہین کہ شیخین نے صرف سماعِ عروہ عن بسرہ کے اختلاف کی وجہ سے اس حدیث کی تخریج نہین کی ہے، بقیہ دعوون کے متعلق ناقد صاحب نے کیا ثبوت پیش کیا؟

دعویٰ نمبر۴ ... " بسرہ ایک معروف صحابیہ ہین اسلئے عروہ کا تفرد علت موہنہ نہین ہوسکتا "

بالکل غلط ہے، آگے چلکر حاکم نے عروہ کا بسرہ سے غیر منفرد ہونا ثابت کیا ہے، اس مقام پر عبارت یہ ہے

وقد روی هذا الحدیث عن جماعة من الصحابة والتابعین عن بسرة منهم

عبد الله بن عمر بن الخطاب وعبد الله بن عمرو بن العاص، الخ

اس عبارت کے ہوتے ہوئے ناقد صاحب کا یہ تحریر فرمانا " عروہ کا تفرد علت موہنہ نہین ہوسکتا " کس قدر صحیح ہے، حاکم عروہ کا تفرد باطل کرتا ہے اور ناقد صاحب اس کا منفرد ہونا علت موہنہ نہین بتاتے، یہ دعاوی حاکم کے نہین بلکہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ دعاوی ناقد صاحب نے مستدرک کے طرز بیان سے مستنبط کئے ہین، اصل واقعہ یہ ہے، کہ حاکم نے حدیث کے ہر پہلو پر بحث کی ہے، اور جس پر کوئی اعتراض وارد ہوسکتا تھا ان سب کو دفع کیا لیکن ان کا شرطِ شیخین سے کوئی تعلق نہین ہے۔

اس بیاض کو پر کرنے کے بعد ناقد صاحب فرماتے ہین:-

" چونکہ حاشیہ پر بتایا گیا ہے کہ ۱/۲ سطر کی بیاض ہے، اسلیے ہم نے بھی چند نامون کی جگہین چھوڑ دی ہین "

پس جس سبب کی بنا پر ناقد صاحب نے نام چھوڑ دیے ہین، اسی سبب سے شیخین نے بھی بیاض کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا ہے، آپنے حزم کے لفظ سے ان کا پورا نام قیاس سے بڑھا دیا، انھون نے کتاب کو علی اصلہ رہنے دیا،

(۲۲) اس کے بعد لکھتے ہین:۔

"ص ۴۶، مین جو بیاض ہے عبارت مابعد کے قیاس پر اور شیخین کی طرف رجوع کرکے بتایا جاسکتا تھا، بیاض کے بعد حسب ذیل عبارت ہے،

عن ابی ھریرۃ فی ھذا الباب ولم یخرجا لفظ الفرض

یہ عبارت صاف بول رہی ہے کہ شیخین پر حاکم کا جو کچھ اعتراض ہے وہ لفظ فرض کی تخریج نہ کرنے پر، ورنہ وہ جانتے ہین کہ انھون نے اس مفہوم کی حدیث ضرور تخریج کی ہے، اور ابوہریرہ ہی کے واسطے سے کی ہے، اس بنا پر یقیناً یہان کوئی ایسی عبارت ہوگی جس کا مطلب یہ ہوگا کہ شیخین نے اس حدیث کی تخریج کی جب ہم صحیح مسلم اٹھا کر دیکھتے ہین تو انھون نے اس حدیث کی تخریج سفیان عن ابی الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرہ سے کی ہے، اور امام بخاری نے کتاب الطہارۃ مین اس مفہوم کی کوئی حدیث درج نہین کی ہے، البتہ کتاب الصوم باب السواک مین تعلیقاً حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت درج ہے، اس بنا پر قیاس ہوتا ہے کہ اس بیاض مین حسب ذیل عبارت ہو:۔

"اخرجہ البخاری تعلیقاً وقد احتج مسلم بحدیث ابی الزناد عن الاعرج"

ناقد صاحب کا یہ دعویٰ صحیح نہین ہے کہ بخاری نے اس حدیث کو روایۃً نہین لیا ہے، صرف تعلیقاً لیا ہے، حالانکہ کتاب الصلاۃ مین پوری سند کے ساتھ یہ موجود ہے، (بخاری جلد اول ص ۱۲۲ باب السواک یوم الجمعہ)

اب اگر ناقد صاحب کے مشورہ کی تعمیل مین تعلیقاً لکھدیا جائے تو اس غلطی کا ذمہ دار کون ہوگا؟

تعلیقاً کو چھوڑ کر آپ نے جو لکھا ہے وہ صحیح ہے، اور بیاض مین صرف وقد اخرجا دہ اگر لکھدیا جاسکتا تو مناسب تھا،

(۲۳) مقدمۂ مستدرک کے متعلق صرف یہ عرض ہے کہ اگر کسی نسخہ مین یہ مقدمہ موجود ہو تو مطلع فرمائیے تاکہ وہ شایع کر دیا جائے، ناقد نے کتاب المدخل کے مقدمہ نہ ہونے کی کوئی دلیل نہین پیش کی حالانکہ خطبۂ کتاب مین حاکم نے یہ لکھا ہے:-

وقد جمعت الذب عنهما فی المدخل الی الصحیح

امام نووی نے بھی مدخل سے عبارتین اپنے مقدمہ مین نقل کی ہین جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مین شرائط شیخین کی مفصل بحث ہے، ہم مدخل کے قلمی نسخہ کا پتہ چلا کر اس کے متعلق تفصیل سے لکھین گے کہ آیا یہ مقدمۂ مستدرک ہے یا نہین،

اس طویل مضمون سے ناظرین کو یہ دھوکا نہ ہونا چاہیئے کہ ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہین کہ مطبوعہ مستدرک مین کوئی غلطی نہین ہے اور وہ بالکل صحیح طبع ہوئی، حاشا و کلاہم اس قسم کے غلط دعوے کے مدعی نہین ہو سکتے، ہم نے مستدرک کے خاتمہ مین اپنی فروگذاشتون کی معذرت خود رب العزت سے طلب کی ہے اور مغفرت کی دعا کی ہے، جو کتابین کافی اہتمام اور انتظام سے طبع ہوتی ہین ان مین ہر قسم کی غلطیان رہجاتی ہین تو پھر مستدرک پر کیا موقوف ہے،

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، چھپنے سے پہلے اس کے نصف آرڈر آچکے ہین یہ اس لائق ہین، کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیتہً تقسیم کئے جائین، ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

امرائے اسلام کے حالاتِ حج

از

"طالب العلم مقیم مکہ"

(۳)

شاہ مصر سلطان قایتبائی

مصر کے ملوک چراکسہ مین سلطان قایتبائی سب سے زیادہ ممتاز اور اہل خیر بادشاہ ہوا ہے حرمین شریفین مین اسکی متعدد یادگارین ہین، ۸۸۴ھ مین یہ حج کو آیا، امیر مکہ نے ایک شخص کو سامان ضیافت ساتھ کر کے استقبال کے لیے بھیجا تھا کہ جہان بھی سلطان سے ملاقات ہو وہین دعوت کیجائے، چنانچہ مقام حوراء مین یہ سماط (عربی دسترخوان) لگایا گیا جس مین انواع و اقسام کی مٹھائیان تھین جنکو دیکھ کر سلطان بہت خوش ہوا، خود بھی نوشجان کین اور اپنے امراء و اعیان اور فوج کو بھی تقسیم کین، ینبع پہنچکر سلطان کا ارادہ ہوا کہ پہلے زیارتِ مدینہ منورہ سے مشرف ہوجائے، اسلیے وہان سے مدینہ منورہ روانہ ہوگیا، امیرِ مکہ و قاضی جدہ و اعیانِ حجاز استقبال کے لیے آرہے تھے ان کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ مقام بدر مین جاکر ٹھہر گئے کہ واپسی مین ملاقات کرینگے، سلطان قایتبائی ۲۲ ذیقعدہ (بروز جمعہ) کو مدینہ شریف پہنچا، وہان کے علماء و فقراء و صلحاء کو چھ ہزار اشرفیان تقسیم کین، حاجیون سے اور تاجرون سے جو ٹیکس مدینہ کے امراء لیا کرتے تھے وہ موقوف کرائے اور ان کے بدلے امیر المدینہ کے لیے ایک ہزار اردب گندم سالانہ مقرر کئے، بعض دیگر بدعات و منکرات کا بھی ازالہ کیا، تیسرے روز مکہ روانہ ہوا، امیر مکہ وغیرہ نے بدر سے آگے بڑھ کر استقبال کیا، سلطان بہت مہربانی سے پیش آیا اور ان لوگون کا بہت شکریہ ادا کیا، اور گران بہا خلعت عنایت کئے، اس کے بعد امیرِ مکہ وغیرہ اجازت لیکر سلطان سے پہلے مکہ روانہ ہوگئے،

اور وادی فاطمہ مین دعوت شاہانہ کا انتظام کیا غرۃ ذی الحجہ کو سلطان بھی وادی فاطمہ پہنچگیا اور دعوت کھائی، سپاہیون کو بھی حلاویات (مٹھائیان) تقسیم ہوئین، سلطان نے دعوت کے منتظمین کو بہت خلعت عنایت کئے،

مکہ پہنچکر سلطان نے طواف وسعی سے فارغ ہونے کے بعد پہلے روز تو مقام شہدا مین قیام کیا، دوسرے روز اپنے مدرسہ حرم (متصلہ باب النبیؐ) مین آکر قیام پذیر ہو گئے، اشراف واعیان وعلما و تجار وغیرہ سب سلام وملاقات کے لیے آئے، سلطان نے سب کو انعامات عطا کئے، سلطان جب تک مکہ مین رہے شریف مکہ کے مہمان رہے، ایک دفعہ قاضی مکہ نے بھی دعوت کی تھی، سلطان نے اپنے مدرسہ کے مدرسین وطلبہ کے وظائف مقرر کیے، حرم شریف کے ملازمون اور خلوت ہائے حرم کے مجاورون کے لیے کافی مقدار کا سالانہ تیل وغلہ وزر نقد مقرر کیا، اور اس کا وقف نامہ لکھوایا، اس کے علاوہ فقرائے مکہ کو بہت صدقات تقسیم کئے، راتون کو نکلکر خفیہ خیرات بہت کی، فجزاہ اللہ خیرا، ۱۴ ذی الحجہ کو مکہ سے مصر روانہ ہو گیا، امیر مکہ وقاضی واعیان شہر مقام شہدا تک ساتھ گئے، آگے کا بھی ارادہ تھا، مگر سلطان نے شکریہ ادا کرکے سب کو باصرار رخصت کر دیا۔ (اعلام)

شاہ ایران ۹۰۶ھ مین ایک ایرانی بادشاہ حج کو آیا، شریف سعد (امیر مکہ) نے جدہ تک اپنے لوگون کو استقبال کے لیے بھیجا، قاضی مکہ نے ایک منزل سے استقبال کیا، اور حرم شریف تک ساتھ گئے، امیر مکہ نے تحائف پیش کئے اور اپنے گھر مین مہمان رکھا، بادشاہ نے بھی شریف صاحب کو بے شمار زر ونقرہ ومال واسباب عنایت کیا (تاج تواریخ البشر)

والی رامپور نواب سید غلام محمد خان یہ انگریزون کے ہاتھ مین قید ہو گئے تھے اور بنارس مین نظر بند تھے۔ چند سال کے بعد حج کا عزم کیا، انگریزون نے اس شرط پر اجازت دی کہ رامپور نہ جائین، نواب صاحب نے اپنے اہل وعیال کو بنارس ہی مین چھوڑا اور خود ۱۶ شعبان ۱۲۰۹ھ کو روانہ کلکتہ

ہوگئے، وہان سے جہاز مین بیٹھکر حج کو گئے، حج سے فارغ ہوکر دکن، سے نگر، ملتان، کوہاٹ، پشاور ہوتے ہوئے ماہ رجب ۱۲۲۱ھ مین کابل پہنچے، وہان ان کی بہت عزت و مہمان نوازی ہوئی، ایک عرصہ تک وہان رہے پھر ہندوستان آگئے (اخبار الصنادید تاریخ رامپور)

امیر نجد سعود بن عبدالعزیز ۱۲۲۱ھ مین امیر نجد امام سعود بن عبدالعزیز نے حج کیا، اس وقت حجاز پر انھین کا قبضہ تھا، شریف غالب، ان کی طرف سے امیر مکہ تھے، شریف موصوف نے ان کا شاندار استقبال کیا اور اپنے ایک عمدہ باغ و محل مین اتارا جس کو آج کل بیاضیہ کہا جاتا ہے، امیر سعود نے مکہ کے غربا و مساکین کو بہت کچھ صدقات و عطیہ جات تقسیم کئے، کعبہ شریف پر عمدہ گیلان کا اونی غلاف چڑھایا، دروازۂ کعبہ پر ریشمی پردہ آویزان کیا جس مین چاندی کا کام بنا ہوا تھا، مکہ مین ۱۰ دن مقیم رہے، پھر نجد چلے گئے، (عنوان المجد فی تاریخ نجد) اس سال خطبۂ عرفات ایک نجدی عالم نے پڑھا تھا اور خالی اونٹون پر سب نے حج کیا تھا، تعدد وغیرہ موقوف و ممنوع کر دیئے گئے تھے (مرآۃ مکہ)

۱۲۲۳ھ مین پھر دوبارہ حج کیا، شریف غالب نے حسب سابق میزبانی کی، امیر سعود نے شریف غالب کو بہت سے تحفے عنایت کئے، شریف صاحب نے بھی تبرکات و ہدایا پیش کئے، امیر سعود نے اس سال بھی کعبہ شریف پر اونی پردہ چڑھایا اور مکہ مین بہت خیر خیرات کی، بازارون مین کچھ آدمی مقرر کئے کہ جب نماز کا وقت ہو تو الصلوٰۃ، الصلوٰۃ، پکار کر لوگون کو مسجد بھیجا کرین، ان کے زمانہ مین امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا بھی رواج عام ہوگیا،

۱۲۲۵ھ مین تیسرا اور ۱۲۲۶ھ مین چوتھا حج کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ انکی اور مصریونکی لڑائیان ہو رہی تھین، اور طوسون پاشا ابن محمد علی پاشا خدیو مصر کی فوج شکست کھا کر بھاگ چکی تھی، امیر سعود کے ساتھ نجد و اطراف نجد و تہامہ و یمن کے بیشمار حاجی آئے تھے، مکہ مین اہل نجد نے نہایت آزادی کیساتھ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فرض ادا کیا، بازارون مین محتسب مقرر تھے جسکو خلاف شرع کچھ کام

کرتے دیکھتے اس کو سزا دیتے تھے، امیر سعود نے اس سال بھی کسوۂ کعبہ چڑھایا اور خیر خیرات بھی بہت کی اور شریف غالب امیر مکہ کو عطایائے جزیلہ عنایت کئے، شریف صاحب نے بھی ہدایا و تبرکات پیش کئے، امیر سعود آخر ذی الحجہ تک مکہ مین رہے، اس عرصہ مین مدینہ منورہ کی طرف مصری فوج کے مقابلہ کے لیے لشکر روانہ کرکے خود نجد چلے گئے (عنوان المجد)

خدیو مصر محمد علی پاشا

جب مصری فوج نے نجدیون کو شکست دیکر حجاز سے نکال دیا تو حجاز کے انتظام کے لیے خود خدیو مصر محمد علی پاشا مکہ آئے اور ۱۲۲۸ھ کے حج مین شریک ہوئے امیر مکہ نے شریف غالب کو قید کرکے مصر بھیجدیا اور ان کے بدلہ شریف یحیی بن سرور کو امیر مکہ مقرر کر گئے اور اپنا بھی ایک گورنر مع فوج کے چھوڑتے گئے، ان کی واپسی مصر کے بعد پھر نجدیون نے حجاز پر حملہ کیا، اور مصری فوجون کو پے درپے شکستین دین، لہذا پھر محمد علی پاشا خود آئے اور ۱۲۲۹ھ کا بھی حج کیا اور اس کے بعد خوب زور شور کی لڑائیان ہوئین اور آخر کار مصریون کو فتح ہوئی (خلاصۃ الکلام)

والیۂ بھوپال نواب سکندر جہان بیگم

۱۲۸۰ھ مین والیۂ ریاست بھوپال نواب سکندر جہان بیگم حج کو آئین، ان کی والدہ ماجدہ نواب قدسیہ بیگم بھی ان کے ساتھ تھین اور مدار المہام محمد جمال الدین خان بہادر اور تقریباً ایک ہزار ملازمین بھی ہمرکاب تھے، بھوپال سے ۲۲ رجمادی الاول کو روانہ ہوکر ۲ ررجب کو بمبئی پہنچین اور اسی روز اگبوٹ مین سوار ہوگئین، ملازمین وغیرہ کے لیے ۔۔ دو باقی جہاز کرایہ پر لیے تھے ۱۴ رشعبان کو جدہ پہنچین، امیر مکہ شریف عبد اللہ اور والی حجاز عزت پاشا کو جب ان کی آمد معلوم ہوئی تو شریف صاحب نے اپنے بھائی کو اور والی نے اپنے فرزند کو استقبال کے لیے جدہ بھیجا ہر ایک کے ساتھ سو سو سوار تھے، خود امیر مکہ بھی شہر کے باہر استقبال کے لیے نکلے، بیگم صاحبہ موصوفہ ۱ رشعبان کو مکہ مکرمہ پہنچین اور تین روز تک شریف صاحب کے خاص مکان مین مہمان رہین، اس کے بعد دوسرا مکان کرایہ پر لے لیا، بیگم صاحبہ نے شریف صاحب کو پارچہ جات خلعت وغیرہ ہدایا پیش کئے،

خدام و مساکین کو بھی زر نقد اور کپڑے تقسیم کیا، ان کی والدہ قدسیہ بیگم صاحبہ نے بھی مکہ مین بہت داد و دہش اور فیاضی کی جسکی وجہ سے ان کو جائے قیام سے حرم شریف تک جانا بھی دشوار ہوتا تھا، اونکا ارادہ تھا کہ نہر زبیدہ کی از سر نو درستگی کرائین مگر کسی وجہ سے یہ ارادہ پورا نہ ہوا۔

حج کے بعد ۱۴ ذی الحجہ کو جدہ روانہ ہوگئین، اور وہان سے ہندوستان، مدینہ منورہ نہ جا سکین کہ راستہ پر امن نہ تھا، زیارتِ نبوی سے محرومی کا قلق قدسیہ بیگم صاحبہ کو آخر عمر تک رہا، اس سفر مبارک مین دونون بیگمون کا کل خرچ تقریباً ۴ لاکھ روپیہ ہوا (تاریخ الحضراوی دبیگمات بھوپال)

والیِ رامپور نواب کلب علی خان ۱۲۸۹ھ مین نواب کلب علی خان والی رامپور حج کو گئے، تھوڑی سی فوج بھی ہمراہ تھی، ۲۳ رمضان کو رامپور سے روانہ ہوئے، ۲۷ کو بمبئی پہنچے، ڈہاکہ نامی آگبوٹ مین جو آمد و رفت کے واسطے ۱۱۰۰۰ روپیہ مین کرایہ پر لیا تھا سوار ہوئے، اواخر شوال مین مکہ مکرمہ پہنچے، بڑی دھوم دھام کا استقبال ہوا، قلعہ سے ۱۹ توپین سلامی کی سر ہوئین، امیر مکہ و اعیان شہر و ارکان حکومت استقبال کے لیے باہر نکلے، نواب صاحب پالکی مین سوار تھے، ۲۷ شوال کو زیارتِ روضۂ پاک کے لیے پالکی مین مدینہ روانہ ہوئے، ۱۳ ذیقعدہ کو مدینہ شریف پہنچے اور سید حسین ہاشم رئیس کتاب المحکمۃ الشرعیہ کے گھر مین اترے اور ان کے مہمان رہے، روانگی کے وقت نواب صاحب نے اپنے میزبان کو تین ہزار روپیہ مرحمت فرمائے، شیخ الحرم خالد پاشا کو دو ہزار روپیہ عنایت کئے، پاشائے موصوف نے بھی ایک بیش بہا ہیرے کی ڈبیہ مع دیگر ہدیہ جات کے نواب صاحب کی خدمت مین پیش کی، نواب صاحب نے اہل مدینہ پر تقسیم کے لئے ڈیڑھ ہزار گنی مرحمت کی اور یہ فرمایا کہ خدام حرم نبوی کو بقدر تنخواہ ایک ماہ اور باقی لوگون کو حسب حیثیت دیا جائے نیز خاندان مجددیہ کے مہاجرین کو فی نفر ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا،

نواب صاحب نے ایک نثر فارسی مشتمل بر مناجات و نعت قندیلِ حرم کے نام سے لکھی تھی،

جب روضۂ مبارک کی اندرونی زیارت سے مشرف ہوئے تو اُسے کتب خانۂ خاص کیلئے پیش کش کیا

۱۲ر ذیقعدہ کو مدینہ شریف سے مکہ معظمہ کو براہ ینبع روانہ ہوئے، راستہ مین جو بدو انعام لینے آئے

ان کو انعام عطا ہوا، البتہ جن اونٹ والون نے تکلیف دی تھی ان کو کچھ نہ دیا،

ینبع سے اپنے جہاز مین سوار ہوکر جدہ آئے اور جدہ سے روانہ ہوکر یکم ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے

اور حج کیا، اس سال جمعہ کا حج ہوا تھا جسکو عوام حج اکبری کہتے ہین، نواب صاحب نے حرمین شریفین مین

بہت خیرات کی اور بڑی فیاضی سے کام لیا، شریف صاحب سے لیکر ایک مفلس تک کوئی آپ کے فیض سے

محروم نہ رہا، شریف صاحب کو دو ہزار اشرفیان مرحمت کین، حرمین شریفین مین ساٹھ ہزار چارسو

بارہ روپیہ اور پانچہزار ایک سو نچاس اشرفی اور چارسو چودہ ریال خیرات و انعامات مین صرف ہوئے

مناسک حج سے فارغ ہوکر ۱۶ر ذی الحجہ کو مکہ سے روانگی ہوئی،

۲ر محرم ۱۲۹۱ھ کو رامپور پہنچ گئے، اس سفر مبارک کا کل خرچ (۶۲۹۶۷۰ روپیہ اور

۳۰۰۷ گنی اور ۲۰۰۰ ریال) ہوا، (تاریخ الحزاوی واخبار الصنادید)

حاکم بحرین | ۱۲۹۶ھ مین شیخ عیسیٰ بن علی آل خلیفہ حاکم بحرین نے حج کیا، حج کے بعد زیارت نبویؐ کا

بھی ارادہ تھا مگر ملکی ضرورتون کی وجہ سے یہ شرف نصیب نہ ہوسکا اور بحرین واپس چلے گئے، (التحفۃ

النبھانیہ)

سلطان المکلہ والشحر | ۱۳۱۳ھ مین عوض بن عمر القعیطی (سلطان المکلہ والشحر) حج کو آئے، مکہ سے مدینہ

مصری محمل کے ساتھ گئے، راستہ مین جو غربا ومساکین ملے ان کو سواری عنایت کی، مصری محمل کے امیر

وغیرہ کو ہدیہ جات دیئے، شریف مکہ اور والی مکہ کو بھی بہت کچھ زر نقد وہدایا مرحمت کئے،[1]

شیخ دارین | ۱۳۲۰ھ مین امیر و شیخ دارین (نجد کا ایک بندر ہے) محمد پاشا عبدالوہاب نے حج کیا،

---

[1] مرآۃ الحرمین عربی

علما و خدام حرم کو ڈیڑھ ہزار اشرفیان تقسیم کین، عام فقرا و سائلین کو بھی صدقات و خیرات سے نہال کر دیا،
(مجلۃ المنار)

سلطانِ زنجبار | اسی سال (۱۳۲۲ھ) سلطانِ زنجبار بھی حج کو آئے تھے، حرم شریف کے خدام کو چھ سو ریال برم عطا کئے (مجلۃ المنار)

رئیسۂ عالیۂ بھوپال نواب سلطان جہان بیگم | ۱۳۲۱ھ مین والیۂ ریاست بھوپال نواب سلطان جہان بیگم صاحبہ نے حج کیا، دونون صاحبزادگان نواب عبید اللہ خان مرحوم و نواب حمید اللہ خان (والیِ حال) بھی ہمراہ تھے، ماہ شعبان مین جدہ پہنچین اور وہین سے براہ ینبع مدینہ شریف روانہ ہوئین، ینبع مین سلطانی فوج نے استقبال کیا، توپ خانہ سے شلک سلامی سر ہوئی،

ینبع مین ایک ہفتہ آرام کے بعد مدینہ منورہ کو عثمانی گارڈ اور توپ خانہ کی حفاظت مین قافلہ کے ساتھ روانہ ہوئین، بیگم صاحبہ کی شہرت تمام قبائل مین گونج گئی تھی اور وہ انعام وصول کرنے کی غرض سے وروِ قافلہ کے منتظر تھے، متعدد مقامات پر انھون نے مزاحمتین کین اور رقومات طلب کین مگر بیگم صاحبہ نے کسی کو ایک حبّہ نہ دیا، سلطانی فوج کو بعض جگہ بدوون کا مقابلہ کرنا پڑا، بالآخر یہ قافلہ بخیریت مدینہ پہنچگیا، مدینہ مین بھی حکومت عثمانیہ کی طرف سے شاندار استقبال کیا گیا، تمام ارکانِ حکومت و اعیانِ شہر اور سلطانی فوج کا استقبالی دستہ اور بینڈ منتظر ردو تھا، سلامی کی شلک اور نغمۂ خیر مقدم نے وروِ قافلہ کی خبر دی، تمام لوگ استقبال کیلئے بڑھے، بیگم صاحبہ موصوفہ نے ایک خیمہ مین (جو آپ کے آرام فرمانے کے لیے حکومت کی طرف سے نصب کیا گیا تھا) اعیانِ حکومت و شرفاءِ مدینہ سے ملاقات کی اور ایک تقریر فرمائی جس مین زیارتِ مدینہ کی شرفیابی پر شکر الٰہی ادا کیا، پھر سلطان المعظم کی عنایات عثمانی فوج کی خدمات اور اہل حجاز کے محبت آمیز جذبات کا شکریہ ادا کیا،

مدینہ منورہ مین ڈھائی ماہ قیام کیا، پھر مکہ مکرمہ کو روانہ ہوئین، محافظ ترکی فوج کے علاوہ شامی محمل

بھی ساتھ تھا جبکی دھاک بدوؤن پر بیٹھی ہوئی تھی، تیسری اور چوتھی منزل پر بدوؤن نے سخت مزاحمت کی، آخر کار سلطانی فوج نے مقابلہ کرکے ان کو پسپا کردیا، اس کے بعد کوئی خطرہ پیش نہ آیا اور ۲ ذی الحجہ کو بخیریت مکہ معظمہ پہنچگئین، امیر مکہ (شریف عون) اور والی حجاز نے فوجی جمعیت کے ساتھ بیرون شہر سے استقبال کیا، داخلۂ شہر کے وقت توپ خانہ سے باضابطہ شاہی سلامی سر ہوئی، بیگم صاحبہ کو شریف صاحب نے اپنے ایک مقرب شخص کے مکان مین (جس مین امسال ہندوستان کے وفد خلافت اور وفد جمعیۃ العلما ٹھہرائے گئے تھے) اتارا، سلطانی مہمانی ہوئی، حج کے بعد شریف صاحب نے بیگم صاحبہ سے مکان کا کرایہ ایک ہزار پونڈ طلب کیا، والی حجاز (احمد راتب پاشا) کو یہ خبر لگی تو بہت خفا ہوا، اور شریف صاحب سے کہا کہ کیا تمکو معلوم نہین کہ یہ سلطانی مہمان ہین اور سلطان صاحب کا حکم ہے کہ ان کی خاطرخواہ خاطرداری کیجائے، شریف صاحب نے جواب دیا کہ مکان پرایا ہے میرا نہین ہے، ان سے کرایہ لینا مناسب ہے تو تم ادا کرو، چنانچہ والی حجاز نے خزینۂ سلطانیہ سے ایک ہزار پونڈ شریف صاحب کو دیدیئے،

بیگم صاحبہ نے غربا و مساکین کو ان کی امیدون سے بہت کم عنایت فرمایا، البتہ شیبی صاحب (کلید بردار کعبہ) کو پانچہزار روپیہ (بطور انعام زیارت کعبہ) مرحمت فرمائے،

مکہ مین ۱۲ ذی الحجہ تک رہین پھر آگبوٹ اکبر مین روانۂ ہندوستان ہوگئین (بیگمات بھوپال وتاریخ حضرادی وغیرہ)

والی ریاست بہاولپور ۱۳۲۴؁ھ مین والی بہاولپور (نواب بہاول خان خامس) نے حج ادا کیا، کئی سو آدمی ہمراہ تھے، آمدورفت کے لیے ایک خاص آگبوٹ کرایہ کرلیا تھا، مکہ مین نواب صاحب نے خیر خیرات بہت کی، اور اعیان و اکابر کو عطیہ جات بھی خاصے عنایت کئے، چنانچہ والی حجاز کو چھ ہزار روپیہ نقد اور چھ ہزار کا خلعت مرحمت کیا تھا خلعت تو اونھون نے قبول کرلیا مگر نقدی واپس

کردی، شریف صاحب کو بھی چھ ہزار روپیہ نقد اور اسی قدر کا خلعت فاخرہ ملا، کیا تھا انھوں نے دونون چیزین قبول کرلین، شیخ زایغ کو بھی چھ ہزار روپیہ کا انعام دیا تھا کہ اس نے مدینہ کے راستہ مین خدمت و نظامت کا کام بہت اچھی طرح انجام دیا تھا، مدینہ منورہ کے سفر مین تین سو ترک سپاہی اور کچھ بدوی فوج حکومت عثمانیہ نے ساتھ کردی تھی، ان کو بھی نواب صاحب نے انعام واکرام سے سرفراز کیا، شیبی صاحب (کلید بردار کعبہ) کو بھی بطور انعام داخلی کعبہ دس ہزار روپیہ مرحمت کئے، حج سے فارغ ہوکر اپنے وطن واپس ہوئے، مگر افسوس کہ راستہ ہی مین آگبوٹ مین انتقال ہوگیا، رحمۃ اللہ علیہ،

نواب نان پارہ | سنہ ۱۲۸۲ھ مین نواب نان پارہ (راجہ محمد صدیق خان) حج کو آئے، ایک کرور روپیہ اور تین صندوق جواہرات کے اور بیشمار سامان ساتھ تھا، بندر اور شکاری کتے بھی ہمراہ تھے، اول تو راجہ صاحب موصوف خود ہی فضول خرچ اور مخبوط الحواس تھے، دوسرے ان کو کارندے اور معلم بھی نہایت بدمعاش ملے تھے، جسکی وجہ سے ان کا سارا روپیہ برباد گیا، بندرون کے علاج مین ہزارہا روپیہ خرچ ہوئے خیرات کے نام سے معلم اور کارندون نے لاکھون روپیہ خرچ کرائے مگر سب ان کی جیب مین گئے، مستحقین کو ایک حبہ بھی نہ ملا،

راجہ صاحب نے اپنے معلم (حسن داؤد) کے ہاتھ شریف صاحب کی خدمت مین پچاس ساٹھ ہزار روپیہ بھجوائے تھے، وہ معلم صاحب نے راستہ ہی مین خورد برد کر ڈالے، جب راجہ صاحب شریف صاحب سے ملنے گئے تو اپنے ہدیہ کا ذکر کیا اور یہ کہا کہ مین اور بھی نذرانہ پیش کرونگا، شریف صاحب اس وقت تو خاموش ہوگئے، مگر حج کے بعد معلم کو قید کردیا اور اس کے گھر کی تلاشی لی، تقریباً بیس ہزار گنیان برآمد ہوئین وہ سب ضبط کرلی گئین، راجہ صاحب نے شریف صاحب کے ہان مسلح غلام اور ہتھیار وغیرہ دیکھکر فرمایا کہ آپ کا مکان بہت محفوظ ہے، لہذا مین اپنا قیمتی اسباب آپ کے پاس امانت رکھوانا چاہتا ہون انھون نے کہا بہت بہتر، چنانچہ راجہ صاحب نے دس صندوق سربند رکھوا دیئے، حج کے بعد راجہ

صاحب کا یکایک انتقال ہوگیا، اور یہ سب صندوق (سر بمہر و سر بند) برطانوی وائس کونسل کو باقاعدہ سپرد کر دیئے گئے، ان کو جب کھولا گیا تو ان مین سے استعمالی کپڑے، ظروفِ مسی وغیرہ معمولی اشیا برآمد ہوئین، مشہور یہ ہے کہ ان صندوقون کو کھولکر قیمتی اشیا، وزرِ نقد نکال کر یہ چیزین بھر دیگئین، اور وہ تمام جواہرات وزیورات وزرِ نقد وغیرہ اتفاق مثلث (شریف علی امیر مکہ، والیٔ حجاز احمد راتب، وائس کونسل برطانیہ ڈاکٹر محمد حسین) مین تقسیم ہوگیا واللہ اعلم بالصواب،

آخری خدیو مصر، ۱۳۲۷ھ مین آخر خدیو مصر عباس حلمی پاشا ثانی، حج کو آئے، انکی والدہ بھی ہمراہ تھین، ۹ ذی القعدہ کو روانہ ہوکر یکم ذی الحجہ کو جدہ پہنچے، جدہ مین امیر مکہ شریف حسین کے دونون صاحبزادون (علی بک و فیصل بک) اور قائم مقام جدہ اور ترکی حکام و اعیانِ شہر نے شاندار استقبال کیا، ۳ کو مکہ پہنچے، والیٔ حجاز، امیر مکہ و دیگر ارکانِ حکومت نے بیرون شہر نکل کر استقبال کیا، خاص دار الامارہ مین اتارا گیا کیونکہ یہ مکان انھین کے جد اعلیٰ (محمد علی پاشا) کا بنوایا ہوا ہے، ۱۴ تک مکہ مین رہے اس کے بعد جدہ اور وہان سے آگبوٹ مین الوجہ گئے، اور الوجہ سے البدائع، اور وہان سے ریل مین سوار ہوکر مدینہ منورہ پہنچے، محافظِ مدینہ اور ارکانِ حکومت و اعیانِ شہر نے شاندار استقبال کیا، خدیو موصوف جب تک مدینہ مین رہے اکثر اوقات نماز باجماعت ادا کرتے رہے اور صبح و شام روضۂ پاک کی قنادیل روشن کرنے اور گل کرنے کی خدمت بجالاتے رہے، چند روز مدینہ شریف مین مقیم رہے، اس کے بعد شام چلے گئے اور وہان سے حیفا، حیفا سے اپنے آگبوٹ مین سوار ہوکر مصر پہنچ گئے،

اگرچہ خدیو موصوف نے حرمین شریفین مین زیادہ خیرات نہین کی اور نہ عطیہ جات و ہدیہ جات دیئے، تاہم بہت سے غریب مسافرون کو خرچ سفر دے کر ان کے وطن پہنچوا دیا اور چند آدمیون کے سالانہ یا ماہانہ وظائف بھی مقرر کر گئے، اور مصری لنگر خانہ اور محمل مصری، اور غلاف کعبہ

ف ۱ ان کے بعد مصر عثمانی قلمرو سے خارج ہوکر انگریزون کے زیر حمایت ہوگیا، اور اس کے برائے نام فرمانروا سلطان کہلانے لگے،

کے مصارف مین اضافہ کی منظوری دیگئی، فجزاہ اللہ خیراً،

حکومت عثمانیہ کی طرف سے ہر جگہ ان کا شاندار استقبال ہوتا تھا اور سلامی کی توپین سر ہوتی تھین اور حفاظت کے لیے ایک دستہ ترکی فوج کا ہمرکاب رہتا تھا، لہذا جدہ سے روانگی کے وقت خدیو موصوف نے سلطان المعظم، صدر اعظم، امیر مکہ، والی حجاز کو شکریہ مہمان نوازی کے تار دیئے، ان کے حج کی یادگار چیز ان کا سفرنامہ ہے جو ان کے کاتب خاص محمد لبیب البتنونی نے لکھا ہے (الرحلۃ الحجازیہ)

لطیفہ | مؤلف ملوک العرب نے شریف حسین (آخر امرائے مکہ) کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ خدیو موصوف کو حجاز کا عسل مصفّٰی اس قدر پسند آیا تھا کہ وہ کلمۂ شہادت کے بعد یہ کہا کرتے تھے کہ

اشہد ان لا عسل فی العالم مثل عسل الحجاز (ملوک العرب)

سلطان المغرب | ۱۳۲۳ھ مین سلطان عبد الحفیظ (ملک المغرب الاقصیٰ) معزول ہونے کے بعد حج کو آئے مکہ مین بہت کم مقیم رہے۔ حج کرتے ہی مدینہ شریف چلے گئے اور وہان سے بیت المقدس وغیرہ ہوتے ہوئے اپنے وطن واپس ہوگئے، مدینہ شریف سے بہت سی نایاب کتابین بہت اچھی قیمتون پر خرید کرتے گئے، اپنی مطبوعہ کتابین علمائے حرمین کو تقسیم کین، مدینہ شریف مین کچھ خیرات بھی کی

امیر کویت | ۱۳۲۷ھ مین امیر کویت بن صباح حج کو آئے تھے، چونکہ خدیو مصر بھی اس سال آئے ہوئے تھے اور امام یمن و امام نجد کے مندوبین بھی آئے تھے اس لیے ترکی حکومت کو یہ شبہہ ہو گیا تھا کہ اس کے خلاف کچھ سازش ہو رہی ہے، لہذا مدینہ مین ترکی فوج بڑھا دی گئی اور جواسیس کے ذریعہ سے ان سب کا مراقبہ رہا، اور یہ شبہہ کچھ غلط نہ تھا، اس کا نتیجہ آخر ۱۳۳۲ھ مین ظاہر ہو گیا،

آخر سلطان عثمانی | سلاطینِ آلِ عثمان مین سے کسی کو زیارتِ حرمین کی توفیق نہین ہوئی، سلطان عثمان خان ثانی نے ۱۰۳۱ھ مین حج کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، مگر خانہ جنگیون کی وجہ سے نہ آسکے، خدا کی قدرت کہ یہ بات ان کے آخر السلاطین (سلطان وحید الدین خان) کو نصیب ہو گئی، معزول و فرار ہو نکلے

بعد ۱۳۴۱ھ مین مکہ آئے اور چند ماہ رہ کر یورپ واپس ہو گئے، حج تو نہ کر سکے مگر خیر عمرہ ہو گیا؛

طواف، دعا بہت خشوع سے کرتے تھے ایسی بے سروسامانی کی حالت مین ان سے خیرات وعطیہ جات کی توقع ہی بیجا ہے، البتہ شریفی فوج پر تقسیم کے لیے ایک بڑی رقم دی تھی جو خود شریف صاحب ہی نے قبول کر لی، ان کے ہمراہ ان کے چھوٹے فرزند اور چند خدمت گار تھے، خاص دارالامارہ مین مہمان رکھے گئے تھے، کسی کو ان سے ملاقات کرنے کی اجازت نہ تھی، مرغِ قفس کی طرح رہتے تھے

والی چترال | ۱۳۴۲ھ مین والی چترال (شجاع الملک) حج کو آئے، شریف صاحب کی طرف سے بہت اعزاز واکرام ہوا، خاص موٹر جدہ سے مکہ تک کے لیے دی گئی، اور حرم شریف کے قریب ایک مدرسہ مین اتارے گئے، نواب موصوف بہت دیندار وفیاض شخص تھے، مدینہ منورہ مین دوماہ رہے، اس عرصہ مین پچاس ہزار روپیہ خرچ کئے، مکہ مین بھی بہت خیرات کی، حرم مین سبیل جاری کی، منیٰ مین بھی شربت کی سبیل لگائی تھی،

السید السنوسی الکبیر | السید احمد الشریف السنوسی؛ موجودہ اسلامی دنیا کے سب سے ممتاز وقابل قدر وعزت شخص ہین، اٹلی کے مقابلہ مین انکا جہاد فی سبیل اللہ کسی سے پوشیدہ نہین ہے، یہ اگرچہ سلاطین مین شمار نہین ہوئے مگر طرابلس غرب مین ان کے اختیارات کسی بڑے سے بڑے مستقل بادشاہ سے کم نہین ہین، اس لئے ہم نے ان کا نام بھی اس مضمون مین شامل کر دیا ہے، موصوف کا عرصہ سے حج کا ارادہ تھا، مگر حجاز پر شریفی قبضہ تھا اور یہ ترکون کے ہمدرد و شریک جہاد تھے، جب حجاز پر ۱۳۴۳ھ مین نجدیون کا قبضہ ہوا تو انھون نے ترکی حکومت کی اجازت سے سفر حج اختیار کیا اور شام پہنچے، وہان سے براہ مصر حجاز آنے کا ارادہ تھا مگر فرانس نے علانیہ اور انگریزون نے خفیہ معارضت کی، لہذا یہ خشکی کے راستہ سے نجد گئے، وہان انکا بہت اعزاز واکرام ہوا، نجد سے سانڈنیون پر مکہ آئے، یہان بھی سلطان عبدالعزیز بن سعود نے ان کا بہت اعزاز کیا، عرصہ تک اپنا خاص مہمان رکھا،

سید سنوسی نے ۱۳۴۳ھ کا حج کیا اور حج کے بعد چند ماہ تک مکہ مین مقیم رہے، پھر عسیر چلے گئے، سید صاحب موصوف جب تک مکہ مین رہے، عزلت نشین رہے، رات دن علمی کامون مین مصروف رہتے تھے، ان سے ملاقات کی عام اجازت تھی مگر اکثر ان سے وہی لوگ ملتے تھے جنکو ان سے ارادت تھی یا علمی ذوق تھا، سید موصوف کو حدیث وتفسیر کا بہت شوق ہے، مکہ سے کئی قلمی نایاب کتابین خرید کرلے گئے، خود بھی صاحب تالیف مفیدہ ہین، ان کے دادا بھی مکہ سے ہزار ہا قلمی کتابین لیگئے تھے جو اب تک طرابلس غرب مین موجود ہین، جنمین جامع رزین العبدری، معجم کبیر طبرانی سنن کبری للبیہقی، المحلی لابن حزم، مختصر المحلی، مختصر مسند امام احمد، تفسیر شوکانی وغیرہ نوادرات ہین،

سلطان نجد و ملک الحجاز ماہ جمادی الاول ۱۳۴۳ھ مین سلطان نجد عبد العزیز بن عبد الرحمن الفیصل آل سعود عمرہ کا احرام باندھکر آئے، چند روز مکہ مین رہ کر میدان جنگ جدہ کی طرف چلے گئے، اور حج کے قریب تک وہین سرگرم پیکار رہے، اس اثنا مین کئی بار عمرہ کے لیے مکہ آئے اور پھر واپس چلے گئے، جنگ ابھی جاری ہی تھی کہ حج کا وقت آگیا اور ابتدائے ذی الحجہ کو یہ مع تمام امرا اور فوج کے مکہ آگئے، صرف تھوڑی سی فوج دشمن کے مقابلہ کے لیے چھوڑ آئے تھے، ۸ رکو احرام باندھ کر حج کو گئے اور تمام مناسک حج مطابق سنت ادا کئے، عرفات کا خطبہ ایک نجدی عالم نے پڑھا، امن وامان، پانی وغیرہ کا انتظام بہت اچھا رہا، ہر سال شام کو روانگی کے وقت بے شمار بندوقین چلا کرتی تھین اور ان سے نقصانات ہوتے تھے، وہ امسال بالکل موقوف رہین،

اس سال نجد سے بیشمار حاجی آئے تھے، جنکی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہ ہوگی، ان کے علاوہ اور کوئی قوم نظر نہ آتی تھی کیونکہ صرف ہندوستان سے دو ہزار تین سو حاجی آئے تھے اور دیگر دیار سے چند سو، باقی اہل نجد وحجاز بھی تھے، ظہر کے بعد سے سب نجدی سانڈنیون پر سوار ہو کر جبل رحمت کے پاس مغرب تک کھڑے رہے، اور بخشوع وخضوع مشغول دعا رہے، یہ منظر قابل دید تھا، نہ آدمیون کو

حرکت ہوتی تھی نہ جانور دن کو، ۱۰ ذی الحجہ کو سلطان مذکور کی طرف سے کعبہ معظمہ پر نیا اونی سیاہ غلاف چڑھایا گیا اور اوس مین پرانے غلاف کی زرین پیٹی لگائی گئی، یہ غلاف شریف حسین نے بنوایا تھا، مگر اس کے پہنانے کا فخر اس کے دشمنون کو حاصل ہوا، جس طرح ترکون کا ساختہ غلاف شریف حسین نے اپنے نام سے چڑھادیا تھا،

۱۳۴۴ھ مین سلطان مذکور نے دوسرا حج کیا، اس سال بھی نجدی بے شمار آئے، سلطان کے والد امام عبدالرحمن بھی تشریف لائے جنکی خصوصیت یہ ہے کہ طواف تودستی گاڑی مین بیٹھکر کیا، جسکو سلطان اور ان کے بھائی ڈھکیل رہے تھے اور سعی موٹرمین کی، سلطان کے بڑے فرزند ولیعہد نجد (سعود) بھی آئے اور بہت سی فوج ہمراہ لائے، یہ حج بھی بفضلہ تعالیٰ بہت امن سے ہوا[1]، سلطان مذکور کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ حجاز کے تمام راستون مین فوق العادہ امن ہوگیا ہے، یہ بات صدیون سے مفقود تھی، وہی سرکش بدو جن کے خوف سے حاجی لرزہ براندام رہتے تھے، اب ان کو حاجی مارتے ہین اور وہ دم بخود ہوکر رہجاتے ہین، فسبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر،

سلطان موصوف، نہایت دیندار، علم دوست، خوش اخلاق، فیاض، مہمان نواز، سادگی پسند عرب ہین، کئی دفعہ علما، و ملازمین حرمین کو انعامات عطا کئے، ترکی لنگرخانہ جو بند تھا اس کو جاری کیا، مدینہ شریف سے نکل کر جو لوگ اثنائے جنگ مین سلطانی لشکر مین یا مکہ آئے ان کی مہمان نوازی کی، مدینہ شریف مین جب داخل ہوئے تو وہان بہت سا غلہ تقسیم کرایا، جب ملک الحجاز بنائے گئے تو تمام مدارس کا معائنہ کیا اور طلبا کی دعوت کی اور معقول چندہ دیا، رمضان ۱۳۴۴ھ مین دس ہزار مجید یان اہل شہر کو تقسیم کین، اور تمام رباطون مین فی نفر ایک اتہ کھجور تقسیم کی اور حرم شریف مین روزانہ افطار کے

[1] اگرچہ فتنہ پردازون نے کوئی کسر نہ رکھی تھی اور منیٰ مین مصریون اور نجدیون مین آتشبازی کرادی تھی، مگر سادا اللہ کیدھم فی نحورھم،

وقت مجبورین تقسیم کراتے رہے، دونون سال حج کے زمانہ مین حرم مین سبیل لگائی، ۱۳۴۳ھ مین نہر زبیدہ مین کئی سو پونڈ چندہ دیا، اور ۱۳۴۴ھ مین جب عظیم الشان سیلابون کیوجہ سے نہر خراب ہو گئی تو اسکی درستگی کے تمام مصارف بھی (جنکی مجموعی مقدار تیس ہزار روپیہ سے زیادہ ہے) اپنی جیب سے ادا کئے۔

۱۳۴۴ھ مین مؤتمر اسلامی کی شرکت کے لیے جو وفود عالم اسلام سے آئے سب کی نہایت عمدہ خاطرداری کیگئی، جب تک رہے سب مہمان سلطانی رہے، عمدہ مکانات مین رکھا گیا جنکا کرایہ مکان کو پیشگی ادا کر دیا گیا تھا، یہ امر تاریخ مکہ مین ایک نئی بات ہے، ورنہ ہمیشہ پہلے کے حکام مکہ اپنے مہمانون کے لیے لوگون کے مکانات پر زبردستی قبضہ کر لیا کرتے تھے، اور ایک حبہ بھی نہ دیتے تھے، مؤتمر کے مکان کی آرائش و انتظام کا خرچ بھی سلطان ہی نے دیا، توحید و سنت کی اشاعت کا سلطان موصوف کو بہت خیال ہے اور اپنی تمام محافل مین اسی بات کا خطبہ دیا کرتے ہین، کتاب مجموعۃ التوحید مکہ کے مطبع مین چھپوا کر مفت تقسیم کی، نیز مناسک حج و ادعیۂ حج کے رسائل بھی فجزاہ اللہ خیراً،

سلطان موصوف سے بعض لوگون کو چند شکایات بھی ہین جو کچھ صحیح اور کچھ غلط ہین، پہلی قسم کے متعلق یہ امور قابل لحاظ ہین، (۱) سلطان معصوم نہین ہین، (۲) بعض علمائے نجد و عوام اہل نجد نہایت متشدد اور سخت مزاج واقع ہوئے ہین، سلطان موصوف اپنی سیاست سے حتی الامکان ان کو تشدد سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہین اور اہل حجاز کی اصلاح باالتی ھی احسن کرنے کی ہدایت کرتے رہتے ہین، (۳) ان کے اکثر مشیر اور کارندے (خواہ حجازی ہون یا غیر حجازی) خودغرض اور نادان دوست ہین،

خاتمۂ مضمون بر ذکر حج امرائے مکہ

امرائے مکہ ہر سال حج کیا کرتے تھے، لیکن اگر ان کے نام اس جگہ لکھے جائین تو مضمون طویل ہو جائیگا اسلئے ہم مجملاً اسی قدر لکھدینا کافی سمجھتے ہین کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کا شرف جس قدر امرائے مکہ کو حاصل ہوا ہے وہ اور کسی ملک کے سلاطین کو نہین ہوا اور نہ ہو سکتا تھا، فرحم اللہ الجمیع وتقبل منا ومنھم صالح الاعمال ووفقنا وایاکم وجمیع المسلمین لما یحبہ ویرضاہ آمین —— وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین،

(مکہ مکرمہ) ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ

جمودِ اسلام اور تصوفِ عجم

از

جناب اکرام الحق صاحب سلیم، بی اے

آن نہال سربلند و استوار — مسلم صحرائی اُشتر سوار

آن چنان کاہید از بادِ عجم — ہمچو نے گردید از بادِ عجم

(اقبال)

"حقیقی تصوف جسکی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین کہ زبانِ شرع مین اسکا نام احسان ہے، جیسا کہ صحیح حدیث مین آیا ہے، وہ تو درحقیقت مذہب کی روح، اخلاق کی جان، اور ایمان کا کمال ہے، مگر عام محاورہ مین تصوف اور خصوصاً عجمی تصوف ایک قسم کا فلسفہ ہے جسکو عجم نے اسلام کی بربادی کے لیے اختراع کیا، اس مضمون مین اسی تصوف کی طرف اشارہ ہے، اس بارہ مین یورپ کے اہل تحقیق کے خیالات اور موشگافیان جمع کیگئی ہین"

(معارف)

تعجب کی بات ہے، کہ ایک ایسی قوم جس مین استمرارِ عمل کا ہر ممکن عنصر موجود ہو، ایک قلیل عرصہ مین غیر معمولی تیزی کے ساتھ چمکے اور پھر زوال پذیر ہو جائے، کیا یہ حیرت انگیز نہین کہ وہ عرب کے منتشر افراد جنکی تعلیم سراپا عمل اور جنکی زندگی سراپا جد و جہد ہوا ور جو ایک زبردست شخصیت کے زیر اثر مجتمع ہو کر تمام دنیا پر بادل کی طرح چھا جائین اور اپنی تہذیب اور تمدن کی بارش سے بنی نوع انسان کو مالا مال کر دین، تھوڑے عرصہ کے بعد ایسے سست رگ اور کاہل الوجود ہو جائین کہ باد تند کے ایک جھونکے کے بھی متحمل نہ ہو سکین،

اگر یہ کہا جائے، جیسا کہ دشمنانِ اسلام نے کہا ہے، کہ اسلام کی تعلیم ہی ایسی تھی اور یہ اس کا نتیجہ تھا تو یہ سراسر کذب اور افترا ہے، قرآن پاک احادیث نبوی، اور آثارِ سلف کا مطالعہ اس کے ابطال کے لیے کافی ہے، اسلام دینِ فطرت ہے، اسکی تعلیم خالص الٰہی تعلیم ہے " انسان کی تمام ضروریات کی کفیل اور ہر شعبۂ حیات مین اسکی ترقیون کی ضامن ہے " اور اس مین وہ مکارم اخلاق بتائے گئے ہین، جنسے انسان ہمہ وجوہ کامل ہو سکے، ہان تو پھر کیا وجہ ہے کہ ایک ایسی تعلیم کے پیرو اس قدر جلد قعرِ انحطاط مین گر گئے،

حق یہ ہے جیسا کہ کونٹ گوبنیو (Count Gobinau) اپنی کتاب مذاہبِ ایشیار وسطیٰ (Les religion de Asia central) مین لکھتے ہین کہ " یہ اسلام نہین، بلکہ تصوفِ عجم کا متفرع جمود ہے جو ممالکِ ایشیار کے انحطاط کا باعث ہے "

تصوف اور بالخصوص عجمی تصوف کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے، کہ وہ انسان کو ان مشکلات سے گریز کرنا سکھاتی ہے، جو اس کو دنیا مین رہ کر اور دنیاوی حقائق کے ساتھ ائتلاف پیدا کرکے مادہ کو تسخیر کرنے مین پیش آتی ہین اور اس بارِ فرائض سے سبکدوش کر دیتی ہے، جو اس پر بطور ایک انسان کے اپنے ابنائے جنس کی طرف سے عائد ہوتے ہین،

مولوی عبد الماجد صاحب بی اے نے اپنی کتاب تصوفِ اسلام مین اس بات کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، کہ " تصوف کی موجودہ مسخ شدہ شکل، یونانی اوہام، ایرانی تخیلات، ہندی مراسم اور دیگر غیر اسلامی عناصر کا ایک معجون مرکب ہے " اور تصوف اپنی پاکیزہ ترین صورت مین احکامِ الٰہی کی پیروی، شریعت کی پابندی اور سنت کے اتباع کا نام ہے، اس کے ثبوت مین انھون نے بہت سے اکابر صوفیہ کے اقوال رسالۂ قشیریہ، کشف المحجوب وغیرہ سے نقل کئے ہین، اس مین شک نہین کہ تصوف اپنی اصلی اور خالص صورت مین تو ہر مذہب کی روح و رُوان ہے یا جسے پروفیسر براؤن

اپنی کتاب "ایرانیون مین ایک سال" (A year amongst the Persians) مین لکھتے مین "تصوف کے خیالات کا عنصر ہر مذہب اور ہر طریقہ مین موجود ہوتا ہے اور یہ خیالات تمام دلون مین جڑ پکڑتے ہین، کیونکہ تمام انسانون مین خواہ کسی اصول کے پیرو ہون، ایک روحانی جذبہ پایا جاتا ہے، جو خودی کی زبردست اہلیت سے الگ ہوکر فنا فی اللہ ہو جانے کا متمنی ہوتا ہے" تاہم ان اقوال مین جہان کہین اتباع سنت پر زور دیا گیا ہے، وہان ترک دنیا کو بھی اتنا ہی ضروری خیال کیا گیا ہے مثلاً مشتے نمونہ از خروارے شیخ جنید بغدادی اور شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے اقوال ذیل اس بات پر شاہد عادل ہین،

"جو شخص کلام الٰہی کا حافظ اور احادیث رسول کا عالم نہین اس کی تقلید دربارۂ طریقت درست نہین اس لیے ہمارے اس سارے علم (سلوک) کا ماخذ قرآن و حدیث ہین"

ہم نے تصوف کو قیل و قال کے ذریعہ سے حاصل نہین کیا، بلکہ گرسنگی ترک دنیا اور مرغوب اور خوشگوار اشیا کے ترک سے حاصل کیا ہے" (شیخ جنید بغدادی، رسالہ قشیریہ صفحہ ۱۵، تصوف اسلام صفحہ ۶۲)

"تصوف کی تحصیل گرسنگی اور دنیا کی خوشگوار و محبوب اشیا کے ترک سے ہوئی" (شیخ عبدالقادر جیلانی رح فتوح الغیب، تصوف اسلام صفحہ،)

لفظ تصوف کی ماہیت اور اس کے پیدا ہونے کے اسباب

اس سے پہلے کہ عجمیت کے زہریلے تاثرات وغیرہ سے بحث کیجائے بہتر ہوگا اگر لفظ تصوف کی ماہیت اور ان خیالات کے پیدا ہونے کے اسباب پر بحث کر لیجائے،

لفظ تصوف کی وجہ تسمیہ کے بارے مین مصنفین نے مختلف خیالات و اقوال پیش کئے ہین، اکثر صوفیہ کا خیال تھا (مثلاً ابوالحسن قناد تصوف اسلام صفحہ ۱۴) کہ لفظ صوفی "صفا" سے مشتق ہے مولوی جامی نے بہارستان مین اسی اشتقاق کی تائید کی ہے، ایک اور گروہ اس طرف گیا ہے کہ اہل صفہ ہی بعد مین صوفی کہلانے لگے، مگر پروفیسر نولڈیک (Noldeke) نے لغت و سیر کی مختلف

کتابون سے نہایت وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ صوفی اصل مین "صوف" (پشمینہ) سے مشتق ہے، اور وہ لوگ جو دنیا دارون کے جاہ و جلال سے متنفر ہوکر سادگی اختیار کرلیتے تھے، چونکہ پشمینہ پوش ہوتے تھے، اسلیے صوفی کہلاتے تھے،

پروفیسر براؤن[1] مسعودی کے حوالہ سے لکھتے ہین کہ ابتدا ہی سے پشمینہ زہد و تقوی کی علامت خیال کیا جاتا تھا، علامہ ابو القاسم قشیری نے رسالۂ قشیریہ مین صاف طور پر لکھا ہے، کہ یہ اصطلاح ۲۰۰ھ[2] سے کچھ پہلے رائج ہوئی، صاحب "فہرست[3]" کے علم مین پہلا صوفی مصنف یحیٰی باشندۂ رے ہے، جسکی وفات ۲۵۸ھ مین ہوئی، پروفیسر براؤن یہ تاریخین نقل کرنے کے بعد لکھتے ہین، کہ تصوف کی ابتدا کی تاریخ اس لحاظ سے کم و بیش وثوق کے ساتھ دوسری صدی ہجری کے آخر مین یا تیسری صدی ہجری کے شروع مین مقرر کیجا سکتی ہے "

تصوف کی ماہیت اور اوسکے پیدا ہونے کے اسباب کی نسبت مختلف نظریئے قائم کئے گئے ہین، جنکا بیان اجمالاً ہی کافی ہوگا،

صوفیہ کا اپنا خیال ہے، کہ دنیا مین ہر شے کے دو پہلو ہین، ایک ظاہر اور ایک باطن، چنانچہ قرآن کریم کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، حدیث کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اسلام کی تعلیم کے اس باطنی پہلو کا نام طریقت ہے، ان کے نزدیک یہ رموز رسولِ کریم صلعم نے حضرت علیؓ کو تلقین کئے اور ان سے ائمہ اور بعد مین مرشدانِ کامل کی وساطت سے خرقہ بہ خرقہ صوفیہ تک پہنچے، ضرورتِ مرشد پر بہت زور دیا جاتا ہے (تصوفِ اسلام بحوالہ شیخ ابو نصر سراج صفحہ ۱۹) کیونکہ اس طرح سے تصوف کی تعلیم کا ایک سلسلہ قائم ہوجاتا ہے جسکی ابتدا حضرت علیؓ اور رسول اکرم صلعم سے ہوتی ہے پروفیسر نکلسن

---

[1] تاریخ ادبیات ایران، براؤن جلد اول صفحہ ۴۱۸، [2] کتاب اخبارِ مکہ کی روایت کے بموجب یہ لفظ عہد اسلام سے بیشتر رائج تھا (تصوف اسلام صفحہ ۱۱)، [3] تاریخ ادبیاتِ ایران، براؤن جلد اول صفحہ ۴۱۸،

تحقیق در تصوف اسلام (Studies in Islamic Mysticism) مین لکھتے ہین کہ "تصوف کے استحکام کے لیے ایسے سلسلے کا قائم کرنا نہایت ضروری تھا، کیونکہ اس سے یہ بات مضبوط ہو جاتی ہے کہ صوفیہ ان اسرار و رموز کے جائز وارث ہین"،

چند احادیث مثلاً کنت کنزاً مخفیا الخ من عرف نفسہ عرف ربہ وغیرہ ایسی ہین جو تصوف آمیز معانی کی متحمل ہو سکتی ہین، قرآن پاک کی کئی آیات سے بھی ایسا مطلب نکلتا ہے، مثلاً فلم تقتلوہم ولکن اللہ قتلہم (الایہ) گو اس کے معنی بدیہی طور پر، جیسے پروفیسر اڈورڈ براؤن لکھتے ہین، سوائے اس کے اور کچھ نہین کہ مسلمانون کو زوردار الفاظ مین، اللہ تعالیٰ کی امداد کا یقین دلایا گیا ہے، تاہم اس کو تصوف کا جامہ پہنانے مین زیادہ دقت نہین کرنی پڑتی، صوفی کہتا ہے، خدا فاعل مطلق ہے اور رسول صرف آئینہ ہے جس مین خدا کی قدرت منعکس ہوتی ہے[1] اور بس،

۲- ڈوزی اور وان کریمر کا خیال ہے کہ تصوف کا ماخذ ویدانت کا فلسفہ ہے، مگر میرے خیال مین یہ درست نہین کیونکہ تاریخ سے یہ ثابت نہین ہوتا کہ ہندوستان کا ایران کے ساتھ ازمنۂ قدیم مین کوئی گہرا تعلق قائم رہا ہو، نوشیروان کے زمانہ مین اس مین شک نہین کسی حد تک تبادلۂ خیالات ہوا، مگر اس سے کوئی ماتقی اثر نہین پڑا[2]، البیرونی ان اشخاص مین سے تھا جنھون نے سب سے پہلے سنسکرت پر عبور حاصل کیا، مگر یہ اس زمانہ مین ہوا، جب کہ عجمی تصوف کا نظام اپنی ترقی کے تمام مدارج طے کر چکا تھا، ہندوستان مین آکر تصوف پر ضرور ہندوستانی خیالات کا اثر ہوا، چنانچہ آجکل کے تصوف کے رسومات مین اسکی جھلک صاف طور پر دکھائی دیتی ہے،

پروفیسر مارکس اور مسٹر نکلسن[3] کے نزدیک تصوف پر یونانی فلسفہ کا اور خصوصاً پیروان اشراق

---

[1] پروفیسر براؤن ان کی صحت کے قائل نہین، تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۴۱۸، [2] تاریخ ادبیات ایران، صفحہ ۱۹ام
[3] منتخبات دیوان حافظ مسٹر نکلسن،

(ذکر...) کے خیالات کا سب سے زبردست اثر پڑا اس مین شک نہین کہ جب تک مسلمانون کے سامنے زندہ قرآن موجود تھا انھین کسی قسم کے تجسس اور تفحص کی ضرورت نہین پڑتی تھی، مگر رسول مقبول صلعم کے بعد علما، کئی مطالب کی تشریح کے لیے یونان کے فلسفہ کی طرف متوجہ ہوئے " (معارف) اور چونکہ انھین ارسطو کی مستند تصانیف دستیاب نہ ہوتی تھین اسلیے ان تصانیف کے تراجم پر بھی اکتفا کرنا پڑا جو دراصل پلوٹنین اور پرو قلس اور دیگر پیروان اشراق کی مساعی کا نتیجہ تھے، اس کا حاصل یہ تھا کہ فلاطون کے خیالات کا زہریلا اثر عجمی تصوّف کے رگ و پے مین دوڑ گیا، اسکا ثبوت، دونون کے تخیلات کے باہمی تقابل سے بہم پہنچ سکتا ہے، مثلاً پیروان اشراق کے نزدیک خدا باعث تکوین روزگار ہونے کے سبب سے ہر جگہ موجود ہے اور ماسوای اشیا عالم ہونے کی وجہ سے کہین بھی موجود نہین، اگر خدا ہر جگہ موجود ہوتا، اور ساتھ ہی یہ بھی نہ ہوتا کہ کہین نہ ہو تو وہ ہر شے مین ہوتا[1]، صوفی فقط یہی کہہ دیتا ہے "خدا تمام اشیا مین ہے"

اصل مین یہ نظریے عجمی تصوف کے کسی ایک شعبہ ہی کو لیتے ہین، تمام پہلوؤن پر حاوی نہین ہوتے، حق تو ہے کہ عجمی تصوف کا ارتقا کسی ایک اثر کے نیچے نہین ہوا بلکہ جیسا علامہ سر اقبال کا خیال ہے اس کا حدوث اور تسلسل ان حالات کا ناگزیر نتیجہ تھا، جو اس وقت ایران مین پائے جاتے تھے[2]، ایرانیون کا رجحان طبیعت جبلی طور پر مابعد الطبیعات کی طرف زیادہ ہے اور ان کے دلون مین خاص قسم کے افکار اور تخیلات جاگزین ہوتے ہین جو خاص حالات اور نہج کے زیر اثر عالمگیر صورت اختیار کر لیتے ہین تاہم ان کا تشابہ ظاہری اختلافات سے کتوم نہین رہ سکتا، سامی فطرت قدرتی طور پر سراپا عمل واقع ہوئی ہے، اس نسل کی قومون کی زندگی عمل کا ایک

---

[1] سر اقبال مابعد الطبیعات کی ترقی ایران مین، [2] ایضاً [3] پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران مین فقط اس قسم کی کئی مثالین پیش کی ہین، مگر یہان طوالت کے خوف سے قلم انداز کیجاتی ہین صفحہ ۹۰ - ۹۹،

مرتفع ہوتی ہے جس میں سستی عنصر اور مسلک گوسفندی کا نام و نشان نہین پایا جاتا، آریائی فطرت علی الرغم سکون اور فقدان عمل پر مجبول ہے، اسلئے تمام ایسی چیزین جو طبیعت مین ہیجان اور جوش پیدا کرین، ان قومون کے نزدیک قابلِ اجتناب ہین مس بل مقدمۂ دیوان حافظ مین لکھتی ہین "عرب عملی تعلیم مانگتا ہے عجمی اپنے استاد سے کہتا ہے، ہمین ایک خیالی محل بنا دو جسمین ہماری روح دنیا کی حقیقتون سے الگ ہوکر خیالی پلاؤ پکایا کرے"

شاعری اقوام کے احساسات اور جذبات کا آئینہ ہوتی ہے، اسی آئینہ مین افراد قوم کے تخیلات متشکل ہوتے ہین، اگر قرونِ وسطی کی شاعری کو بغور دیکھا جائے تو اس سے یہ اختلاف طبائع اظہرمن الشمس ہوجاتا ہے، اس زمانہ کی فارسی شاعری تصوّف کے عنصر سے مملو اور سراسر اسی رنگ مین رنگی ہوتی ہے مگر اس کے برعکس عربی شاعری تصوف کے عروج ہی سے لیکر یعنی متنبی اور معری کے عہد سے خلافت عباسیہ کے زوال کے بہت عرصہ بعد تک بھی ان خیالات سے معرا رہی، وجہ یہ ہے کہ عرب فطرتی طور پر تنظیم تجارب کا اہل نہین، وہ جزو بینی مین کل کو نظرانداز کر دیتا ہے، یون کہئے کہ وہ درختون کو دیکھتا ہے مگر جنگل کا ادراک نہین کرسکتا، پروفیسر نولڈیک "تاریخ مشرق" (Sketches from Eastern History) مین لکھتے ہین کہ "ہم اسکی ہر چیز مین توضیح کی باریکیون کو ملاحظہ کرتے ہین مگر اجمال اور تنسیق کا کہین نام نہین پاتے"

انھین فطرتی خصوصیات کا نتیجہ تھا، کہ اندلس کے عرب اسی فلسفۂ اشراق کے ذریعہ سے ارسطو کے فلسفہ کی اصلی ماہیت کو پہنچے۔[2] مگر اہل ایران کو افلاطون کے تخیلات ہی منعکس نظر آئے، یوٹس کا خیال ہے کہ عرب ارسطو کے فلسفہ کی طرف اسلئے متوجہ ہوئے، کہ فلاطون کے افکار ان کے سامنے اصلی حالت مین پیش ہی نہین کئے گئے، مگر حق یہ ہے کہ عربون کی فطرت سراپا عمل ہے، اگر فلاطون کے اوہام انکے سامنے پیش بھی کئے جاتے تو ان پر اثر نہ کرتے، یہ عجمی فطرت تو تھی، جس نے افلاطون کے خواب اور

---

[1] نکلسن "تحقیق در تصوف اسلام" [2] علامہ سر اقبال "مابعد الطبیعات کی ترقی ایران مین"

فلسفہ کو لیکر اسلام مین اس طرح کھپایا کہ "ہمہ اوست" (Pantheism) کا نظام قائم کر دیا،

یہ کہا جاتا ہے کہ کئی سربرآوردہ صوفی، مثلاً محی الدین بن العربی، ابن الفرید وغیرہ ایسے تھے، جو خالص عربی النسل تھے، اور جن مین سراسر عربی خون موجزن تھا، مگر مستثنیات کلیہ ہی کا اثبات کرتی ہین،

خاص حالات! اب دیکھیے کہ وہ کیا حالات تھے، جنکے زیر اثر عجم کے ان مخصوص خیالات نے دوبارہ عود کیا، اور یون منضبط ہوئے کہ اسلام کا جزبنکر اسکی ترقی مین ستدراہ ہوگئے،

۱۔ اگر اس قرن کے تاریخی واقعات پر غور کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ وہ زمانہ نہایت پرآشوب تھا، ایک طرف تو خلافت کے تغیر و تبدل نے ابومسلم کی تلوارون اور مامون اور امین کی خانہ جنگیون نے یکے بعد دیگرے مسلسل ہنگامہ برپا کئے رکھا، اور دوسری طرف مذہبی معرکہ آرائیون اور علمائے وقت کے مباحث نے کچھ کم تلاطم نہ پیدا کیا، مذہبی مناظرون کو علی الخصوص مامون کے وقت مین بہت فروغ حاصل ہوا، اور خصوصاً اہل اعتزال اور پیروان علامۂ اشعری کے درمیان بہت زور شور رہا، اس کا اثر نہ صرف یہ ہوا کہ اسلام فرق کے دائرہ مین محدود ہوگیا، بلکہ لوگون مین بحث و تمحیص سے بالاتر رہنے کا ایک احساس پیدا ہوگیا،

معتزلہ کے تشکیک آمیز (Sceptic) خیالات، دولت اور ثروت کی فراوانی سے روحانی اور اخلاقی جذبات مین پستی پیدا ہوگئی، اور ابتدائی ذوق نشو ونما اور حرارت قلبی، مسلک گوسفندی اور سکون سے متبدل ہوگئے،

کیا عجب ہے، کہ ان حالات کی موجودگی مین ہنگامہ گیر ودار سے بچنے کے لیے متورع نفوس نے کنج عزلت کو ہی بہتر سمجھا، اور دنیاوی زندگی کے مد و جزر سے آزاد ہوکر امعان اور تفکر کی زندگانی بسر کرنے کو پسند کیا، اب دیکھئے کہ یہ تھے وہ حالات جنکے زیر اثر مخصوص عجمی تخیلات تصوف کا جامہ پہنکر اسلام کے اندر داخل ہوگئے،

عجمی ہاکے جبلی جمود کے سامنے اس وقت سب سے زیادہ مؤثر نمونہ نصرانی تارکان دنیا کی طریقۂ زندگی تھا اور اسی کو انھون نے سب سے پہلے رغبت سے اختیار کیا، پروفیسر نکلسن لکھتے ہین کہ:-

"انسان کامل کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف پر نصرانی خیالات کا بہت بڑا اثر پڑا، اس کے ثبوت مین ذات ربانی کو تثلیث کی بنا پر قائم کرنا اور روح القدس کو منبع تخلیق اور حیات روحانی کے استحکام کا باعث سمجھنا ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔ . . . . الجلی انسان کامل صفحہ ۱۰۵ (قاہرہ ایڈیشن) مین لکھتا ہے،

"نصرانی یہ خیال کرتا ہے، کہ باپ الروح ہے اور ماں مریم اور بیٹا عیسیٰ" . . . . . مگر یہ نہین سمجھتا کہ باپ علامت ہے اسم اللہ کی اور ماں ام الکتاب یعنی اصل ذات کی اور بیٹا کتاب کے مترادف ہے، جبلی وحدۃ الوجود (Pantheism) کا قائل ہے، پروفیسر نکلسن لکھتے ہین، کہ جلی نصرانی عقائد کی اس نرمی کے ساتھ تنقید کرتا ہے، کہ مسلمان ترتیب دہندہ نے تو ایک حصہ کو الحاقی بتایا ہے جو اس کے نزدیک کسی مرتد کی تصنیف ہو سکتا ہے"

اس کا ثبوت کہ صوفیہ نے اپنی عملی زندگی مین نصرانی راہب کی تقلید کی، پرانی کتب سوانح مین ملتا ہے جہان پر عیسائی راہب رہنما کی حیثیت مین ظاہر ہوتا ہے،

ہمہ اوست کے خیالات تو بعد مین پھیلے، یون کہئے کہ وہ اس گوشہ گیری کا نتیجہ تھے،

تصوف کا فلسفہ اجمال کے طور پر اگر تصوف کے لٹریچر کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے، کہ صوفیہ نے حقیقت (Reality) کو تین نقطہ ہائے نظر سے دیکھا ہے ایک گروہ نے تو حقیقت کی اصلیت کو قوت ارادی کے مترادف بتایا ہے، دوسرے طبقہ نے حقیقت کو حسن سے تعبیر کیا ہے اور تیسرا فرقہ اس طرف گیا ہے کہ حقیقت خیال، علم یا نور ہے، اہم ترین گروہ وہی ہے جس نے "حقیقت" کو حسن سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اسی طبقہ کے خیالات نے بمرور زمانہ نشو و ارتقا پا کر "ہمہ اوست" کا نظام قائم کیا، حسین بن منصور حلاج اس طبقہ کا سرخیل تھا، اناالحق کے سات حروف مین اس نے عجمی تصوف کے فنا فی اللہ کے تخیل کو مکمل طور پر

ادا کر دیا، یہ بیان کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ جہاں صوفیہ متاخرین نے حلاج کی ہستی کو قابلِ احترام سمجھا ہے وہاں اس کے معصرون یا قریب قریب کے زمانہ کے جید اور متبحر اشخاص نے اسے کافر خلیت سے زیادہ وقعت نہ دی، پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۲۴ میں ان قدیم اور مستند کتابون کا حوالہ دیا ہے جن سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے،

مثلاً صاحب فہرست[1] لکھتا ہے "یہ ایک روباہ صفت آدمی تھا جس کو شعبدہ بازی مین کمال حاصل تھا، اپنے آپ کو تصوف کا پیرو ظاہر کرتا تھا، اور اپنی گفتگو کو صوفیہ کے اقوال سے مزین کرتا تھا، اسے کچھ نہ کچھ کیمیا سے واقفیت ضرور تھی، مگر ویسے جاہل، سرکش، متمرد، اور جسارت پیشہ شخص تھا سلطنت کو زیر و زبر کرنے کا خواہان، حکام کی طرف ہمیشہ گستاخانہ رویہ اختیار کرتا تھا، اپنے پیرو ون کے سامنے خدائی کا دعویٰ کرتا اور حلول کی تعلیم دیتا تھا، بادشاہون کے سامنے اپنے آپ کو شیعہ جتلاتا، مگر عامۃ الناس کے سامنے صوفی بنا رہتا"

عریب[2] لکھتا ہے "کہ وہ خداوند تعالیٰ اور رسل کے متعلق نہایت نازیبا کلمات اور ناجائز شطحیات زبان پر لانے کا عادی تھا، اپنے عقیدتمندون مین سے کسی کو کہتا "تم نوح ہو" دوسرے سے کہتا کہ "تم موسیٰ ہو" تیسرے کو "تم محمد ہو" (نعوذ باللہ) مین نے ان کی ارواح کو تمہارے اجسام مین حلول کرنے کا حکم دیا ہے"

ابوبکر الصولی جس نے الحلاج سے کئی مرتبہ ملاقات کی، لکھتا ہے کہ "وہ جاہل شخص تھا، جو اپنے آپکو چالاک سمجھتا تھا، ایک بدمعاش جو پشمینہ (صوف) پوش رہتا اور اپنے زہد وورع کی بہت نمائش کرتا تھا"

ابن مسکویہ لکھتا ہے، "عوام مین اس کا بہت حد تک اثر تھا، کیونکہ لوگ اس کے خوارق کے قائل تھے اور اس کے عاملِ ہمزاد ہونے پر یقین رکھتے تھے، وہ ربوبیت کا ادعا کرتا تھا، تین شخص اس کے

[1] براؤن، تاریخ ادبیات ایران صفحہ ۴۲۸ بحوالہ فہرست صفحہ ۱۹۰، ۱۹۲، [2] ایضاً صفحہ ۴۳۰ بحوالہ تتمہ تاریخ طبری مصنفہ عریب مرتبہ ڈی گوپے صفحہ ۸۶ - ۱۰۸،

"نبی" تھے، ان مین سے ایک السمری بھی تھا جب اس کے نبی حامد وزیر کے پاس گرفتار کرکے لائے گئے تو السمری کی ایک لڑکی نے ان کے تمام راز فاش کر دیئے، حلاج کے اقوال اور افعال نہایت وضاحت سے بیان کئے، . . . . السمری، قنائی، حیدرا وغیرہ کے گھرون سے بہت سی کتابین حلاج کی تصنیف شدہ برآمد ہوئین، جو چینی کاغذ یا دیبا و اطلس پر آب زر سے لکھی ہوئی تھیں اور مراکش کے مشہور چمڑے سے ان کی جلد باندھی گئی تھی[۱]

الذہبی لکھتا ہے "کہ وہ حلقۂ اسلام سے باہر تھا، صوفیہ اس مین شک نہین، اس کا حد سے زیادہ احترام کرتے ہین، حتی کہ امام حجۃ الاسلام غزالی نے بھی اس کے اقوال کی تشریح سے اس کو صادق ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، اور گو امام کی مساعی بذاتہ اچھی ہین مگر عام عربی الفاظ کے معانی کو خواہ مخواہ پیچیدہ کر دیا گیا ہے"، اسی شخص نے آگے چلکر بہت سے مستند اشخاص کے اقوال سے یہ ثابت کیا ہے کہ الحلاج "کافر خبیث" تھا[۲] جب ایک ایسے شخص کو اسلام کے اندر پیرو مرشد مان لیا جاوے، اور اس کے عقائد کے متعلق یہ کہا جائے کہ

حلاج بر سر دار این نکتہ خوش سراید

از شافعی نپرسید امثال این مسائل (حافظ)

تو آپ سمجھ سکتے ہین، کہ اس کا اسلام پر کیا اثر ہو سکتا ہے،

اس قسم کے خیالات زیادہ تر منصور الحلاج نے ہندوستان کے دوران سفر مین اخذ کئے اور بعد مین عام صوفیہ تک پہنچائے، مثلاً ہندوؤن کے مسئلہ کنڈلینی کو لیکر صوفیہ یہ کہتے ہین، کہ انسان کے اندر مختلف الالوان تنویر کے چھ بڑے مرکز ہین، اور صوفیہ کے ایک گروہ کے نزدیک معرفت نفس کا

---

[۱] یہ امر قابل غور ہے کہ مانی کے پیرو بھی اس طرح اپنی کتابون کو مزین کرتے تھے، تاریخ ادب ایران، صفحہ ۱۱۶

[۲] براؤن، تاریخ ادب ایران جلد اوّل صفحہ ۴۳۲، [۳] " " صفحہ ۴۳۰،

احسن طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ ان مرکزون کو اس قسم کی حرکت دیجائے کہ نور بے رنگ کا ادراک ہو۔ اور اس حرکت کی اجرا بسالہا بعد مدنی کی خاص حرکت سے ممکن ہو سکتا جو اسمار الہٰی کو خاص طرز پر تکرار کرنے سے حاصل ہوتی ہے[1]،

تاثرات | خواہ ظاہر طور پر عجمی عقائد بلندی تخیل اور پرواز تفکر اور رفعت تصور سے کتنے ہی متمیز کیون نہ نظر آئین مگر وہ جادۂ زندگی کے لیے دلیل راہ بنائے جانے کی صلاحیت نہین رکھتے، ان کی تعلیم کا ماحصل جمود اور سکون ہے جس کا پہلا اثر قوائے عمل مین اضمحلال پیدا کر دیتا ہے،

یہ امر بدیہی ہے کہ ذوق عمل کا فقدان تنزل کا پیش خیمہ ہے، اسلیے تمام ایسی چیزین جو جد و جہد زندگانی کی محدودیت کی مدہون، دراصل پیغام ممات ہین۔ بدقسمتی سے آریائی فطرت کا یہی خاصہ ہے دنیاوی انقلابات، سلطنتون کے الٹ پھیر، بادشاہون کی قسمتون کا اتار چڑھاؤ، ایسی چیزین ہین جو ایک عجمی کے دل مین دنیا کی بے ثباتی کا نہ مٹنے والا نقشہ کھینچ دیتی ہین، اور اس کے خیالات مین نامرادی، یاس، اور حزن جیسی قاطع حیات چیزون کا عنصر بھر دیتی ہین،

علامہ اقبال اپنے ایک انگریزی مضمون "انا از روئے نظریۂ اضافیت[2]" مین لکھتے ہین:
"کیا انسان کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ الٰہی مطمح نظر تک پہنچ سکے اور اس عالم سے جو بطور غیر ذات "یا دیگر" کے مقابل ہے، اپنی آزادی کو قائم کر سکے۔ . . . . صوفیہ کے نزدیک ایسے مافوق العقل مقام تک پہنچ جانا ممکن ہے، مگر ان کے خیال مین اس مقام کا حصول ان حالات سے گریز کرنے سے ہو سکتا ہے جو عقل کے بروئے کار لانے مین ممد ہون، صوفیہ کے طریقہ کی پیروی تاریخ عالم مین چند ایسے انسانون نے بھی کی ہے جو اپنے زمانہ مین سرآمد فضلاء روزگار تھے، شاید اس مین کچھ اصلیت ہو مگر مین سمجھتا ہون کہ یہ طریقۂ زندگی کے چند اہم مسئلون اور شعبون کے لیے مضرت رسان ہے، کیونکہ

[1] اقبال مابعد الطبیعیات کی ترقی ایران مین، [2] خاص ترجمہ،

اس کا حدوث ان مشکلات سے گریز کرنے کی خواہش کا نتیجہ ہے جو مادہ کو عقل کے ذریعہ مغلوب کرنے مین پیش آتی ہین، ممکنات زندگانی کا علم دنیا کے مختلف النوع نقوش اور بوقلمون حقائق کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ہوسکتا ہے، میرا یقین ہے کہ علم تجربہ (ایتلاف بہ شہود) تفکر اور تخیل کے لیے لازم ہے، قرآن مجید مین آیا ہے،" دنیا باطل نہین پیدا کیگئی"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صوفی یہ بھول جاتا ہے کہ حقیقت ظاہرہ مین مضمر ہے، اور اسکی تہ تک پہنچنے کا یہی افضل طریقہ ہے، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اشیا کے انحطاط اور تصوف کے برخلاف صدائے احتجاج بلند کی اور یہ ذہن نشین کرایا کہ انقلابات اور تغیرات سے آگاہی ذات ربانی تک پہنچنے کا بہتر ذریعہ ہوسکتی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
عمل ہی ایک ایسی چیز ہے جسکی بدولت انا (انسانی) [illegible]ت ربانی کے ساتھ وصل ہوکر زمین وزمان کی قیود سے بالاتر ہوسکتا ہے، عمل تفکر کی [illegible] ہے،

جمود کی دوسری منزل وحدۃ الوجود (Pantheism) ہے، اگر اسلام کی تعلیم سراپا عمل ہے، وہ وحدۃ الوجود کا کس طرح متحمل ہوسکتا ہے، نتیجہ ظاہر ہے،

پروفیسر نکلسن تحقیق "تصوف اسلام" مین ایک جگہ پر لکھتے ہین

"ابوسعید ابوالخیر [illegible] پر کلام کرتے ہین کبھی تو تصوف کی زبان مین اور کبھی عام مسلمانون کی طرح اس مذہبی اصطلاحات ایک جگہ تو عام مذہبی معنون مین استعمال کیگئی ہین اور دوسری جگہ تصوف کے رنگ مین، خالص وحدۃ الوجود کے عقائد عام مذہبی مسائل کے ساتھ بیان کئے گئے ہین،

پروفیسر نکلسن [illegible] ابوسعید بن ابی الخیر شیخ ابوالحسن کے [illegible] زیارت کو گئے [illegible] علم دیا کہ وہ [illegible] مرتبہ [illegible] ساتھ ساتھ لوگون کو نصیحت [illegible]

[illegible] شیخ ابوسعید بن ابوالخیر قدس سرہ [illegible] ایک دفعہ [illegible]

کی بابت پوچھا گیا تو آپنے فرمایا: یہ کوئی بڑا کام نہین کہ تم ایک پتھر کے بنے ہوئے کوٹھے کو دیکھنے کیلئے ہزارون میل پیدل چلکر جاؤ، خدا کا حقیقی بندہ اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے اور بیت المعمور کئی دفعہ دن اور رات مین آکر اس کے سر کے اوپر طواف کرتا ہے،

شیخ ابوسعید ابو الخیر شفاعت پیر کے بارے مین فرماتے ہین: وہ دریافت کریگا یہ کیا ہے، جواب ملیگا، یہ فلان پیر کا نور ہے، وہ کہیگا، مین اس دنیا مین ان سے محبت کیا کرتا تھا، ہوا یہ الفاظ پیر کے کانون تک پہنچا دیگی اور وہ خداوند تعالیٰ کے حضور مین اسکی شفاعت کرینگے"

یہ عقاید آپ سمجھ سکتے ہین، اسلام کی تصریحات سے کس درجہ مخالف ہین،

رسول اکرم صلعم نے یہ صاف طور پر ذہن نشین کرایا ہے، کہ انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے مگر صوفیہ عجم کے نزدیک بقول مصنف دبستان ایک آدمی کہہ سکتا ہے کہ یہ اعمال میرے ہین، اور ساتھ ہی اتنی صداقت کے ساتھ ان ہین خدا کی طرف منسوب کرسکتا ہے اس طرح گناہ کی ذمہ داری کا بوجھ ہٹ جاتا ہے، اور صوفی فرعون کو موسیٰ پر اور ذرد کو خلیل اللہ پر ترجیح دینے لگ جاتا ہے، کیونکہ اس کے نزدیک گو وہ ذات ربانی کے برخلاف لڑ رہے تھے، مگر انھین دینی کم مائگی کا اچھی طرح سے احساس تھا، اور اپنی ان تکالیف کو جو ان پر عاید کیگئی تھین اچھی طرح سمجھتے تھے[1]"

مثالون کے انبار لگانے کی ضرورت نہین، اجمالاً یہی کہہ دینا کافی ہے عجمی عقائد دو قسم کے آدمی پیدا کرتے ہین، محاسن کی طرف دیکھئے، تو ایک مرنجان مرنج درویش جسے نہ دنیا سے علاقہ ہوتا ہے اور نہ ابنائے جنس سے تعلق، نہ حوادث روزگار سے پریشانی لاحق ہوتی ہے اور نہ موافقت زمانہ سے جمعیت خاطر، غمی اور شادی کا اسے احساس نہین ہوتا، طعن و تشنیع، مدح و تحسین کی اسے

[1] مس بل مقدمۂ دیوان حافظ ۱۲

پرواہ نہین ہوتی، وہ کارکنانِ قضا و قدر کے ہاتھ مین اپنے آپ کو کھلونا سمجھتا ہے، اور درحقیقت وہی ہوتا ہے

دوسری صورت مین اس کے برائی جانب نظر کیجئے، تو ایک عیار ریا کار، جو کام کرنے سے جی چراتا ہے، اور دوسرون کی کمائی پر نظر رکھتا ہے، اور ان عقائد کی آڑ مین اپنا کام چلانا چاہتا ہے، عجمی تصوف کے نام لیواؤن مین اس قماش کے آدمی آجکل سینکڑون کی تعداد مین خانقاہون مین پھرتے ہین،

عجمی عقائد کے استحکام کا انحصار ان کے وسعت تخیل پر ہے، اسلام مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اور فلسفۂ ویدانت تخ بستہ خیالات کا مجموعہ ہے، تصوف عجم نے بوئے، خیر الامور اوسطہا، ان دونون کو اپنے اندر جذب کرکے عشق کا بلند تخیل قائم کیا، اور جہان یہ کوشش کی کہ "دیوان" کے "افکار رندانہ" کے مسئلہ کے ماخذ نہین، وہان یہ سعی بھی کی کہ ان کو آیات اور احادیث کی تاویلات سے ثابت کیا جائے،

ایک ہی قسم کے تاثرات نے یورپ مین بھی یہی رد پیدا کی، مگر یونانی ادہام کے بادل نصرانیت کی تند باد کے سامنے نہ ٹھہر سکے، ایرانی پودے کی جڑ اس کے برعکس اس قدر سخت تھی کہ امام ابن تیمیہ کی تنقید کی باد تند اس پر اثر نہ کر سکی،

عجم بحریست ناپیدا کنارے کہ در وے گوہر الماس رنگ است
ولیکن من نہ رانم کشتی خویش بدریائے کہ موجش بے نہنگ است

(اقبال)

ارتقائے ادب فارسی،
عہد اکبری مین،

(۴)

از مولوی ضیاء احمد صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی،

نثر

جس عہد سے ہم بحث کر رہے ہین اس پر بجا طور پر یہ الزام ہو کہ اس نے نظم کو دلچسپی اور اعتبار کے اعتبار سے نثر پر مقدم رکھا اور ممکن ہے کہ یہی الزام ان سطور کے راقم پر بھی عائد ہو لیکن امید ہے کہ یہ عقیدہ کہ راقم کے نزدیک مفید اور اہم ہونے کے بنا پر نثر کا درجہ نظم سے افضل ہے اس کے عمل کا کفارہ ہو جائے،

تاتاریون کے قیامت زا حملون سے پہلے فارسی نثر عموماً سیدھی سادی ہوتی تھی، اور بقول ای. جی. براؤن، ابتدائی کتب نثر اس قدر سادہ اور مختصر ہوتی تھین کہ اس سے بڑھ کر تصور نہین کر سکتے، بیرونی اثرات نے فارسی نثر کو نقصان پہنچایا اور تشبیہ، استعارات، مبالغہ، خوشامد نے داخل ہو کر نثر کو کلیۃً مسخ کر دیا، یہی حالت تیموریون کے زمانہ تک جاری رہی،

غزنین کی تاریخی تصانیف کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ مختصر عبارت، بے لاگ اور سلسلۂ اسناد پر مشتمل ہوتی تھین یہی کیفیت کم و بیش تمام تر نثر کی ابتدائی کتب مین پائی جاتی ہے، اس کے برخلاف منگولون اور تیموریون کی تصنیفات مبالغہ [illegible] ناقابل فہم، اور الفاظ کی بھرمار سے [illegible] ہوتی گئین،

مگر سولھوین صدی عیسوی مین رد عمل کا آغاز ہوا اور بعض دوررس دماغون نے قدیم طرز کی ضرورت محسوس کی [illegible] ترقی ہو رہی تھی، [illegible] مذہبی، علمی اور [illegible] تصنیفات کی جا [illegible]

ہر طرف گرم تھا، چونکہ ان تصانیف کی حیثیت ادبی ہونے کے بجائے بیشتر مذہبی تھی، اسلئے ہم انکی بابت زیادہ تفصیل بے سود سمجھتے ہیں، مغلیہ عہد میں صد ہا متعدد تصانیف شائع ہوئیں جنمیں سے بڑی تعداد اکبر یا اُسکے امرا کی خواہش کا نتیجہ تھی یہ تصانیف تراجم، تواریخ، مکاتبات، دینیات، اور تصنیفات علمی پر مشتمل تھیں، اور تاریخ، سیرۃ، افسانہ، ریاضی، طبیعیات، نجوم، فلسفہ، طب، جغرافیہ، معانی، بیان وغیرہ پر لکھی گئی تھیں، ترجمہ کی ہمہ گیری کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سنسکرت، ہندی، عربی، ترکی، یونانی تک سے علمی جواہر فارسی میں منتقل کر لیے گئے، مگر واقعہ یہ ہے کہ تراجم یا خالص علمی تصانیف میں ادبی چاشنی نہ قدرۃً ہو سکتی ہے، نہ اس کی امید کیجاتی ہے، لہذا ان سے قطع نظر کر کے ہم ادبی کتب نثر کے متعلق کچھ عرض کرینگے،

دنیا جانتی ہے کہ ہندوستان میں فارسی نثر کی سب سے پہلی قابل توجہ تصنیف طبقات ناصری ہے اگرچہ اس سے پچاس سال پہلے تاریخ تاج المآثر لکھی گئی تھی، مگر وہ ناقابلِ اعتبار اور گمنام ہے، طبقات ناصری ۱۲۵۲ء میں قاضی منہاج سراج گرگانی نے لکھی، اور ناصرالدین محمود شاہ دہلی کے نام معنون کی، یہ کتاب واقعات کی صحت اور انداز کی دلکشی میں ممتاز ہے، طبقات ناصری سے کچھ پیشتر فارسی کا بہترین اور قدیم ترین تذکرہ لباب الالباب لکھا گیا جس کو عوفی یزدی نے ۱۲۲۱ء میں ناصرالدین قباچہ کے وزیر کے حضور میں پیش کیا تذکرہ کی زبان صاف اور انداز دلآویز ہے، ان کے بعد امیر خسرو کے کارناموں کا نمبر ہے، مگر افسوس ہے کہ اتنا بڑا باکمال اور ایک سطر بھی سیدھی نہیں لکھ سکتا، اعجاز خسروی اور خزائن الفتوح بے معنی صنعتوں، بیہام مرادفات، اور بیہودہ مبالغوں سے مملو ہیں، کچھ زمانہ کا رنگ کچھ زورِ قلم دکھانے کی امنگ، غرض سطروں کی سطریں پڑھ جاؤ مگر مطلب خاک نہیں۔"

اکبری دور کے نثاروں پر منگولی اور تیموری رنگ اس قدر گہرا چڑھا تھا کہ مبالغہ اور طوالت انکا شعار ہو گیا، اکبرنامہ، انشائے ابوالفضل، نجات الرشید کو پڑھنے سے ہمارے دعوی کی بخوبی تصدیق ہو سکتی ہے، اسی زمانہ میں دکن میں ظہوری کا طوطی بول رہا تھا مگر اس کی سہ نثر کا یہ عالم ہے کہ ایک سطر

مین دس نسخہ مین تو دس ہی رعائتین، اکبر کے حکم سے یا اس کے عہد مین جو کتابین لکھی جاتی تھین بد قسمتی سے بیشتر اسی انداز کی ہوتی تھین لیکن سولھوین صدی عیسوی کے آخر مین بعض دور بین اصحاب نے اس غلطی کو محسوس کیا، اور پرانی سنویت کو چھوڑ کر نئی راہ نکالی، اس طریقہ سے ایک حد تک طرز قدیم کی اصلاح ہو گئی، شیخ ابوالفضل نے آئین اکبری اور ملا عبد القادر البدایونی نے منتخب التواریخ تصنیف کی اور دوسرون کے لیے نیا میدان پیدا کیا، افسوس کا مقام ہے کہ اس اصلاح نے زیادہ عمر نہ پائی اور بعد کے مصنفین نے اوس سے فائدہ اٹھانا نہ چاہا،

اوپر ذکر کی ہوئی دونون کتابین اس امر مین ضرور متحد ہین کہ وہ طرز قدیم سے بغاوت کا نتیجہ ہین مگر حیرت ہے کہ دونون کا طرز تحریر آپس مین مختلف ہے، تاہم چند باتین جو دونون مین مشترک ہین حسب ذیل ہین،

ا۔ نئے طرز مین پیچیدہ انداز بیان کے بدلے سادہ اور صاف انداز برتا گیا ہے،

ب۔ رنگین اور لفاظانہ طرز تحریر ترک کر دیا گیا ہے،

ج۔ صنائع کا استعمال بہت کم ہے،

د۔ اصل واقعات کو متانت اور سلاست کیساتھ بیان کرنے پر توجہ کیجاتی ہے،

ہ۔ اختصار و ایجاز کو ترجیح دیگئی ہے،

و۔ واقعات کی تحلیل و تجزیہ کی کوشش کیگئی ہے،

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذیل کی سطور مین ان دونون کے متعلق علحدہ علحدہ مختصر بحث کرین،

آئین اکبری، ابو الفضل | ابو الفضل کی عام تصانیف کا وہی انداز ہے جو اس زمانہ کی دوسری کتابون مثلاً اوسکی انشا کو لو، مکاتبات ہون (ہر سہ دفتر) یا رقعات، لفاظی اور مبالغہ ہر ہر قدم پر نظر آتا ہے، انداز بیان پر شکوہ اور پر زور ضرور ہے، لیکن کثرت مرادفات سے جی اکتا جاتا ہے، رقعات[1] کا اسٹائل مکاتبات سے بھی

[1] ان رقعات مین لفاظی اور بناوٹ بکثرت ہے، ہو لائل عموماً گزر ہین اور منگولی عہد کی تصانیف کا انداز ہے بہت سے فقرے محاورہ کی ٹکسال سے خارج ہین جیسے او بودات خرد رفت، تا اوقات اوبجلہ، بیکے رادہ میگوید، علاوہ برین عدم خلوص اور بد باطنی کا رنگ بھی اکثر جھلکتا ہے، با این ہمہ ان مکاتیب مین سیاسی حکمتین اور علمی ہدایتین جو اس عہد کی ڈپلومیسی کا مرقع ہین قابل دید ہین،

کم درجہ کا ہے، خیالات کی قلت اور فقرات کی کثرت، مثلاً اتنا سا جملہ کہ آپ کا عنایت نامہ ملکر باعث مسرت ہوا، پھیلا کر پوری ستر سطرین سیاہ کی ہین، فرماتے ہین:-

منشور نامی گرامی کہ حرفے ازآن فرزدہ بود از امانی و آمال و ہر سطرے ازآن مجموعۂ فضل و کمال وطغرائے

آن دیباچۂ جاہ و جلال و نشان مہرآن شمسۂ سعادت و اقبال بل مہرے بود کہ مہر انور را از واقتباس

نور جلال حاصل است و بدر منیر قدر را پر تو جمال از و واصل .... الی آخر لغوات

اس کی دوسری مشہور تصنیف عیار دانش ہے، یہ سنسکرت کے قصۂ کلیلہ و دمنہ سے ماخوذ ہے۔

جس کا ترجمہ سب سے پہلے پہلوی زبان مین نوشیروان کے حکم سے ہوا تھا، پھر منصور کے ایما سے ابوالحسن بن مقفع نے عربی مین ترجمہ کیا، اور نصر بن احمد کے عہد مین اسے فارسی عبارت مین منتقل کیا گیا، بعد نصر اللہ ابو المعالی نے آسان کرنے کی غرض سے براہ راست عربی سے فارسی کیا، اور ایک زمانہ گذرنے کے بعد ملا حسین واعظ نے انوار سہیلی کے نام سے دوسرا جامہ پہنایا، اسی انوار سہیلی کو اکبر کی فرمائش سے ابو الفضل نے سلیس عبارت مین منتقل کیا اور عیار دانش سے موسوم کیا، عیار دانش کا انداز نہایت صاف سلیس اور عام فہم ہے، مضمون طویل ہو جائے گا ورنہ ہم نصر اللہ کی کتاب اور انوار سہیلی کے نمونہ دکھا کر ثابت کرتے کہ یہ عیار دانش کا اسٹائل کس قدر سادہ اور متین ہے، گو عیار دانش کا لٹریچر مین زیادہ بلند درجہ نہین، مگر کاش بعد والی نسلین اسکی تقلید کرتین تو فارسی کی قسمت کھل جاتی،

ابو الفضل کی تیسری مشہور تصنیف اکبر نامہ ہے جس کا ایک حصہ آئین اکبری ہے، اکبر نامہ عہد اکبری کی مفصل تاریخ ہے جس مین ہر شعبۂ سلطنت اور ہر صیغۂ ملک کی تفصیل درج ہے، اس سے زیادہ جامع اور صحیح کوئی تاریخ اکبر کے متعلق ہمین نہین ملتی، آئین اکبری کو چھوڑ کر باقی اکبر نامہ کا اسٹائل منگولی تصانیف (تاریخ وصاف وغیرہ) سے ملتا ہوا ہے، خیالات کا ہجوم، مترادفات کی کثرت، الفاظ کا شکوہ، انداز بیان کی روانی، جملہ ہائے معترضہ کی مداخلت، دلائل کا تسلسل، یہ اکبر نامہ کی خصوصیات ہین،

آخری جلدون مین بتدریج طرز مین اصلاح نظر آتی ہے یہان تک کہ آئین اکبری ایک بالکل نئی چیز معلوم ہوتی ہے،

آئین اکبری دراصل ابوالفضل کی شاہ کار تصنیف اور فارسی کی مایہ ناز کتاب ہے، سہ نثر ظہوری کے زمانہ مین ایسی کتاب کا پیدا ہونا پھر مکاتبات و رقعات کے مصنف کے قلم سے خارق عادت معلوم ہوتا ہے، لاریب کہ آئین اکبری کا طرز نہایت رفیع، پرشکوہ اور زبردست ہے اور آجتک کوئی اوسکی تقلید پر قادر نہین ہوا، خود ابوالفضل کا دعویٰ ہے کہ نثرے کم از نظم نوشتہ ام، اور بجا دعوٰی ہے، طغرا نے سچ کہا ہے کہ ابوالفضل نے اکبرنامہ کیا لکھا ہے، نظامی کے سکندرنامہ کو نثر کر دیا ہے آئین کی خصوصیات حسب ذیل ہین:-

۱- وہ اکبر کے عہد اور اس کی حکومت کی انسائیکلوپیڈیا ہے،

۲- مختصر جنچے تلے جملے اور بدیع ترکیبین اور خالص فارسی الفاظ بکثرت ہین،

۳- کلام مین زور، روانی، صنائع اور لفاظی سے احتراز ہر قدم پر نمایان ہے،

۴- کتاب حکیمانہ استدلال کے باوجود سادہ اور دلکش ہے،

یہ صحیح ہے کہ اس کے طرز مین یکسانی نہین، جو مقتضائے حالات اور اختلاف زمان و ضرورت کا نتیجہ ہے اور اس مین بھی کلام نہین کہ عدم خلوص اور تملق اوس کی عادت ثانیہ ہو گئی ہے، لیکن ان سب امور کے باوجود یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ہندوستان کے فارسی نثارون مین اس کا نظیر پیدا نہ ہو سکا

منتخب التواریخ للبدایونی | اس عہد کا دوسرا زبردست نثار البدایونی ہے، اوس کی اکثر تصانیف اسی پرانے اسٹائل کی صدائے بازگشت ہین جو اس سے پہلے فضائے ادب مین گونج رہا تھا، ان تصانیف مین لفاظی، اور صناعی کے بدنما نقش و نگار، دیکھنے والے کو بیک نظر محسوس ہو جاتے ہین، مثال کے طور پر چند سطور نجات الرشید سے نقل کرتا ہون،

روزے از روزہائے بہار وہنگام شگفتن ازہار کہ دماغ از نسیم سحری چون گل برگ تری و اندیشہ از افکار بہبود، روزگار فرسودہ بری بود ونقاش ربیع صد ہزار نقش بدیع برلوح نگاشتہ در منظر پاک جلوہ گری میکرد یکے از اصحاب رفعت و ارباب مکنت لایزال کاسمہ نظام الدین احمد کہ صورتش لطف مجسم و حقیر را رشتۂ اخلاص بادستحکم بود، طومارے داد،

اس تمام رام کہانی کا ماحصل یہ ہے "روزے از روزہائے بہار یکے از امرا نظام الدین احمد نامی کہ باین مالطف و اخلاص بود طومارے داد"،

البدایونی کی آخری کتاب منتخب التواریخ ضرور ادبی اور تاریخی دونوں حیثیتوں سے پایۂ رفیع رکھتی ہے ہمارے خیال مین اوسکی خصوصیات ذیل لائق اعتنا ہین:-

۱- مصنف نے ایک صحیح العقیدہ مسلمان کے نقطۂ خیال کی ترجمانی کی ہے تاہم حق گوئی کو ہرگز ہاتھ سے نہین دیا ہے جسکی تصدیق عیسائی پادریون کی تصنیف کردہ کتابون سے ہوتی ہے، "دیکھو ذکر انحراف مزاج اکبر بادشاہ از دین مبین"

۲- وہ اظہار حق مین لومۃ لائم کی پروا نہین کرتا، اور بڑے چھوٹے عالم وعامی کسیکی اچھائی یا برائی ظاہر کرنے مین باک نہین کرتا، وہ ایک بے لاگ مورخ کی شان سے اپنے زلات کو بھی بے تامل بیان کردیتا ہے، مثلاً

"چون آدمی زاد کہ شیر خام خوردہ بہ حسب سرشت مرکب از غفلت جبلی کہ موجب ندامت، وظلم وجہل اصلی کہ باعث جسارت وخسارت ست وبہ میراث از ابوالبشر بارسیدہ دیدۂ عقل راپوشیدہ وہوس راعشق نامیدہ" الی آخرہ،

۳- ملا نے فطرت انسانی کا عمیق مطالعہ کیا ہے، اوسکی تاریخ مین لڑائیون کی تفصیلات نہین مگر وہ اکبر اور اس کے درباریون کے کیرکٹر پر روشنی ڈالنے والے جزئیات جنسے دوسری تاریخین خاموش ہین

نمایان خوبی کے ساتھ بیان کرتا ہے،

۴۔ اس کی ظرافت اور طنز تیر و نشتر سے کم نہین، وہ اس خوبی سے حریفون پر چوٹ کرتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہجاتے ہین،

۵۔ اس کی طرز سادہ، موثر اور آورد ہے، کہین کہین عربی جملون اور قرآنی آیتون کی تضمین انگشتری پر نگینہ کا حکم رکھتی ہے،

۶۔ اس کو تاریخون کا ایسا مادہ ہے کہ تعریف نہین ہوسکتی، مثلاً فولاد بیگ کی بہادری کی تاریخ ... خنجر فولاد، اکبر کے ارادہ کی تاریخ "شہرنیت سدید" وغیرہ،

۷۔ جہان ملا دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کے انقلاب اور ابنائے زمان کی کجرائی کا ذکر کرتا ہے، کلام مین اس قدر درد اور سوز معلوم ہوتا ہے کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہین رہتا، ابو الفضل کے خوشامد آمیز بیان کے مقابلہ مین جو اکبر کی ہر ممکن حماقت کی بھی توجیہ کرنے سے نہین چوکتا، البدایونی کی تاریخ تنقید کا اعلیٰ معیار اور اخلاق کا زبردست پایہ قائم کرگئی ہے، اور جبتک تاریخ کے صفحات مین اکبر اعظم کا نام زندہ ہے، البدایونی کا کارنامہ بھی فراموش نہین ہوسکتا، تاریخی شان سے قطع نظر کرکے ادبی حیثیت سے بھی اسکی سلاست اور متانت اور کہین کہین مہذب ظرافت کو دیکھتے ہوئے اکبری دور مین اس کو اول نہین تو دوسرے درجہ پر رکھنا پڑے گا، کیا خوب ہوتا اگر آنے والی نسلین لفاظی اور رنگینی کے بجائے اس طرز کو اپنے لیے شمع راہ بنائین،

تلخیص و تبصرہ

عربون کی حکومت مین ڈپلومیسی

موجودہ دور حکومت مین حکومتون کے خارجی تعلقات اور خارجی مشکلات پر حاوی ہونے کی تدابیر کا نام "ڈپلومیسی" رکھا گیا ہے اور اس لفظ کی اسی تعریف کے ساتھ الہلال مصر بابتہ ماہ نومبر سنہ ۲۶ء مین "اسلام مین ڈپلومیسی" کے عنوان سے ایک مقالہ شائع ہوا ہے جس مین ان تعلقات کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا گیا ہے جو عربون نے اپنے دور حکومت مین دوسری حکومتون کے ساتھ قائم کئے تھے،

قدیم اسلامی حکومتون یعنی عہد نبوی، خلافت راشدہ اور دولت امویہ مین دوسری حکومتون سے بہت کم تعلقات پیدا ہوئے، اور اسلئے دوسری سلطنتون سے مراسلت و سفارت کی بہت کم نوبت آئی، عہد نبوی مین دوسری حکومتون سے جو تعلقات پیدا ہوئے ان مین زیادہ سے زیادہ وہ دعوت نامے پیش کیے جا سکتے ہین جو آپ نے مشرقی روما کے شہنشاہ ہرقل، کسری شاہ فارس اور شاہ غسان نصرانی کے پاس ارسال فرمائے،

عہد نبوی کے بعد خلافت راشدہ مین صرف وہ واقعات بیان کئے جا سکتے ہین جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت مین مصر و شام اور فارس کی فتوحات کے سلسلہ مین صلح اور معاہدے کی گفتگو مین پیش آئے،

دولت امویہ کے متعلق بھی مضمون نگار نے یہی لکھا ہے کہ اس کو بھی اس قسم کے تعلقات پیدا کرنے کی نوبت نہین آئی کیونکہ اس کے نوے سال کا دور حکومت مسلسل جنگ و جدال مین سے گذرا لیکن درحقیقت یہ صحیح نہین، عبد الملک کے قیصر روم کیساتھ سفارتی تعلقات قائم تھے،

دولت عباسیہ کا زمانہ آیا تو استحکام سلطنت کے بعد جب ہارون رشید مسند نشین خلافت ہوا تو اُسنے
[illegible]
[illegible]
باعث دولت عباسیہ کی مدمقابل اندلس کی اموی حکومت تھی، اور شارلمان کے لیے بھی اپنی مقابل سلطنت اندلس کی دولت امویہ کو نقصان پہنچانے اور اس کے حملون سے محفوظ رہنے کے لیے دولت عباسیہ سے تعلقات پیدا کرنا ناگزیر تھا، کیونکہ وہ یورپ مین اسلامی فوج کے سیلاب سے خوفزدہ ہو رہا تھا، اگرچہ تاریخی حیثیت سے پایۂ ثبوت کو نہین پہنچا کہ دولت عباسیہ نے شارلمان کو اندلس کی اموی حکومت کے خلاف برانگیختہ کرنا چاہا تھا، لیکن شارلمان کے شاعر خاص رولان کی بعض نظمون سے پتہ چلتا ہے کہ دولت عباسیہ سے تعلقات کے مستحکم ہونے کے بعد شارلمان اندلس کی حکومت امویہ پر حملہ آور ہوا، اور رونسفال تک اسکی فوجین بڑھ آئین، پھر معاہدۂ صلح کے ذریعہ سے اس جنگ کا اختتام ہوا، لیکن ان دونون حکومتون کے سیاسی تعلقات کبھی خوشگوار نہین ہو سکے،

ہارون رشید کے بعد مامون و معتصم کا دور آیا جنکے تعلقات شہنشاہ دولت بیزنطیہ سے ناخوشگوار رہے، اور اسلیے شہنشاہ بیزنطیہ نے ۸۳۶ء مطابق ۲۲۵ھ مین عبدالرحمن بن الحکم کے پاس بیش قیمت تحائف کے ساتھ ایک وفد بھیجا اور ان کو اپنا حلیف بنانے کی درخواست کی، اور اس کے ساتھ انھین مشرق کی آبائی حکومت پر قبضہ کرنے کی ترغیب دی، جس کے جواب مین امیر اندلس نے یحیی بن غزال کو بیش بہا تحائف کے ساتھ سفیر بنا کر بھیجا جو مشہور شاعر ہونے کے علاوہ اندلس کے اعیانِ دولت مین تھا، یحیی نے حکومتِ اندلس اور دولت بیزنطی کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم کرائے، اور دونون حکومتین ایک دوسرے کی حلیف بنگئین، لیکن حکومت بیزنطی نے دولت عباسیہ پر حملہ آور ہونے کی جو تحریک پیش کی اس مین وہ کامیاب نہ ہو سکی، کیونکہ عبدالرحمن الداخل نے قیامِ حکومت کیساتھ ہی اپنی یہ حکمت عملی متعین کر لی تھی کہ اندلس کی حکومت امویہ جزیرۂ اندلس کے باہر قدم نہ رکھیگی، اسلیے اس کے جانشینون نے اسکی

اس حکمت عملی سے سرمو تجاوز نہین کیا، اسلیے عبدالرحمن بن الحکم شاہ بیزنطی کی دعوت و ترغیب سے متاثر نہین ہوا اگرچہ بعد مین امیر الناصر کو اندلس کے جغرافی و دیگر حالات نے اس حکمت عملی کے ترک کرنے پر مجبور کیا، کیونکہ وہ بری و بحری لحاظ سے یورپ کی عیسائی حکومتون کا دروازہ تھا، اسلئے الناصر کو تجارتی و سیاسی حالات کی بنا پر یورپ کی بڑی بڑی عیسائی حکومتون سے تعلقات پیدا کرنے پڑے،

چنانچہ صفر ۳۳۶ھ مطابق ۹۴۷ء مین قسطنطین سابع شہنشاہ قسطنطنیہ نے بیش بہا تحائف کیساتھ ایک وفد الناصر کے پاس بھیجا جس کے ساتھ یونانی زبان مین شہنشاہ کا ایک مکتوب بھی تھا، الناصر نے کمال شیفتگی سے اس وفد کا شاندار استقبال کیا، اور ایک خاص دن متعین کرکے جشن منایا جسمین قاضی منذر بن سعید بلوطی الادیب جیسے خطبار نے خطبے دیئے،

پھر اس وفد کی روانگی کے بعد الناصر نے ہشام بن ہذیل کو سفیر بنا کر قسطنطنیہ بھیجا جو دو سال کے بعد واپس آیا، اور ان دونون حکومتون مین نہایت مستحکم تعلقات قائم ہوگئے،

پھر الناصر کی خدمت مین مختلف ممالک سے وفود آئے جنمین سے ایک وفد بطرس بن سلیمون شاہ بلغاریہ کا تھا صقالیہ کا شہنشاہ تھا، پھر دوسرا وفد شہنشاہ جرمن کا، اور ایک تیسرا وفد شاہ فرانس کا تھا اسی طرح وفود آتے رہے اور الناصر نے اسی شان و شوکت سے ان کا استقبال کیا اور ان وفود کے جواب مین اپنے وفود بھیجے، اس طریقہ سے تمام اجنبی حکومتون سے نہایت استوار تعلقات قائم ہوگئے

عربون کی ڈپلومیسی کا یہ منظر عام تھا، اسی طرح یورپ کی موجودہ ڈپلومیسی کے مثل عربون کی حکومت مین خفیہ ڈپلومیسی کا بھی وسیع محکمہ قائم تھا، چنانچہ ان داخلی سرّی مخبرون کے علاوہ جو ممالک محروسہ کے تمام شہرون اور قصبون مین پھیلے ہوئے تھے، سرّی مخبرون کا ایک بہت بڑا گروہ ایسا موجود تھا جو اجنبی حکومتون کے پایہ تخت اور دیگر شہرون مین پھیلا ہوا تھا، چنانچہ مہدی، رشید، مامون اور معتصم وغیرہ کے عہد مین بہت سے جاسوس قسطنطنیہ اور دوسرے شہرون مین خفیہ طریقے سے بھیجے

جاتے تھے، جوان ممالک کی جزوی سے جزوی خبرین دارالخلافہ مین پہنچاتے تھے، اوران جاسوسون مین تجار کے علاوہ ہرطبقہ کے لوگ ہوتے تھے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ نہایت حسین وجمیل خواتین بھی ان خدمات کو انجام دیتی تھین،

"ل"

ایک اور "نہر سویز" کا مسودہ

مسٹر دمیسٹر لوس بولجر نے ۱۸۹۶ء مین جنرل گارڈن کے سوانح حیات شایع کئے تھے، جس سے یورپ کی بہت سی حکمت عملیون اور سیاسی کوششون پر بھی روشنی پڑتی ہے، کیونکہ مسٹر بولجر جنرل گارڈن کے خاص دوستون مین تھے اوران سے سیاسی معاملات پر خط وکتابت کرتے رہتے تھے، مسٹر بولجر نے سوانح حیات کیساتھ ان خطوط کو بھی شائع کیا ہے جن سے بہت سے راز ہائے سربستہ کا پردہ چاک ہوتا ہے، المقتطف مصر کے مدیر نے ابھی حال مین اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس مین سے ایک خاص خط کا خلاصہ شائع کیا ہے جس سے مصر کے معاملات اور شام وعرب مین برطانوی ارادون کا پتہ چلتا ہے،

یہ خط جو اواخر ۱۸۸۳ء مین لکھا گیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ انگلستان اپنے مصارف سے ایک نہر حیفا سے بحیرۂ لوط تک اور پھر بحیرۂ لوط سے خلیج عقبہ تک نکالے، جو نہر سویز کے قائم مقام ہو، چنانچہ وہ اس کے متعلق لکھتے ہین:۔ مصر پر انگلستان کے اقتدار حاصل کرنے کے دو مقاصد ہین، ایک تو یہ کہ اس طریقہ سے مصر کا ۹۰ ملین پونڈ جو انگلستان پر قرض ہے وہ ادا ہو جائیگا، دوسرے نہر سویز پر کامل اقتدار قائم رہے گا، لیکن اس حکمت عملی سے برطانوی اور فرانسیسی تعلقات پر نہایت مضر اثرات پڑ رہے ہین اور صرف اسی مصر کی بنا پر ان دونون سلطنتون کے درمیان مشکلات کی ایک خلیج حائل ہوگئی ہے، جو برطانیہ کے مفاد کے سراسر خلاف ہے، اسلیے اس قضیہ کا طے کرنا ضروری ہے جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ سلطان ترکی سے ایک وسیع نہر کھودنے کا فرمان حاصل کیا جائے، جو

سبد گل، گذشتہ اشاعت مین مولانا سید اولاد حسین صاحب شاعر لکھنوی کا خصائص سید نا علی کے ترجمہ کے ذکر مین تعارف کیا جا چکا ہے، سبد گل انھین کی چند نظمون کا مجموعہ ہے جس مین غزلین نہین بلکہ مظاہر قدرت کی عکسی تصویرین ہین شروع مین ظفر نامۂ یعنی والی رام پور کے لیے قصیدہ دعا کے بعد ایک نظم "ہمارا وطن" بھی ہے جس مین مولانا نے ہندوستانیت پر فخر کیا ہے، ہندوستان کا ایک بڑا شاعر جسکی زبان مین سب سے زیادہ جادو ہے، وطن کی تعریف مین کہتا ہے، ع

جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے،

اس جادو کا اثر صرف شعراہی مٹا سکتے ہین، مولانا نے کتنا بہتر مذہبی جواب دیا ہے،

شمیم آسمانی سے مہکتا ہے چمن میرا | جو مہبط حضرت آدمؑ کا ہے وہ ہے وطن میرا

اور ہمارے ملک مین احمدؐ کا آیا خطبہ خوان پہلے

ہے نقش اولین ہندوستان نام محمدؐ کا | ہمارے گھر سے اٹھا ہے نشان نام محمدؐ کا

کاش ان شعرون مین جتنی مذہبیت ہے اتنا ہی جادو بھی ہوتا، بہرحال سبد گل کی نظمین مجموعی حیثیت سے قابل قدر ہین قیمت فی جلد ۲ پتہ سید ابن الحسین، رام پور اسٹیٹ، بازار ملا ظریف،

المؤید، مسلمان بچے، جو ابتدائی مدرسون مین تعلیم پاتے ہین، ان کی معلومات عامہ بہت محدود ہوا کرتی ہین بعض مکاتب چاہتے ہین کہ وہ اپنے یہان بچون کو درسی کتابون سے باہر کی عام باتین بھی بتائین مگر دشواری یہ ہے کہ اکثر مقامات پر ایسے اساتذہ نہین ملتے، جو اس کام کو انجام دیسکین، قدیم طرز تعلیم نے انکو ان باتون سے نامانوس رکھا ہے، خوشی کی بات ہے کہ حیدر آباد نے اسکی طرف بھی توجہ کی چنانچہ جناب ابوظفر مؤید الدین صاحب نے المؤید لکھکر بڑا کام انجام دیا، المؤید ۲۷۰، دینی اور ملکی سوال وجواب کا مجموعہ ہے ۱۹۷ سوال وجواب مذہبی ہین ملکی حالات کا تعلق زیادہ تر دکن سے ہے جب تک برٹش انڈیا کے اہل قلم المؤید کا نقش ثانی تیار نہ کرین، ادر صوبہ کے مکاتب بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین، ذہین اساتذہ اس کو

دیکھکر خود بھی سوالات پیدا کرلین گے، قیمت فی جلد ۱۲ر، پتہ:۔ دکان میر سجاد علی بازار عیسیٰ میان، حیدرآباد دکن روبروے تاج ہوٹل،

یادِ ایام، مولانا حکیم سید عبد الحیٔ صاحب مرحوم سابق ناظم ندوۃ العلماء نے احمد آباد گجرات مین ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر گجرات کی علمی تاریخ پر یادِ ایام کے عنوان سے جو مضمون پڑھا تھا، وہ کتابی شکل مین مدت ہوئی چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اس کو اب دوبارہ، مرحوم کے قابل فخر فرزند ڈاکٹر سید عبد العلی ندوی، بی ایس سی نے مرحوم کی سوانحعمری کے اضافہ کے ساتھ دوبارہ شائع کیا ہے، اس طرح اب اس رسالہ کا نقش ثانی، نقش اوّل سے بہتر ہو گیا ہے، قیمت ۸؎ منیجر شبلی بک ڈپو لکھنؤ،

تفسیر سورۂ کوثر، مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی کو علامہ ابن تیمیہ سے خاص شغف ہی، انھون نے اس سے پہلے ان کے متعدد رسالون کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، اسی سلسلہ مین قرآن مجید کی اس مختصر ترین سورہ کی یہ مختصر تفسیر ہے، اصل تفسیر کے ترجمہ کے ساتھ مترجم نے اس پر ایک طویل مقدمہ بھی لکھا ہے، مناسب تھا کہ اس مقدمہ مین ابن تیمیہ کے مرکزی تخیل سے آگے نہ بڑھا جاتا، قیمت ۴ر

پتہ:۔ نمبر ۴۳- شیرانوالا دروازہ لاہور،

فلسفۃ الحق، مصنفہ جناب محمد صدیق صاحب ایم اے، اس کتاب کو فلسفۃ الحق کہنے کے بجائے فلسفۂ انا الحق کہنا چاہیئے، کتاب ۱۱ ابواب پر منقسم ہے، پہلے باب مین منکرین خدا کے دلائل کا رد کیا گیا ہے، پھر قائلین خدا کو دو گروہون مین تقسیم کیا ہے، دوسرے باب مین خدا کو دلیل سے ماننے والون کی تردید کی ہی، تیسرے باب مین وجدان یا نور قلب سے خدا کے ماننے والون کی تائید کی ہی، پھر اور ابواب مین ثابت کیا ہے کہ خدا لامعلوم نہین، خدا کا شعور کیا جا سکتا ہے، اور وحدت وجود اور وحدت شہود کے مسائل کی توضیح کی ہی اور معرفت الٰہی کے طریقے بتائے گئے ہین، لکھائی چھپائی معمولی ہے، کاغذ اوسط درجہ کا ہے، قیمت ؟

پتہ:۔ مطبع حمایت دکن کوچہ نانا میان، زرد نسی حیدرآباد دکن، "ج"